بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ھٰذا بیانٌ للنّاس وھدًی وّموعظۃٌ للمتقین ۝

تفسیر قادری

الموسوم بہ اسم تاریخی

تفسیر کشف القلوب

۱۳۱۹ھ

(از)

امام المفسرین حافظ کلام مبین ابوالوفا حضرت سید الشیوخ مولٰنا سید شاہ محمد عمر حسینی قادری خلیق رحمۃ اللہ علیہ

تکملہ

از

مرشدنا ومولٰنا حضرت سید محمد پادشاہ حسینی قادری لئیق رحمۃ اللہ علیہ

حصہ دوم   جلد چھارم

[۶۷] ملک   [۷۷] مرسلات

تفسیر قادری کی ویب سائیٹ

www.ata-e-habeeb.org

تفسیرِ قادری حصہ اول جلد پنجم کے ساتھ فہرست معجم (ضمنی عنوانات)
منسلک ہے جو سید غوث محی الدین حسینی صاحب قادری نصؔر الحق کی مرتبہ ہے
اس فہرست کی مدد سے کسی معین و مخصوص مضمون کے مباحث کی فہرست جو مختلف مقامات پر
پھیلے ہوئے ہیں ایک ہی جگہ دیکھی جاسکتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیرِ قادری (تفسیر کشف القلوب)

حصہ اول کے مؤلف : سید الشیوخ سید محمد عمر حسینی قادری خلیقؔ رحمۃ اللہ علیہ

والد کا اسمِ شریف : مولانا مولوی میر پرورش علی رفعت پناہ قدس سرہ

المعروف سید محمد پادشاہ حسینی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

سن ولادت و وفات : ۱۲۸۲ھ ۱۳۳۰ھ

مقامِ ولادت وفات : حیدرآباد دکن

دیگر تصانیف : فرائض قادری، (منظوم جس میں چاروں مذاہب کے وراثت کے مسائل جمع ہیں۔ رہبرِ طریقت، مصطلحاتِ تصوف، صحیفۂ معرف، تحفہ فاروقیہ وغیرہ وغیرہ۔ پٹنہ کے رسالہ تحفہ حنیفہ میں بھی اکثر آپ کے مسلسل مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔ جن میں بعض مشاہیر کی کتابوں کے ترجمہ بھی شامل ہیں۔کلامِ خلیقؔ کے نام سے آپ کا مختصر کلام بھی شائع ہوا ہے۔

حصہ دوم اور حصہ سوم کے مؤلف:

شیخ الاسلام مولانا مولوی سید محمد پادشاہ حسینی لئیقؔ رحمۃ اللہ علیہ

والد کا اسم شریف : سید الشیوخ سید محمد عمر حسینی قادری خلیقؔ رحمۃ اللہ علیہ

سن ولادت وفات : ۱۳۱۷ھ ۱۳۸۴ھ

مقام ولادت ووفات : حیدرآباد۔

دیگر تصانیف : تصریفِ قادری، جس میں عربی کے مصادر اوران کا اُردو اور فارسی میں ترجمہ ہے۔ ماثورہ دعاؤوں کی کئی کتابیں، ماہنامہ نور، ماہنامہ خلیق اور مختلف روزناموں میں بھی آپ کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔کلامِ لئیقؔ کے نام سے آپ کا کلام بھی شائع ہوا ہے۔صدر مجلس علماءِ دکن کے معتمد کی حیثیت سے آپ کے خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔

دیگر تفصیلات حصہ اول جلد اول میں مختصر تعارف میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیرِ قادری الموسوم تفسیرِ کشف القلوب (۱۳۱۹ھ)

پہلا حصہ	۱۷۔سورہ بنی اسرائیل تا ۴۸۔سورہ فتح ۱ تا ۲۰۲۵	از سید الشیوخ سید محمد عمر حسینی القادری خلیق رحمۃ اللہ علیہ
دوسرا حصہ تیسرا حصہ	۴۹۔سورہ حجرات تا ۱۱۴۔سورہ ناس ۱۔سورہ فاتحہ تا ۲ سورہ بقرہ (صرف ابتدائی [۳۶] آیتیں)	شیخ الاسلام سید محمد بادشاہ حسینی القادری لئیق رحمۃ اللہ علیہ

۱ پہلا حصہ جلد اوّل
۱۷۔سورہ بنی اسرائیل
تا ۱۹۔سورہ کہف
۱ تا ۴۳۴

۲ پہلا حصہ جلد دوم
۲۰۔سورہ مریم
تا ۲۲ سورہ حج
۴۳۵ تا ۷۷۲

۳ پہلا حصہ جلد سوم
۲۳۔سورہ مؤمنون
تا ۲۷۔سورہ نمل
۷۷۳ تا ۱۲۰۸

۴ پہلا حصہ جلد چہارم
۲۸۔سورہ قصص
تا ۳۵۔سورہ فاطر
۱۲۰۹ تا ۱۶۲۲

۵ پہلا حصہ جلد پنجم
۳۶۔سورہ یس
تا ۴۸۔سورہ فتح
۱۶۲۳ تا ۲۰۲۵

۶ دوسرا حصہ جلد اول
۴۹۔سورہ حجرات
تا ۵۳۔سورہ نجم
۱ تا ۷۰۱

۷ دوسرا حصہ جلد دوم
۵۴۔سورہ قمر
تا ۵۷۔سورہ حدید
۷۰۲ تا ۱۳۳۶

۸ دوسرا حصہ جلد سوم
۵۸۔سورہ مجادلہ
تا ۶۶۔سورہ تحریم
۱۳۳۷ تا ۱۹۱۱

۹ دوسرا حصہ جلد چہارم
۶۷۔سورہ ملک
تا ۷۷۔مرسلات
۱۹۱۲ تا ۲۶۱۸

۱۰ دوسرا حصہ جلد پنجم
۷۸۔سورہ نبا
تا ۹۲۔سورہ لیل
۲۶۱۹ تا ۳۲۲۸

۱۱ دوسرا حصہ جلد ششم
۹۳۔سورہ ضحیٰ
تا ۱۰۴۔سورہ ھمزہ
۲۶۱۹ تا ۳۷۰۴

۱۲ دوسرا حصہ جلد ہفتم
۱۰۵۔سورہ فیل
تا ۱۱۴۔سورہ ناس
۳۷۰۵ تا ۴۱۱۰

۱۳ تیسرا حصہ
۱۔سورہ فاتحہ تا
۲۔سورہ بقرہ [۳۶]
آیتیں ۱ تا ۴۱۶

اس طرح یہ تفسیر (۱۵) ویں پارہ سے آخر سورہ ناس تک جملہ (۱۳) جلدوں میں سولہ پارہ + سورہ فاتحہ + سورہ بقرہ کی ۳۶ آیتوں پر مشتمل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سنہ ۱۳۱۹ھ

تفسیر قادری

الموسوم بہ اسم تاریخی **تفسیر کشف القلوب**

کتاب :- حصّہ دوم جلد چھارم

تفسیر سورۃ [۶۷] ملک تا سورۃ [۷۷] مرسلات

پارہ ... پارہ

تصنیف :-

(۱) حصّہ اول :- سورۃ بنی اسرائیل تا سورۃ الفتح

پارہ ۱۵ تا پارہ ۲۶ تین جلدوں میں

از السید الشیوخ حافظ سید محمد عمر حسینی قادری خلیق قدس سرہٗ العزیز

(سنہ ۱۲۸۲ھ سنہ ۱۳۳۰ھ)

(۲) اور حصّہ دوم سورۃ الحجرات تا سورۃ الناس سات جلدوں میں

(۳) حصّہ سوم سورۃ الفاتحہ و سورۃ البقرہ ایک جلد

(صرف ابتدائی ۳۶ آیتیں)

تکملہ از شیخ الاسلام سید محمد بادشاہ حسینی لیئق رحمۃ اللہ علیہ (سنہ ۱۳۱۷ھ - سنہ ۱۳۸۴ھ)

سالِ اشاعت :- حصّہ اول - سنہ ۱۳۱۹ھ سے سنہ ۱۳۳۰ھ تک (سنہ ۱۹۰۰ء تا سنہ ۱۹۱۱ء)

(ماہانہ پرچوں کی شکل میں ہر ماہ دو جز یعنی (۳۲) صفحات)

حصّہ دوم و حصّہ سوم - سنہ ۱۳۷۲ھ تا سنہ ۱۳۸۴ھ (سنہ ۱۹۵۲ء تا سنہ ۱۹۶۴ء)

مولانا حبیب محمد عمر حسینی قادری مدظلہ العالی کے حکم سے مولوی سید علی حسینی علی مرحوم و مغفور کے فرزند سید غوث محی الدین حسینی نصر الحق نے

فہرست مضامین میں آیتوں اور سورتوں کے نمبروں کے اضافہ کیساتھ ماہانہ پرچوں کو ایک جگہ کرکے اسے کتابی شکل دی۔ جو پرچے دستیاب نہ ہوسکے ان کی زیراکس کاپیاں حاصل کرلی گئیں ہیں۔

نوٹ:۔ **تفسیر قادری** اور الشیوخ قدس سرہٗ العزیز کی دوسری کتابوں کے متعلق تفصیلات سید غوث محی الدین حسینی نصر الحق سے حاصل کی جاسکتی ہیں

پتہ

مکان نمبر :19-3-1086/1

بند گلی روبرو فلک نما بس ڈپو،

انجن باولی، فلک نما، حیدرآباد 56۔

فون : 24460038

سل : 9490748463

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین ۔ نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ النبی الکریم وعلیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین ۔

★

الحمد للہ تفسیر قادری کے ماہانہ پرچوں کو ایک جگہ کرکے اسے کتابی شکل دی گئی ہے تاکہ اسکے نسخے مختلف کتب خانوں اور ریسیرچ سنٹرس میں عام استفادہ کیلئے رکھوادیئے جاسکے ۔

تفسیر قادری تین حصّوں میں ہے ۔

پہلا حصّہ :۔ سورۃ بنی اسرائیل (۱۵ واں پارہ) تا سورۃ الفتح (۲۶ واں پارہ)

دوسرا حصّہ :۔ سورۃ الحجرات (۲۶ واں پارہ) تا سورۃ الناس (۳۰ واں پارہ)

تیسرا حصّہ :۔ سورۃ الفاتحہ و سورۃ البقرۃ (صرف ابتدائی ۳۶ آیاتِ کریمہ)

حضرت سید الشیوخ حافظ کلام مبین ابوالوفا سید محمد عمر حسینی قادری الملتانی قدس سرہ العزیز نے ۱۳۱۹ھ میں سورہ بنی اسرائیل سے تفسیر قادری کی اشاعت کا سلسلہ شروع فرمایا ۔ اس تفسیر کا تاریخی نام " تفسیر کشف القلوب " ہے آپ ہر نمازِ جمعہ کے بعد مکہ مسجد میں تفسیر بیان فرمایا کرتے تھے ۔ آپ کی تفسیر سے ہزاروں افراد ظاہری و باطنی فیض پاتے رہے ۔ ساتھ ہی شائقین نے تفسیر کی اشاعت کا تقاضہ بھی شروع کردیا ۔ اس وقت تک چودہ پاروں کی تفسیر تقریباً مکمل ہوچکی تھی ۔ اور پندرہواں پارہ شروع ہونے والا تھا ۔ چنانچہ اسی سے اشاعت کا سلسلہ بھی شروع کردیا گیا ۔ اسطرح تفسیر قادری ہر ماہ (۲۲) صفحات پر شائع ہوتی رہی یہاں تک کہ یہ سلسلہ ۱۳۳۰ھ میں حضرت سید الشیوخ (رحمۃ اللہ علیہ) کے انتقال کی وجہ سے سورۃ فتح کی تفسیر تک پہنچکر رک گیا ۔

سیدیؒ نے ۱۳۲۴ھ میں تفسیر قادری کا مقدمہ تحریر فرمایا جو بجائے خود ایک مستقل رسالہ ہے جسمیں اُن اصولوں کا ذکر ہے جو جنکا خیال ایک مفسر کو رکھنا ہے ۔ جن کتابوں اور تفسیروں سے استفادہ کیا گیا ہے انکا اور انکے مصنفین کا بھی ذکر ہے ۔ اور بہت سی مفید باتیں ہیں جنکا جاننا ہر ایسے شخص کیلئے ضروری ہے جو قرآنِ کریم

سے ظاہری و باطنی فیض پانے کا متمنی ہو۔

اہمیت کے پیشِ نظر مقدمہ کی کاپیاں دوسرے حصہ کیساتھ بھی مسلک کردی گئی ہیں

سید الشیوخ رح کے انتقال کے بعد آپکے صاحبزادے اور جانشین شیخ الاسلام مولانا سید محمد بادشاہ حسینی نُعیق قدس سرہ العزیز نے مکہ مسجد میں تفسیر کے سلسلے کو جاری رکھا لیکن تفسیر کی اشاعت چاہنے کے باوجود ایک طویل عرصے تک ممکن نہ ہوسکی۔ ۱۳۷۲ھ میں تقریباً اکتالیس سال بعد آپنے سورۃ فتح کی دوبارہ اشاعت سے اس مقدس کام کی دوبارہ ابتداء کی اور سورۃ الحجرات سے سورۃ الناس تفسیر کی تکمیل فرمائی۔

اس کے بعد شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے پہلے پارہ سے چودہ پاروں تک تفسیر کی تکمیل کا ارادہ فرمایا تھا لیکن آپنے ابھی سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ البقرہ کی ابتدائی (۳۶) آیتوں ہی کی تفسیر فرمائی تھی کہ ۱۳۸۴ھ میں آپکے انتقال سے یہ سلسلہ بھی یہیں رک گیا۔ کیا عجب ہے کہ حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے حضرتؒ ہی کے اہلِ خاندان میں اسی نہج پر اس اہم کام کی تکمیل فرمائیں۔ اور اس تشنگی کو کم کریں۔

یہاں اس بات کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فہرست مضامین کو ایک جگہ کرتے ہوئے اسمیں سورتوں اور آیاتِ کریمہ کے نمبروں کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ یہ اضافہ محض اسلئے کیا گیا ہے دورانِ تلاوت یا پھر کسی اور وقت کسی آیت کی تفسیر دیکھنے کا خیال ہو تو اسے فوری آیت کے نمبر کے حوالے سے نکال لیا جاسکے۔

فہرستِ مضامین کے ساتھ فہرست معجم بھی تیار کرلی گئی ہے۔ جسپر نظرِ ثانی ہونی ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ اس کی کاپیاں بعد میں سورۃ الفتح اور سورۃ الناس کے بعد منسلک کردی جائینگی۔ سہولت کیلئے تفسیر قادری کی حسبِ ذیل جلدیں تیار کی گئی ہیں۔ جو پرچے نہیں مل سکے اُن کی زیراکس کاپیاں لگادی گئیں ہیں تاکہ سٹ مکمل ہو۔

پہلا حصہ جلد اوّل } مقدمہ تفسیر قادری   تفسیر سورۃ بنی اسرائیل (۱۵ واں پارہ) تا سورۃ الحج (۱۷ واں پارہ)

جلد دوم :- تفسیر سورۃ المومنون (۱۸ واں پارہ) تا سورۃ الفاطر (۲۲ واں پارہ)

جلد سوم :- تفسیر سورۃ یٰسٓ (۲۲ واں پارہ) تا سورۃ فتح (۲۶ واں پارہ)

دوسرا حصہ جلد اوّل } تفسیر سورۃ الحجرات (۲۶ واں پارہ) تا سورۃ النجم (۲۷ واں پارہ)

جلد دوم تفسیر سورۃ القمر تا سورۃ الحدید
(۲۷ واں پارہ)
جلد سوم تفسیر سورۃ مجادلہ تا سورۃ تحریم
(۲۸ واں پارہ مکمل)
جلد چہارم :- تفسیر سورہ ملک تا سورہ المرسلات
(۲۹ واں پارہ مکمل)
جلد پنجم :- تفسیر سورہ نباء تا سورۃ اللیل
(۳۰ واں پارہ)
جلد ششم :- تفسیر سورۃ الضحیٰ تا سورۃ الھمزہ
(۳۰ واں پارہ)
جلد ہفتم :- تفسیر سورۃ تا سورۃ الناس
(۳۰ واں پارہ)
تیسرا حصہ :- مقدمہ، تفسیر سورۃ فاتحہ، سورہ البقر کی ابتدائی (۳۶) آیتوں کی تفسیر

تاریخ ۲ / محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
۳ / جولائی ۱۹۹۲ء
بروز جمعہ

حق تعالیٰ ان تمام حضرات کو جنہوں نے اس سلسلے میں کوشش کیں ہیں جزائے خیر عطاء فرمائیں اور خوش رکھیں۔
میری خاص دعائیں برادر طریقی مولوی سید علی حسینی مرحوم و مغفور کے فرزند سید غوث محی الدین حسینی نصر الحق سلمہ کے لئے ہیں۔ حق تعالیٰ انہیں ہمیشہ خوش رکھیں اور اُن کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب امت کیلئے کام کرنے کی توفیق عطاء فرمائیں! اسے قبول کریں۔
آمین

والحمد للہ رب العالمین

مولانا
حبیب محمد عمر حسینی قادری
مدظلہ العالی

قادری چمن، حیدرآباد

کلامِ صوفیہ

کلام صوفیہ جو قرآن میں ہے۔ وہ اشارات اُن باریکیوں کے طرف ہیں جو سالکوں کیلئے کشف ہوتے ہیں اور ظاہر معنی سے اسکی تطبیق ممکن ہوتی ہے اور یہ کمالِ ایمان اور محض عرفان ہے۔ اور جو شخص یہ اعتقاد کرے کہ ظاہر معنی ہرگز نہیں اور صاف باطنی معنی ہی مقصود ہیں تو یہ اُن ملحدوں کا اعتقاد ہے۔ جو شریعت کی بالکل نفی کرتے ہیں۔ صوفیۂ کرام کا ہرگز یہ اعتقاد نہیں بلکہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ احکام تفسیر ظاہر کو حاصل کر کے اسرارِ قرآنی سمجھنے کی کوشش کرے۔ ورنہ بغیر دروازے میں داخل ہوئے گھر کے اندر پہونچنا ممکن نہیں۔

مقدمہ تفسیر قادری صـ۱۱، صـ۱۲

تفسیر اور تاویل میں فرق

تفسیر و تاویل میں جو فرق ہے اسمیں اختلاف ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا کہ دونوں کے ایک ہی معنے ہیں۔ اور ماتریدی نے فرمایا کہ تفسیر قطعی طور سے ظاہر کرنا ہے۔ کہ اللہ کی مراد یہی ہے۔ اور تاویل احتمالات میں سے کسی ایک احتمال کو غیر قطعی طور پر ترجیح دینا ہے۔ اور بعض نے کہا کہ جو روایت کے متعلق ہو وہ تفسیر ہے۔ اور جو روایت کے متعلق ہو وہ تاویل ہے۔ اور بعض نے اس کے سوا کچھ اور کہا۔ لیکن اب عرف میں تاویل اس اشارۂ قدسیہ اور معارفِ سبحانیہ کو کہتے ہیں کہ جو سالکین کیلئے پردہ عبارات سے منکشف ہو اور قلوبِ عارفین پر ابرِ غیب سے باراں ہو۔ اور تفسیر اس کے سوائے ہے۔

مقدمہ تفسیر قادری صـ۱۳

اہلبیت اور صحابہ رضی اللہ عنہم

اگر اہل بیت نجات کی کشتی ہیں تو صحابہ آسمانِ ہدایت کے تارے ہیں۔ جیسے بحر سلوک سے پار ہونا ہو تو اس کشتی میں سوار ہو کر اُن تاروں سے راہ کی معرفت حاصل کر کے ساحل مقصود تک پہنچ جائے۔ کشتی بغیر تاروں کے اور تارے بے کشتی کے نافع نہیں اگر اس راہ کو جلد طئے کرنا منظور ہو تو پیران کبار و اولیائے عظام کی توجہ بھی ضرور ہے۔

مور مسکیں ہو د انشت کہ در کعبہ رسد ؎ دست در پای کبوتر زد و ناگاہ رسید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیرِ قادری المعروف تفسیرِ کشف القلوب ۱۳۱۹ھ

تفسیر[۶۷]سورہ ملک تا [۷۷]سورہ مرسلات

از شیخ الاسلام مولانا مولوی سید محمد پادشاہ حسینی قادری لئیقؔ رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۱۷-۱۳۸۴ھ

[۶۷]سورہ ملک[مکی]

آیات [۳۰] رکوع [۲]

آیات[۵۲] رکوع [۲]

[۷۵] سورۃ قیامۃ

[مکی] آیتیں [۴۰] رکوع [۲]

[۷۷]سورہ والمرسلات[مکی]

پیرومرشد مولانا حبیب محمد عمر حسینی قادری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد فرمانے پر سید غوث محی الدین حسینی نصر الحق نے یہ فہرست تیار کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے اور اس کے ساتھ اس کام میں شریک رہنے والوں کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ میں اور اپنے کلام کی برکت سے جزاءِ خیر عطا فرمائے اور اُن کی دین و دنیا کی مشکلوں کو حل فرمائے۔ آمین

پیر کے ساتھ رہا خدمتِ قرآں میں شریک
خادمِ خادمِ قرآن ہوا نصرالحق

اظہارِ تشکر

روز افزوں ہوں مدارج اور تیرا مرتبہ حق تعالیٰ دے تجھے اس امر کا بہتر صلہ
جس کو جو دینا تھا دے کر تو نے اپنے نصر کو ہاتھ میں تفسیر دے کر ساتھ اپنے کرلیا

الحمد لله ربّ العالمين

67 Mulk Makky Aayaath 30

سورۂ مُلک

مکیہ ہے۔ اس میں تیس آیتیں ہیں

ماقبل سے ربط و مناسبت سورہ طلاق کے آخر میں سبع سماوات کا بیان ہوا تھا اس سورت شریفہ میں بھی ابتدائی آیات میں اس کا بیان آرہا ہے۔ ان دونوں کے درمیان سورہ تحریم جو گزرا وہ سورہ طلاق ہی کا تتمہ و تکملہ تھا۔ اس اعتبار سے وجہ مناسبت سورہ طلاق اور سورہ ملک میں ظاہر ہے۔ نیز سورہ تحریم کے آخر میں دو غیر مسلم عورتوں کا بیان ہوا تھا جن کو دوزخ میں ڈال دیے جانے کا فیصلہ ہوا۔ نیز دو مسلمان عورتوں کا بیان ہوا جن کے داخل جنت ہونے کی بشارت سنائی گئی تھی اب سورہ ملک کی ابتدا میں اللہ سبحانہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان آرہا ہے جو اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے حکم کو خواہ وہ کسی کے عذاب و سزا سے متعلق ہو یا کسی کو نعمت اور اچھی جزا دی جانے کی بابتہ ہو اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ ہو کر رہے گا۔

اس سورت شریفہ کے اسماء سورت ملک کے اور بھی اسماء ہیں مثلاً مانعہ (عذاب سے روکنے والی سورت) منجیہ (نجات دلانے والی) مجادلہ (بحث کرنیوالی) وغیرہ کسی کے ایک سے زیادہ نام اس کے شرف وفضیلت کی علامت ہے۔ سورہ ملک کے یہ نام کس بنا پر ہیں اس کا بیان آگے آئے گا۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ان سورة من كتاب الله ماهى الاثلاثون آية شفعت لرجل حتى غفر له تبارك الذى بيده الملك۔ (امام احمدؒ، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن الضریس، حاکم بروایت صحیحہ، ابن مردویہ، بیہقی) اللہ سبحانہ کی کتاب میں ایک سورت ہے جس کی صرف تیس ہی آیتیں ہیں۔ اس سورت شریفہ نے ایک شخص کی سفارش کی (اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رکھا) تاآنکہ اس کی مغفرت ہو چکی۔ وہ تبارک الذی بیدہ الملک ہے۔" **فقیر** عرض کرتا ہے اس بنا پر اس سورت شریفہ کو شافعہ بھی کہا جا سکتا ہے یعنی سفارش کرنے والی سورت۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ سورة فى القرآن خاصمت عن صاحبها حتى ادخلته الجنة۔ (طبرانی)

ابن مردویہ، ضیاء مقدسی) قرآن کریم میں ایک سورت ہے جس نے اس سورت کو ساتھ رکھنے والے کی طرف سے بحث کی تا آں کہ اس کو جنت میں داخل کرا دیا۔ وہ یہی سورت ہے۔"

سورۂ ملک سے عذاب قبر نہیں ہوتا | حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ـــــ

ضرب بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قناۃ علی قبرہ ھو لا یحسب انہ قبر فاذا ھو بانسان یقرأ سورۃ الملک حتی ختمھا فاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھی المانعۃ ھی المنجیۃ تنجیہ من عذاب القبر۔ (ترمذی، حاکم ابن مردویہ، ابن نصر، بیہقی) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی نے ایک قبر پر اپنا خیمہ نصب کر دیا ان کو معلوم نہ تھا کہ وہاں کوئی قبر ہے اتنے میں قبر سے ایک شخص کو سورۂ ملک کی تلاوت کرتا ہوا پایا تا آں کہ اس نے یہ سورت ختم کر دی تو وہ صحابیؓ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کی اطلاع دی۔ اس پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سورت مانعہ ہے (عذاب کو روکنے والی) نیز وہ منجیہ ہے جو اس کو عذاب قبر سے نجات دلانے والی ثابت ہوئی ہے۔"

قوم سے خطاب فقیر عرض کرتا ہے کہ قبور کو مٹی کی ڈھیر، اور اہل قبور کو جماد محض خیال کرنے والے اس حدیث شریف پر غور کریں، ترمذی شریف کی حدیث ہے جس کا شمار صحاح ستہ میں ہے۔ جو صحابی بزرگ اس میں دفن تھے وہ سورۂ ملک کی تلاوت کرتے ہوئے پائے گئے۔ پوری سورت قبر میں سے سنائی دی یہ سننے والے صحابی کا حال بھی قابل رشک ہے جن کو کشف قبور حاصل تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ نہ اس پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی تعجب ہوا اور نہ راوی حدیث حضرت ابن عباس رضی کو۔ اور تعجب ہوتا کیسے کہ عالم برزخ بھی ایک مستقل عالم ہے وہاں بھی کاروبار جاری ہیں مگر وہاں کی شان کے مطابق۔

سورۂ ملک کی تعلیم کی ترغیب حضرت ابن عباس رضی نے اپنے ایک شاگرد سے فرمایا:۔ الا اتحفك بحديث تفرح به قال بلیٰ قال اقرأ تبارك الذی بيده الملك وعلمها اهلك وجميع ولدك وصبيان بيتك وجيرانك فانها المنجية والمجادلة يوم القيامة عند ربها لقارئها وتطلب ان تنجيه من عذاب النار وينجو بها صاحبها من عذاب القبر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لوددت انها فی قلب كل انسان من امتی۔ (عبد بن حمید، طبرانی، حاکم، ابن مردویہ) کیا میں تمھیں ایک حدیث شریف کا تحفہ نہ دوں،

جس سے تم خوش رہو؟ اس نے عرض کیا کیوں نہیں ضرور دیجئے تو فرمایا کہ تم تبارک
الذی بیدہ الملک پڑھا کرو۔ اور اپنی بی بی کو اس کی تعلیم دو اور اپنے تمام بچوں کو
سکھادو نیز اپنے گھر کے سارے بچوں کو پڑھادو اور اپنے پڑوسیوں کو بھی بتادو یہ سورت
نجات دلانے والی ہے اور قیامت کے دن اپنے پروردگار کے پاس اس کے پڑھنے
والے کی طرف سے بحث کرنے والی ہے اور اس کے لئے دوزخ کے عذاب سے نجات
دلانے کا مطالبہ کرنے والی سورت ہے۔ جس کی بدولت اس سورت شریفہ والا
قبر کے عذاب سے نجات پائے گا۔ یہ بھی فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں تو یہ محبوب رکھتا ہوں کہ یہ سورت شریفہ میری
امت کے ہر شخص کے دل میں ہوتی۔"

سورۂ ملک ہر رات پڑھا کرو

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔

کنا نسمیھا فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المانعۃ تمنع من
عذاب القبر وھی فی التوراۃ سورۃ الملک من قرأھا فی لیلۃ فقد اکثر
واطیب۔ (ابن الضریس، طبرانی، حاکم بروایت صحیحہ، بیہقی) انسان قبر میں اتارا جاتا
ہے تو (ملائکہ عذاب) اس کے پاؤں کی طرف سے آتے ہیں اس وقت اس کے پاؤں
کہتے ہیں کہ تم کو اس سمت سے یہاں آنے کی کوئی راہ نہیں ہے کیونکہ یہ شخص (اپنی نماز) میں

ہم پر کھڑا رہ کر سورۂ ملک پڑھا کرتا تھا۔ پھر وہ سینے کی طرف سے آنا چاہیں گے تو اوس کا سینہ کہے گا اس سمت سے تمھارے لئے کوئی راہ نہیں کیونکہ اس شخص نے سورۂ ملک کو مجھ میں یعنی اپنے سینے میں محفوظ کیا تھا۔ پھر وہ اس کے سر کی طرف سے آنا چاہیں گے تو وہ کہے گا کہ ادھر سے بھی آپ کے لئے راستہ نہیں مل سکتا کیونکہ یہ شخص سورۂ ملک پڑھا کرتا تھا۔ بہرحال یہ سورت شریفہ عذاب قبر سے مانع ہوگی اس کا نام "مانعہ" ہے۔ اور توریت شریف میں اس کا نام "سورۂ ملک" ہے (گویا یہ سورت شریفہ قرآن کریم میں توریت شریف سے منتقل ہوکر آئی ہے۔) جس کسی نے رات کو یہ سورت شریفہ پڑھ لی اس نے بہت کچھ پڑھا اور بہت اچھا وظیفہ پڑھا۔"

سورۂ ملک کی تلاوت رات میں روزانہ

ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رض فرماتی ہیں:۔

انّ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یقرأ الٓمّٓ تنزیل السجدۃ و تبارک الذی بیدہ الملک کل لیلۃ لا یدعھا فی سفر و لا حضر۔ (ابن مردویہ) حضرت نبی اکرم صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم سورۂ سجدہ الٓمّٓ تنزیل اور تبارک الذی بیدہ الملک ہر رات تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ نہ تو اس کی تلاوت کسی سفر میں آپؐ نے ترک فرمائی اور نہ کبھی حضر میں"

یعنی آپ اپنے وطن شریف میں مقیم رہیں یا کسی سفر میں ہوں ہر حالت میں اس کی تلاوت رات کو فرماتے تھے۔

سورۂ ملک کی قرأت نماز فجر میں

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔ کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقرأ فی صلاۃ الجمعۃ بسورۃ الجمعۃ وسبح اسم ربک الاعلی وفی صلاۃ الصبح یوم الجمعۃ الم تنزیل وتبارک الذی بیدہ الملک۔ (عبدالرزاق) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز جمعہ میں "سورۂ جمعہ" اور "سبح اسم ربک الاعلیٰ" اور جمعہ کے دن نماز فجر میں "الم تنزیل" اور "تبارک الذی بیدہ الملک" تلاوت فرمایا کرتے تھے"۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ ایسا عمل اکثر اوقات میں ہوا کرتا تھا۔ دائمی نہ تھا۔ کیونکہ دوسری روایات میں جمعہ کے دن نماز جمعہ اور نماز فجر میں دوسری سورتوں کا بیان بھی آیا ہے۔ لہٰذا ائمہ مساجد کو چاہیئے کہ تبرکاً اس عمل شریف پر بھی کاربند ہو کر اسوۂ حسنہ کا اتباع کریں۔ کسی سورت کو کسی نماز کے لئے مختص نہ قرار دیں تاکہ تمام روایات پر عمل ہوتا رہے۔ سورۂ ملک کے اور بھی فضائل ہیں۔ یہاں اختصار سے کام لیا گیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع ہے اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم والا ہے"

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۙ 67-1

بڑی برکت ہے اس کی جس کے ہاتھ میں ہے بادشاہی اور وہ ہر چیز پر قادر ہے"

برکت کیا ہے برکت کے معنی ہیں زیادتی اور ترقی، خواہ وہ حسی ہو جیسے ایک دانے سے سات خوشے نکلنا اور ہر خوشے میں سو سو دانے پیدا ہونا بلکہ اس سے بھی زیادہ، کہ اس کو ہر شخص اپنی آنکھوں سے دیکھتا اور محسوس کرتا ہے۔ یا وہ زیادتی و ترقی عقلی ہو مثلاً کسی انسان کے علم و فہم اور عقل و ادراک میں ترقی دی جائے جس کے ذریعہ وہ کائنات کے ہر ہر ذرہ پر نظر ڈالتا اور اس کی منفعت اور مضرت کو پہچاننے لگتا ہے نیز برکت نام ہے کثرت خیر اور اس کے بقاو دوام کے انتظام کا جیسا کہ چاند سورج اور ستاروں کا حال ہے یہ جب سے پیدا ہوئے ہیں ہمارے بیشمار کام ان کے توسط سے نکل رہے ہیں پھر اللہ سبحانہ نے ان کو بقاو دوام کی دولت سے سرفراز فرمایا ہے کہ ہزاروں سال گزر جانے کے باوجود ان کی نفع رسانی قائم و دائم ہے"

اللہ سبحانہ کی برکت پھر جب اس برکت کی نسبت اللہ سبحانہ کی طرف کی جائے تو یہ زیادتی و ترقی اور یہ کثرت خیر اور اس کے قیام و دوام کا ایسا درجہ و مرتبہ

مراد ہوگا کہ اس سے بڑھ کر کوئی زیادتی و ترقی اور اس سے زیادہ کوئی بھلائی اور اس کا قیام و دوام متصور نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اللہ سبحانہ کے جملہ اوصاف و افعال کو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ اپنے اپنے معانی میں ایسے درجۂ کمال پر ہیں کہ کسی دوسری چیز میں ویسا درجہ اور کمال تصور میں نہیں آسکتا۔

تمام ملک اللہ کا یہاں برکت کی نسبت اَلَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ کی طرف فرمائی گئی ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ بڑا ہی بابرکت ہے وہ جس کے ہاتھ میں ہے ساری بادشاہی" تو یوں سمجھنا چاہیئے کہ جس طرح اللہ سبحانہ کی برکت (زیادتی و ترقی اور کثرتِ خیر اور اس کا قیام و دوام) درجہ کمال پر ہے اسی طرح اس کی بادشاہت اور اس پر اس کے قبضہ کا حال ہے کہ وہ بھی اوج کمال پر ہے کہ ایسی بادشاہت اور ایسا قبضہ اور کوئی تصور میں نہیں آسکتا پھر اسمیں حصر ہے کہ ساری بادشاہت اسی کے ہاتھ ہے اس میں کوئی شریک و سہیم نہیں۔

یَد کی تفسیر مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں:۔ الید من المتشابهات لتنزهه سبحانه عن الجارحة واوّله المتاخرون بالقدرة "ید" متشابہات سے ہے کیونکہ حق سبحانہ تعالیٰ کی ذات، اعضاء (جوارح سے منزہ ہے) لہذا مومن کو چاہیئے کہ ایسے الفاظ قرآن کریم میں جہاں کہیں وارد ہوں جن کے معانی از روئے لغت اعضاء و جوارح پر دلالت کرتے ہوں تو ان کا کوئی

ترجمہ و معنی نہ بیان کریں بلکہ صرف ایسے تشابہات پر ایمان رکھیں اور اس سے کیا مراد ہے اس کو علم الٰہی کے تفویض کر دیں یہی محفوظ طریقہ ہے) اور متاخرین نے اس کی تاویل (قبضہ و) "اقتدار" سے کی ہے۔ جس کا مقصد صرف اس قدر ہے کہ قریب الفہم مطلب معلوم ہو جائے و بس۔ یعنی یہ معنی مجازی ہیں حقیقت کا علم اللہ سبحانہ ہی کو حاصل ہے۔ چنانچہ حکیم سنائیؒ فرماتے ہیں:-

یداو قدرتست و وجہ بقاش آمدن حکمش و نزول عطاش

اصبعیش نفاذ حکم قدر قدمینش جلال و قہر و خطر

ملک کی تفسیر "ملک" سے ساری کائنات، عرش سے فرش تک، مراد ہے جس کے ہر ہر ذرے میں نیز ہر ذرے کے ظاہر و باطن میں اس کا حکم جاری و ساری ہے جس کی تفسیر سورۂ طلاق کی آخری آیہ کریمہ خلق سبع سماوات ومن الارض مثلھن یتنزل الامر بینھن میں گزر چکی۔ اس اعتبار سے تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ سبحانہ کی ذات اپنے ماسوا جملہ کائنات کے مقابلہ میں سب سے بلند و باعظمت ہے نیز ذات کی طرح اس کی صفات اور افعال کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اور کسی کے اوصاف و افعال کی طرح نہیں بلکہ وہ بھی نہایت بلند و باعظمت ہیں۔ بلندی اور عظمت بھی ایسی جہاں کسی کے تصور کی رسائی نہیں ہو سکتی

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کی تفسیر کئی جگہ گزر چکی ہے۔

الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ 67-2
وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۙ جس نے بنایا مرنا اور جینا' تاکہ تم کو جانچے کہ کون تم میں
اچھا کام کرتا ہے' اور وہ زبردست ہے بخشنے والا''

موت و حیات اپنی ہستی اور وجود پر غور کرو کہ پہلے ہم کچھ نہ تھے لم یکن شیئا مذکورا۔ انسان اس کی پیدائش سے پہلے کچھ نہ تھا جس کا ذکر ہی کم از کم کیا جاتا'' یہ بھی ایک قسم کی موت ہی تھی۔ پھر صلب پدر سے رحم مادر میں منتقل ہوئے پھر زمین پر آئے۔ پھر برزخ میں۔ پھر میدان حشر میں تمام منازل سوال و جواب' حساب و کتاب کے طے کرتے ہوئے عقاب و ثواب کے عالم میں پہنچ جائیں گے۔ ایک منزل سے نکلنا موت' اور دوسری منزل میں داخل ہونا حیات ہے۔ اس طرح اللہ سبحانہ نے موت و حیات کا ایک سلسلہ قائم فرمایا ہے اس میں بڑے اسرار اور حکمتیں ہیں جن کا بہتر علم اللہ سبحانہ ہی کو حاصل ہے لیکن اگر آپ ہم بھی غور کریں تو ہماری معمولی عقل' اور ناقص فہم رہبری کرتی ہے کہ اگر ہم کو وجود نہ بخشا جاتا تو ہم عدم میں رہتے اور عدم کا ذکر ہی کیا؟ وجود بخشا گیا تو قابل ذکر ہوئے۔ ہوش سنبھالا تو کچھ فرائض متعلق ہوئے۔ اگر فرائض متعلق نہ ہوتے تو وجود میں لانے کا کوئی فائدہ

منصور نہ ہوتا۔ یہاں سے باعتبار ادائے فرض انسان کے مدارج قرار پاتے ہیں۔
کسی نے فرائض کا انکار ہی کر دیا۔ یہ کہیں کے نہ رہے۔ کسی نے اقرار کیا مگر دل سے
تصدیق نہ کی۔ یہ اقرار سچ پوچھو تو انکار سے بھی بدتر ہے۔ اسی وجہ سے ان کا ٹھکانا
فی الدرك الاسفل من النار ہوا۔ اعاذنا اللہ من ذلک۔ کسی نے اقرار بھی کیا
اور دل سے تصدیق بھی کی مگر عمل سے اس کا ثبوت بہم نہ پہنچایا اقرار و تصدیق کا اس کو
یہ فائدہ پہنچا کہ دائمی سزا سے تو اس کو نجات ملی مگر عمل کی باز پرس میں گرفتار رہا۔
یہاں سے عدل و انصاف رسانی کا سبق ملا۔ کسی نے عمل بھی کیا مگر ناقص اس کو بقدر
عمل باز پرس سے نجات ملی اور ترک عمل کی پاداش اس سے متعلق رہی۔ یہ اور بات ہے
کہ فضل الٰہی یا کسی کی شفاعت و سفارش ان کے کام آجائے۔ بعض ایسے بھی ہوئے
جن کے عمل کا حصہ بے عملی پر غالب رہا ان کی نجات کا ظن غالب ہے۔ بعض وہ
ہیں جن کے عمل اچھے رہے۔ اس گروہ کی کامیابی کا یقین کیا جا سکتا ہے۔ پھر حسن عمل کے بھی
مدارج ہیں ایک سے ایک بالاتر ہے۔ یہاں تک کہ رسولوں کے بھی مدارج ہیں —
تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض۔ یہ وجود بخشنے کے فوائد ہوئے۔

ضرورت موت اس کے بعد اگر موت نہ ہوتی تو عمل کا سلسلہ لا متناہی ہوتا۔ نتیجہ
یہ ہوتا کہ بہتیرے انسان عمل چھوڑ بیٹھتے اور بعض عمل میں لگے رہتے مگر نتیجہ کچھ نہیں۔

ایسے عمل سے کیا حاصل جس کا کوئی ثمرہ نہ ہو۔ پھر ایسے عمل میں کس کو کیا دلچسپی ہوتی ؟ اللہ سبحانہ نے حیات کے بعد موت طاری کرکے عمل کی ایک حد مقرر فرمادی۔ پچھلی امتوں کی عمریں زیادہ ہوتی تھیں۔ ایک ایک انسان کئی صدیوں تک زندہ رہتا تھا تاکہ زیادہ اعمال حسنہ کرکے زیادہ اجر کا مستحق ہو۔ امت مرحومہ کی عمروں کی نسبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صراحت فرمادی :- اکثر اعمار امتی بین الستین و السبعین۔ "میری امت کی عمریں زیادہ تر ساٹھ اور ستر سال کے درمیان ہوں گی"۔ چنانچہ خود حضور انور اس دار فانی میں صرف (۶۳) سال رونق افروز رہے۔ مگر اللہ سبحانہ کا فضل وکرم ہے کہ اس کم عمری کے باوجود ان کا اجر دوسری امتوں کے مقابل المضاعف رکھا۔ امم سابقہ عرض کریں گی کہ یہ کس بنا پر ہے ؟ ارشاد ہوگا کہ تمہارے مقررہ اجر میں کیا کوئی کمی کی گئی ؟ تو جواب دیں گے کہ نہیں۔ اس پر ارشاد ہوگا کہ یہ میرا فضل ہے او تیہ من اشاء۔ جس کو چاہوں دوں"۔

حیات بعد الموت پھر اس کے بعد حیات ضروری ہے۔ اگر حیات ما بعد الموت نہ ہو تو انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام اور اولیائے کرام صدیقین، شہداء، صالحین جن کو دنیا کی طرف نہ کوئی رغبت رہی اور نہ وہ اس کے طالب رہے اپنی ریاضات شاقہ اعمال شاقہ میں لگے رہے ان کے اعمال صالحہ اور ریاضتوں کا کوئی ثمرہ دنیا میں تو

ان کو نہ مل سکا پھر ان کے تمام اعمال صالحہ بے نتیجہ رہ جائیں گے۔ اسی طرح شریر لوگ جن کی ساری زندگی شرارت اور فساد فی الارض میں گزری اور وہ اسی طرح شرارت کرتے کرتے رخصت ہو گئے مردم آزاری کرتے، لوگوں کے حقوق غصب کرتے، ہر وقت ظلم و ستم کرتے اور اسی پر مدۃ العمر کمربستہ رہے۔ ان کو اس کی پاداش دنیا میں تو نہ ملی اگر سلسلہ یہیں ختم ہو جائے اور حیات ما بعد الموت کو تسلیم نہ کیا جائے تو جزائے اعمال کا تصور ہی نہ رہے گا۔ درحالیکہ نیکوں کو جزا اور شریروں کو سزا اقتضائے عقل و عدل ہے۔ اس لئے حیات ما بعد الموت کو تسلیم کرنا ہی ہو گا۔

موت کی موت حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے:۔ انّ اللّٰہ اذلّ بنی آدم بالموت وجعل الدنیا دار حیات ثم دار موت وجعل الآخرۃ دار جزاءٍ ودار بقاء۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) اللہ سبحانہ نے بنی آدم کو موت کے ذریعہ بے بس بنا دیا (کہ اس کے آگے ان کی کچھ بھی چل نہیں سکتی) اور دنیا کو (چند روزہ) حیات کی جگہ بنائی پھر دار موت و فنا درپیش ہے۔ اور آخرت کو دار الجزا قرار دیا (جس میں حیات دنیا کے جملہ کاموں کی جزا ملے گی۔ کم ہوں یا زیادہ، اچھے ہوں یا برے) اور آخرت کو دار بقا بنایا" (کہ وہاں پہنچنے کے بعد موت و فنا سے کبھی سابقہ نہ ہو گا ابد الآباد وہیں

اعمال کی جزا پاتے رہیں گے)۔

موت کی صورت حضرت وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں: خلق اللّٰہ الموت کبشاً املح مستترا بسواد و بیاض له اربعة اجنحة جناح تحت العرش وجناح فی الثری وجناح فی المشرق وجناح فی المغرب۔ (ابو الشیخ) اللہ سبحانہ نے موت کو ایک فربہ دنبے کی شکل میں پیدا کیا ہے جو سیاہی اور سپیدی میں چھپا ہوا ہے اس کے چار بازو ہیں۔ ایک تحت العرش اور ایک تحت الثریٰ اور ایک مشرق میں اور ایک مغرب میں۔" اس کو یوں سمجھنا چاہیئے کہ موت کا چونکہ کوئی وقت معلوم نہیں رات اور دن کے ہر حصہ میں آتی ہے اس لئے رات کی تاریکی میں وہ سیاہ لباس میں ملبوس رہتی اور دن کی روشنی میں سپید لباس میں' یہ سیاہی اور سپیدی اس درجہ ہے کہ کوئی اس کو دیکھ نہیں سکتا۔ مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک اس کا دور دورہ ہے کوئی اس سے چھوٹ نہیں سکتا۔ اس کی تائید میں اور احادیث شریفہ بھی ہیں۔ چنانچہ صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ جب اہل جنت جنت میں اور اہل دوزخ دوزخ میں چلے جائیں گے تو منادی ہوگی اور علی رؤس الاشہاد اس دنبہ کو لاکر ذبح کر دیا جائے گا پھر اعلان ہوگا۔ اصحاب الجنة هم فيها خالدون و اصحاب النار هم فيها خالدون۔

لیبلوکم کی تفسیر موت وحیات کا یہ سلسلہ اس لئے ہے:۔ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۔ تاکہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے کون اچھا کام کرتا ہے " دنیا کی زندگی درا صل ہمارے لئے ایک امتحان گاہ ہے۔ یہاں ہم کو عملی ثبوت دینا ہے کہ دنیا میں آنے کا حق ہم نے کس طرح ادا کیا۔ ہمارے ذمہ حقوق نفس بھی تھے۔ اہل وعیال کے حقوق بھی متعلق تھے۔ عزیزو اقارب اور مہمانوں کے' نیز برادری اور پڑوسیوں کے' اپنوں اور پرایوں کے' دوست اور دشمن کے' حاضر اور غائب کے' یتیم اور بیواؤں کے۔ پھر دین کے اور ملت کے' خدا و رسول کے' بزرگوں اور ائمہ دین کے۔ خلاصہ یہ کہ حقوق اللہ اور حقوق الناس سبھی متعلق تھے۔ ان سب کے حقوق پہچاننا پھر ان کو ادا کرنا ہمارا فریضہ تھا۔ اس فریضہ کی ادائی کا کیا حال رہا۔ جو اس میں کامیاب رہا اس کی نجات ہوئی۔ اور جو ان کو ادا نہ کر سکا وہ باز پرس کا متوجب ہوا۔ اور جس نے انکار ہی کر دیا وہ ناکام و نامراد رہا۔

عزیز و غفور کی تفسیر وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ ۔ اور وہی ہے غالب بخشنے والا " ادائے حقوق سے پہلو تہی کرنے والا' یا حقوق کا منکر' دنیا میں کتنا ہی باعزت ہو اللہ سبحانہ کے نزدیک اس کو جواب دہی کرنی ہوگی۔ وہ جواب دہی سے چھوٹ نہ سکیگا اس لئے اللہ سبحانہ کی ذات عزیز ہے۔ سب پر غالب' اس کی عزت کے آگے ساری

عزتیں ہیچ ۔ ان العزۃ للہ جمیعا ۔ ساری عزت غلبہ اور برتری محض خداوند تعالیٰ
شانہ کی ذات سے وابستہ ہے اگر یہاں یا وہاں کسی کو کوئی عزت حاصل ہوئی تو اسی کی دی
ہوئی ۔ لہذا منکروں اور پہلو تہی کرنے والوں کے حق میں وہ "عزیز" ہے ۔ غالب و
برتر ہے ۔ اور جو حقوق اللہ و حقوق الناس کے معترف اور ان کو ماننے والے ہیں اور
حتی الوسع ان کی ادائی میں کوشاں رہے ان کے حق میں غفور ہے بخشنے والا ۔ اگر ان
حقوق کی ادائگی میں کچھ کوتاہی بھی ہوئی تو چونکہ یہ کوتاہی ایک معترف اور ماننے والے سے
ہوئی لہذا امید ہے بلکہ وعدہ ہے کہ اللہ سبحانہ ان کو بخش دے گا ۔

الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ 67-3
مِنۡ تَفٰوُتٍ ؕ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ هَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ ۝ ثُمَّ ارۡجِعِ 67-4
الۡبَصَرَ کَرَّتَیۡنِ یَنۡقَلِبۡ اِلَیۡکَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِیۡرٌ ۝ جس نے بنائے
سات آسمان تہ پر تہ ، کیا دیکھتے ہو رحمٰن کے بنانے میں کچھ فرق ؟ پھر نگاہ دوڑاؤ
کہیں نظر آتا ہے کوئی شگاف ؟ پھر لوٹا کر نگاہ کرو دو دو بار لوٹ آئے گی (اے
انسان !) تیرے پاس تیری نگاہ رد ہو کر تھک کر "

رویت سماوات کی دعوت | جس خدا نے موت و حیات کا سلسلہ قائم کیا
اسی نے سات آسمان تہ پر تہ بنائے (جس کا بیان بارہا گزر چکا ہے) اب یہاں

دعوت دی جا رہی ہے کہ ان آسمانوں کو دیکھو آنکھوں سے دوربینوں سے آلات رصد سے یا اور تمام تدبیروں سے پھر کہو کہ ان میں کوئی تفاوت (فرق، نقص، خلل، یا عیب) دکھائی دیتا ہے؟ حاشا وکلا۔ آسمانوں کی صرف بلندی ہی اتنی ہے کہ یہاں تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ آخر ان کو کس نے بنایا۔ پھر اس کمال کے ساتھ کہ اس میں کہیں کوئی فرق نہیں اور ہزارہا سال گزرنے پر بھی کوئی فرق آسکا ان کی پہنائی ایسی ہے کہ تمام دنیا اس کے اندر سمائی ہوئی ہے پھر ایک آسمان پر دوسرا، دوسرے پر تیسرا اس طرح سات آسمان سب کو گھیرے ہوئے ہیں اب اگر کوئی نکل کر جانا چاہے تو کہاں جائے اور کس طرح جائے؟۔

نظام فلکی | یہ نظام فلکی ایک قانون کے تحت قائم اور اس کا سلسلہ ایک دوسرے سے منسلک اور مربوط ہے یہ صنعت، ایسی صاف شفاف مضبوط و مستحکم اور اور ہموار ہے کہ جب دیکھو اور جس سمت سے دیکھو حیرانی ہوتی ہے کہ اس کا صانع کیسا باکمال ہوگا؟ خود صانع حقیقی جل جلالہ کا ارشاد ہے۔ فقضھن سبع سموٰت فی یومین واوحی فی کل سماء امرھا۔ پھر کر دیئے اس نے سات آسمان دو دن میں اور اتارا ہر آسمان میں اس کا حکم " اتنی بلند و بالا وسیع و عریض صنعت جو تمام عالم پر محیط ہے چاہتا تو امر کن سے بھی آن کی آن میں پیدا کر سکتا تھا مگر حکمت الٰہیہ کا

اقتضاء تھا جس کے مطابق دو دن میں اس کو بنایا۔ اس کی حکمتوں اور اسرار کو وہی جانے
ہم کو کم از کم یہ سبق دینا منظور ہے کہ جلدی اور تیزی خوب نہیں وقار و اطمینان کیساتھ
ہر کام کی تکمیل بہتر ہے۔ حضور انورؐ نے فرمایا: "الاناءة من الرحمٰن والعجلة
من الشیطان۔ آہستگی رحمان کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے"۔

تکرار دعوت

پھر مطالبہ ہو رہا ہے کہ ایک دفعہ دیکھنے سے کام نہ چلے تو دو دو
دفعہ دیکھو اور بار بار نظر دوڑاتے جاؤ۔ دس دفعہ اور سو دفعہ بھی دیکھو تو ممانعت
نہیں ہے عام اجازت ہے۔ چنانچہ بڑی بڑی سلطنتوں اور ممالک میں ادارے اور
محکمے قائم ہیں، بیش قرار ماہواریں پانے والے ہیئت داں، سائنس داں مامور ہیں،
بڑی بڑی دوربینیں ایجاد کی گئی ہیں، رصدگاہیں قائم ہیں، جن میں آلات رصد
لگے ہوئے ہیں۔ ان میں رات دن کام ہو رہا ہے۔ نئے نئے اکتشافات ہوتے
جاتے ہیں مگر سالہا سال اور صدیاں گزرنے پر بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ع

کار کلّی ہنوز در قدر است

آخر کار نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ نگاہ خیرہ ہو کر رہ جاتی اور آنکھیں دکھ جاتی ہیں مگر
کوئی اختلال اس عظیم الشان صنعت میں پایا نہیں جاتا۔ اور پایا جائے گا کیونکر
جبکہ صانع حقیقی جل جلالہٗ صفات نقص و سمات خلق سے مبرا و منزہ ہے۔ ماہرین فلکیات

صبح سے شام اور شام سے صبح تک اپنی دھن میں لگے ہوئے ہیں۔ دیکھ دیکھ کر تھکتے
اور تھک کر رہ جاتے ہیں۔ پھر دوسرے دن اپنا کام جاری رکھتے ہیں کہ شاید
آئندہ کچھ کام بنے۔ استاد جلیلؒ نے کیا خوب کہا:

تھک کے بیٹھا تو یہ کہتا ہے جنوں	دو قدم کوچۂ رسوائی ہے

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنٰهَا 67-5
رُجُومًا لِّلشَّيٰطِينِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ۝ اور ہم نے
زینت دی سب سے نزدیک کے آسمان کو چراغوں سے اور ان سے
کر رکھی ہے ہم نے (ایک طرح کی) زد شیطانوں کے لئے اور رکھا ہے
ان کے واسطے عذاب دہکتی آگ کا۔

ستاروں سے آسمان کی زینت | اس نظام فلکی میں کسی خلل کی کہاں گنجائش ہے

ہم نے تو نزدیک ترآسمانؑ کو چراغوں سے ایسا سجایا ہے کہ رات تمام اس کا نظارہ کرتے ہی رہ جائیے۔ ان چراغوں کی روشنی کبھی گل ہوتی نظر نہیں آتی جب سے ان کو روشن کیا گیا ہے وہ ایک مناسب اور معتدل طریق پر جگمگا رہے ہیں۔ یہ ثوابت ہیں، ایک جگہ قائم رہنے والے، ہر ایک کیلئے ابتدائے آفرینش میں جو مقام تجویز کیا گیا ہے اپنی اپنی جگہ پر ثابت و برقرار ہیں مجال نہیں کہ اپنی مقررہ جگہ سے ہٹ سکیں۔ عوام اسی قدر سمجھ سکتے ہیں اس لئے یہاں اسی پر اکتفا کی گئی۔ ورنہ ان چراغوں سے اس عالم کے کیا کیا کام وابستہ ہیں ان کو پیدا کرنے والا خدائے علیم خبیر ہی بہتر جانتا ہے، رات کی تاریکی میں ان کے ذریعہ مسافر کی منزل مقصود کی سمت اور اس کی راہ معلوم ہوتی ہے۔ جہازات جو سمندروں میں چلتے ہیں ان ہی ستاروں کے طفیل میں اپنی سمت درست کرتے رہتے ہیں۔ ماہرین ہیئت اور نجوم نے کوشش کرکے کچھ معلومات فراہم کرلئے ہیں اور اس کا ایک مستقل علم ہی مدون کیا ہے۔ مزید

ع السماء الدنیا یعنی نزدیک تر آسمان کی تفسیر سورۂ صافات میں صفحہ ۱۶۶۴ پر حضرت سید الشیوخ قدس سرہ کے قلم فیض رقم سے گزر چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

مزید تحقیقات جاری ہیں مگر کیا اچھا ہوتا کہ اس کے ساتھ ان کے خالق کا اعتقاد بھی رکھتے اور اس کے احکام کی تعمیل میں لگے رہتے۔ ان کی مثال ایسی ہے کہ مصنوع سے تو بڑی دلچسپی کا اظہار ہو رہا ہے مگر صانع سے بے خبر ہیں اس کی قدر و منزلت ان کے نزدیک کچھ نہیں۔ بہتیرے تو اس کے منکر ہیں۔ اللہ سبحانہ ان کو علم صحیح اور علم نافع کی توفیق دے، آمین۔

ستاروں سے مجرمین کو سزا دہی یہی نہیں بلکہ ان چراغوں سے مجرمین کی سزا کا کام بھی لیا جاتا ہے ارشاد ہے:۔ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ۔ اور ہم نے ان ستاروں (شہاب ثاقب) کو شیاطین پر پھینک مارنے کا ذریعہ بنایا ہے"۔ یہ شہاب ثاقب کیا ہیں؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں:۔ الشهاب شعلة ساطعة من نار تنفصل من النجم۔ آگ کا شعلہ جو ستاروں سے بلند ہوتا ہے یہی شہاب ثاقب ہے"۔ مطلب یہ کہ ان ستاروں سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں اور وہی شعلے شیاطین پر پھینکے جاتے ہیں جب کہ یہ شیاطین ملائکہ کرام کی باہمی گفتگو کو سننے کے لئے آتے ہیں۔ خود ستارے نہیں پھینکے جاتے۔ اگر ایسا ہوتا تو ستاروں کی یہ تعداد قائم نہ رہتی مرور زمانہ سے کب کے ختم ہو جاتے۔ مشاہدہ یہ ہے کہ عالم فلکی کی آفرینش جب سے ہوئی ان میں سے ایک ستارہ بھی آج تک کم نہ ہوا اور نہ وہ ستارہ اپنی جگہ سے ہٹنے پایا۔

اللہ سبحانہ نے جس کو جہاں ٹھہرایا وہ اپنی جگہ قائم ہے۔

ستارے آسمان کی قندیلیں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:۔

ان النجوم کلھا کالقنادیل معلقۃ فی السماء الدنیا کتعلیق القنادیل فی المساجد مخلوقۃ من نور۔ تمام ستارے قندیلوں کی طرح ہیں جو قریب تر آسمان میں معلق نظر آتے ہیں۔ ان کی مثال یوں سمجھو جیسے ہماری مسجدوں میں قندیلیں آویزاں کی جاتی ہیں۔ یہ تمام ستارے نور سے بنائے گئے ہیں" ایک قول یہ ہے:

انھا معلقۃ بایدی الملائکۃ۔ ان تمام قنادیل کو ملائکہ کرام اپنے ہاتھوں میں تھامے ہوئے ہیں" قیامت کے قریب جب آسمان پھٹ جائیں گے اور فرشتے جو اس وقت ان کے حامل ہیں وہ فنا ہو جائینگے تو تمام ستارے جھڑ پڑینگے جیسا کہ باری تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:۔ اذا السماء انفطرت واذا الکواکب انتثرت۔ اس واقعہ کا تصور کرو جب کہ آسمانوں میں شگاف پڑجائینگے اور جب کہ تمام کواکب (ستارے) جھڑ پڑینگے" یہ اس وقت ہوگا جب کہ ان کے اٹھائے ہوئے رہنے والے (فرشتے) فنا ہو جائینگے۔ شہاب ثاقب کے بارے میں اور بھی اقوال ہیں بخوف طوالت اسی پر اکتفا کیگئی۔

مسجدوں میں چراغاں یہیں سے بعض اصحاب نے یہ مسئلہ اخذ کیا کہ

قریب تر آسمان جو زمین کے حق میں سقف (چھت) کا کام دیتا ہے اس کو اللہ سبحانہ نے ان چراغوں سے زینت بخشی ہے تو مساجد و جوامع کو بھی جب کہ مجمع زیادہ ہوتا ہے چراغاں سے مزین کیا جا سکتا ہے۔ جس سے ایک طرف ظاہر بیں اصحاب کی نظروں میں مساجد و جوامع کی شان بڑھے اور مسجدوں میں آنے والوں کیلئے سہولت کا موجب ہو۔ البتہ اگر اس کے اخراجات مال وقف پر عائد ہوتے ہوں تو اتنی احتیاط پیش نظر رہے کہ یہ روشنی بقدر ضرورت ہو۔ زائد از ضرورت خرچ اسراف میں داخل ہوگا۔ مال وقف کا ایسا صرف جائز نہ ہوگا۔

مسجد نبوی کی روشنی کہتے ہیں کہ مسجد نبوی میں عشا کے وقت کھجور کی خشک ٹہنیوں کو روشن کر دیا جاتا تھا۔ جب حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے تو اپنے ساتھ قندیلیں، فتیلے اور تیل وغیرہ ساتھ لائے۔ پھر ان قندیلوں کو روشن کرکے مسجد شریف کے ستونوں سے آویزاں کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اہتمام شان ملاحظہ فرمایا تو بے ساختہ یہ دعائیہ کلمے ارشاد ہوئے: ۔ نورت مساجدنا نور اللہ علیك۔ تم نے جس طرح ہماری مسجدوں کو منور اور روشن بنا دیا اللہ سبحانہ تم کو بھی ایسے انوار سے مزین فرمائے "۔ پھر یہ بھی ارشاد مبارک ہوا:۔

اما واللہ لو کانت لی ابنۃ لانکحتکھا۔ آگاہ رہو خدا کی قسم! اگر میری کوئی دختر ہوتی تو

میں ان کے ساتھ تمہارا نکاح کردیتا۔"

حضرت عمرؓ کیلئے حضرت سیدنا علیؓ کی دعا

خلیفہ ثانی حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں جب تراویح کا اہتمام ہوا اور امامت تراویح پر حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مامور کئے گئے تو مسجد مبارک میں کثرت سے لوگ جمع ہونے لگے۔ اس موقع پر حضرت فاروق اعظمؓ نے مسجد مبارک کی روشنی کا اور زیادہ اہتمام فرمایا جس سے مسجد جگمگا رہی تھی۔ ادھر لوگ ذوق و شوق سے تراویح میں مشغول تھے۔ حضرت شاہ ولایت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے جب اس رونق کا مشاہدہ فرمایا تو کمال انبساط سے فرمانے لگے:۔ نورت مسجدنا نور اللہ قبرك يا ابن الخطاب۔ آپ نے ہماری مسجد کو منور فرمایا اے ابن خطاب! اللہ سبحانہ آپ کی قبر کو بھی منور فرمائے۔"

عذاب السعیر کی تفسیر

وَاَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ عَذَابَ السَّعِيۡرِ۔ اور تیار کر رکھا ہے ہم نے ان (شیاطین) کے لئے عذاب دہکتی آگ کا۔" یعنی دنیا میں تو شیاطین پر ایسی مار پڑتی رہتی ہے کہ فرشتے ان کو تاک تاک کر ان شعلوں سے مارتے رہتے ہیں، ملائکہ کا نشانہ خطا نہیں جاتا۔ جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ کوئی جل کر فنا ہوجاتا ہے۔ کسی کا کوئی عضو ناکارہ ہوجاتا اور کسی کی عقل ہی جاتی رہتی ہے یہ

یہ غولِ بیابانی ہیں جو مسافروں اور رہروں کو راہ سے بھٹکا دیتے ہیں۔ اللہ سبحانہ ان سے پناہ میں رکھے آمین۔ اور آخرت میں ان شیاطین کی سزا یہ ہے کہ ان کو دہکتی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔ اور وہ ابدالآباد اسی عذاب میں گرفتار رہیں گے۔

ایک شبہہ کا ازالہ یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ شیاطین تو آگ ہی سے پیدا ہوئے ہیں پھر آگ کا ان پر کیا اثر ہوگا؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ شیاطین کے آگ سے پیدا ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ خالص آگ ہی آگ ہیں بلکہ دیگر عناصر بھی اس میں شریک ہیں البتہ آگ کا عنصر ان میں غالب ہے۔ یہ ٹھیک اسی طرح ہے جیسا کہ انسان کی آفرینش کے باب میں ارشاد ہوا ہے کہ وہ مٹی سے پیدا ہوا ہے یعنی مٹی، بنی آدم کا عنصر غالب ہے، ورنہ اس کے وجود میں آگ، پانی، ہوا بھی شامل ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر فرض کرلیا جائے کہ شیاطین آگ ہی سے پیدا ہوئے ہیں مگر آگ کے بھی اقسام ہیں۔ کہ ایک سے ایک بڑھی چڑھی ہے جیسے لکڑی کی آگ، کوئلے کی آگ، تیل کی آگ، پٹرول کی آگ، بجلی کی آگ، جوہر کی آگ، ان سب سے بڑھکر جہنم کی آگ۔ جہنم کے بھی درکات ہیں (جس طرح جنت کے درجات ہیں۔) بعضها فوق بعض کہ اس کا ہر بالائی طبقہ، نچلے طبقہ کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ○

67-6

اور جو لوگ اپنے رب کے منکر ہوئے ان کے لئے عذاب دوزخ ہے اور بری جگہ جا پہنچے۔

شیاطین الانس کا انجام | شیاطین الجن کے بعد اب شیاطین الانس کا انجام بیان ہو رہا ہے کہ جو لوگ اپنے پروردگار ہی کے انکاری بنے رہے ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔ اور یہ کافر اپنے کفر وانکار کی نکبت سے جہنم جا پہنچے اور یہ جہنم ان کا بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ جَهَنَّمَ کیا ہے؟ بائر بعید ۃ القعر۔ کنواں جس کی تہ بہت عمیق ہے" اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کافر دار آخرت میں اللہ سبحانہ کے لطف و رحمت سے کیسے دور رہیں گے۔ جہنم میں اگر کچھ دوسرا عذاب نہ ہو تو رحمت الٰہی سے ایسی دوری ہی کیا کم عذاب ہے جس کا کوئی ٹھکانا نہیں چہ جائیکہ اس نار ہجر و بُعد کے ساتھ انواع واقسام کے عذاب اور سزائیں ہوں۔ نہ کفر کرتے اور نہ اس دائمی عذاب میں گرفتار رہتے۔ العیاذ باللہ۔

إِذَآ أُلْقُوا فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورُ ۝ تَكَادُ تَمَيَّزُ 67-7
مِنَ الْغَيْظِ كُلَّمَآ أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ أَلَمْ يَأْتِكُمْ 67-8
نَذِيرٌ ۝ جب اس میں ڈالے جائینگے سنینگے اس کی کریہ اور خوفناک آواز اور وہ
بڑے جوش میں ہوگی قریب ہے کہ پھٹ پڑے کمال غضب سے جب کبھی پڑے
اس میں ایک ایک گروہ تو پوچھنے لگیں وہاں کے داروغہ کیا نہ پہنچا تھا تمہارے پاس

کوئی ڈر سنانے والا ؟"

جہنم کا مقام اِذَآ اُلقُوْ کا کلمہ رہبری کرتا ہے کہ جہنم کا مقام پست ہے جس طرح کوئی چیز اوپر سے کنوئیں میں ڈال دی جاتی ہے کفار بھی جہنم میں جھونک دئے جائینگے اس وقت دوزخ سے ایک کریہ اور خوفناک آواز سنائی دیگی ایسی بُری آواز جیسی گدھے کی آواز ہوتی ہے۔ یہاں لَهَا کی ضمیر کے مرجع میں تین اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا مرجع جہنم ہے۔ یعنی یہ آواز جہنم ہی کی ہوگی۔ جیسا کہ اوپر گزرا۔ دوسرا یہ کہ یہ آواز اُن جہنمی لوگوں کی ہوگی جو اس گروہ سے پہلے دوزخ میں ڈالے گئے ہوں گے۔ اُن لوگوں کی آواز جہنم میں سے آتی ہوگی۔ تیسرا یہ کہ خود ان گرنے والوں کی آواز ہوگی جو جہنم میں گرتے وقت آئیگی۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ایک اور جگہ آیا ہے:—

لھم فیھا زفیر و شھیق۔ جہنم میں جانے والوں کی آواز گدھے کی کریہ اور خوفناک آواز کی طرح ہوگی۔ زفیر وہ آواز جب کہ سانس باہر چھوڑی جاتی ہے اور شھیق وہ آواز جو سانس اندر لیتے وقت آتی ہے۔ ذی عقل انسان کا یہ حشر اس کی کافرانہ زندگی کا نتیجہ ہے کہ عقل و فہم حس و ادراک علم و تجربہ سب کچھ ہونے کے باوجود جب انھوں نے ایسی عظیم الشان نعمتوں کی قدر نہ جانی تو اللہ سبحانہ نے ان کو ایسی سزا کا مستحق قرار دیا۔

جہنم کا جوش | وَهِيَ تَفُوْرُ ۔ درحالیکہ وہ آگ جوش کھاتی ہوگی ۔ یہ جوش ایسا ہوگا جیسے دیگ میں پانی ہو اور اس میں غلہ ڈال دیا جائے تو جو حال غلہ کا اس پانی میں ہوتا ہے کہ تہ و بالا ہوتا رہتا ہے اسی طرح یہ کافر بھی جہنم میں غوطے کھاتے رہیں گے ۔ کبھی تہ نشیں ہوتے ہیں اور کبھی اوپر آتے ہوئے دکھائی دیتے ہوں گے لیکن اس میں سے نکل نہیں سکتے ۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں : تفور بھم كما تفور الحب القليل الماء الكثير (ہناد) جہنم ان کافروں کو اسی طرح جوش دیتا ہوگا جیسا کہ بہت سارا پانی تھوڑے سے غلہ کو جوش دیتا ہے ۔"

جہنم کا غیظ و غضب | تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۔ قریب ہوگا کہ جہنم شدتِ غضب سے پھٹ جائے ۔" یعنی ممکن ہے کہ اللہ سبحانہ جہنم میں قوتِ احساس پیدا فرمادے کہ جہنمیوں کو دیکھتے ہی ان پر وہ اس قدر غضب ناک ہو جیسے کسی انسان کا دل و جگر یا دماغ فرطِ غضب سے پھٹ جاتا ہے ۔ یہی حالت نارِ جہنم کی ان کفار پر ہوگی یا یہ کہ وہاں جو فرشتے متعین ہیں وہ غصہ کے مارے ایسی حالت میں ہوں گے ۔ بہر حال کفر ایسی مصیبت ہے کہ خداوند تعالیٰ شانہ کی ناراضی کے باعث ساری کائنات اس سے ناراض ہوگی ۔ سچ ہے : ؂

چوں از و گشتی ہمہ چیز از تو گشت

کافر نے اللہ سبحانہ کو ناراض کیا تو ساری خدائی اس سے ناراض ہو جائیگی۔ الامان الحفیظ

فرشتوں کا زجر كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ۔ جب کبھی کافروں کی فوج اس میں ڈالی جائے گی تو دوزخ کے داروغان سے پوچھنا شروع کریں گے کہ تمھارے ہاں کیا کبھی کوئی ڈرسانے والا نہیں آیا؟ یہ سوال کچھ ہمدردی کے طور پر نہ ہوگا بلکہ سرزنش اور توبیخ کی راہ سے پوچھا جائیگا اس کے جواب میں وہ کہنا شروع کریں گے :۔

قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ 67-9
مِنْ شَيْءٍ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝ وہ بولیں گے کیوں نہیں ہمارے پاس ڈرسانے والے تشریف لائے پھر ہم نے جھٹلایا اور کہا نہیں اتاری اللہ نے کوئی چیز، تم تو پڑے ہوئے ہو بڑی گمراہی میں "

کفار کا انکار یہاں نَذِیْرٌ بمعنی نُذُر بصیغہ جمع ہے۔ یعنی کفار حسرت وندامت سے کھسیانے ہو کر کہیں گے کہ ڈرسانے والے نہیں آئے کیسے وہ برابر تشریف لائے اور ہم کو ڈرسایا، اور بار بار سناتے رہے اور ہم ان کی تکذیب ہی کرتے رہے۔ ان کو یہاں تک جھٹلایا کہ ان سے صاف صاف کہہ دیا کہ اللہ نے کوئی چیز نہیں اتاری نہ کتاب ہی اتاری اور نہ کسی کو اپنا رسول بنا کر بھیجا۔ آپ لوگ ہی بڑے بہکاوے میں

پڑ کر ایسی خلاف عقل باتیں کر رہے ہیں۔ پھر کمال حسرت و ندامت سے کہیں گے:۔

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ 67-10

اور کہیں گے اگر ہم سنتے اور سمجھتے ہوتے تو نہ ہوتے دوزخ والوں میں"

کفار کا پچھتاوا دنیا میں کفار اپنی عقل و فہم کے بلند بانگ دعوے کرتے تھے اور اپنی عقل کے مقابلہ میں دوسروں کو بے وقوف ٹھہراتے تھے یوں کہتے:۔ انؤمن کما آمن السفهآء۔ کیا ہم پیغمبروں کا یقین اسی طرح کر لیں جیسا کہ ان بیوقوفوں نے یقین کر رکھا ہے؟ پیغمبروں کو تک مجنون کہا کرتے تھے۔ نعوذ باللہ منہ۔ اللہ پاک نے اس کا جواب دیدیا تھا:۔ الآ انهم هم السفهآء۔ آگاہ رہئے یقیناً یہی کفار بے وقوف ہیں" سبب کیا تھا کہ وہ گمراہی کے ایسے درجے میں پہنچ چکے تھے کہ ان کو نیک و بد اور مفید و مضر کی کوئی تمیز باقی نہیں رہی تھی۔ دنیا میں پردہ پڑا ہوا تھا۔ قیامت میں یہ حجاب اٹھ جائے گا اور ہر چیز اپنی اصلی صورت میں دکھائی دے گی اور حقیقت کھل جائے گی۔ اب کفار کو اپنی بے عقلی معلوم ہو جائیگی تو پچھتاتے رہیں گے کہ اے کاش! ہم اپنے پیغمبروں کی نصیحت سنتے ہوتے۔ اے کاش ہماری عقل ٹھکانے ہوتی اور ان پر ایمان لاتے تو آج دوزخیوں میں شامل نہ ہوتے مگر اب اس پچھتاوے سے کیا حاصل جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ ارشاد ہوگا:۔

فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ اب وہ 67-11
مان گئے اپنے گناہ کو لہٰذا دور ہو جائیں دوزخ والے۔"

کفر کی سزا کفار کو پہلے اپنے کفر سے انکار تھا۔ پھر ان کی بات رد کردی گئی اور ان کے کفر کا ثبوت ہو چکا تو عذر تراشی کرنے لگے کہ ہمارے سرداروں اور حاکموں نے ہم کو گمراہ کیا اس لئے سزا کے مستوجب وہ ہیں نہ کہ ہم۔ سرداروں نے کہہ دیا کہ ہم نے ان پر کسی قسم کا جبر نہیں کیا بلکہ ہم خود چونکہ گمراہ تھے اس لئے گمراہی کی تقریر ان کے سامنے کی گئی تھی، مگر سمجھ بوجھ، ہوش و حواس، اور عقل و فہم ان کو بھی حاصل تھی ہمارے خیالات کو انھوں نے اپنے ارادے اور اختیار سے قبول کیا۔ لہٰذا ان کے افعال کی ذمہ داری، ہم پر نہیں ہو سکتی۔ اب ان کے لئے بجز اعتراف جرم کے اور کوئی صورت باقی نہیں رہیگی۔ چنانچہ وہ اپنے قصور کا کھلے طور پر اقرار کرلینگے تو حکم ہوگا کہ یہ اب اپنی زبان سے آپ قائل ہو چکے ہیں لہٰذا جوار رحمت میں ان کا کوئی ٹھکانا نہیں ہو سکتا۔ ان کو رحمت سے دور مقام پر (جہنم میں) ڈال دیا جائے۔ یہ مضمون کئی دفعہ آچکا ہے۔ کفار کا فیصلہ سنا دیا جانے کے بعد اب اہل ایمان کا بیان ہو رہا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ 67-12

جو لوگ ڈرتے رہتے ہیں اپنے پروردگار سے بے دیکھے ان کے لئے معافی ہے اور بڑا ثواب"

خشیت کی جزا دنیا میں بنی آدم کا ایک گروہ اور بھی تھا جنھوں نے اپنے پروردگار کو دیکھا تو نہ تھا۔ مگر ان کو اپنے رب کا اقرار تھا اور وہ اس پر ایمان رکھتے تھے اور اس کے منشا کے خلاف جانے سے ڈرتے تھے' لوگوں کے ساتھ رہیں تو خلاف ورزی سے ڈرتے تھے اور اگر تنہائی میں ہوتے تو بھی خلاف کرنے سے لرزتے تھے۔ ایسے لوگوں کو خوش خبری سنائی جارہی ہے کہ ان سے تعمیل احکام میں کچھ کوتاہی بھی ہوئی تو ان کو معافی دے دی جائیگی۔ اور ان کی دولت ایمان اور اصلاح حال کا بہت بڑا ثواب ملیگا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ۔ ان الذین یخشون ربہم بالغیب سے مراد حضرات ابوبکرؓ عمرؓ وعلیؓ اور ابو عبیدہ ابن الجراح ہیں " رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ (ابن مردویہ) یعنی یہ آیہ کریمہ ان بزرگواروں کی شان میں نازل ہوئی۔ حکم عام ہے۔ جن جن میں یہ صفات حسنہ ہوں گے وہ بھی مغفرت اور اجر کبیر کے موعود و مستحق ہوں گے۔

وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ 67-13
الصُّدُوْرِ ۝ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝ 67-14

اور تم چھپا کر کہو اپنی بات یا کھول کر وہ خوب جانتا ہے دلوں کے بھید بھلا وہ نہ جانے جس نے بنایا اور وہی ہے ہر باریکی کا جاننے والا خبردار"

شانِ نزول حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: کان المشرکون ینالون من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما بینھم فیخبرہ جبرئیل علیہ السلام فقالوا الوا سروا قولکم کیلا یسمع اللہ امر محمد فنزلت۔ مشرکین حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف آپس میں منصوبے کیا کرتے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام اس کی خبر حضور انور کو پہنچا دیا کرتے۔ ان کا اب یہ خیال ہونے لگا کہ ایسی باتیں آہستہ آہستہ کہنی چاہئیں تاکہ محمدؐ کی متعلقہ باتوں کو ان کا خدا سننے نہ پائے تو اس وقت یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی " کہ تم کوئی بات چھپا کر کہو یا کھول کر علانیہ طور پر کہو وہ بات اللہ سبحانہ سے مخفی نہیں رہ سکتی۔ اللہ سبحانہ کو تو تمہارے دل کے اندر کی باتیں بھی خوب معلوم ہیں جو ابھی زبان پر نہیں آئیں۔ پھر اس کی دلیل یہ بیان ہوئی کہ اللہ سبحانہ تو تمہارا خالق ہے۔ خالق یعنی پیدا کرنے والے سے اپنی مخلوق کی اندرونی بات کیونکر چھپ سکتی ہے وہ ہر ایک کے رگ و ریشہ سے خوب واقف ہے۔ وہ تمہارا بھی خالق ہے اور تمہارے افعال واقوال کا بھی اگر وہ تمہارے فعل کو پیدا نہ کرے تو تمہارا کوئی فعل وجود میں نہ آئے اور تمہارے ہر قول کا پیدا کرنے والا بھی وہی ہے اگر وہ

تمہارے کسی قول کو پیدا نہ کرے تو ایک بات بھی تمہاری زبان سے ادا نہ ہو۔ نہ تم اشارۃً
وکنایۃً کسی سے کچھ کہہ سکو کیونکہ یہ اشارہ وکنایہ بھی اسی کے پیدا کرنے سے پیدا ہوتا ہے پھر
جو تمہارا اور تمہارے افعال کا اور تمہارے اقوال، اشارات اور کنایات کا خالق ہے
اور اسی کی تخلیق سے یہ سب چیزیں وجود میں آتی ہیں تو اس سے کوئی چیز کیسے پوشیدہ
رہیگی؟ پھر غور کرو کہ وہ تم سے غائب ہے لیکن تم اس سے غائب نہیں، اس کو تم دیکھ
نہیں سکتے اور وہ تم کو دیکھتا ہے پھر تمہاری کوئی بات خلوت میں ہو یا جلوت میں،
آہستہ ہو یا علانیہ اس کو سب کچھ معلوم ہے۔ یہاں تک کہ وہ جی کے اندر کی بات بھی
خوب جانتا ہے۔ لہذا ان خیالات کو ترک کرو۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا 67-15
وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ ۖ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ۝ وہی ہے جس نے کیا تمہارے
آگے زمین کو پست، اب چلو پھرو اس کے کندھوں پر اور کھاؤ کچھ اس کی دی ہوئی
روزی، اور اسی کی طرف جی اٹھنا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے متبعین کے خلاف یہ منصوبے
اور ایسی کانا پھوسیاں کچھ کام نہ دینگی۔ تم ان کو مٹانا چاہتے ہو اور اللہ سبحانہ کو
یہ منظور ہے کہ آپ کو فروغ دے اور اسلام اور مسلمانوں کا بول بالا کرے۔ آپ کی

تعلیمات و ہدایات کو زمین کے چپے چپے میں پھیلا دے اور آپ کو کامیاب کرے تو اللہ سبحانہ کے آگے تمہاری ایک نہ چلے گی لہذا بہتر یہ ہے کہ ان تمام فاسد خیالات کو چھوڑ دو اور کچھ مفید اور کارآمد کام کرو۔

روزی کمانے کا طریقہ روزی کمانا چاہتے ہو تو اس کی یہ صورت نہیں کہ گھر بیٹھے صرف منصوبے بناتے رہو اور ایسی کانا پھوسیاں کرتے رہو۔ تمہارے آگے زمین کو اللہ نے پست کر دیا ہے وہ تمہاری مسخر اور تابع فرمان بنائی گئی ہے، گھر سے نکلو اس پر چلو پھرو۔ ضرورت پڑے تو ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچ جاؤ۔ اپنی اپنی خداداد صلاحیت اور استعداد کے مطابق کوئی نہ کوئی کام مل جائے گا۔ جب اللہ سبحانہ نے تمہارے لئے رزق کا ایک دروازہ کھول دیا تو شکر گزاری کیساتھ اس کو تھامے رہو اللہ سبحانہ اس میں برکت دیگا خوب ترقی کروگے مگر یہاں بھی یہ یاد رکھو کہ آخر کار اسی کی طرف لوٹنا ہے اور اسی کے حکم سے دوبارہ جی اٹھنا ہے۔ ایتم سے حیات دنیا کا حساب لیا جائے گا۔ لہذا روزی کمانے اور اس کو خرچ کرنے اور کام میں لانے میں بھی اللہ سبحانہ تعالیٰ کی مرضی ومنشا کو پیش نظر رکھو۔

قوم سے خطاب تاجروں صناعوں اور مزدور پیشہ لوگوں کو دیکھو کہ وہ روزی کی تلاش میں اور اپنے کاروبار کے سلسلے میں گھر چھوڑ کر کہاں کہاں جاتے ہیں کیسی تکالیف

اور شاقہ محنتیں کرتے ہیں۔ زمین کے ایک گوشے سے دوسرے گوشوں میں پہنچ جاتے ہیں۔
صحرانوردی کرتے ہیں بلکہ سمندروں کو چھان مارتے ہیں۔ کیا کسی کی محنت ضائع ہوتی ہے؟
نہیں نہیں ان کو بڑے بڑے تجربے حاصل ہوتے ہیں اور رزق کے دروازے ان پر کھلتے
جاتے ہیں۔ دنیاداروں نے اپنی تگ ودو کو اسی حد پر محدود رکھا ہے مگر مومن کا دائرہ عمل
اس سے بھی زیادہ وسیع ہے وہ قدم قدم پر اللہ سبحانہ کی رضا و خوشنودی کو مقدم رکھتا ہے
وہ جائز آمدنی کماتا اور جائز ابواب میں صرف کرتا ہے اور ہر باب میں اسی حد تک صرف
کرتا ہے جتنا اس کو خرچ کرنا چاہیئے۔ نہ بے ضرورت اور بے محل خرچ کرتا ہے اور نہ
ضرورت سے کم یا زیادہ خرچ کر ڈالتا ہے پھر دیکھو اس کی کمائی میں کیسی برکت ہوتی
ہے۔ مومن اللہ کی دی ہوئی روزی کو نعمت تصور کر کے اس کا شکر گزار رہتا ہے تو مزید
نعمت کا باب کھل جاتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے کاروبار میں ترقی کرتا جاتا اور اللہ کا
شکر کرتا رہتا ہے۔

کسب معاش کی ترغیب | بہرحال اس آیہ کریمہ میں روزی کمانے کی ترغیب
دی گئی ہے، حدیث شریف ہے:۔ ان اللہ تعالی یحب العبد المؤمن
المحترف۔ اللہ سبحانہ کو وہ بندۂ مومن محبوب ہے جو کوئی نہ کوئی پیشہ رکھتا ہو"
حکیم ترمذی نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ

آپ کا گزر ایک قوم پر ہوا دریافت فرمایا کہ تم لوگ کیا کرتے ہو؟ یعنی تمھارا ذریعہ معاش
کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا :۔ المتوکّلون ۔ قال انتم المتأکّلون انما
المتوکّل رجل القی حبّہ فی بطن الارض وتوکّل علی ربہ عزّ وجلّ ۔ ہم
"متوکّل" ہیں۔ فرمایا تم "متأکّل" ہو۔ زبردستی کھا جانے والے' دوسروں پر بوجھ بنے
ہوئے۔ متوکّل تو وہ ہے جو اپنے پاس کا موجودہ تخم زمین میں ڈال دے اور اپنے پروردگار
عزّ وجلّ کی دادودہش پر بھروسہ کیا ہوا ہو" دیکھتا ہو کہ یہ تخم کیسا بارآور ہوگا اور کیا ثمرہ
دے گا؟ ایک شاعر نے کیا خوب کہا :۔

کیمیا خواہی زراعت کن کہ خوش گفت آنکہ گفت
زرع ثلثانش زرست وثلث باقی ہم زرست

ءَاَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یَّخۡسِفَ بِکُمُ الۡاَرۡضَ فَاِذَا
67-16 هِیَ تَمُوۡرُ ۙ اَمۡ اَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یُّرۡسِلَ عَلَیۡکُمۡ حَاصِبًا ؕ
67-17 فَسَتَعۡلَمُوۡنَ کَیۡفَ نَذِیۡرِ ۝ وَلَقَدۡ کَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ
67-18 فَکَیۡفَ کَانَ نَکِیۡرِ ۝ کیا تم نڈر ہوگئے اُس سے (جس کی سلطنت) آسمان میں
ہے' اس سے کہ دھنسا دے تم کو زمین میں پھر تبھی وہ لرزنے لگے' یا نڈر ہوگئے ہو اُس سے
(جس کی سلطنت) آسمان میں ہے' اس بات سے کہ برسا دے تم پر مینھ پتھروں کا

تب جان لوگے کیسا ہے میرا دھمکانا' اور جھٹلا چکے ہیں جو اُن سے پہلے تھے پھر کیسا ہوا میرا عذاب ''

ارضی و سماوی عذاب ارشاد ہو رہا ہے کہ وہی زمین جو تمہارے لئے اللہ سبحانہٗ نے پست اور مسخر اور تابع فرمان بنائی ہے جس پر تم چلتے پھرتے، رہتے بستے ہو اور جس کے اندر سے تمہارے رزق و روزی کا انتظام و اہتمام کیا گیا ہے' اگر تم اس نعمت کا شکر نہ کرو گے تو ممکن ہے کہ اسی زمین سے تمہاری تباہی و بربادی کا سامان کیا جائے اور وہی تمہاری ہلاکت کا موجب بن جائے۔ وہ اس طرح کہ زمین کو حکم دیا جائے کہ وہ تم کو اپنے اندر دھنسا دے جیسا کہ قارون اور اس کے خزانوں کے ساتھ کیا گیا۔ آسمان والے خدا سے تم کو کہاں ایسا امن و اطمینان حاصل ہوا کہ وہ تمہارے ساتھ ایسا عمل نہ کریگا؟ اس کا حکم ہو تو ابھی ساری زمین لرزنے لگے۔ نیز تم کو یہ امن و اطمینان کہاں سے حاصل ہو گیا کہ تمہارے ایسے انکار اور نافرمانی کے باوجود تم پر پتھروں کا مینہ نہ برسایا جائیگا جیسا کہ لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کے ساتھ سلوک کیا گیا۔ اس وقت تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ ہمارے ڈرانے دھمکانے کا کیا نتیجہ ہے؟ تم جس تکذیب و انکار میں لگے ہوئے ہو ایسا طریقہ تم سے پیشتر کی اقوام مثلاً عاد و ثمود نے بھی اختیار کیا تھا' پھر اس انکار و تکذیب کی سزا جو ان کو ملی اس کو پیش نظر رکھو کہ مبادا ایسا ہو کہ تم کو بھی دیکھنا پڑے

کیونکہ تم بھی ان کے نقش قدم پر چل رہے ہو۔ خوب غور کرو اور اچھی طرح سمجھو ابھی تمھارے لئے غور و فکر کا موقع ہے۔

من فی السماء کی تفسیر مَن فِی السَّمَآءِ کی تفسیر تین طریق سے کی گئی ہے۔ ایک یہ اس سے فرشتے مراد ہیں۔ دوسری یہ کہ السَّمَآءُ سے بلندی، جہت علو یا تفوق واقتدار مراد ہے، تیسری یہ کہ کفار و مشرکین کا عقیدہ تھا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ آسمان میں ہے ان ہی کے زعم کے لحاظ سے یہ کلام کیا گیا۔ مگر صحیح تر یہ ہے کہ مَن فِی السَّمَآءِ سے اللہ سبحانہ تعالیٰ مراد ہے اور یہ متشابہات سے ہے کیونکہ اللہ جل شانہ کی ذات، مکان وغیرہ کی قید سے منزہ ہے ایسے قیود جسم اور جسمانیات کے لئے سزاوار ہیں۔ رب العزت کی ذات اس سے منزہ ہے لہٰذا جیسا ارشاد ہوا ہے اس پر ایمان رکھنا چاہیئے اور اس کی کیفیت اور تفصیلات کو علم باری کے حوالے کر دینا چاہیئے کہ اس سے کیا مراد ہے اس کو خدا ہی جانے۔ یہی محفوظ طریقہ ہے اور ہم نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔

متشابہات میں اہل علم کا مسلک حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں:—

کل ما وصف اللہ تعالیٰ نفسہ فی کتاب فتفسیرہ تلاوتہ والسکوت عنہ۔ (بیہقی) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں اپنی ذات کا جو کچھ بیان فرمایا ہے اس کی تفسیر صرف اس کی تلاوت کرنا ہے اور اس کی تفصیل سے سکوت اختیار کرنا ہے

یہی مسلک حضرت امام شافعی اور ہمارے امام حضرت سیدنا احمد بن حنبل رضی اللہ عنہما کا ہے۔ اور حضرت امام الحرمین فرماتے ہیں: — اختلف مسالك العلماء فی هٰذہ الظواهر فرأی بعضهم تاویلها والتزم ذلك فی آی الكتاب وما یصح من السنن وذهب أئمة السلف الی الانكفاف عن التاویل واجراء الظواهر علی مواردها وتفویض معانیها الی الله عزوجل۔ (رسالہ نظامیہ)

ان ظاہر آیات میں علماء کے مسالک مختلف رہے ہیں۔ بعضوں نے ان آیات کی تاویل مناسب خیال کی۔ کتاب اللہ کی آیات اور صحیح احادیث میں وہ اسی خیال کے پابند رہے۔ اور ائمہ سلف کا مذہب یہ رہا ہے کہ وہ ان آیات کی تاویل سے باز رہے۔ اور ظاہر آیات کو اپنے محل پر جوں کا توں رکھا اور اس کے معنی و مراد کو خدائے عزوجل کے تفویض کردیا۔"

فقیر عرض کرتا ہے کہ متشابہات کی تاویل کا مقصد صرف افہام و تفہیم ہے اور کسی مضمون کو فہم سے قریب تر کرنا ہے اور بس۔ مگر تاویل' تاویل ہے اور حقیقت حقیقت' لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ تاویل کو حقیقت نہ قرار دیا جائے بلکہ اس کو علم الہی کے تفویض کردیا جائے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ۘؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ

67-

اِلَّا الرَّحۡمٰنُؕ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍۭ بَصِیۡرٌ ۝ کیا انھوں نے نہیں دیکھا

اُڑتے جانوروں کو اپنے اوپر پر کھولے ہوئے اور پر سمیٹے ہوئے ان کو کوئی نہیں تھام

رہا رحمٰن کے سوا بے شک ہر چیز اس کی نگاہ میں ہے۔"

فضائے بسیط پر اقتدار الٰہی آسمانوں اور زمین کے احوال اور اس میں حق سبحانہٗ تعالیٰ کے اقتدار کا بیان کرنے کے بعد اب ان دونوں کی درمیانی فضا کا بیان فرمایا جا رہا ہے کہ ان لوگوں نے کیا پرندوں کو ہوا میں اڑتا ہوا نہیں دیکھا کہ وہ اڑتے وقت کبھی اپنے پروں کو کھول دیتے اور کبھی ان کو سمیٹ لیتے ہیں، اسی بست وکشاد اور قبض وبسط کی بدولت ان کی طاقت پرواز برقرار رہتی ہے اور اسی کی مدد سے وہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر آسانی کے ساتھ پہنچتے ہیں۔ ہر کس و ناکس روزانہ اس کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے مگر کبھی غور کیا کہ پرندوں کا جسم ثقیل ہوا میں معلق کیوں ہے۔ زمین جو مرکز ثقل ہے اور اپنے اندر قوت جذب وکشش رکھتی ہے وہ اس حالت میں کیوں ان پرندوں کو اپنی طرف کھینچ نہیں لیتی؟ یہی حال فی زمانناطیاروں (ہوائی جہازوں) کا ہے۔ ان کو ہوا میں معلق روکے رکھنا اور ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچنے کا موقع دینا کس کا کام ہے؟ رحمٰن قادر علی الاطلاق کی رحمت اور قدرت کے سوا اور کون چیز ہو سکتی ہے جو اس عجیب قدرت کا دعوی

کر سکے۔ آسمانوں اور زمین کی طرح، یہ فضائے بسیط بھی اسی رحمٰن کے حیطۂ اقتدار میں ہے تو یہاں بھی ایک سبق ملتا ہے کہ اگر اس پر ایمان نہ رکھو گے اور اس کے حکم کی خلاف ورزی پر مائل رہو گے تو وہ اس پر بھی قادر ہے کہ اسی فضائے بسیط سے منکروں اور مجرموں کی سزا دہی کا انتظام فرمائے مگر الرحمٰن کا کلمہ اس جانب رہبری فرما رہا ہے کہ استحقاق سزا کے باوجود جو سزا انہیں دی جا رہی ہے یہ اس کی رحمانیت کا اقتضا ہے۔ لہٰذا اس سے غلط طریقہ پر فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کی جائے۔ حق پسندی کارفرما ہے تو یہی صورت کامیابی و کامرانی کی ہو سکتی ہے۔ ہر چیز اس کی نگاہ میں ہے۔ اگر ایسی بیجا و بے محل کوشش کی جائے گی تو نجات مشکل ہو جائے گی۔ اور بہت بڑی مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ گے جس سے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہو گی۔

اصحاب فیل کا واقعہ مثال کے طور پر اصحاب فیل کے واقعے پر غور کرو کہ ابرہہ اور اس کا لشکر جو ہاتھیوں پر سوار ہو کر کعبۃ اللہ شریف کے ساتھ برا ارادہ لے کر آیا تھا۔ اس کا کیا حشر ہوا؟ انہی پرندوں میں سے چھوٹے چھوٹے پرندوں یعنی ابابیل کے ایک جھنڈ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ چھوٹی چھوٹی کنکریاں جو ان کے منہ اور پنجوں میں تھیں جن کو ساحل سمندر سے انھوں نے اٹھا لایا تھا وہی اس تمام لشکر کی تباہی کا باعث ہوئیں۔ نہ ابرہہ پہنچ سکا اور نہ اس کا لشکر اور نہ اسکے ہاتھی۔ سب کے سب تباہ و برباد

ہو کر رہ گئے۔ کعبۃ اللہ شریف جس کو ایک بے جان عمارت خیال کیا گیا تھا وہ تو محفوظ رہا اور تباہی کا منہ دیکھنا پڑا ابرہہ کو اور اس کی ساری فوج کو اور ہاتھیوں کو ــــ

فاعتبروا یآ اولی الابصار۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ 67-20
اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍۚ ۝ بھلا وہ کون ہے (جو تمھاری مدد کرے) یہ جو تمھاری فوج ہے یہ تمھاری مدد کرے گی رحمٰن کے سوائے ؟ منکر پڑے ہوئے ہیں بڑے دھوکے ہیں۔"

بتوں کی بے بسی اور کفار کی حیرانی

اللہ سبحانہ تعالٰی کی قدرت اور اقتدار جو آسمانوں، زمین اور ان دونوں کی درمیانی فضا بلکہ ساری کائنات میں جو قائم اور دائم ہے اس کے بیان فرما دینے کے بعد کفار و مشرکین کے اعتقادات باطلہ اور مزعومات فاسدہ ان کے تراشیدہ اور نا تراشیدہ بتوں اور پتھروں سے ہیں جن کو انھوں نے اللہ سبحانہ کا شریک و سہیم قرار دے رکھا ہے (نعوذ باللہ منہا) اس جانب توجہ دلائی جا رہی ہے کہ اگر تم خدائے واحد قادر علی الاطلاق مختار الکل پر ایمان نہ لا کر بتوں کو اپنا الٰہ قرار دیتے ہو اور یہ بت' ایک دو نہیں بلکہ ان کی ایک فوج ہی بنا رکھی ہے تو اچھا بتاؤ کہ رحمٰن تم سے ناراض ہو کر تمھیں سزا دینا چاہے تو کیا یہ

تمھاری خود ساختہ فوج اس کے مقابلہ میں کوئی مدد کرسکتی ہے اور اس کے عذاب سے تم کو بچا سکتی ہے یا کوئی اور آفت ارضی یا سماوی یا کوئی مرض نفسانی تم کو گھیر لے تو تمھارے خداؤں کا یہ لشکر تم کو بچا سکیگا ؟ اگر نہیں بچا سکتا اور یقیناً بچا نہیں سکتا تو پھر رحمٰن کے آگے التجا کرنے کے سوا اور کیا چارۂ کار تمھارے لئے رہ جائے گا اور جب اسی کو تم نے ناراض کر رکھا تو کس منہ سے اس کی طرف رجوع کرسکوگے ؟ افسوس ! یہ کافر و مشرک کیسے بڑے دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں شیطان کا یہ کیسا فریب ہے جس میں یہ پھنسے ہوئے ہیں ؟

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ 67-21
عُتُوٍّ وَّ نُفُوْرٍ ۝ بھلا وہ کون ہے جو روزی دے تم کو اگر وہ روک لے اپنی روزی؟ کوئی نہیں، بلکہ یہ اڑ رہے ہیں شرارت اور بدکنے پر۔

شانِ رزاقیت یہ "رزق" جو تم کو روزانہ صبح و شام بے کھٹکے مسلسل حاصل ہو رہا ہے جس پر تمھاری زندگی کا انحصار ہے۔ اگر کبھی ایک دفعہ میسر نہ ہوا تو بھوک سے بے چین ہو جاتے ہو۔ اگر یہ رزق اللہ سبحانہ تم سے روک لے اس بنا پر کہ تم اس کے منکر ہو اور اس کی مرضی کے خلاف جا رہے ہو تو کوئی ایسا ہے کہ اللہ سبحانہ کے روک لینے کے بعد اس رزق کو تم پر بحال کرے ؟ مثلاً کبھی برسات نہ ہوئی۔ یا زمین پر

کوئی آفت پہنچ گئی اور اس کی ساری پیداوار ضائع ہوگئی، یا دشمن نے اس پر اپنا قبضہ جمالیا یا کسی طرح کی رکاوٹ پیدا ہوگئی کہ تم اس رزق کو فروئے حلق نہ کرسکو تو وہ کون ہے جو تمہارے کھانے کا انتظام کرے؟ کوئی نہیں جب کوئی بھی تم کو رزق نہیں پہنچا سکتا تو پھر اس کا انکار کیوں کرتے ہو اور اسکی مرضی کے خلاف کیوں جاتے ہو؟ اتنی بات سب کو معلوم ہے معمولی سمجھ کا آدمی بھی اسکو جانتا ہے۔ یہ سب جانتے بوجھتے ہوئے خدا کا انکار کرتے ہو اور اسکے احکام کی خلاف ورزی کر رہے ہو تو معلوم ہوا کہ یہ صرف تمہاری شرارت اور بدنفسی ہے۔ راہ راست پر آنے کے عوض اس سے بدکتے جارہے ہو۔ ایسی شرارت اور یہ بدکنا یاد رکھو کچھ فائدہ نہ دیگا۔

کفار کے وجوہ انکار مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ کفار دو باتوں کی وجہ سے اللہ سبحانہٗ پر ایمان نہیں لاتے تھے اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت پر تلے ہوئے تھے۔ ایک یہ کہ ان کو اپنے تمول پر گھمنڈ تھا کہ ہم ایسے مالدار ہیں، ہم میں اتنے سیٹھ، ساہوکار، لکھ پتی، کروڑ پتی ہیں۔ اور حضور اکرم اور آپ کے متبعین کے پاس کیا دھرا ہے؟ دوسری بات یہ کہ ہماری مردم شماری بہت زیادہ ہے۔ اکثریت ہماری ہے۔ یہ اقلیت جس میں گنے چنے چندہی افراد ہیں وہ ہمارا کیا بگاڑ سکتے ہیں اگر کوئی وقت آن پڑے تو اولاً ہم اپنے خزانوں کے منہ کھول دیں گے اور پانی کی طرح روپیہ بہائیں گے۔ اور اگر اس سے بھی کام نہ چلے تو ہماری اکثریت اپنی قوت بازو سے

آئی ہوئی آفت کو دفع کر دیگی۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان کے اس گھمنڈ کا ازالہ اس آیہ کریمہ کے ذریعہ فرمادیا کہ تمہارے یہ دونوں تصورات غلط ہیں۔ وقت آن پڑنے پر نہ مال کچھ کام آسکتا ہے اور نہ اکثریت کچھ کر سکتی ہے۔ یہ سب تمہاری شرارت ہے اور حق سے گریز کرنے کی باتیں ہیں جو محض بیکار ہیں۔ اللہ سبحانہ کے آگے ایک نہیں چل سکتی :۔

کسے را کہ پندار در سر بود — مپندار ہرگز کہ حق بشنود

اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا 67-22
عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ بھلا ایک جو چلے اوندھا اپنے منہ کے بل وہ سیدھی راہ
پائے گا یا وہ شخص جو چلتا ہو سیدھا سیدھی راہ پر"

موحد اور مشرک کا فرق یہاں موحد اور مشرک کا فرق بتایا جا رہا ہے کہ مشرک مثلاً تین سو ساٹھ خداؤں کو ماننے والا جو روزانہ ایک نئے خدا کی پوجا کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جو کوئی اوندھا ہو کر جانوروں کی طرح منہ کے بل چلتا ہو یا اندھے کی طرح جا رہا ہو نہ اس کو کچھ سوجھتا ہے اور نہ اس کو کوئی راستہ دکھائی دیتا۔ اندھا دھند چل رہا ہے اور جو جس طرف بلاتا ہے اسکی طرف دوڑتا پھرتا ہے۔ اور ایک موحد ہے جو خدائے واحد کو ماننے والا اور اسکو وحدہٗ لاشریک لہٗ جاننے والا جو اس کی بتائی ہوئی راہ پر انسانوں کی طرح

سیدھا ہو کر چل رہا ہو۔ بتاؤ کہ دونوں میں ہدایت یافتہ کون ہو سکتا ہے؟ اور منزلِ مقصود پر پہنچنے کی توقع کس سے ہو سکتی ہے؟ مشرک کا حال یہ ہے کہ اس نے جس جس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اس کو ہر ایک اپنی طرف کھینچ رہا ہے اب یہ کسی ایک کی طرف مائل ہوتا ہے تو دوسرے تمام دیوتاؤں کی ناراضی کا اندیشہ کرتا رہتا ہے بخلاف موحد کے کہ وہ ایک خدائے برحق واحد وقہار اور غفور رحیم کا بندہ ہے اسی کو اپنی تمام حاجات وضروریات کا مرکز سمجھا ہوا ہے۔ جو کچھ کرتا ہے اسی کی مرضی اور حکم کے مطابق کرتا ہے۔ ڈرتا ہے تو وہ اُسی سے ڈرتا ہے اور امید رکھتا ہے تو اسی کے فضل وکرم کا امیدوار بنا ہوا ہے اور اسی خوف ورجا میں اس کا ایمان تکمیل پا رہا ہے: ؎

فرق ست میان آنکہ از روئے یقیں — با دیدۂ بینا رود اندر رہِ دیں

با آنکہ دو چشم بستہ بے دست کسے — ہر گوشہ ہمی رود بظن وتخمیں

کفار کا حشر حضرت قتادہ نے افمن یمشی مکبًا کی تفسیر میں فرمایا:—

ھو الکافر عمل بمعصیۃ اللہ فحشرہ اللہ یوم القیامۃ علی وجھہ — اور امن یمشی سویًا کی تفسیر میں فرمایا:— ھو المومن عمل بطاعۃ اللہ یحشرہ اللہ علی طاعتہ (عبد بن حمید عبد الرزاق ابن المنذر) یعنی کافر اللہ سبحانہ کا منکر رہا اور اندھا دھند اس کی نافرمانی میں لگا رہا تو اللہ نے بھی اس کو قیامت میں اوندھا منہ

اٹھایا (کہ وہ بجائے پاؤں سے چلنے کے منہ کے بل چلتا رہے گا) اور مومن اللہ سبحانہ (کا اقرار کرتا رہا اور اس کی) طاعت و فرماں برداری میں لگا رہا تو اس کا حشر اسی طاعت و فرماں برداری کے حال پر ہوا۔" بہرحال جیسی زندگی ایسی موت اور جیسی موت ایسا حشر۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کافر منہ کے بل کیسے چلیں گے؟ ارشاد ہوا:۔ ان الذی امشاہ فی الدنیا علی رجلیہ قادر علی ان یمشیہ فی الآخرۃ علی وجھہ ۔جس نے اس کو دنیا میں پاؤں پر چلاتا رہا اس پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ قیامت میں اس کو منہ کے بل چلائے۔" ان حالات میں خود ہی فیصلہ کر لیجئے کہ کون ہدایت یافتہ ہے؟ کفار و مشرکین اس کا کیا جواب دے سکیں گے؟ اے نبی کریم! آپ ہی اس کا جواب سنا دیجئے۔

قُلْ هُوَ الَّذِيٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ 67-23
وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي 67-24
الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ آپ ہی کہہ دیجئے کہ وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور بنا دئے تمہارے واسطے کان اور آنکھیں اور دل تم بہت کم حق مانتے ہو یہ بھی کہہ دیجئے کہ وہی ہے جس نے پھیلا دیا تم کو زمین میں اور اُسی کی طرف تم سب اکٹھے کئے جاؤ گے۔"

نعمت الٰہی اور فضل لامتناہی یعنی اسی خدائے واحد نے تم کو پیدا کر کے پورا انسان بنا کر کھڑا کیا اور تم کو کان دیئے کہ ان سے اللہ سبحانہ کا پیغام پیغمبروں کی ہدایات، اہل علم کی باتیں، واعظین کے وعظ، ناصحین کی نصیحتیں، حکماء کے حکیمانہ اقوال، اور عقلاء کا معقول کلام سنتے رہیں۔ آنکھیں دیں تا کہ ان سے آسمانی کتابیں، آثار و دلائل قدرت، احادیث شریفہ، شرع شریف کے دلائل و احکام، مفید تصانیف کا مطالعہ کریں۔ دل دیا کہ اس کے ذریعہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کریں، کمالات الٰہیہ اس کے جلال و جمال پر غور کریں۔ ہر حال میں اس کو حاضر و ناظر جانیں، خلاف ورزی احکام سے خوف اور اس کی رحمت کے امیدوار ہوں۔ سوچیں کہ ایک دن اللہ کو منہ دکھانا ہے۔ اپنی زندگی کو ایسے معیار پر رکھنے کا خیال دل میں ہو کہ ہم اس کو منہ دکھانے کے قابل رہیں۔ محبت الٰہی، اس سے ملنے کا اشتیاق، اس کے محبوبین انبیاء علیہم السلام، آل و اصحاب، صدیقین، شہداء، صالحین، اولیاء، علماء، صوفیاء وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت پیدا ہو۔

شکر نعمت الغرض کان، آنکھ، دل، جب ہم کو دیا گیا ہے تو ان کو اللہ سبحانہ کی طاعت میں لگائے رکھنا ہی اس کا شکر ہے۔ مگر باری تعالیٰ کا ارشاد ہو رہا ہے:۔ قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ۔ تم بہت کم اس کا شکر کرتے ہو۔ پھر یہ کمی بعض دفعہ اتنی

گھٹ جاتی ہے کہ صفر کے درجے تک پہنچ جاتی ہے اسی لئے اہل علم نے تصریح فرمائی ہے کہ عربی میں قلیل کا لفظ نفی کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس لحاظ سے قلیلا ما تشکرون کے یہ معنی ہوں گے کہ تم کچھ بھی شکر نہیں کرتے ہو۔ یہ خطاب کفار سے ہوگا۔ مومن تو ایسا نہ ہوگا اور نہ ہونا چاہیے۔

ناشکری کی مذمت اب جن لوگوں نے ان انمول جواہرات' کان' آنکھ اور دل کو اوپر بتائی ہوئی صورتوں کے خلاف اللہ سبحانہ کی معصیت اور نافرمانی میں لگا دیا تو غور کیجیے کہ یہ کیسی ناشکری ہوگی۔ کفار ایسی ہی خلاف ورزیاں کرکر کے ان انمول جواہرات کو ضائع کردیتے اور اپنی استعداد کھو بیٹھتے ہیں۔ ان حالات میں کسی سے کیا گلہ ہے۔ خود اپنی حالت قابل اصلاح ہے۔ بہرحال اللہ سبحانہ تعالی نے اپنے فضل وکرم سے یہ لاقیمت جواہرات ہم کو دیے ہیں تو اگر ہم انکی صلاحیت کھو بیٹھتے اور اپنی استعداد کو خراب کردیتے اور ان اعضاء کی صلاحیت کو بگاڑ دیتے ہیں' تو یہ رب العزت کی کیسی ناراضی کا موجب ہوگا اس کو سمجھ لینا چاہیے۔

کائنات کا مبدأ و معاد اللہ سبحانہ نے تو ایسی صلاحیتیں دیکر ہم کو زمین پر بسایا ہے۔ ہم یہاں اپنی مدت ختم کرکے جب رخصت ہوں گے تو زیر زمیں رہنا ہوگا۔ وہاں سے قیامت میں اٹھ کر اسی کی طرف جانا ہوگا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہماری

ابتداوآفرینش بھی اُدھر ہی سے ہوئی تھی۔ انتہا بھی اسی کی طرف ہوگی تو یہ کیسی عظیم الشان ابتداوانتہا ہوگی یہ بھی پیش نظر رہے۔ اگر کسی نے اس کو فراموش کردیا تو وہ پھر کہیں کا نہ رہا۔ العیاذ باللہ۔

کفار کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ وہ اصلاح حال کی طرف تو متوجہ نہیں ہوتے اور لاطائل باتیں کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ کفار یہ سب سن کر کہا کرتے:۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ۔ اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو؟ 67-25

قیامت کب ہوگی؟ مطلب یہ کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوکر اکٹھے کئے جانے کا ذکر آپ ہمیشہ کرتے رہتے ہیں، اول تو یہ بات بعید از فہم ہے۔ اگر ہم اسکو مان بھی لیں تو بتادیجئے کہ وعدۂ قیامت جو عرصہ سے کیا جارہا ہے وہ کب پورا ہوگا؟ اس کا وقت متعین کردیجئے کہ فلاں تاریخ، فلاں ماہ، فلاں سنہ میں قیامت آئیگی تاکہ اس کا انتظار کیا جائے اور ہم کو یہ معلوم ہوجائے کہ آپ کا یہ وعدہ سچا تھا۔ جواب ارشاد ہو رہا ہے:۔

قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ آپ فرمائیے 67-26

خبر تو ہے اللہ ہی کے پاس اور میں تو صرف ڈر سنانے والا ہوں کھلے طور پر۔

قیامت کا وقت مقرر ہے اس کو اللہ ہی جانتا ہے

اللہ سبحانہ کے نزدیک اس کا وقت مقرر ہے اسی کو اس کا ٹھیک وقت معلوم ہے۔ وہ مجھے نہیں بتایا گیا۔ مجھے صرف اس کے خوفناک انجام اور مستقبل سے تم کو آگاہ کرنے کے لئے کہا گیا ہے اس کے بموجب میں نے صاف طور پر آگاہ کر دیا ہے۔ بس جس قدر میرا فریضہ تھا اس کو میں نے انجام دے دیا ہے۔ اس کو مانو یا نہ مانو یہ تمہارا کام ہے

ایک صحابی کا سوال اور آنحضرتؐ کا جواب

ایک دفعہ ایک صحابیؓ نے بھی آپ سے دریافت کیا تھا متی الساعۃ۔ قیامت کی موعودہ ساعت کب آئے گی؟ آپ نے جواب میں فرمایا: ما اعددت لھا۔ تم نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ مقصد یہ تھا کہ محض ایسے سوالات کرتے رہنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ انسان کو اپنا فرض انجام دینا چاہئے۔ اور وہ کام کرنا چاہئے جو قیامت میں اور اس کے بعد کام آئے۔

ایک تمثیل

اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک طالب علم صرف امتحان کی تاریخ دریافت کرتا رہتا ہے لیکن اس کے لئے تیاری کرنے سے غافل ہے۔ فرض کرو ایسے کو

تاریخ معلوم بھی ہو گئی تو اس کو تاریخ معلوم کرنے سے کیا فائدہ ہو گا؟ طالب علم کو امتحان دینا تو یقینی امر ہے۔ اس سے ضرور امتحان لیا جائے گا۔ لہذا اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ ایسے بے فائدہ سوالات میں اپنا عزیز وقت ضائع کرنے کے عوض خود کو امتحان کی تیاری میں مشغول رکھے۔ اور کوشش کرے کہ امتحان میں بہتر کامیابی حاصل ہو۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا 67-27
الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ۝ پھر جب دیکھیں گے کہ وہ (وعدہ) پاس آپہنچا تو بدحال ہو جائیں گے چہرے منکروں کے اور کہا جائے گا کہ یہی ہے جس کو تم مانگتے تھے"

قیامت کی ہولناکی یعنی قیامت کے منکر اب اس وقت تو تمسخر اور استہزاء کرتے ہوئے اس کا وقت دریافت کر رہے ہیں لیکن جب اس وعدے کی تکمیل کا وقت آن پہنچے گا تو چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں گی۔ رنگ متغیر ہو جائے گا۔ اور اس کی دہشت سے حواس باختہ ہو جائیں گے۔ پھر کچھ نہ سوجھے گا۔ خیر تو اسی میں ہے کہ صرف قیامت سے آگاہ کر دیا جائے کہ وہ بالیقین آنے والی ہے۔ لہذا فرصت کے جو لمحے بھی مل رہے ہیں ان میں تیاری کر لی جائے۔ اگر وہ ساعت

آن پہنچیگی تو حیرانی اور سراسیمگی کے عالم میں گرفتار ہو جائیں گے۔ ہاتھ سے کچھ نہ ہو سکیگا
اس وقت کہا جائے گا کہ تم جس قیامت کو دعوت دے رہے تھے وہ یہی ساعت
ہے یہ اتنی خوفناک ساعت ہوگی کہ دوسری جگہ سورۂ حج کے آغاز پر بتلا دیا گیا کہ
مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلانا بھول جائیں گی، حاملہ عورتوں کا حمل ساقط ہو جائیگا
تمام لوگ بدحواس سراسیمہ ہو جائیں گے۔ ایسے معلوم ہوں گے کہ نشہ چڑھ گیا ہے
حالانکہ نشہ وغیرہ کچھ نہیں صرف اس وقت کی دہشتناک حالت کا نتیجہ ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ 67-28
يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ آپ فرمائیے بھلا دیکھو تو اگر ہلاک
کر دے مجھ کو اللہ اور میرے ساتھ والوں کو یا ہم پر رحم فرمائے پھر وہ کون ہے جو
بچاوے منکروں کو دردناک عذاب سے "

کافروں کی بے عقلی کفار مکہ کو جب کبھی لاجواب ہونے کی نوبت آتی اور
ہمیشہ لاجواب ہو کر ہی رہ جاتے تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرام
رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حق میں بد دعا کرتے اور کوستے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے
یہ تلقین فرمائی کہ اے خیر الخلق! آپ ان سے ذرا دریافت تو کیجئے کہ ہم تمہاری
بھلائی چاہتے ہیں اور عذاب الٰہی سے بچانے کی دھن میں رات دن لگے ہوئے ہیں

اور تم ہم کو کوستے اور ہمارے حق میں بد دعا کرتے رہتے ہو) خیر دو صورتوں میں سے ایک وقوع پذیر ہوگی۔ یا تو یہ ہوگا کہ میں اور میرے ساتھی سب یہاں سے چلے جائنگے اللہ سبحانہ ہم سب کو اٹھالے گا۔ یا یہ ہوگا کہ ہم تمھارے خیر خواہ اور تم ہمارے بدخواہ ہونے کی بنا پر نیز ہمارا ایمان اللہ سبحانہ پر ہونے کی وجہ سے ہم سب پر رحم فرمائے اور یہی دوسری صورت قرین عقل ہے۔ جو صورت بھی ان دونوں میں سے وقوع میں آئے یہ سلوک تو ہمارے ساتھ ہوا۔ اس سے تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ مگر یہ بتاؤ کہ تم خدا کے منکر ہو اور منکرین کے لئے اللہ سبحانہ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ خواہ یہ عذاب دنیا و آخرت دونوں جگہ ہو یا صرف آخرت میں۔ اس دردناک عذاب سے تم کو کون بچا سکتا ہے ؟ کافر اس کا جواب بھی کیا دے سکتے اس لئے خود ہی جواب ادا فرماتے ہیں۔

قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ 67-29

آپ فرمائیے کہ وہی رحمٰن (بچا سکتا ہے) اس پر ہمارا ایمان ہے اور اسی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے۔ اب قریب میں تم جان لوگے کہ کون ہے کھلے بہکاوے میں"

مومن اور کافر کا فرق جب یہ مسلّم ہے کہ اللہ سبحانہ اپنے ماننے والوں سے

رضامند و خوشنود ہے اور منکرین سے ناراض و ناخوش۔ اسی طرح ماننے والوں کو انعام
دیتا اور منکرین کو سزا دیتا ہے۔ تو تم خود فیصلہ کر لو کہ ماننے والوں کو تباہ و تاراج
کیوں کرنے لگا؟ باقی اس دنیا میں قیام ایک مدت معینہ کے لئے ہے دائمی اور
ابدی زندگی تو آخرت میں ہوگی۔ ہم اور تم اس دنیا میں اپنی اپنی مدت معینہ ختم
ہونے تک ہی رہیں گے۔ اگر ہم یہاں ہمیشہ نہیں رہ سکتے تو تم کب تک یہاں
رہو گے۔ تمہاری مدت معینہ ختم ہونے تک ہی تم کو یہاں رہنے دیا جائے گا۔
اس کے بعد دونوں فریق کو اللہ سبحانہ کے حضور میں پیش ہونا ہے۔ ہم خدائے
رحمٰن پر ایمان رکھتے ہیں اور تمام کاموں میں بھروسہ بھی اسی کی ذات پر ہے
اس لئے امید ہے کہ ہمارا حشر تو اچھا ہی ہوگا لیکن تم کو نہ تو اس پر ایمان ہے اور نہ
اس پر بھروسہ۔ تم جب وہاں پیش ہوگے اور تم کو سزا سنائی جائیگی تو ایسی حالت میں
تم کو کون بچائے گا؟ ہماری نسبت تمہارا خیال یہ ہے کہ ہم بہکاوے میں پڑے
ہوئے ہیں۔ فردائے قیامت ہی اس کا تصفیہ ہوگا۔ اس دن معلوم ہو جائیگا کہ
کھلے بہکاوے میں کون تھے تم یا ہم؟۔

قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَن يَأْتِيكُم بِمَآءٍ 67-30

مَّعِينٍ ۝ آپ کہہ دیجئے بھلا دیکھو تو اگر ہو جائے صبح میں تمہارا پانی خشک

تو کون ہے جو لائے تمہارے ہاں پانی نتھرا۔

پانی کی اہمیت اس سورت شریفہ کے آغاز میں تبلایا گیا تھا خلق الموت والحیٰوۃ اسی خدا نے موت وحیات پیدا کی ہے۔ دونوں کا خالق وہی ہے۔ اب یہاں یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ خالق موت وحیات وہی ہے جبھی تو اس نے زندگی کے یہ تمام سامان کئے ہیں اگر تم اس کو نہ مانو گے تو اللہ سبحانہ اس پر بھی قادر ہے کہ سامان زندگی میں سے کسی ایک چیز کو روک لے۔ پھر کس کی قدرت ہے کہ اس کے کسی چیز کو روک لینے کے بعد تم کو اس سے مستفید ہونے کا موقع دے؟ جب کوئی نہیں تو اس کو نہ مان کر انکار کیوں کرتے ہو؟ نیز یہ بت جن کی پرستش تم کر رہے ہو ان کی بے بسی ظاہر ہے ایسے نازک وقت میں وہ تمہاری مدد کیا کر سکیں گے؟ اسباب زندگی کے منجملہ ایک پانی ہے جس کے متعلق دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے:۔ وجعلنا من الماء کل شیئ حیّ۔ اور ہم نے پانی ہی سے ہر چیز کی زندگی وابستہ کر رکھی ہے" اگر پانی نہ ہو تو نباتات، حیوانات، انسان سب کی زندگی ختم ہو جائے۔ رات کو سوتے وقت تک تمہارے تالابوں، کنوؤں، باولیوں اور ندیوں، نالوں میں پانی موجود تھا۔ صبح اٹھ کر دیکھیں تو ہو سکتا ہے کہ وہ سب پانی خشک ہو جائے۔ پھر وہ کون ہے جو تمہارے لئے پانی نکال لائے

جو تمہاری ضروریات کے لئے کافی ہو۔ پانی بھی ایسا جو صاف شفاف نتھرا ہوا۔ جب اس کو کوئی نہیں لا سکتا تو اللہ کو ناراض کیوں کرتے ہو۔ اس پر اور اس کی اتاری ہوئی کتابوں پر اس کے بھیجے ہوئے رسولوں پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟۔

شانِ نزول حضرت ابن الکلبی فرماتے ہیں:۔ نزلت هذه الآية في بئر زمزم و بئر ميمون بن الحضرمي۔ (ابن المنذر، فاکہی) یہ آیہ کریمہ چاہ زمزم اور چاہ میمون بن الحضرمی کے باب میں نازل ہوئی ہے جن کا پانی زمانہ جاہلیت میں مکہ والے پیتے تھے۔ اور ان ہی دو کنوؤں پر ان کی زندگی منحصر تھی۔

ایک عبرتناک واقعہ کہتے ہیں کہ ایک شریر نے جب یہ آیہ کریمہ سنی تو کہنے لگا:۔ تجيء به الفؤوس والمعاول فذهب ماء عينيه۔ (اگر پانی خشک ہو جائے تو) پھاؤڑے اور کدالیں (زمین سے) پانی نکال لائیں گے"۔ یہ کہنا ہی تھا کہ اسی وقت اس کی دونوں آنکھوں کی رطوبت خشک ہو گئی۔ اور اس کی بینائی جاتی رہی۔ (اللہ سبحانہ ہم کو اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین) آپ نے دیکھا کہ کلام الٰہی کے ساتھ تمسخر کرنے والوں کو بعض وقت کیسی عبرتناک سزا دی جاتی ہے؟ خبردار! کبھی ایسی بات زبان پر نہ آنے پائے۔

حق کا اعتراف امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ تلاوت کرتے ہوئے جب اس آیہ کریمہ

فَمَنْ یَّاْتِیْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ پر پہنچیں تو مستحب یہ ہے کہ اس استفسار کے جواب میں کہیں :۔
اللّٰہُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ ۔یعنی اللہ سبحانہ تعالیٰ جو تمام عالمین کا رب ہے وہی دوبارہ پانی کو جاری کر سکتا ہے ۔حدیث شریف میں اسی طرح آیا ہے۔گویا یہ امر حق کا اعتراف ہے۔
فقیر عرض کرتا ہے کہ شوافع اور ہمارے امام احمدؒ حنبل کے ہاں مستحب یہ ہے کہ اس آیہ کریمہ کی تلاوت نماز میں ہو یا خارج نماز ۔ہر حال میں یہ سن کر اللہ رب العالمین کہنا چاہیئے ۔اور حنفیہ کے نزدیک فرض نماز ہو تو کچھ نہ کہے ۔البتہ نفل نماز میں ہو یا یا خارج نماز تلاوت کرے تو مذکور الصدر جواب دے سکتے ہیں ۔ واللہ اعلم۔

حضور اکرمؐ کی ذات پاک آبِ حیات یہاں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح پانی سے مادی چیزوں کی حیات وابستہ ہے اسی طرح علم سے روحانی حیات کا گہرا تعلق ہے ۔حدیث شریف ہے :۔ العلم حیاۃ الاسلام علم ہی اسلام کی زندگی ہے "۔چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں مدرسہ یا جامعہ سے علم کے دریا بہہ رہے ہیں بڑے بڑے علماء کو "بحر العلوم" وغیرہ القاب سے یاد کرتے ہیں۔یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک جملہ علوم و معارف کا سرچشمہ ہے اور تمام عالم کے لئے آب حیات ہے۔ یہ وہ آب حیات نہیں جس سے صرف ابدان و اجسام کو زندگی ملتی ہے بلکہ وہ آب حیات جس سے قلوب و ارواح کو دائمی زندگی نصیب ہوتی ہے ۔تم اپنی

جہالت اور کور باطنی کے باعث حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کا بُرا چاہتے ہیں۔ ان ہی بزرگوں کے طفیل میں تم کو دولت علم کے بے شمار خزانے ملے ہیں۔ اللہ سبحانہ کا بڑا فضل و کرم ہے کہ ان کے ذریعہ تم کو دولت علم سے مالامال کیا جارہا ہے اگر یہ آب حیات نہ ہوتا تو ساری قوم جہالت و ضلالت کی تاریکی میں پڑی رہتی تم اور تمہارے دلو دیوتا سے کیا ایسا انتظام ہوسکتا؟ اللہ سبحانہ کا احسان مانو اور اس نعمت عظمیٰ کی قدر کرو۔ ان سے سیکھو اور اپنی دنیا و آخرت کی خیر مناؤ۔ واللہ الموفق۔

سورہ تبارک موجب نجات حضرت خالد بن معدان فرماتے ہیں:۔ بلغنی فی الٓمٓ تنزیل ومثله فی تبارك الذی ان رجلا كان یقرأهما ما یقرأ شیئا غیرهما وكان كثیر الخطایا فنشرت جناحها علیه قالت رب اغفرله فانه كان یكثر قرأتی فشفعها الرب تعالیٰ فیه وقال له اكتبوا له بكل خطیئة حسنة وارفعوا له درجة الٓمٓ تنزیل اور تبارك الذی کی فضیلت میں مجھے یہ حدیث شریف پہنچی ہے کہ ایک شخص ان دونوں سورتوں کو پڑھا کرتا اور ان کے سوا اور کچھ نہیں پڑھتا تھا۔ اسکی خطائیں بھی بہت تھیں۔ (جب وہ قبر میں اتار دیا گیا تو) ان سورتوں نے اس کو اپنے پروں میں ڈھانک لیا اور رب العزت جل جلالہ سے عرض کرنے لگیں کہ یہ شخص ہم کو پڑھا کرتا تھا۔ رب العزت تبارک تعالیٰ نے یہ سفارش منظور فرمالی اور حکم دیا کہ اسکی ہر خطا کے بدلے ایک نیکی لکھو اور اس کا ایک درجہ

بلند کرو۔"

سورۂ تبارک کی شفاعت حضرت موصوف نے یہ بھی فرمایا :۔ انّھا تجادل عن صاحبھا فی القبر تقول اللّھم ان کنت من کتابک فشفّعنی فیہ وان لم اکن فی کتابک فامحنی عنہ وانّھا تکون کالطیر یجعل جناحھا علیہ فیشفع لہ فیمنعہ من عذاب القبر۔ یہ سورت شریفہ اس کے پڑھنے والے کی طرف سے قبر میں بحث کریگی۔ یوں کہیگی کہ الٰہی ! اگر میں آپ کی کتاب مبین کا جزو ہوں تو میری سفارش اسکے باب میں قبول فرمائیے۔ اور اگر میں آپکی کتاب مجید میں شامل نہیں تو مجھے اس میں سے مٹا دیجئے۔ اور یہ سورت شریفہ ایک پرندے کی شکل میں نمودار ہوگی اور اس پر اپنے پر پھیلا دیگی اور اسکی نسبت سفارش کرتی جائیگی تاآنکہ اس کو عذاب قبر سے روک دیگی۔

حضرت طاوسؒ فرماتے ہیں :۔ فضلتا علی کلّ سورۃ فی القرآن بستّین حسنۃ (دارمی) یہ دونوں سورتیں (آلمٓ تنزیل اور تبارک الذی) کو قرآن کریم کی ہر سورت پر (۶۰) نیکیوں کے ذریعہ فضیلت دی گئی ہے"

الحمد للہ والمنہ کہ سورۂ ملک کی تفسیر ختم ہوئی۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

(۱۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ روز شنبہ)

68 Qalam Makky verses 52

سورۂ قلم

(مکیہ ہے اور اس میں (۵۲) آیتیں ہیں)

ماقبل سے مناسبت سورۂ ملک کا اختتام وعید پر ہوا تھا اور اس سورۃ شریفہ کا آغاز ہی اس سے ہو رہا ہے لہٰذا مناسبت ظاہر ہے۔

۲۔ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ سورۂ ملک کے ختم پر پانی کے زمین میں جذب کر دینے کا خوف دلایا گیا تھا۔ اس سورت شریفہ میں راتوں رات ایک ثمرہ دار باغ کی تباہی کا ذکر فرمایا گیا ہے جس سے عبرت حاصل کی جا سکتی ہے کہ اللہ سبحانہ ایک رات میں تمام باغ کو فنا کر سکتا ہے تو زمین میں پانی کو جذب کر دینا کیا مشکل ہے؟

۳۔ تفسیر بحر المحیط میں ہے:۔ سورۂ ملک میں اللہ سبحانہ کی قدرت کاملہ کا بیان ہوا تھا کہ اگر وہ چاہے تو کفار کو زمین میں دھنسا دے سکتا ہے۔ آسمان سے پتھر برسا کر ہلاک کر سکتا ہے وغیرہ۔ یہاں تنبیہ دی جا رہی ہے کہ تم ہمارے رسول مقبولؐ کو کبھی جنون کی طرف کبھی سحر (جادو) کی طرف کبھی ہمارے کلام کو شعر کی طرف منسوب کرتے ہو یاد رکھو کہ اس کی پاداش میں

کہیں برباد نہ کردئے جاؤ۔

یہ سورت اوائل سے ہے | یہ سورت شریفہ نزول کے اعتبار سے اوائل قرآن میں شامل ہے اگرچہ لوح محفوظ کی ترتیب کے لحاظ سے اس کو انتیسویں پارے میں جگہ دی گئی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے سورت اقراء نازل ہوئی پھر یہ سورت شریفہ اور اس کے بعد سورۂ مزمل اور مدثر وغیرہ۔ اس لحاظ سے یہ سورت شریفہ بالاتفاق مکیہ ہے۔ البتہ آیہ کریمہ انا بلوناھم سے یعلمون تک اور فاصبر سے الصالحین تک آیات مدینہ منورہ میں نازل ہونا امام سخاویؒ نے بتلایا ہے۔ واللہ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع ہے اللہ کے نام سے جو بڑے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ۙ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ۚ 68-1
68-2

قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں۔ آپ نہیں ہیں اللہ کے فضل سے کچھ دیوانے۔

ن کی تفسیر | ن حروف مقطعات اور متشابہات سے ہے اس کی حقیقت علام الغیوب ہی جانے یا جس ذات اقدس روحی فداہ پر یہ کلام پاک نازل ہوا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ہمارے لئے یہ نعمت کیا کم ہے کہ اس ایک ہی حرف کے پڑھنے پر تیس نیکیاں

ملتی ہیں کیونکہ یہ حرف لکھنے میں تو ایک ہے اور پڑھنے میں تین۔ یعنی اس کو نون پڑھتے ہیں۔ نون میں تین حروف ہیں اور ہر حرف پر دس دس نیکیاں ہیں۔

نون کے معنی لغت میں "مچھلی" کے ہیں۔ راغب اصبہانی لکھتے ہیں: ـــــ

النون الحوت العظیم ولذا قال عکرمة فی الآیة اقسم اللہ بالحوت الذی لطخ سهم نمرود بدمه۔ (مفردات) "نون" کے معنی "بڑی مچھلی" کے ہیں۔ اور اسی وجہ سے عکرمہؓ نے اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ سبحانہ نے مچھلی کی قسم کھائی جس نے نمرود کے تیر کو اپنے خون سے رنگین کر دیا تھا"۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ـــ وذا النون اذ ذھب مغاضباً۔ اور یاد کرو واقعہ مچھلی کے صاحب کا جبکہ وہ اپنی قوم پر ناراض ہو کر وہاں سے نکل گئے تھے"۔ یہ حضرت یونس علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔

نٓ دوسری تفسیر حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ـــ ان اللہ خلق النون وھی الدواۃ۔ (ابن جریر، ابن المنذر) اللہ سبحانہ نے "نون" کو پیدا کیا اس سے "دوات" مراد ہے"۔ کیونکہ اس کی شکل دوات کی سی ہے۔ نیز اس کے بعد "قلم" کا بیان آرہا ہے۔ ان دونوں کی مناسبت ظاہر ہے۔ نمرود کا تیر جو مچھلی کے خون سے رنگین ہوا اوپر بیان ہوا اس سے بھی دوات اور قلم کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

نون کے معانی اور بھی بیان ہوئے ہیں مگر اللہ سبحانہ کی کیا مراد ہے؟ وہی بہتر جانے۔

قلم کی تفسیر | وَالْقَلَمِ۔ "قسم ہے قلم کی" حضرت عبادہ بن الصامتؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ ان اول ماخلق اللہ القلم فقال لہ اکتب قال ما اکتب قال اکتب القدر فکتب ما کان وما ھو کائن الی الابد۔ (ابن ابی شیبہ، امام احمدؒ، ترمذی بروایت صحیحہ، ابن مردویہ) اللہ سبحانہ نے سب سے پہلے جو چیز پیدا کی وہ قلم ہے۔ پیدا کرنے کے بعد اس سے فرمایا کہ لکھ، اُس نے عرض کیا کہ کیا لکھوں؟ ارشاد ہوا کہ قدر، (یعنی ہر چیز کا اندازہ جو اللہ سبحانہ نے ازل میں مقدر فرما دیا ہے) اس کو لکھ۔ پھر اس نے لکھا جو کچھ کہ وقوع میں آچکا تھا اور جو کچھ ابدالآباد تک وقوع میں آنے والا ہے۔"

نور مبارک کی اولیت | حدیث معروف اول ماخلق اللہ نوری بھی پیش نظر رہے جس میں حضرت سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ سبحانہ نے میرے نور کو سب سے پہلے پیدا فرمایا۔" نیز انا من نور اللہ وکل شیئ من نوری کہ میں اللہ سبحانہ کے نور سے ہوں اور ہر چیز میرے نور سے ہے۔" تو ذات اقدس حضرت سرور کائنات علیہ افضل التحیات والتسلیمات کی شان گرامی ظاہر ہوتی ہے کہ قلم بھی

ایک شئے ہے اور عرش اعظم بھی ایک شئے۔ اور ان سب کا ظہور نور اقدس سے ہونا صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے۔ باقی اولیت ذات انور کی اور اولیت قلم کی ان دونوں میں منافات نہیں۔ ذات حضور اکرم کی اولیت و اقدمیت حقیقی ہے یا اور دوسری اشیائ کی اولیت اضافی ہے۔ اور اسی سے آپ کو علم ما کان وما یکون حاصل ہونے کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے۔

قلم نعمت عظمیٰ ہے بہرحال قلم کو اس کائنات میں جو شرف حاصل ہے وہ حدیث بالا سے معلوم ہوا۔ چنانچہ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں:۔ القلم نعمة من الله عظيمة لولا القلم ما قام دين ولم يصلح عيش والله اعلم بما يصلح خلقه (عبد بن حمید، ابن المنذر) قلم اللہ سبحانہ کی بہت عظیم الشان نعمت ہے۔ اگر قلم نہ ہوتا تو کوئی دین برقرار نہ رہ سکتا اور نہ کسی کی زندگی درست ہو سکتی۔ اپنی مخلوقات کی اصلاح کے طور طریقے اللہ سبحانہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے"۔

قلم نہ ہو تو کچھ نہیں عرب جاہلیت کی ساری خرابیوں کا باعث یہی تھا کہ وہ لکھنے پڑھنے سے عاری تھے گو فصیح اللسان تھے۔ بلاغت کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ خطابت و شاعری میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ شجاعت مسلمہ تھی۔ مہمان نوازی اور داد و دہش میں بھی شہرۂ آفاق تھے۔ اور بھی خوبیاں فہم و فراست وغیرہ موجود تھیں مگر

قلم کا نہ ہونا' ایسی زبردست کمی تھی کہ تمام فطری محاسن پامال تھے۔ اللہ سبحانہ کو منظور ہوا تو ان ہی میں سے حضرت نبی اُمّی فداہ ابی امی کو مبعوث فرمایا اور پہلی وحی جو آپ پر نازل فرمائی وہ اقرأ باسم ربك الذی خلق خلق الانسان من علق اقرأ وربك الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان ما لم یعلم کی آیات کریمہ تھیں یعنی پڑھئے نام سے اپنے رب کے جس نے (سب کچھ) پیدا کیا انسان کو بستہ خون سے پیدا کیا۔ پڑھئے درحالیکہ آپ کا رب سب سے زیادہ باعزت ہے جس نے قلم کے ذریعہ (سب کچھ) سکھایا۔ انسان کو وہ باتیں سکھا دیں جن کو وہ کچھ بھی نہ جانتا تھا۔"

حضور اکرمؐ کا کمال اس کے بعد دوسری سورت شریفہ جو نازل ہوئی اس میں قلم کو اس طرح سراہا گیا کہ جناب باری نے قلم کی قسم کھا کر اس کو تمام کائنات کا گواہ قرار دیا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ شرف بخشا کہ قلم کا نہ ہونا دوسروں کے لئے کمی ہو تو ہوا کرے مگر یہی چیز آپ کی ذات اقدس کے لئے ہنر اور کمال کی صورت میں جلوہ گر ہوئی۔ ولا تخطہ بیمینك فرما کر آپ کے شرف ذاتی کو چار چاند لگا دیے گئے یعنی آپ اپنے ہاتھ سے لکھتے نہیں مگر لکھنے والوں کو لکھنا سکھاتے ہیں۔ آپ نے تعلیم فرمائی کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو تو ب کو اونچا کر کے لکھو بسم کی سین کو کشش دو

لفظ اللہ کو واضح اور روشن لکھا کرو۔ الرحمٰن کی نون کو کشش دے کر کشادہ لکھو۔
لکھنے سے فارغ ہو جاؤ تو قلم داہنے کان پر لگا لو۔ تحریر کی گیلی روشنائی کو اس پر مٹی ڈال کر
خشک کر دیا کرو۔ عرب تلوار تو پکڑتے ہی تھے۔ جب قلم ہاتھ میں لیا تو ساری دنیا کے معلم
بن گئے۔ اسی وجہ سے قلم کو شمشیر پر بھی فضیلت ہے ایک عرب شاعر کہتا ہے:-

اذا اقسم الابطال یوما بسیفھم و عدّوہ مما یجلب المجد والکرم
کفیٰ قلم الکتّاب فخرا و رفعۃ مدی الدھر ان اللہ اقسم بالقلم

بہادر لوگ کسی دن اپنی تلوار کی قسم کھانے لگیں اور تلوار کو بزرگی اور
شرف کا باعث قرار دیں تو قلم کے لئے یہ دائمی فخر اور سربلندی کیا کم ہے کہ
اللہ سبحانہ نے قلم کی قسم کھائی ہے۔"

قلم کے فوائد قلم درحقیقت ہے ہی ایسی نعمت عظمیٰ کہ زبان سے جو بات نکلتی ہے وہ
ہوا میں مل جاتی ہے اور بعد کو فنا ہو جاتی ہے مگر وہی بات جب قلم سے لکھ لی جائے تو
کلام فنا کو بقائے دوام کی نعمت حاصل ہو جاتی ہے قرن ہا قرن کے بعد آنیوالے بھی
اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ کلام ایک ہوا ہے۔ اور ہوا کو اگر کوئی چیز قید میں
لا سکتی ہے تو وہ قلم ہے۔ گویا قلم کی حکومت ہوا پر بھی قائم ہے۔ ماضی کو حال و
استقبال سے ملانا یا مستقبل سے حال کو آگاہ کرنا یہ بھی قلم کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔

قلم ہی کا فیضان ہے کہ قرآن کریم کو نازل ہوئے تقریباً چودہ سو سال ہوتے ہیں اور یہی تاریخ احادیث شریفہ کی بھی ہے مگر ہم آج اسی قلم فیض رقم کی بدولت ان بے بہا نعمتوں سے مالامال ہیں۔ والحمدللہ علیٰ ذالک۔

وما یسطرون کی تفسیر وَمَا یَسْطُرُوْنَ یہ داؤ قسمیہ بھی ہوسکتا ہے اور عاطفہ بھی قسمیہ مراد ہو تو معنی یوں ہوں گے۔ قسم ہے ان چیزوں کی جو لکھتے ہیں" اور عاطفہ ہو تو یہ معنی ہوں گے کہ (قسم ہے قلم کی) اور جو لکھتے ہیں۔ (ان کی بھی)" رہے لکھنے والے کون ہیں؟ ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد کراماً کاتبین ہوں جو بنی آدم کے روزانہ اعمال نامے لکھنے پر مامور ہیں۔ یا علمائے ربانیین جو اللہ سبحانہ کا کلام اور اس کے رسولوں کے احکام مواعظ، نصائح، اور کام کی باتیں، لکھ لکھ کر بنی آدم کی ہدایت و رہنمائی کا سامان فرماتے رہتے ہیں۔ یا قلم الٰہی جس نے تمام مخلوق کے آجال و مقادیر لکھ رکھے ہیں۔ یعنی ہر ایک کی مدت حیات اور اس حیات میں ہونے والے تمام اعمال و اقوال سب کچھ لکھ دئے گئے ہیں۔ اس صورت میں قلم مفرد کو جمع کے صیغہ سے یاد کرنا اس کے شرف اور عظمت کے اعتبار سے ہوگا۔ یا جنس قلم۔ خواہ وہ قلم الٰہی ہو یا کراماً کاتبین اور علمائے ربانیین کے اقلام ہوں۔ ان سے جو جو اعمال و اقوال، علوم و معارف و اسرار احکام و مواعظ و نصائح، اخبار و واقعات و امثال لکھے جاتے ہیں ان سب کی قسم ہے۔ اور یہ

تمام کے تمام گواہ ہیں اس امر کے جس کا بیان آگے آرہا ہے۔

ما انت بنعمۃ ربک بمجنون کی تفسیر

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ۔ آپ اپنے پروردگار کے فضل سے کچھ دیوانے نہیں ہیں"۔ یعنی اللہ سبحانہ کی نعمت کاملہ جو آپ کی ذات گرامی کے ساتھ مخصوص ہے اسی نعمت کاملہ مخصوصہ میں سے دوسروں کو حسب استعداد حصہ دیا گیا ہے یعنی نبوت، رسالت، عقل کامل، فہم ثاقب، فضل جامع، خلق اتم، علم و معرفت، انوار و اسرار اور جملہ محامد و محاسن جہاں جمع ہوں تو ایسی نعمت کاملہ اور فضل عظیم کی موجودگی میں اس ذات گرامی کو "جنون" سے کیا واسطہ ہو سکتا ہے؟

ولید کی سفاہت

کہتے ہیں کہ ولید بن مغیرہ مخزومی جو اشد کافروں سے تھا اس نے حضور کو اس وصف سے یاد کیا تھا اور بطور تمسخر و استہزاء اس طرح کہا کرتا تھا۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس کی نفی اس زور سے فرمائی کہ افضال الٰہیہ اور خدائی نعمتیں جن کو اس درجہ دی گئی ہوں ان کو دیوانہ کہنا پرلے درجہ کی حماقت ہے کہ اس سے بڑھ کر سفاہت و بلادت نہیں ہو سکتی۔

حضرت حلیمہ سعدیہؓ کا واقعہ

مواہب اللدنیہ میں حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طفولیت کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ اپنی سواری پر

سوار ہوکر حضور کو اپنی گودی میں لی ہوئی کعبۃ اللہ شریف کے پاس آئیں تو سواری کے جانور نے کعبۃ اللہ شریف کو دیکھتے ہی تین دفعہ سجدہ کیا۔ اور گویا ہوئی کہ اس کی پیٹھ پر خیر المتنبیین و سید المرسلین و خیر الاولین والآخرین و حبیب رب العالمین سوار ہیں" یہ نادر روزگار واقعہ دن کے وقت، ایک مجمع عام میں پیش آیا۔ موجود الوقت لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا۔ ایک ایسا جانور جو تمام جانوروں میں بلادت اور سفاہت میں مشہور رہے وہ تو آپ کی نبوت و رسالت، اولین و آخرین کے مقابلہ میں آپ کی خیریت و افضلیت اور حبیب رب العالمین ہونے کی شہادت علی رؤس الاشہاد دے اور ایک انسان جو خود کو بڑا عقلمند، جہاں دیدہ تجربہ کار اور ابنائے روزگار میں خود کو ممتاز سمجھتا ہو وہ آپ کو ایسا خطاب دے تو اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ ایک گدھی سے بھی زیادہ بلید اور سفیہ ہے اس سے بڑھ کر بلید اور سفیہ اور کون ہو سکتا ہے؟ بہرحال اللہ سبحانہ نے پوری طرح اس کی نفی فرمائی۔ اور صرف یہی نہیں کہ نفی فرمائی بلکہ ارشاد فرمایا:—

حضور کے اجر مضاعفہ | وَاِنَّ لَكَ لَاَجۡرًا غَيۡرَ مَمۡنُوۡنٍ ۝ اور آپ کے لئے ثواب ہے بے انتہا۔"

68-3

ابتدائے اسلام میں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقریریں یہی ہوتی تھیں کہ قریش جہالت اور گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور خدائے واحد کو چھوڑ کر تین سو ساٹھ بت بنا رکھے ہیں۔ پرستش تو خالق کائنات کی ہونی چاہئے بجائے اس کے اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کی عبادت جاری ہے جو کچھ بھی کام نہیں آسکتے ہیں تمہاری اصلاح کے لئے اللہ کے پاس سے نبی و رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اگر میری دعوت توحید قبول کر لوگے اور میری بتائی ہوئی ہدایات پر عمل پیرا ہوگے تو دنیا و دین کی کامیابی حاصل ہوگی۔ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھکر میرا ساتھ دو قرآنی ہدایات کو مانو جو مجھ پر بذریعہ وحی نازل ہورہی ہیں تو میں ضمانت دیتا ہوں کہ دنیا میں تمہارا بول بالا ہوگا۔ اور آخرت میں نجات ہوگی۔ میرا دین تمام دنیا پر غالب ہوگا ورنہ اس وقت تم کو حسرت ہوگی کہ کاش ہم دعوت اسلامی قبول کرتے۔ وغیرہ وغیرہ — اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا ہے :۔

کی وفا تو نے محمدؐ سے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

کفار کا طنز کفار کو یقین نہ تھا وہ تمسخر اور استہزاء کے انداز میں کہا کرتے کہ آپ کے سوا اللہ کو کوئی نہیں ملا کہ آپ پر وحی بھیجنے لگا۔ اور آپ ہیں کہ دوسروں کو جاہل اور

گمراہ بتاتے ہیں بلکہ ساری دنیا کے مقابلہ میں صرف خود کو ہدایت یافتہ باور کراتے ہیں پھر آپ کا یہ دعوی ہے کہ میں ساری دنیا پر غالب آؤں گا۔ اور منکرین حسرت کرتے رہیں گے کہ کاش ہم بھی مسلمان ہو جاتے۔ یہ کونسی عقل و ہوش کی باتیں ہیں کھلی دیوانگی نہیں تو پھر کیا ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ تمہاری ساری تقریریں مجنونانہ بڑ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ وغیرہ (العیاذ باللہ)۔

ثواب بقدر مشقت ان جوابات کا حضورؐ پر کیا اثر ہوتا ہوگا اور ذات اقدس کو کیسی اذیت اور تکلیف محسوس ہوتی ہوگی اس کا اندازہ کر لیجیے۔ مگر اسلامی اصول ہے ثواب الاعمال بقدر المشقة۔ جس کا حق میں جتنی تکلیف ہوگی اسی قدر ثواب زیادہ ملیگا" چونکہ کافروں کی یہ باتیں بے انتہا تکلیف اور اذیت کا باعث تھیں۔ اللہ سبحانہ نے آپ کو آگاہ فرما دیا اور تسلی دی کہ آپ فضل الٰہی سے مجنون کیوں ہونے چلے آپ کو تو بے انتہا ثواب مل رہا ہے یعنی امت کے جس قدر افراد آپ کی ہدایات کو تسلیم کر کے آپ کے بتائے ہوئے راستہ پر چلتے رہیں گے ان سب کا اجر آپ کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا رہے گا۔ نیز جس قدر منکرین آپ کا انکار کر کے آپ کی ایذا رسانی کا موجب ہوں گے اس کا اجر بھی آپ کو ملتا رہے گا۔ اب اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امت دعوت اور امت اجابت ان دونوں کا اجر تا قیام قیامت

آپ کو ملتا رہے گا تو آپ کے اجر و ثواب کا کیا ٹھکانہ۔

غیر ممنون کی دوسری تفسیر غیر ممنون کے ایک معنی غیر مقطوع کے ہیں کہ ثواب کا سلسلہ کبھی قطع نہ ہوگا۔ مذکورہ بالا تفسیر ان ہی معنی کے نظر کرتے تھی۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ افراد امت کے اعتبار سے یہ اجر کبیر اور ثواب کثیر جو آپ کو حاصل ہوتا رہے گا اس میں کسی کی آپ پر منت و احسان نہیں۔ بلکہ آپ کی منت اور آپ کا احسان ان تمام امتیوں کی گردن پر ہے جو آپ کی تعلیمات سے فائدہ اٹھاتے رہے نیز منکرین کے انکار اور ایذا رسانیوں کے بدلے میں آپ کو جو اجر ملتا رہے گا اس کا احسان بھی کوئی آپ پر نہیں جتا سکتا۔ آپ ان کی ایذاؤں پر صبر فرماتے رہئے آپ کے ثواب میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہی ہوتی رہے گی۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ اور آپ ہیں فطرۃً بڑے خلق پر۔

خلق عظیم کی تفسیر آپ کے اخلاق عالیہ اور ملکات فاضلہ کا کیا پوچھنا جن کی 68-4
تفسیر سارا قرآن کریم ہے۔ قرآن کریم وہ کلام پاک جس کے محاسن صوری و معنوی کی کوئی حد نہیں اور جس کا جواب لانے سے ساری دنیا قیامت تک قاصر ہے۔ فصحائے عرب سے اس کا جواب نہ ہو سکا اور سبھوں نے اس کی فصاحت و بلاغت حد اعجاز پر ہونے کو مان لیا۔ ایسا معجز کلام ہر وقت ایک جدید اسلوب سے پیش کرنا کیا کسی مجنون کا کام ہو سکتا ہے؟ پھر آپ جو کچھ زبان مبارک سے فرماتے ہیں

اور دوسروں کو اس کا حکم دیتے ہیں اس کو بہترین طریقے پر کر بتاتے ہیں اور طریق عمل سکھاتے ہیں اس کا نمونہ عمل ساری دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں ان کو مجنون کہا جا سکتا ہے؟ حاشا و کلا۔ کبرت کلمۃً تخرج من افواھھم بہت بڑی بات ہے جو اُن کی زبان سے نکل رہی ہے "ان یقولون الا کذبا۔ یہ معترضین محض جھوٹ کہتے ہیں "

قوم سے خطاب کسی کے فہم میں یہ بات آسکتی ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ اپنا ایسا معجز کلام کسی مجنون پر نازل فرمائے گا۔ پھر اس کی تفسیر ناطق، آپ کی احادیث شریفہ جن میں علوم و حکمت کے دریا بہائے گئے ہیں اور ہر موقع و محل کے اعتبار سے ایسی جامع و مانع ہدایات دی گئی ہیں کہ ان کا تعلق تہذیب نفس سے ہو یا تدبیر منزل سے یا سیاسیات مدنیہ سے، نیز معاملہ دوست کا ہو یا دشمن کا، عزیز و قریب کا ہو یا اجنبی کا، اہل و عیال کا ہو یا پڑوسی کا، تندرستوں کا ہو یا بیماروں اور معذوروں کا بچوں کا ہو یا عورتوں، بوڑھوں، جوانوں کا، ماتحتین کا ہو یا بالادستوں کا، قول و فعل کا ہو یا علم و اعتقاد کا، ظاہر کا ہو یا باطن کا، جوارح سے تعلق رکھتا ہو یا قلب سے نیز معاملہ دنیا کا ہو یا عالم برزخ اور آخرت کا ہر ہر امر کے متعلق کیسی روشن ہدایات احادیث شریفہ میں موجود ہیں۔ کیا دیوانوں سے ایسی عالمی اصلاحات ممکن ہیں؟

پھر ہر امر کے حدود مقرر کرنا، افراط و تفریط کو ہٹا کر اعتدال قائم کرنا اور خود اس پر عامل ہو کر دوسروں کو عامل بنا کر تاقیامت آنے والی نسلوں کے لئے سادہ سہل بہترین نمونہ علم و عمل کا چھوڑ دینا کسی فیلسوف دانا، حکیم، عالم، عارف، تجربہ کار، جہاں دیدہ کار آزمودہ کے بس کی بات ہے؟ پھر یہ سب کچھ جو کچھ ہوا تریسٹھ سال کی عمر شریف اور صرف تیئیس ۲۳ سال کی مختصر مدت میں انجام پایا۔ اس تیئیس سال میں ایک لاکھ بیس ہزار ماہر اساتذہ علم و عمل کے پیکر وہ تھے جو میدان عرفات میں لا کر کھڑے کردئے گئے تھے۔ علاوہ ان لاکھوں ماہرین کاملین کے جن کو اپنے کاروبار جاری رکھنے کے لئے گھروں میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ یہ سب کے سب آسمان رسالت و نبوت کے درخشاں ستارے تھے۔ جن کی عزت افزائی اس طرح فرمائی گئی:۔ اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ "میرے تمام اصحاب ستاروں کی طرح ہیں تم ان میں سے جس کسی کی اقتدا کرو گے راہ راست پر رہو گے"۔ ان ہی میں وہ قابل فخر ممتاز ہستیاں تھیں جو عشرہ مبشرہ، سابقین اولین، مہاجرین، انصار، اصحاب بدر، اصحاب احد، اصحاب خیبر، اہل بیعت رضوان وغیرہ القاب سے یاد کی جاتی ہیں۔ اور ان ہی میں وہ مقدس و مبارک بزرگوار اہل بیت اطہار ہیں جن کی شان میں آپ کا ارشاد مبارک ہوا:۔ مثل اھل بیتی کمثل سفینۃ نوح من تمسک بھا نجا و من تخلف

عنھا ھلک۔ میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوح کی طرح ہے جس نے اس کو تھام لیا اس کی نجات ہوئی اور جو اس سے پیچھے رہ گیا وہ ڈوب مرا" کیا دیوانوں سے ایسے افراد مہیا ہو سکتے ہیں؟ ۔

خلافت راشدہ کے نمایاں کارنامے

پھر ان مبارک و مقدس، ممتاز ماہرین نے تیس سال کی مختصر سی مدت خلافت راشدہ میں، دنیا بھر کے جو نمایاں کام محیر العقول طریقہ پر انجام دئے۔ میدان علم و عرفان میں ہو، یا معرکہ کارزار میں، مساجد میں ہو یا گھروں اور خانقاہوں میں، عمل کے میدان میں ہو یا معاملات وغیرہ میں، ان کے کارناموں کو تاریخ و سیرت کی کتابوں میں قیامت تک پڑھتے رہو۔ کیا یہ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کھلا ہوا زندہ معجزہ نہیں ہے کہ آسمان نبوت و رسالت کے ان درخشاں ستاروں نے جو جزیرۃ العرب کے باشندے تھے۔ جن بلاد و امصار کو اپنے مبارک ہاتھوں سے فتح کیا تھا، افغانستان و ایران سے لے کر عراق، عجم، مصر، ترکستان وغیرہ تک، آج بھی اسلام کے زیر نگیں ہیں اور ان پر اسلامی پرچم چودہ سو سال سے لہرا رہا ہے اور ان شاء اللہ المستعان تا قیام قیامت لہراتا رہیگا اور خلافت راشدہ کے بعد جن سلاطین نے فتوحات کئے وہ اس سے بھی بہت آگے تھے، گو یہ ممالک، مسلمانوں کے قبضے میں نہ رہے لیکن مسلمان وہاں اب بھی باعزت

زندگی بسر کر رہے ہیں ۔ اعلاء کلمۃ اللہ کسی نہ کسی صورت میں قائم و دائم ہے ۔ کیا یہ سب دیوانگی ہے اور دیوانوں کے کام ہیں ؟

خانگی زندگی اخلاق و اوصاف دنیا بھر میں معروف و مشہور ہونا آسان ہے ۔ اس کا حقیقی معیار گھریلو زندگی ہے ۔ حضور انور کا ارشاد گرامی ہے : ۔ خیرکم خیرکم لاھلہ ۔ تم سب میں بہتر وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ بھی بہترین سلوک کرتا ہو " ۔ انسان ساری دنیا میں اچھی شہرت رکھتا ہے لیکن اس کا کوئی عیب اپنی بی بی سے چھپ نہیں سکتا ۔ خانگی خدمت گزاروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا ۔ آئیے اس نقطۂ نظر سے بھی مطالعہ کریں ۔

خُلقِ عام حضرت ابو عبداللہ جدلی فرماتے ہیں کہ میں نے ام المومنین سیدتنا عائشہ صدّیقہ سے دریافت کیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خلق مبارک کا کیا حال تھا ؟ فرمائیں : ۔ لم یکن فاحشا ولا متفاحشا ولا سخابا فی الاسواق ولا یجزی بالسیئۃ السیئۃ ولکن یعفو و یصفح ۔ (ابن ابی شیبہ ترمذی بروایت صحیحہ ابن مردویہ) آپ نہ فحش گو تھے اور نہ اس کو پسند فرماتے تھے ۔ نہ بازاروں میں نعرے لگاتے ' آوازے کستے ۔ اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے لیکن معاف فرما دیتے اور درگزر سے کام لیا کرتے " ۔

صحابہ کرام اور ازواج مطہرات کیساتھ سلوک حضرت ام المومنینؓ نے یہ بھی فرمایا: ۔ ماکان احد احسن خلقا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مادعاہ احد من اصحابہ ولا من اھل بیتہ الا قال لبیک (ابن مردویہ ابونعیم واحدی) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ خوش خلق کوئی نہ تھا آپ کے اصحاب یا اہل بیت جب کبھی آپ کو بلاتے تو آپ ہمیشہ لبیک فرمایا کرتے" یعنی ابھی حاضر ہوا۔

راضی برضا رہنا ایک دفعہ ام المومنین سے حضرت ابوالدرداءؓ نے آپ کے اخلاق مبارک دریافت کئے تو فرمایا: ۔ یرضی لرضاہ ویسخط لسخطہ۔ (ابن المنذر ابن مردویہ بیہقی) (آپ کے سب کام اللہ واسطے تھے) اس کی خوشی سے آپ بھی خوشنود ہوتے اور اس کی ناراضی سے آپ بھی ناراض رہتے"

تمام قرآن آپ کا خلق حضرت سعد بن ہشام فرماتے ہیں کہ میں (اپنی جدہ محترمہ) سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق فاضلہ سنایئے۔ فرمائیں: ۔

کان خلقہ القرآن اما تقرأ القرآن انک لعلی خلق عظیم۔ (ابن ابی شیبہ عبد بن حمید مسلم ابن المنذر حاکم ابن مردویہ) آپ کے اخلاق (سے سارا) قرآن کریم بھرا ہے۔ کیا تم

قرآن کریم میں یہ آیۂ کریمہ نہیں پڑھتے۔ انك لعلی خلق عظیم۔ آپ اخلاق کے بہت بڑے معیار پر ہیں، جس سے بڑھ کر اور کوئی معیار نہیں ہو سکتا۔

خدام کے ساتھ سلوک حضرت انسؓ فرماتے ہیں:۔ خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احدی عشرۃ سنۃ ما قال لی قط الا فعلت هذا او لم فعلت هذا (خرائطی) میں نے گیارہ سال حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی۔ اس مدید عرصہ میں (میں نے کوئی کام نہیں کیا تو) کبھی نہیں فرمایا کہ یہ کیوں نہیں کیا۔ (یا اگر کوئی کام خلاف مرضی مبارک کر دیا تو کبھی یوں نہ فرمایا کہ) ایسا کیوں کیا؟ حضرت انسؓ نے یہ بھی فرمایا:۔ خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا ابن ثمان سنین فما لامنی علی شیئ یوما من الایام فان لامنی لائم قال دعوه فانه لو قضی شیئ لکان (خرائطی) میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا تو میں اس وقت آٹھ سال کا تھا مگر آپ نے کسی دن بھی مجھ پر کوئی ملامت نہیں فرمائی (دیکھنے والوں میں سے) اگر کوئی مجھ پر کبھی ملامت کرتے تو آپ فرمایا کرتے اس کو چھوڑ دو۔ بات یہ ہے کہ اگر کسی امر کا فیصلہ (اللہ سبحانہ کے پاس سے) ہوا ہوتا تو اس کے بموجب کام ہو کر رہتا۔

حضرت انسؓ کا اعتراف سیرت مبارک میں حضرت انسؓ کا یہ اقرار بھی ملتا ہے کہ ان گیارہ سال کی مدت میں جتنے کام حضورؐ کے میں نے انجام دئے اور آپ کی خدمت کی۔ اس سے کہیں زیادہ حضور اکرمؐ نے میری خدمت فرمائی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ورضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا۔

لطافت و نظافت حضرت انسؓ یہ بھی فرماتے ہیں:۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسن الناس خلقا ولا مسست خزاً ولا حریرا ولا شیئاً الین من کف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا شممت مسکا ولا عطرا کان اطیب من عرق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بخاری مسلم) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (تمام لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ خوش خلق تو تھے ہی) پیدائشی طور پر یعنی جسمانی اعتبار سے بھی سب سے زیادہ حسین خوبصورت تھے۔ میں نے کوئی ابریشم کوئی حریر اور کوئی نرم وملائم چیز حضورؐ انور کے دست مبارک سے نرم تر نہیں پائی۔ نہ کوئی مشک نہ کوئی عطر آپ کے پسینے سے زیادہ خوشبو دار پایا۔"

تواضع حضرت انسؓ نے یہ بھی فرمایا:۔ انّ امرأۃ کانت فی عقلھا شیئاً قالت یا رسول اللہ انّ لی الیک حاجۃ فقال یا امّ فلان اجلسی

فی ای سکک المدینۃ شئت اجلس الیک فقعد الیہا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم حتی قضت حاجتھا (مسلم شریف) ایک عورت کی
عقل میں کچھ خلل تھا اس نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! مجھے آپ سے کچھ کام ہے۔
آپ نے فرمایا تم مدینے کی کسی گلی میں بیٹھ جاؤ ہم وہیں تمھارے پاس بیٹھ جائیں گے۔
چنانچہ آپ اس کے پاس بیٹھ گئے اور اس کی حاجت روائی فرمائی۔" آپؐ نے یہ بھی
فرمایا:۔ کانت الامۃ من اماء المدینۃ لتاخذ بید رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فینطلق بہ حیث شاءت (بخاری شریف) مدینے کی
ایک ایک باندی تک آپ کا دست مبارک پکڑ لیتی اور آپ کو جہاں چاہتی لیجاتی
تھی۔" آپ نے یہ بھی فرمایا:۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا
صافح الرجل لم ینزع یدہ من یدہ حتی یکون ھو الذی ینزع یدہ
ولا یصرف وجھہ عن وجھہ ولم یر مقدما رکبتیہ بین یدی جلیس۔
(ترمذی شریف) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی مصافحہ کرتا تو
آپ اپنا دست مبارک اس کے ہاتھ سے نہ نکالتے تا آنکہ وہ خود ہی اپنا ہاتھ
نہ نکال لیتا اور نہ اپنا چہرۂ انور اس کے چہرے سے پھیر لیتے نیز کبھی نہیں دیکھا
گیا کہ اپنے پاس بیٹھے ہوئے شخص کے آگے اپنا قدم مبارک دراز فرمایا ہو۔"

حلم حضرت انسؓ نے یہ بھی فرمایا۔ کنت امشی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ببرد نجرانی غلیظ الحاشیہ فادرکہ اعرابی فجذبہ بردائہ جذبۃ شدیدۃ حتی نظرت الی صفحۃ عاتق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد اثرت بہا حاشیۃ البرد من شدۃ جذبہ ثم قال یا محمد صلی اللہ علیک وسلم مرلی من مال اللہ الذی عندک فالتفت الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم ضحک ثم امر لہ بعطاء۔ (بخاری شریف، مسلم شریف) میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا۔ اس وقت آپ نجرانی چادر دبیز حاشیہ والی زیب تن فرمائے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک گنوار ملا اور ردائے مبارک اس زور سے کھینچی کہ گردن مبارک پر نشان پڑ گئے۔ پھر کہنے لگا کہ محمدؐ! اللہ کا مال جو آپ کے ہاں ہے اس میں سے مجھے بھی کچھ دینے کے لئے فرمائیے۔ آپ اس کی طرف ملتفت ہو کر مسکرانے لگے پھر اس کو دینے کا حکم فرمایا۔" فداہ ابی وامی۔

حلم حضرت جبیرؓ بن مطعم اپنا چشم دید واقعہ بیان فرماتے ہیں :۔ بینما هو يسير مع رسول الله صلى الله عليه وسلم مقفله من حنين فعلقت الاعراب يسالونه حتى اضطروه الى سمرة فخطفت رداءه فوقف رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال اعطوني ردائى لوكان لي عدد هذه العضاه نعم لقسمته بينكم لا تجدوني بخيلا ولا كذوبا ولا جبانا۔ (بخاری شریف) غزوۂ حنین سے واپسی کے موقع پر یہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چل رہے تھے۔ اتنے میں چند گنوار لگ پڑے۔ وہ آپ سے کچھ مانگتے تھے تا آنکہ ببول کے ایک درخت کے پاس ٹھہر جانے پر مجبور کر دیا۔ اور ردائے مبارک بھی اُڑا لی گئی چنانچہ آپ ٹھہر گئے۔ اور فرمایا کہ (دوستو!) میری چادر تو مجھے دے دو۔ اگر میرے پاس ان خاردار درختوں کے کانٹوں کے برابر بھی بکریاں، گائے، اونٹ ہوں گے تو میں ان سب کو تم میں تقسیم کردوں گا۔ تم مجھے کبھی بخیل، غلط باور کرانے والا اور بزدل نہ پاؤ گے۔"

جود وسخا حضرت انسؓ فرماتے ہیں :۔ كان رسول الله صلى الله عليه وسلم احسن الناس واجود الناس واشجع الناس (بخاری شریف مسلم شریف) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اچھے لوگوں میں سب سے اچھے، جود وسخا والوں میں

سب سے زیادہ جواد وسخی' اور بہادروں میں سب سے بڑھکر بہادر تھے۔"

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں:۔ ما سئل رسول اللّٰہ علیہ وسلم شیئا فقال لا۔ (بخاری شریف، مسلم شریف) ایسا کبھی نہیں ہوا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی چیز مانگی گئی اور آپ نے "لا" فرمایا ہو" یعنی یہ کہ میں نہیں دے سکتا۔

عفو ودرگزر ام المومنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:۔ ما ضرب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بیدہ شیئا قط الا ان یجاھد فی سبیل اللّٰہ ولا ضرب خادما ولا امرأۃ ولا ینسل شیئا منہ قط فینتقم من صاحبہ الا ان ینتھك لشیٔ من محارم اللّٰہ فینتقم للّٰہ۔ (مسلم شریف) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست شریف سے کسی کو نہیں مارا بجز اس کے کہ آپ جہاد فی سبیل اللہ میں ہوں۔ اور نہ کسی خادم کو مارا' نہ کسی عورت کو۔ اور کوئی چیز آپ کی لے لی گئی ہو تو اس کا انتقام کسی سے نہیں لیا۔ ہاں اگر اللہ سبحانہ کے محارم میں سے کسی کی ہتک حرمت کی جاتی تو اللہ سبحانہ کی خاطر اس کا انتقام ضرور لیتے تھے۔"

حسن خلق کی تعلیم اللہ سبحانہ نے آپؐ کو مکارم اخلاق کے حسب عرش اعلےٰ پر فائز فرمایا تھا اسی کا نتیجہ تھا کہ آپؐ دوسروں کو بھی مجسمۂ اخلاق حسنہ دیکھنا

چاہتے تھے۔ موقع بہ موقع حسن اخلاق کی جانب لوگوں کو توجہ دلایا کرتے۔ چنانچہ آپ اکثر فرماتے :۔ بعثت لا تمم حسن الخلق۔ (امام احمدؒ موطا عن ابی ہریرہؓ) میں بہترین اخلاق کی تکمیل کے لئے ہی بھیجا گیا ہوں" حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ انّ اثقل شیٔ یوضع فی المیزان للمؤمن یوم القیامۃ خلق حسن وانّ اللہ یبغض الفاحش البذیّ (ترمذی بروایت صحیحہ) قیامت کے دن ترازو میں مومن کی سب سے بھاری نیکی جو رکھی جائے گی وہ حسن خلق ہوگا۔ اور اللہ سبحانہ فحش گو' بدزبان سے ناراض ہے" حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا:۔ اتدرون ما اکثر ما یدخل الناس الجنّۃ قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال فانّ اکثر ما یدخل الناس الجنّۃ تقوی اللہ وحسن الخلق (ابوداؤد شریف) کچھ جانتے ہو لوگوں کو جنت میں کونسی چیز زیادہ لیجائیگی صحابہؓ نے عرض کیا کہ اللہ سبحانہ اور اس کے پیارے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا لوگوں کو جنت میں زیادہ تر لیجانے والی چیز اللہ سبحانہ کا ڈر اور حسن خلق ہے" حضرت ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:۔ انّ المؤمن لیدرک

بحسن خلقه درجة قائم اللیل وصائم النهار۔ (ابوداؤد شریف) یقین جانو کہ مومن اپنے اچھے اخلاق کی بدولت، راتوں کو عبادت کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والوں کا درجہ حاصل کر سکتا ہے۔" حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:- انّ من احبّکم الیّ احسنکم اخلاقا۔ (بخاری شریف) تم سب میں مجھے وہ زیادہ ترمحبوب ہے جو تم سب میں اچھے اخلاق والا ہو۔" ایک روایت یوں بھی آئی ہے:- انّ من خیارکم احسنکم اخلاقا۔ (بخاری شریف، مسلم شریف، بیہقی) تم سب میں بہتر وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔" حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں:- کان آخر ما وصانی به رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم حین وضعت رجلی فی الغرزان قال یا معاذ احسن خلقك للناس (امام مالکؒ) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے سب سے آخری وصیت جو فرمائی (جب کہ میں یمن کا حاکم بنا کر بھیجا جا رہا تھا) جب کہ میں اپنا پاؤں رکاب میں ڈال چکا تھا، آپ کا ارشاد مبارک یہ تھا کہ معاذ! لوگوں کے ساتھ خوش خلقی کا برتاؤ کرتے رہنا۔" اسامہ بن شریکؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ! انسان کو جو اوصاف حسنہ دئے جاتے ہیں ان میں بہترین وصف کونسا ہے؟ تو

ارشاد فرمایا:۔ الخلق الحسن۔ (شرح السنۃ) اچھے اخلاق بہترین عطیہ الٰہی ہے۔ کتب سیرت کا مطالعہ کیجئے تو ایسے بے شمار واقعات ملیں گے جن سے آپ کے مکارم اخلاق کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو صفات دیگر انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام میں منتشر طور پر ملتے ہیں وہ سب آپ کی ذات اقدس میں اضافے کے ساتھ جمع تھے۔ کسی نے کیا خوب کہا:۔

حسنِ یوسفؑ دمِ عیسیٰؑ یدِ بیضا داری   آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

مقام غور ہے کہ ایسے صفات عالیہ کیا کسی دیوانے میں پائے جا سکتے ہیں؟ بلکہ ہمارا تو یہ دعویٰ ہے کہ کیا کسی دانا سے دانا ترین کو بھی دنیا پیش کر سکتی ہے؟

علامہ بوصیریؒ نے کیا خوب فرمایا:۔

منزہٌ عن شریکٍ فی محاسنہ
فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

محاسن اخلاق میں کوئی انسان آپ کا شریک ہو اس سے ذات اقدس منزہ ہے، جوہرِ حسن جو آپ کی ذات پاک میں ودیعت فرمایا گیا اس میں تقسیم کہاں؟۔

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ ۙ بِأَيِّكُمُ الْمَفْتُونُ ۝ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ 68-5 68-6
أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝ اے آپ 68-7

عنقریب دیکھ لیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ کون ہے تم میں جو بچل رہا ہے۔

بے شک آپ کا پروردگار ہی خوب جانتا ہے اس کو جو بہکا اسکی راہ سے اور وہی خوب جانتا ہے راہ پانے والوں کو"۔

امتحان عقل وفہم کہنے والے نے تو کمال گستاخی سے کہہ گیا مگر خود وہ اور اس کے تمام ساتھی جانتے ہیں کہ آپ دیوانے نہیں ہیں۔ اب وہ وقت دور نہیں کہ ایسا کہنے والے کا انجام آپؐ بھی دیکھیں گے اور خود یہ بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ فتنہ کس کے ساتھ لگا ہوا ہے آپ کے ساتھ یا ان کے ساتھ؟ مفید کو مضر اور مضر کو مفید کون سمجھ رہے ہیں؟ اچھے اور برے کی تمیز کس کو حاصل نہیں ہے آپ کو یا خود ان کو؟ حقیقت یہ ہے کہ دیوانے نہ تو آپ اور آپ کے متبعین ہیں اور نہ ولید اور اس کے ساتھی۔ عقل وفہم ہر دو فریق کو حاصل ہے۔ مگر اقتضائے عقل وفہم یہ ہے کہ انسان اچھے اور برے کی تمیز کرے اور نیک و بد کو پہچانے۔ برائی کو چھوڑے اور نیکی کو اختیار کرے اور کمال عقل وفہم یہ ہے کہ اگر دو چیزیں اچھی ہی پیش ہوں تو ان دونوں میں جو چیز زیادہ اچھی ہو اس کا انتخاب کرے۔ اسی طرح اگر دو چیزیں بری درپیش ہو جائیں تو وہ پہلو انتخاب کرے جس کی برائی کم ہو۔ اور اگر دو چیزیں ایسی ہوں جن میں بھلائی اور برائی دونوں ہوں تو یہ شناخت کرے کہ غالب حصہ برائی کا ہے یا بھلائی کا۔ اگر

برائی غالب ہو تو اس کو چھوڑ دے۔ اور بھلائی غالب ہو تو اس کو اختیار کرے۔ یہ عقل و فہم کا امتحان ہے۔

خلاصۂ دعوت نبوی کفار دیگر اہل دنیا کی طرح ممکنات کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ جن کا نفع و ضرر اذن الٰہی پر موقوف و منحصر ہے۔ بالذات نہ کوئی چیز نفع پہنچا سکتی ہے اور نہ کچھ نقصان کر سکتی ہے۔ پھر ان ممکنات کا یہ حال ہے کہ سب کی سب زوال پذیر اور فانی اشیاء ہیں۔ آج رہیں کل نہ رہیں۔ ایک چیز آج نفع دیتی ہے اور کل وہی شئے وبال جان بن جاتی ہے۔ نافع اور ضار حقیقت میں اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ جب تمام کائنات اپنے نفع و ضرر میں اجازت الٰہی کی محتاج ہے اور نفع مرغوب و محبوب ہے اور ضرر مکروہ و ناپسند تو ذات الٰہی تمام چیزوں کی اصل الاصول ٹھہری۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جملہ تعلیمات کا خلاصہ یہی تھا کہ فانی کو چھوڑ دو اور باقی کو اختیار کرو۔ اللہ سبحانہ کی ذات ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ جنت اور اس کی نعمتیں پائدار ہیں اگر خداوند تعالیٰ شانہ کو راضی رکھو گے تو جنت اور اس کی نعمتوں سے سرفراز نہ رہو گے۔ دنیا اور دنیوی نعمتوں سے مالامال ہو گے۔ اور اگر تم نے اللہ سبحانہ ہی کو ناراض رکھا تو پھر ہزار نعمتیں بھی حاصل ہوں تو ہیچ ہے۔ بلکہ اندیشہ ہے کہ جو

نعمتیں حاصل ہیں وہ بھی سلب کرلی جائیں۔ اور جو نعمتیں حاصل ہی نہیں ان کے حصول کا کیا ذکر ہے؟ اس حقیقت کو اہل ایمان سمجھ گئے اور بنی آدم کا ایک گروہ آپ کے ساتھ ہو گیا۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ کیا سے کیا ہو گئے۔ لیکن یہی بات کفار کی سمجھ میں نہ آئی اور اب تک نہ آئی۔ وہ اللہ کے منکر ہوئے یا قائل ہوئے بھی تو غیر اللہ کی پرستش سے باز نہ رہے۔ نتیجہ ظاہر ہے۔

ہدایت و ضلالت کا فیصلہ اللہ سبحانہ نے فرمایا:۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ۔ آپ کا پروردگار ہی خوب جانتا ہے اس کو جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور ان کو بھی خوب جانتا ہے جو راہ یافتہ ہیں۔" حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبعین آپ کی بتائی ہوئی راہ پر چل رہے ہیں جو اللہ سبحانہ تک پہنچانے والی ہے اگر خود کو وہ ہدایت یافتہ کہتے ہیں تو وہ اس کے سزاوار اور مستحق ہیں لیکن وہ گروہ جو آپ کا منکر ہے۔ اللہ سبحانہ کی راہ چھوڑ کر غلط راستے پر پڑا ہوا اور اسی پر گامزن ہے اور بایں ہمہ وہ اپنے آپ کو بہتر سمجھ رہا ہے تو اس کی عقل و فہم پہ جتنا ماتم کیا جائے کم ہے۔ ان دونوں فریق کا دعویٰ دنیا کی حد تک تو ایک طرح مشتبہ سا رہ سکتا ہے اور اہل دنیا کو شکوک و شبہات میں ڈال سکتا ہے۔

لیکن اللہ سبحانہ کے آگے کسی کی کچھ چل نہ سکیگی۔ دار آخرت دور نہیں۔ قیامت
آنے والی ہے اس میں اہل حق کا حق اور اہل باطل کی گمراہی ظاہر ہو جائیگی۔
بلکہ یہ بتایا گیا کہ غزوۂ بدر قریب آرہا ہے۔ اس دن ہی حق و باطل کا حال آپ
اور وہ خود اپنی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ ۝ وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ۝ 68- 8
68-9

بس آپ بات نہ مانیں جھٹلانے والوں کی' وہ چاہتے ہیں کہ آپ ذرا
ڈھیل دیں تو وہ بھی ڈھیلے ہوں "

مداہنت کی ممانعت جب یہ معلوم ہو چکا کہ اے نبی کریم! آپ راہ حق پر
ہیں تو آپ ان مکذبین جھٹلانے والوں کی کوئی بات نہ سنیں۔ آپ تو تمام بنی آدم
کے مخدوم و مطاع بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ ان سب کا یہ فریضہ ہے کہ آپ کی ہدایات
و تعلیمات کو سنیں اور آپ کے اوامر و نواہی پر کاربند ہوں۔ پھر یہ کیونکر ہو سکتا
ہے کہ آپ ان کی باتوں کو مان لیں۔ ان کی دلی خواہش یہ ہے کہ اے کاش!
اگر آپ امر دین میں ڈھیل اور سستی و کاہلی سے کام لیں۔ غیر اللہ کی پرستش اور
شرک سے جس شدت کے ساتھ آپ منع فرماتے ہیں کم از کم یہ شدت ہی چھوڑ دیں تو
ان کی ایذا رسانی میں بھی کمی آجائے گی بلکہ آپ کا مقابلہ بالکلیہ چھوڑ دیں گے۔

چنانچہ کفار نے اس قسم کا لالچ بتانے کی بارہا کوشش کی۔ زر، زن، زمین کا پیشکش کیا۔ آپ کو پادشاہ تسلیم کر لینے کی ترغیب دی کچھ نہ ہوا تو شفیق چچا ابوطالب کو سمجھایا اور ان کے ذریعہ سفارش کرائی گئی مگر آپ کا جواب یہ تھا:۔ چچا جان! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں آفتاب اور دوسرے ہاتھ میں ماہتاب بھی رکھ دیں تو میں اپنے فرض سے باز نہ آؤں گا"۔ بلکہ یہاں تک فرمایا کہ اگر آپ بھی میری رفاقت آج سے چھوڑ دیں تو اختیار ہے مگر فریضۂ الٰہی (تبلیغ دین) جو میرے ذمہ ہے میں اس سے کبھی باز نہ رہوں گا" آپ کی اس ہمت اولوالعزمی ثبات و استقامت کو دیکھ کر چچا جان نے فرمادیا کہ رفاقت چھوڑنے کا مطلقاً خیال نہ کبھی پیدا ہوا اور نہ آئندہ کیلئے کبھی ایسا خیال ہو سکتا ہے صرف آپ کی تکلیف دور ہونا پیش نظر تھا اور ہے

اس آیہ کریمہ سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ امور دینیہ میں "مداہنت" شرعاً حرام ہے۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۙ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ ۙ مَّنَّاعٍ 68- 10
68-11
لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيمٍ ۙ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيمٍ ۙ اَنْ كَانَ 68-12
68-13
ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ؕ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ 68-14
68-15

اور آپ کہا نہ مانئے کسی قسمیں کھانے والے ذلیل کا' طعنہ دے' چغلی کھاتا

پھرے' بھلے کام سے روکے' حد سے بڑھے گناہوں میں پڑا رہے' ان سب کے

باوجود بدنام' اس واسطے کہ رکھتا ہے مال اور بیٹے' جب سنائے اس کو ہماری

آیتیں' کہے کہ یہ کہانیاں ہیں اگلوں کی "

قسمیں کھانا بداخلاقی ہے بعض لوگوں کی عادت ہے کہ وہ بات بات پر قسیں کھاتے ہیں بلکہ قسم کو تکیہ کلام بنا لیتے ہیں۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:۔ ولا تجعلوا اللہ عرضۃ لایمانکم۔ اللہ سبحانہ کو اپنی قسموں کا تختۂ مشق نہ بناؤ" بات بات پر واللہ باللہ' کہنا کوئی اچھی بات نہیں اللہ سبحانہ کا نام بڑا ہی باعزت اور باعظمت ہے۔ معمولی معمولی بات پر ایسا باعزت وباعظمت نام پاک نہ لینا چاہیے۔ شرع شریف میں حلف کا ایک خاص موقع بتایا گیا ہے۔ جبکہ کوئی شخص کسی پر کوئی دعوی دائر کرے اور دعوی کا ثبوت پیش کرنے سے قاصر رہے تو اس وقت مدعی علیہ سے دریافت کیا جاتا ہے اگر مدعی علیہ کو انکار ہو تو حاکم اس کو قسم دیتا ہے۔ اللہ والے اور شریف لوگ ایسے موقع پر بھی حلف اٹھانے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے اس بنا پر کہ جس امر کا دعوی کیا گیا ہے وہ اللہ سبحانہ کے نام پاک کے مقابلہ میں نہایت حقیر و ذلیل ہے۔ مدعی کے

جھوٹے دعوی کی تکمیل کر دیتے ہیں مگر اللہ کے نام کی قسم نہیں کھاتے۔ اب اگر کوئی شخص بغیر کسی دعوے اور مطالبے کے بے محل اور بے موقع قسمیں کھایا کرے تو اندازہ کیا جائے کہ اس کے نزدیک اللہ سبحانہ کے نام پاک کی اور خود اللہ سبحانہ کی کیا وقعت وعظمت ہے؟ ایسے لوگ عموماً جھوٹ کہنے کے عادی ہوتے ہیں اور خود ہی یہ سمجھتے بھی ہیں کہ ان کی جھوٹی بات کو کوئی باور نہ کرے گا اس لئے اس کو صحیح باور کرانے کے لئے قسمیں کھاتے ہیں مگر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انکی بات کو کوئی باور تو نہیں کرتا بلکہ حلف اٹھا لینے پر مزید اطمینان ہو جاتا ہے کہ یہ شخص جھوٹا ہے۔ پھر کیا ہوا اس کی بات کو کسی نے بھی صحیح باور نہ کیا' جھوٹ کہنے اور جھوٹی قسم کھانے کا گناہ اس کے دوش پر رہا۔ اور آئندہ کے لئے اعتبار جاتا رہا۔

بات بات پر قسم کھانا اچھا نہیں

سچی باتوں اور حق پر قسمیں کھایا کرنا بھی کوئی عمدگی اور خوش اخلاقی کی دلیل نہیں چہ جائیکہ جھوٹ کہنے اور اس کو نباہنے کے لئے قسم کھائے۔ ایک جھوٹ کے لئے دس جھوٹ کہے پھر ناکامی کا منہ دیکھتا رہے۔ اور اپنا رہا سہا اعتبار اور وقار کھو ڈالے۔ اس سے بڑھ کر احمق کون ہو گا؟ بد خلقی کی جو باتیں ہیں اس کے سلسلہ میں سر فہرست

قسمیں کھانے کو قرار دیا گیا ہے اسی سے اس کی اہمیت ظاہر ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے :۔ الیمین الکاذبۃ تدع الدیار بلاقع۔ جھوٹی قسم ایسی بری بلا ہے جو بستیوں اور شہروں کو ویران کر کے چھوڑتی ہے"۔ اس آیۂ کریمہ میں یہ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ بات بات پر بلا طلب قسم کھانے والوں کی بات پر اعتماد نہ کرو۔ اور ایسے لوگوں کی طرف دھیان نہ دیا کرو خواہ وہ امرِ حق پر قسمیں کھاتے ہوں یا باطل پر؟ ولید بن مغیرہ جو اشد کافر تھا اور جس نے حضورؐ کی شانِ مبارک میں مجنون کہنے کی گستاخی کی تھی اس کا جواب رب العزت کی طرف سے دیا جا رہا ہے کہ وہ ایک حلّاف ہے قسمیں کھانے کا خوگر ہے اس کی بات ہی کیا۔ شرع شریف کا مسئلہ ہے کہ زیادہ قسمیں کھانا مکروہ ہے امرِ حق پر ہی کیوں نہ ہو۔

مَھِیْنٍ کی تفسیر | مَھِیْنٍ۔ نیز وہ ذلیل ہے۔ ہتک اس کی ذات کے ساتھ چسپاں ہے۔ وہ جہاں جہاں جاتا ہے اپنی ذاتی ہتک کو ساتھ ساتھ لئے پھرتا ہے۔ اس کے ہم چشموں میں اس کی کیسی ہی عزت و وقعت ہو لیکن اس کا وصف ذاتی اس سے کبھی منفک نہیں ہو سکتا۔ کہیں نہ کہیں اس کو ذلت کا منہ دیکھنا ہو گا اور جہاں ایک دفعہ ذلیل ہوا پھر اس کو کوئی عزت حاصل نہ ہو گی۔ مثل مشہور ہے :۔ کما تدین تدان۔ تم کسی کے ساتھ جیسا سلوک

کرو گے ایسی ہی جزا کے مستوجب ہو گے"۔ ولید پلید نے اللہ سبحانہ کے محبوب بن کیساتھ ایسا گستاخانہ طرز اختیار کیا ہے تو وہ اللہ سبحانہ کی گرفت سے کس طرح بچ سکتا ہے؟

هَمَّازٍ کی تفسیر هَمَّازٍ۔ عیب جو' عیب ڈھونڈنے والا۔ کھوج کرکرکے عیب نکالنے والا' نقلیں اتارنے والا' عیب کو اشاروں میں بتانیوالا۔ اصل یہ ہے کہ جس کی نظر اپنے عیوب پر نہیں رہتی اور دوسروں کی عیب جوئی کرتا ہے۔ ایسوں کا وتیرہ ہوتا ہے کہ انسان کے کمالات اور ہنرپر ان کی نظر نہیں ہوتی۔ صرف عیوب کی تلاش میں رہتے ہیں۔ سبب کیا ہے؟ وہ خود عیب دار ہوتے ہیں۔ ہنرمندان کو ذرا سی دیر کے لئے بھی پسند نہیں آتے۔ ہنرمندوں سے بھاگتے ہیں۔ ان کو امن وچین وہیں نصیب ہوتا ہے جہاں ان جیسے بے ہنر' عیب دار ہوں۔ پھر کسی میں نرا یہی ایک عیب ہو تو ممکن ہے کہ تلاش کرتے کرتے کسی کا کوئی عیب معلوم بھی ہو جائے۔ مگر جو حلاف ہو' قسمیں کھاتا ہو' مہین ہو۔ ذلیل بھی ہو' اور ان دو بڑی بڑی قباحتوں کے ساتھ هَمَّاز بھی ہو۔ عیب جوئی کرتا ہو تو اس کی قباحت اور خباثت نہ پوچھئے۔ اگر اس کو بہتر سے بہترین شخصیت کے ساتھ بھی سابقہ پڑے اور وہاں چونکہ کوئی عیب موجود ہی نہیں تو اپنی احمقی کی بنا پر ایسی بے تکی بات کہہ جانے سے بھی دریغ نہ کرے جس کو کوئی باور ہی نہ کرتا ہو

ولید نے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان مبارک میں جو گستاخانہ کلمہ کہہ دیا۔ وہ از یں قبیل تھا جو ذات اقدس خلق عظیم کا طرۂ امتیاز رکھتی ہو اور اللہ سبحانہ جن کو دنیا و دین کی ساری گتھیاں سلجھانے کے لئے مبعوث فرمائے اور جن کے ہدایات عالیات قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ ہوں ان کو کوئی احمق اور پاگل ہی مجنون کہہ سکتا ہے۔ کسی اور سے ایسی جسارت نہیں ہو سکتی۔ اخلاقی نقطہ نظر سے اندازہ کیجئے کہ یہ کتنی بُری بات ہے۔

مَشَّآءٍ بِنَمِيمٍ کی تفسیر مَشَّآءٍ بِنَمِيمٍ چغل خوری یا فساد پھیلانے کے ارادے سے یہاں کی بات وہاں اور وہاں کی یہاں پہنچانے والا۔ یا صرف یک طرفہ چغلی کھانے والا کہ یہاں کی بات تو دوسروں کو سناتا ہے اور وہاں کی ایک بات بھی یہاں نہیں پہنچاتا۔ یہ پہلے سے بھی زیادہ خبیث ہے۔ چغل خور بھی ہے اور جاسوس بھی۔ حدیث شریف ہے:- لایدخل الجنۃ نمام۔ کوئی چغل خور جنت میں نہ جانے پائے گا"۔ اس کو کبائر کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔ اگر کسی مسلمان کی ایسی عادت ہو تو حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ اپنے اس گناہ کی سزا نہ پائے گا وہ جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔ لہذا اس بدترین گناہ سے توبہ کرنی چاہیے۔ ہاں اگر اصلاح اور ہدایت کی نیت سے ایک جگہ کی بات دوسری جگہ پہنچائی جائے۔ مثلاً مجلس وعظ یا درس کی

باتیں تو یہ چغلی نہیں ہے۔ یہ رُشد و ہدایت کی باتیں ہیں ان کو یاد رکھ کے جہاں تک ہو سکے دوسروں تک پہنچائی جا سکتی ہیں۔ یہ تبلیغ ہے اور تبلیغ کے صاف و صریح احکام ہیں۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:۔ یا یھا النبی بلّغ ما انزل الیك۔ اے نبی کریمؐ آپ پر جو کچھ نازل کیا گیا ہے اس کو دوسروں تک پہنچاتے جائیے" اور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:۔ بلّغوا عنّی ولو آیۃ۔ میری طرف سے احکام پہنچاتے رہو گو ایک ہی آیت ہو" یہ بھی فرمایا:۔ فلیبلّغ الشاھد الغائب جو حاضر ہے اور مشاہدہ کر رہا ہے وہ غائب تک ہمارا کلام پہنچا دیا کرے"۔ مگر ولید پلید کے یہ قسمت کہاں۔ اس پر تو شیطان سوار تھا۔ بھلائی کی طرف وہ کیوں آنے چلا؟۔

مَنَّاعٍ لِلْخَیْرِ کی تفسیر مَنَّاعٍ لِلْخَیْرِ۔ بھلائی سے روکتا رہنے والا" خود تو کسی امرِ خیر میں شریک نہیں ہوتا اور نہ اس میں کوئی حصہ لینا۔ دوسرے اس میں شریک ہوتے ہیں۔ یا خیر میں حصہ لینے کے ارادے میں ہیں۔ تو یہ ان کے لئے مانع و مزاحم ہوتا ہے۔ اور کسی نہ کسی طرح دوسروں کو کارِ خیر سے روکنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ غور کیجئے کہ کارِ خیر سے دوسروں کو روکنا تو شیطان کا کام ہے۔ ابلیس لعین یہ کام کیا کرتا ہے۔ اگر کوئی انسان اس کو کیا کرے اور شیطانی کام انجام دے تو اس کو

انسان کس طرح کہا جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ شیطان الانس ہے۔ ولید کا بھی یہی حال تھا کہ خود کسی کارِ خیر میں کیا حصہ لیتا اگر کوئی دوسرا اس میں حصہ لیتا نظر آتا یا اس کی فکر میں رہتا تو یہ مختلف تدابیر سے اس کو باز رکھنے کی کوشش کیا کرتا۔ "خیر" عملی ہو یا اعتقادی۔ مال سے اس کا تعلق ہو یا نہ ہو۔ ہر امرِ خیر سے روکنا اس کا کام تھا۔ یہ عادت کیسی ہے دیکھ لیجئے۔

مُعْتَدٍ کی تفسیر "مُعْتَدٍ" حد سے تجاوز کرنیوالا یعنی بڑا ظالم' حق کو چھوڑنے والا' خواہ وہ ظلم اپنے نفس پر کرتا ہو یا دوسروں پر' حقوق الناس سے اس کا تعلق ہو یا حقوق اللہ سے۔ اس کا خمیازہ دنیا و آخرت میں اسی کو بھگتنا ہوگا۔ اس لئے ہر ظلم اپنے ہی نفس پر ہوا۔ گویا جملہ اخلاق ذمیمہ اور بد خلقیوں کا مجموعہ۔ حدِ اعتدال سے جو کوئی ہٹ گیا خواہ افراط سے کام لے یا تفریط سے' وہ تجاوز کرنے والا قرار پایا۔

اَثِیْمٍ کی تفسیر اَثِیْمٍ۔ پرلے درجہ کا گناہ گار۔ ثواب کے کاموں سے پیچھے رہنے والا' اور موجبِ عذاب امور میں پیش قدمی کرنے والا' گناہوں میں ڈوبا ہوا۔ منہیات میں پڑا ہوا۔ اخلاق ردیہ کا خوگر اور عاداتِ ذمیمہ کا دلدادہ' خواہشات نفسانی کا پیرو' اور صفاتِ حسنہ سے دور رہنے والا بلکہ متنفر' اور بالفاظِ دیگر ایسی قباحت رکھنے والا انسان' کہاں کا انسان' حقیقت یہ ہے کہ انسان نما شیطان۔

اسی نے ابوجہل کے کہنے پر بحالت نماز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوش مبارک پر اونٹ کی اوجھ رکھی تھی۔

عُتُلّ کی تفسیر عُتُلّ۔ جفاکار، تندخو، ہر امر میں شدت سے کام لینے والا۔ سنگدل، بدطبع، حضرت عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ لا یدخل الجنّة جوّاظ ولا جعظریّ ولا العتلّ الزنیم فقال له رجل من المسلمین ما الجوّاظ الجعظریّ والعتلّ الزنیم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امّا الجوّاظ فالذی جمع و منع تدعوہ لظیٰ نزّاعة للشویٰ وامّا الجعظریّ فالفظّ الغلیظ قال اللہ فبما رحمة من اللہ لنت لھم ولو کنت فظّا غلیظ القلب لانفضّوا من حولک وامّا العتل الزنیم فشدید الخلق رحیب الجوف مصحّح شروب واجد للطعام والشراب ظلوم للناس۔ (امام احمدؒ، عبد بن حمید، ابن ابی حاتم ابن مردویہ، ابن عساکر) کوئی جوّاظ، جعظری اور کوئی عتل زنیم جنت میں نہ جائے گا اس پر ایک مسلمان (یعنی ایک صحابی) نے دریافت کیا کہ جوّاظ، جعظری اور عتل زنیم سے کیا مراد ہے؟ ارشاد مبارک ہوا۔ جوّاظ وہ ہے جو خوب جمع کرے اور کسی کو نہ دے۔ اس کو دوزخ کی آگ کے شعلے دعوت دیتے ہوں گے جو اس کے گوشت کو

بھون کر تن سے جدا کرتے ہوں گے۔ اور جعظری سنگدل' تند خو ہے۔ اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے' یہ اللہ سبحانہ کی بڑی عنایت و مہربانی ہے کہ آپ (اے نبی کریم!) ان لوگوں کے حق میں (فطرۃً) نرم خو واقع ہوئے ہیں' اور اگر کہیں تند خو' سنگدل ہوتے تو یہ لوگ جو آپ کے اطراف (پروانہ وار نثار ہو رہے ہیں) ٹوٹ کر چلے جاتے۔ اور عتل زنیم زشت خو' بڑے پیٹ والا' جس کی صحت برقرار ہو' خوب پینے والا' کھانے پینے کی ہر چیز جس کے ہاں مہیا ہو' لوگوں پر ظلم کرتے جانے والا' حضرت حارثہ بن وہبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:۔ الا اخبرکم باهل الجنة كل ضعيف متضعف لو اقسم على الله لابره الا اخبركم باهل النار كل عتل جواظ جعظري متكبر۔ (بخاری' مسلم' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' ابن مردویہ) کیا تمھیں نہ بتادوں کہ جنتی کون ہے؟ ہر کمزور' کمزور سمجھا جانے والا' اگر وہ اللہ سبحانہ کے بھروسے قسم کھالے تو وہ اسکی بات پوری کردے۔ اور کیا تمھیں نہ بتاؤں کہ جہنمی کون ہے؟ ہر بدمزاج سیٹھیا' پیٹیلا' مغرور" حضرت زید بن اسلمؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ تبكى السماء من عبد اصح الله جسمه وارحب جوفه واعطاه من الدنيا فكان ظلوما للناس۔ فذلك العتل الزنيم۔ (عبدالرزاق

ابن جریر، ابن المنذر) آسمان روتا ہے اس بندے سے جس کے جسم کو اللہ سبحانہ نے صحت مند بنایا اور اس کا پیٹ کھول دیا اور اس کو دنیا کی ساری چیزیں دیں پھر بھی وہ لوگوں کے حق میں بڑا ظالم ثابت ہوا۔ عتل زنیم یہی ہے" یہاں صرف عتل کی تفسیر مقصود ہے۔ زنیم کی تفسیر آگے ملاحظہ ہو۔ بہر حال ولید بن مغیرہ شقی ایسا ہی تھا۔ یہ ساری باتیں اس میں پائی جاتی تھیں۔

زنیم کی تفسیر بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيمٍ۔ "باایں ہمہ وہ حرام زادہ ہے جس کے غب غبے نکلے ہوئے ہیں" یہاں بعد بمعنی مع ہے۔ یعنی ان تمام صفات مذمومہ کے ساتھ وہ ولد الزنا بھی ہے۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ اس کے گلے کے نیچے کا گوشت لٹکتا ہوا ہے۔ جیسے بعض بکریوں کے گلے کے نیچے گوشت کے لوتھڑے بطور آویزے کے جھٹے ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: — نزل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا تطع کل حلاف مھین ھماز مشآء بنمیم فلم یعرف حتی نزل علیہ بعد ذلك زنیم فعرفناہ لہ زنمۃ کزنمۃ الشاۃ۔ (ابن جریر، ابن مردویہ) حضرت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم پر آیات کریمہ ولا تطع کل حلاف مھین ھماز مشآء بنمیم مناع للخیر معتد اثیم نازل ہوئیں تو کوئی نہ پہچان سکا کہ یہ کس کے باب میں ہیں۔ تا آں کہ اس سلسلے کی

آخری آیت عتل بعد ذلک زنیم نازل ہوئی تو ہم سب اس کو پہچان گئے اس کے گلے کے نیچے کا گوشت لٹکا ہوا تھا جیسا کہ بکری کے گلے کے نیچے آویزے ہوتے ہیں" حضرت ابن عباسؓ نے اس کی مزید تفسیر یوں فرمائی :۔ رجل من قریش کانت لہ زنمۃ زائدۃ مثل زنمۃ الشاۃ یعرف بہا (بخاری، نسائی، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، ابونعیم) قریش میں ایک شخص تھا جس کو زائد رسولی تھی جیسے بکری کو ہوتی ہے۔ اسی سے اس کی شناخت ہوتی تھی"

ولید ولد الزنا ہے تفسیر زاہدی میں ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیات کریمہ قریش کی انجمن میں ولید کو سنائیں تو اس میں ایک ایک عیب کو وہ سنتا تو سمجھتا جاتا کہ یہ عیب مجھ میں موجود ہے مگر حرام زادگی کا بیان سن کر دل ہی دل میں کہنے لگا کہ میں سردار قریش ہوں، اور میرا باپ ایک مشہور و معروف شخص ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ محمدؐ کبھی غلط نہیں کہتے ہیں۔ اس صورت حال کا حل کیا ہو سکتا ہے ؛ بالآخر تلوار کھینچکر اپنی ماں کے ہاں پہنچا اور سارا قصہ بیان کر کے حقیقت حال دریافت کی۔ ماں نے جواب دیا کہ تیرا باپ قادر نہ تھا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر یہ مرجائے تو تمام دولت اس کے بھتیجوں کے ہاتھ لگ جائیگی اسلئے میں نے فلاں شخص کے غلام کو ملازم رکھ لیا۔

تو اسی سے ہے۔

تفسیر بیضاوی میں ہے :۔ کان الولید بن مغیرۃ ادّعاہ ابوہ بعد ثمانی عشر سنۃ من مولدہ۔ ولید بن مغیرہ کے باپ (مغیرہ) نے ولید کی فرزندی کا ادعاء اس کے پیدا ہونے سے اٹھارہ سال کے بعد کیا تھا۔"

مال و اولاد معیار اطاعت نہیں اَنْ کَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِیْنَ۔ (ایسے کی ایک بات نہ مانئے) محض اس واسطے کہ وہ مالدار اور کثیر الاولاد ہے۔"

یعنی کسی کی اطاعت اس کے دین، اخلاق، کردار، علم و فضل اور منصف مزاجی وغیرہ صفات حسنہ کی بنا پر کی جاتی ہے۔ جس میں اچھے اوصاف نہ ہوں اور اس کی جگہ ایسے قبائح اور رذیل عادات جمع ہوں خواہ وہ اکتسابی ہوں یا جبلی اور فطری۔ وہ اس قابل نہیں کہ کوئی اس کی بات سُنے۔ ولید بن مغیرہ بڑا مالدار تھا اور اولاد نرینہ بھی زیادہ رکھتا تھا۔ اور محض اس بنا پر سارے قبیلہ قریش میں خود کو بڑا معزز جانتا تھا۔ خود کو "وحید قریش" کہتا۔ یعنی وہ تمام قریش میں یکتا ہے بلکہ یکتائے روزگار ہے۔ جاہل قریش کثرت تعداد اور کثرت مال پر ہی ہمیشہ فخر کرتے تھے۔ جیسا کہ کفار کا آج تک

یہی حال ہے۔ قالوا نحن اکثر اموالاً و اولاداً۔ ہمیشہ یہی کہا گیا ہے کہ ہم تمول کے اعتبار سے بھی دوسروں سے بڑھے ہوئے ہیں اور ہماری مردم شماری بھی زیادہ ہے۔"

علم و اخلاق معیار اطاعت ہے

اللہ سبحانہ نے اس کی نفی فرما دی کہ یہ تمول اور یہ کثرت کسی کام کی نہیں۔ مال و اولاد شرافت کی دلیل نہیں۔ انّ اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ اللہ سبحانہ کے ہاں سب سے زیادہ باعزت وہی ہے جو سب سے زیادہ تقوی اور پرہیزگاری کا حامل ہو" اطاعت کی جاتی ہے علم و اخلاق کی بنا پر۔ جاہل اور بدخلق کی اطاعت موجب ہلاکت ہے اس لئے حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان آیات کریمہ کے ذریعہ تعلیم دی گئی کہ ایسے ذلیل حقیر، کمینے اور نکمے کی ایک نہ سنیں جو تمام بداخلاقیوں کا جامع ہو۔ کیا محض اس کے تمول اور کثرت اولاد کی بنا پر اس کی بات مانی جائیگی؟ ہرگز نہیں۔ جاہل اگر اس کی بات مانتے ہیں اور اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ خوشامد اور چاپلوسی کرتے ہیں تو وہ کیا کریں، جہلا کا فعل اہل علم یا کمال سمجھدار دین داروں کے لئے حجت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اسی سے ان کا جہل ثابت ہوتا ہے کہ مال و دولت اور اولاد کی کثرت کو اطاعت کا معیار قرار دے رکھا ہے

درحالیکہ اطاعت کا معیار ہی جدا ہے۔ ولید کے مال و اولاد کا بیان سورۂ مدثر کی تفسیر میں آئے گا۔ ان شاء اللہ المستعان۔

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۔ جب ہماری کتاب کی آیات اس کو سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ اگلے لوگوں کی من گھڑت کہانیاں ہیں"۔ دنیا جانتی ہے کہ قرآن کریم میں حقائق و معارف اور حکمت کی باتیں بیان ہوتی ہیں اور ہر بات جچی تلی۔ جس امر میں جتنی خوبی ہے اس کو نمایاں کرنا اور جس میں جس قدر خرابی ہے اس کو بھی قرار واقعی طور پر واضح کردینا قرآن حکیم کا کام ہے۔ اسی وجہ سے تو ہر جملہ کی تعبیر آیت سے کی گئی کہ اس کا ایک ایک جملہ بلکہ ایک ایک کلمہ اور ایک ایک حرف معجزہ ہے۔ ایسا کلام پیش کرنا طاقت بشری سے باہر ہے۔ شاعری نہیں کہ تنکے کا پہاڑ بنا کر کھڑا کردیا یا کسی چیز کو گھٹانا چاہا تو اس کو معدوم یا ناکارہ بنا کر رکھ دیا۔ ایسا معجز کلام اس احمق کی نظر میں من گھڑت کہانی ہے۔

سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ۞ "ہم داغ دیں گے ہم اس کو سونڈ پر" 68-16

خرطوم کی تفسیر | یعنی یہ تمام مذموم صفات اپنے اندر رکھتے ہوئے وہ ہماری آیات کو "اساطیر الاولین" کہتا ہے اور یہ سب کچھ اتنی سی بات پر کہ وہ بڑا دولتمند ہے اور کثیر اولاد نرینہ رکھتا ہے۔ جس کو دیکھ کر جیالے قریش اس کا گیت گاتے ہیں

اور یہ ان میں ناک پھلاتا' خنزیر اور ہاتھی کی سونڈ کی طرح بڑی ناک لئے اتراتا پھرتا ہے
ہم اس کو معاف نہ کریں گے وہ وقت قریب ہے کہ ہم اسکی سونڈ پر داغ لگا دینگے

گستاخی کی سزا ابوالعالیہ اور مجاہد فرماتے ہیں:۔ یسوّد وجھہ فیجعل
لہ علما فی الآخرۃ یعرف بہ وھو سواد الوجہ۔ (مظہری) اس کا
منہ کالا ہوگا اور آخرت میں یہی اس کی نشانی ہوگی جس سے وہ عام طور پر اس
روسیاہی سے پہچانا جائے گا" فراء امام نحو فرماتے ہیں کہ ناک کا ذکر کر کے
یہاں چہرہ مراد لیا گیا ہے۔ اور قتادہ فرماتے ہیں:۔ سنسمہ' بسیما
لا تفارقہ آخر ما علیہ۔ (عبد بن حمید) ہم ایک ایسا نشان اس پر لگا دیں گے
جو اس سے کبھی جدا نہ ہوگا۔ (اس کے سزایاب ہونے کے لئے) آخر تک
قائم رہیگا" اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ فقاتل یوم بدر فخطم
بالسیف فی القتال۔ (ابن جریر' ابن ابی حاتم' ابن مردویہ) غزوۂ بدر میں آکر
مسلمانوں سے لڑتا رہا تو دوران جنگ میں اس کی ناک پر تلوار کی زد پڑی "
واللہ اعلم۔

گستاخ سے عبرت اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بزرگوں کی شان میں
گستاخی کرنے کا کیا نتیجہ ہوتا ہے؟ ولید پلید نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی شان گرامی میں ایک کلمہ گستاخانہ کہا تو رب العزت جل جلالہ نے اوس کی ایک ایک پوشیدہ بات ایسی ظاہر فرمادی کہ اوس سے ولید دل ہی دل میں قائل ہوتا گیا۔ سب کے اخیر میں اس کا وہ عیب بتا دیا گیا جس کا داغ قیامت تک دھویا نہیں جا سکتا۔ کہ خود اس کی ماں نے اس کو تلادیا کہ وہ کس کا نطفہ تھا۔ اور ایسے بلیغ انداز میں اس کا نقشہ کھینچکر رکھ دیا گیا کہ آنے والی نسلیں قیامت تک اس کو پڑھتی اور اس پر نفرین کرتی رہینگی۔ سچ ہے انبیاء اللہ اور بزرگوں کے ساتھ گستاخی کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ عارف رومیؒ فرماتے ہیں: ؎

از خدا خواہیم توفیق ادب ۔۔۔ بے ادب محروم ماند از لطف رب

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد ۔۔۔ بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

حضور کی شان گرامی یہیں سے حضور سرور دوجہاں علیہ الف الف صلوات الرحمن کی رفعت شان کا پتہ چلتا ہے کہ کس خوبی سے اس الزام کو رفع کیا گیا۔ اور آپ کے خلق عظیم کو سراہا گیا کہ ساری دنیا مل کر بھی اس خلق عظیم کا نمونہ پیش کرنا چاہے تو اس کا ایک عشر عشیر بھی پیش نہیں کر سکتی: ؎

فمبلغ العلم فیہ انہ بشر ۔۔۔ وانہ خیر خلق اللہ کلھم

حضورؐ کی ذات اقدس کو جاننے والے صرف اسی قدر جان سکتے ہیں کہ آپؐ بشر ہی ہیں

پر اللہ سبحانہ کی تمام مخلوق سے بہترین" سید الشیوخؒ فرماتے ہیں :-

ہو جیسے سنگ میں یاقوت احمر　　بشر میں آپ بھی خیر البشر ہو

صلی اللہ علی طور التجلیات الاحسانیۃ و مھبط الاسرار الرحمانیۃ

اِنَّا بَلَوْنٰھُمْ کَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّۃِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَیَصْرِمُنَّھَا 68-17
مُصْبِحِیْنَ ۙ وَلَا یَسْتَثْنُوْنَ ○ فَطَافَ عَلَیْھَا طَآئِفٌ مِّنْ 68-18
رَّبِّکَ وَھُمْ نَآئِمُوْنَ ○ فَاَصْبَحَتْ کَالصَّرِیْمِ ۙ فَتَنَادَوْا 68-19
مُصْبِحِیْنَ ۙ اَنِ اغْدُوْا عَلٰی حَرْثِکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰرِمِیْنَ ○ 68-20
68-21
68-22

ہم نے ان کو جانچا ہے، جیسا جانچا تھا باغ والوں کو، جب ان سب نے قسم کھائی کہ اس کا میوہ توڑیں گے صبح ہوتے، اور ان شاء اللہ نہ کہا پھر پھر گیا اس پر ایک پھیری والا آپ کے رب کا، اور وہ سوتے ہی رہے، پھر صبح تک ہو رہا جیسے ٹوٹ چکا، پھر آپس میں بولے صبح ہوتے کہ سویرے چلو اپنے کھیت پر اگر تم کو توڑنا ہے"

قریش پر ہفت سالہ قحط ایذاؤں پر صبر کیا جا سکتا ہے لیکن گستاخی پر درگزر نہیں کیا جا سکتا۔ کہتے ہیں کہ ولید کی اس گستاخی اور قریش کی اگلی

موافقت اور ساتھ دینے کی بنا پر حضرت سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بددعا فرمائی :۔ اللّٰھمّ اشدد وطأتک علی مضر واجعلھا علیھم سنین کسنی یوسفؑ۔ الٰہی ! مُضَر قبیلہ پر اپنی پامالی سخت کیجئے اس طرح کہ ان پر قحط سالی ڈالی جائے جیسی کہ یوسفؑ کے عہد میں ہوئی تھی " جس کا سلسلہ سات سال تک رہا تھا۔ اَرباب سیر نے لکھا ہے کہ اس بنا پر مکہ والوں پر قحط کا زبردست ہفت سالہ دور پڑا۔ حتی اکلوا العظام والجیف۔ اتنا زبردست قحط کہ مکہ والے ہڈیاں اور مُردار تک کھانے لگے " اسی واقعہ کی طرف یہاں اشارہ فرمایا جارہا ہے۔

باغ والوں کا منصوبہ ہم نے ان کو ایک سخت آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے جیسا کہ باغ والوں کو اس کا مزہ چکھایا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔

ھم ناس من الحبشۃ کانت لابیھم جنّۃ وکان یطعم منھا السائلین فمات ابوھم فقال بنوہ ان کان ابونا لاحمق یطعم المساکین فاقسموا لیصرمنّھا مصبحین وان لا یطعموا مسکینا

(ابن المنذر، ابن ابی حاتم) یہ لوگ حبشہ کے باشندے تھے (بعض روایات میں یہ واقعہ بنی اسرائیل وغیرہ کا بھی لکھا ہے) جن کے باپ کا ایک باغ تھا۔ (جس میں غلہ میوہ سب کچھ پیداوار ہوتی ہوگی) اس بیچارے کی عادت تھی کہ پیداوار میں سے

فقراء و مساکین کو بھی (حق اللہ کے طور پر دل کھول کے) کھلایا کرتا (اور اس داد و دہش کی بدولت پیداوار میں خوب برکت رہتی) بعض روایات میں ہے کہ وہ اپنے اور اپنے اہل و عیال اور متعلقین کے لئے سال بھر کا ذخیرہ محفوظ کر کے مابقی حصہ خیرات کر دیا کرتا تھا۔ جب اس کی وفات ہو گئی تو اس کے بیٹوں نے کہا کہ ہمارا باپ احمق تھا جو (اپنی گاڑھی کمائی) فقراء و مساکین کو کھلا دیتا تھا تمام بیٹوں نے حلف اٹھایا کہ (اب پیداوار کاٹ لینے اور پھل توڑنے کا وقت آچکا ہے) کل صبح سویرے ہی پہنچکر ساری پیداوار کاٹ کر لالیں گے (اور اپنے گھر بھر لیں گے) اور فقراء و مساکین کو ایک دانہ تک نہ دیں گے۔" مگر ہوا یہ کہ اس موقع پر انشاء اللہ تک نہ کہا۔ اِدھر ان لوگوں نے یہ قرارداد طے کی اور اُدھر یہ واقعہ پیش آیا کہ رات کو ابھی یہ سوتے ہی پڑے تھے۔ پروردگار عالم کی طرف سے باغ پر ایسی آفت آن پڑی کہ رات ہی کو سارا باغ تباہ و برباد ہو گیا۔ وہ آفت کیا تھی؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔ آگ، عذاب، بلائے محیط جو بھی ہو۔ اب یہ صبح اٹھ کر ایک دوسرے کو آواز دینے لگے کہ کھیتی کاٹ لینا اور پھل توڑ لینا طے ہوا تھا اس بموجب عمل کرنا ہے تو سویرے جلدی سے چلو۔

فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۝ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ

68-23
68-24

مِّسْكِيْنٌ ۝ لا وَّ غَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ۝ پھر چلے آپس میں آہستہ آہستہ 68-25

کہتے ہوئے کہ اندر نہ آنے پائے آج اس (باغ) میں کوئی محتاج' اور سویرے چلے

لپکتے ہوئے زور کے ساتھ "

باغ کی طرف روانگی | چنانچہ قرارداد کے مطابق وہ سب گھر سے چلے اور

آپس میں کاناپھوسی کرتے جا رہے تھے کہ چپ چاپ چلے چلو تاکہ کوئی مفلس' بھکاری

ع۵ حردہ یحردہ بالکسر حردا قصدہ ومنعه کلاهما عن ابن الاعرابی وقد فسّرهما

قوله تعالی وغدوا علی حرد قادرین ۔ وحرد یحرد حرودا اذ اتنحی واعتزل عن قومه

ونزل منفردا لم یخالطهم وحرد علیه کضرب وسمع حردا محرکة

وحردا کلاهما غضب (تاج العروس) حردہ یحردہ حردا باب ضرب سے کسی چیز کا

قصد کرنے اور منع کرنے کے معنی میں آتا ہے یہ دونوں معنی ابن اعرابی سے منقول ہیں ۔ ارشاد

باری تعالی وغدوا علی حرد قادرین کی تفسیر میں یہ دونوں معنی ملحوظ ہیں ۔ اور حرد

یحرد حرودا اس وقت کہتے ہیں جبکہ کوئی شخص اپنی قوم سے کنارہ کش ہوکر ان سے علیحدگی

اختیار کرے اور کہیں جاکر کسی سے ملے بغیر تنہا مقیم ہوجائے اور حرد علیه حَرْدا و

حَرَدا اس موقع پر کہتے ہیں جب وہ غضبناک ہوجائے " فقیر عرض کرتا ہے کہ یہاں یہ سب معانی

پائے جاتے ہیں واللہ اعلم ۔

آج ہمارے باغ میں آنے نہ پائے ۔ وہ صبح دم چل رہے تھے تو سب سے الگ تھلگ ہوکر بڑے جوش کے ساتھ جا رہے تھے کہ آج اپنے دیرینہ ارادے اور منصوبے کی تکمیل پوری کامیابی سے کر سکیں گے۔" ان کے گھر سے نکلنے کے پیشتر ہی وہاں جو صورت حال درپیش ہو چکی تھی اس کی انھیں کیا خبر تھی؟ بہر حال وہ مسکینوں پر جارا کھائے ہوئے اندھیرا رہنے پر یہی باتیں کرتے ہوئے تیز تیز باغ کے پاس پہنچ گئے۔

فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوٓا إِنَّا لَضَآلُّونَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ۝ 68-26
68-27
قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ۝ قَالُوا سُبْحَانَ رَبِّنَآ 68-28
إِنَّا كُنَّا ظَٰلِمِينَ ۝ 68-29

پھر جب اس کو دیکھا' بولے ہم تو راہ بھول آئے' نہیں ہماری قسمت پھوٹی

بولا منجھلا ان کا' میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ کیوں نہیں پاکی بولتے (اللہ کی)؟ بھولنے

کہا پاک ذات ہے ہمارے رب کی' ہم ہی قصوروار تھے۔"

باغ کی تباہی پر چہ میگوئیاں ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ سب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ باغ کا کچھ پتہ نہیں۔ ایسی تباہی آئی ہے کہ نشان تک باقی نہیں ہے۔ کہنے لگے کہ ہم تاریکی اور جلدی میں راستہ بھول گئے ہم کسی اور طرف نکل آئے ہیں۔ پھر غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ باغ کے اطراف کی علامتیں اور نشان سب کچھ موجود ہیں۔ صرف باغ کا وجود نہیں ہے۔ سمجھ گئے کہ راستہ نہیں بھولے۔

آئے ہیں اسی مقام پر لیکن باغ کا صفایا ہو گیا ہے۔ بولنے لگے کہ ہماری قسمت پھوٹی ہے کہ پھل اور پیداوار بھی گئی اور باغ بھی نہ رہا۔ پوری طرح محروم اور بے نصیب رہ گئے ہیں۔ جس وقت یہ لوگ اپنا منصوبہ بنا رہے تھے اور قسم کھا کھا کر کہے جاتے تھے لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ۔ صبحدم یہاں پہنچکر تمام پھل توڑلیں گے اور ساری پیداوار کاٹ لیں گے ان کے منجھلے بھائی نے جو ایک منصف مزاج واقع ہوا تھا کہہ رہا تھا کہ ایسا کرنا چاہتے ہو تو انشاء اللہ کہو، مگر جوش جنون جو سر پر سوار تھا وہ کب اس کی اجازت دیتا تھا۔ اس کی ایک نہ سنی۔ اب اسکو موقع ملا تو کہنے لگا کیوں میں نے آپ لوگوں سے کہا نہ تھا کہ اللہ کی پاکی کیوں نہیں بیان کرتے؟ یعنی اپنے مدعا کو اللہ سبحانہ کے حوالے کیوں نہیں کرتے؟۔

ابن جریج فرماتے ہیں:۔ وکان التسبیح استثناؤھم کما نقول نحن ان شآء اللہ۔ (ابن المنذر) اپنی مراد کو اللہ سبحانہ کے حوالے کرنے کا طریقہ ان لوگوں کے عہد میں سبحان اللہ یا سبحان ربنا کہنا ہوتا تھا جیسا کہ ایسے موقع پر ہم ان شآء اللہ کہتے ہیں۔" اسی طرح ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے:۔
کان استثناؤھم فی ذلك الزمان التسبیح۔ اُس زمانے میں ان کے اپنے ذمہ سے نکلنے کا طریقہ تسبیح تھا۔" بہرحال اپنے منجھلے بھائی کی تقریر سن کر سب قائل ہو گئے۔ کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار تمام عیوب سے پاک ہے یقیناً ہم ہی ظالم تھے مساکین وفقراء کا حق مار کھانے کی تدبیر کی نتیجہ یہ ہوا کہ نفع کے ساتھ اس المال بھی تباہ ہو گیا۔ پیداوار بھی گئی اور باغ بھی نہ رہا۔ بعض مفسرین نے اَوْسَطُھُمْ کا ترجمہ اَعْدَلُھُمْ یعنی "انصاف پسند" کیا تھ کیا ہے۔ خواہ وہ بڑا ہو یا منجھلا یا چھوٹا۔

بعض نے یہ تصریح بھی فرمائی ہے کہ ایک نے کہا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ۔ "ہم راستہ بھول گئے ہیں۔" دوسرے نے کہا بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ۔ نہیں ہم محروم رکھے گئے۔" تیسرے نے کہا:۔ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْ لَا تُسَبِّحُوْنَ۔ کیا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ تسبیح کیوں نہیں پڑھتے یعنی اللہ سبحانہ پر کیوں نہیں چھوڑتے۔"

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ 68- 30
اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ۝ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا 68-31 68-32
رٰغِبُوْنَ ۝ پھر ایک دوسرے کی طرف رخ کرکے ملامت کرنے لگے، بولے ہائے
خرابی ہماری، ہم ہی تھے حد سے بڑھنے والے، امید ہے کہ ہمارا رب بدل دے ہم کو
اس سے بہتر (باغ) ہم اپنے رب سے امید رکھتے ہیں۔

باغ کی تباہی پر پچھتاوا جب نتیجہ محرومی کا آنکھوں نے دیکھ لیا تو ایسے موقع پر عموماً جیسا ہوتا ہے ایک دوسرے پر الزام دینے لگے کہ تمہارے کہنے سے ایسا ہوا۔ کوئی بھی خود کو ملامت نہ کرتا تھا جب کسی نے الزام قبول نہ کیا اور تباہی محرومی سب کے سامنے تھی، سب کہنے لگے کہ ہم ہی حد سے بڑھے ہوئے تھے۔ اللہ کے حکم سے سرکشی کی۔ اس اعتراف قصور کے بعد دعائیں کرنے لگے کہ جو ہوا وہ ہوا اب بھی ہم کو اللہ سبحانہ کی رحمت اور اس کے فضل سے امید ہے کہ تباہ شدہ باغ اور کھیتی کے بدلے اللہ ہم کو اس سے بہتر باغ اور کھیتی دے سکتا ہے، ہم اسی کے فضل و رحمت کے امیدوار ہیں۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ یہ ایک صالح باپ کی اولاد تھی۔ جس سے باقتضائے بشریت یا حرص و ہوا کی بنا پر غلطی ہو گئی۔ اور اس کا خمیازہ بھی

بھگتنا پڑا۔ پھر ساتھ ہی چونک گئے اور اعترافِ قصور کرکے رجوع الی اللہ کیا۔ اور رحمت وفضل باری کے امیدوار بنے رہے۔ اگر اس پر قائم رہیں تو امید ہوسکتی ہے کہ تاریخ اپنا ورق الٹے، سیاق کلام پاک سے بظاہر یہی سمجھا جاسکتا ہے۔ اور اگر ایسا اعتراف صرف وقتیہ طور پر لوگوں کو دکھانے، سنانے کے لئے ہو تو پھر اس باب میں کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ آئندہ کیا ہوگا؟ معمرؒ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت قتادہؓ سے دریافت کیا:۔ امن اھل الجنّة ھم ام من اھل النار قال لقد کلّفتنی تعبا۔ (ابن المنذر) یہ لوگ کیا جنتی (مسلمان) تھے یا دوزخی (کافر)؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ تم نے مجھے تھکا دینے والی تکلیف دی۔ یعنی میں کس طرح بتا سکتا ہوں کہ وہ کون تھے؟ قطعی جواب نہیں دیا جاسکتا۔ یہاں باغ والوں کا قصہ ختم ہوا۔

ع ۳ کَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ 68-33

یوں ہی آتی ہے آفت، اور آخرت کی آفت تو سب سے بڑی ہے۔ کاش وہ جانتے۔

عذاب آخرت اب باری تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہو رہا ہے کہ اوپر جو واقعہ بیان ہوا وہ تو صرف دنیوی آفت تھی ان باغ والوں کی طرح، ہم نے قریش کو بھی ہفت سالہ آفت قحط میں مبتلا کیا ہے، یہ بھی صرف دنیوی آفت ہے اگرچہ ابھی

چونک جائیں اور رجوع الی اللہ ہوں تو ان کے لئے موقع ہے۔ ورنہ ان پر ایک عذاب آنے والا ہے۔ رہا آخرت کا عذاب، وہ تو تمام آفات دنیوی اور عذاب آسمانی ان سب سے سخت تر ہے۔ اب بھی یقین جانیں تو غنیمت ہے۔

قریش اور باغ والوں کی مماثلت ولید اپنے مال و اولاد پر اترا رہا تھا۔ اور اسی گھمنڈ میں رہنے کی وجہ سے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت اس پر موثر نہیں ہو رہی تھی۔ قریش کا حال بھی تقریباً یہی تھا۔ اللہ سبحانہ نے اس واقعہ کے ذریعہ سمجھا دیا کہ مال و اولاد کس درجہ ناقابل اعتماد ہے۔ ایک صالح کا مال اور اس کی اولاد کا حال آن کی آن میں ذرا سی بدنیتی اور کوتاہ اندیشی یا حرص و ہوس کی بنا پر کس طرح تبیدستی اور محرومی کے ساتھ مبدل ہوا وہ اس واقعہ سے ظاہر ہے۔ اس کے مقابل ایک کافر اور اشد کافر کا مال اور اس کی اولاد کا کیا ٹھکانا ہے اور اس پر کیا اعتماد کیا جا سکتا ہے اس کو خوب سمجھ لیا جائے۔ جب یہ مال و اولاد دنیا ہی میں کارآمد نہیں تو آخرت میں کیا کام آئے گی، اندازہ کر لیجیے۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝ 68-34 بے شک ڈرنے والوں کو ان کے رب کے پاس باغ ہیں نعمت کے۔"

متقین پر فضل الٰہی | بد نیت لوگوں اور کفار کا حال بیان کر دینے کے بعد خدا سے ڈرنے والوں کا حال سنایا جا رہا ہے کہ متقیوں کے لئے' ان کے رب کے ہاں ایک نہیں کئی کئی باغات ہوں گے ۔ دنیا والوں کے باغ میں معمولی پھول پھل اور غلہ کے سوا اور کیا دھرا ہے جس میں زمین کی صلاحیت' اور آب و ہوا کی مناسبت کے لحاظ سے کچھ محدود پیداوار ہو جاتی ہے ۔ اس میں بھی قدم قدم پر اقسام کے اندیشے لگے ہوئے ہیں ۔ تخم ریزی سے لے کر پیداوار ہاتھ آنے اور فروخت ہونے تک طرح طرح کے مراحل درپیش ہوتے ہیں ۔ قسمت یاوری کرے اور نیت اچھی ہو تو خیر ہے ورنہ فکر اور محنت کے سوا کچھ نہیں ۔ بخلاف اس کے جن کو خوف خدا ہو تو یہی خوش قسمتی ہے اگر یہ نعمت حاصل ہے تو دنیا بھی اچھی اور آخرت بھی ۔ اگر دنیا حاصل نہ ہو تو بھی کچھ غم نہیں ۔ عاقبت بخیر ہے وہاں کے باغات کا کیا پوچھنا ۔ ہر نوع کی بیش بہا نعمتیں ان میں موجود ہیں ۔ ما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر ۔ جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ ان سے کسی کے کان آشنا ہوئے اور نہ ان کا خطرہ کسی کے دل میں گزرا" پھر اس کے ساتھ ولکم فیھا ما تشتھیہ الانفس و تلذ الاعین وانتم فیھا خالدون ۔ اور تمہارے لئے ان میں وہ سب کچھ

نعمتیں مہیا ہیں جن کو جی چاہے ۔ اور جن سے آنکھیں لطف اندوز ہوں اور تم سب ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے "۔

عند ربھم کی تفسیر یہاں عِندَ رَبِّھِمْ سے مراد قرب مکانی نہیں ہے کیونکہ اللہ سبحانہ کی ذات، جہت اور حیز اور مکان سے منزہ ہے بلکہ قرب منزلت اور تشریفی مراد ہے ۔ راغب اصبہانی لکھتے ہیں :۔ عند لفظ موضوع للقرب فتارۃ یستعمل فی المکان وتارۃ یستعمل فی الاعتقاد نحو عندی کذا وتارۃ فی الزلفی والمنزلۃ کقولہ تعالیٰ بل احیاء عند ربھم وعلی ذلک قیل الملائکۃ المقربون ۔ لفظ "عِندَ" قرب اور نزدیکی کے معنی کے لئے وضع ہوا ہے ۔ اب اس کا استعمال کبھی تو قرب مکانی کے لئے ہوتا ہے اور کبھی قرب اعتقادی کے لئے جیسا کہتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ بات ایسی ہے ۔ یعنی اس بارے میں میرا اعتقاد ایسا ہے ۔ اور کبھی قرب منزلت و مرتبہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ حق سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔ بل احیاء عند ربھم یعنی شہداء فی سبیل اللہ کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں یعنی ان کا مرتبہ و منزلت اللہ کے پاس ایسی ہی ہے جیسی زندوں کی منزلت و مرتبت ۔ اسی بنا پر فرشتوں کو ملائکہ مقربین کہتے ہیں "۔ یعنی ان کو قرب منزلت و مرتبت حاصل ہے ۔ یہاں بھی

عند ربھم سے یہی منزلت مراد ہے۔

أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۝ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝ 68-35
68-36

کیا ہم بنادیں گے حکم ماننے والوں کو گنہگاروں کے برابر تم کو کیا ہو گیا ہے کیسا حکم لگاتے ہو۔

کفار کے ایک شبہہ کا ازالہ متقین پر آخرت میں جو فضل الٰہی بتایا گیا کہ ان کے لئے نعمتوں والے باغات مہیا ہیں تو اس کو سن کر کفار کہنے لگے کہ آخرت کا بیان جو آپ ہمیشہ کیا کرتے ہیں اول تو یہ قابل تسلیم نہیں۔ اور اگر بالفرض مان لیا جائے کہ آخرت کا عالم بھی درپیش ہے اور یہ بھی مان لیا جائے کہ اس میں مسلمانوں کو باغات ملیں گے نعمتوں سے بھرے ہوئے تو ہم کو اس سے کہیں زیادہ ملیگا۔ کیونکہ ہمارے حال پر دنیا ہی میں ایسی عنایت رہی ہے جو مسلمانوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہے تو آخرت میں ہمارے لطف کا کوئی ٹھکانہ نہ ہو گا۔ اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ متقی اور مجرم کا فرق ہی تم نے دریافت نہیں کیا۔ متقی وہ ہے جو اپنی مرضی پر رضائے الٰہی کو ترجیح دیتا ہے۔ اللہ کا جو حکم ہوتا ہے اس کو بجا لاتا ہے اور اس کو جس امر سے منع کیا جاتا ہے اس سے باز رہتا ہے۔ بخلاف اس کے وہ جو اوامر الٰہی اور اس کے نواہی کی پرواہ نہ کرے اور اپنے جی میں جو آئے وہ کرتا رہے تو وہ مجرم ہے۔ اطاعت گزار اور مجرم میں بہت بڑا فرق ہے، تو کیا اطاعت گزار اور مجرم دونوں یکساں ہیں؟

اس یکسانیت کا فیصلہ جو تم نے کر لیا ہے کیا یہ عقل و انصاف کی بات ہے تم دوسروں کو مجنون کہہ کر خود جو فیصلہ کر رہے ہو' آیا یہ مجنونانہ اور احمقانہ فیصلہ نہیں ہے؟ کیا عقل سلیم اس کو تسلیم کرتی ہے' یا انصاف اس کا مقتضی ہے؟

أَمْ لَكُمْ كِتَٰبٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ۝ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ ۝ 68- 37 68-38

کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم پڑھا کرتے ہیں' اس میں یہ لکھا ہو کہ تم کو وہی ملیگا جو تم پسند کرتے جاؤ"

کفار سے دلیل نقلی کا مطالبہ ثواب آخرت کا حال' کتاب الہٰی سے معلوم ہوتا ہے یا اللہ کے پیغمبروں کی زبانی' عقل و قیاس سے ثواب دریافت نہیں ہوتا۔ یہ ایک مسلم امر ہے۔ لہذا بتاؤ کہ آخرت میں تم کو ایسی نعمتیں ملنے کا حال' کہاں سے معلوم ہو گیا کیا کسی کتاب آسمانی میں ایسا لکھا ہے کہ کوئی انسان پرلے درجے کا مجرم ہی کیوں نہو اس پر اللہ سبحانہ کے ایسے الطاف رہیں گے۔ اور مجرمین آخرت میں جو جو خواہشات اور فرمائشات کرتے جائیں گے' ان کی مرضی کے مطابق تعمیل ہوتی رہیگی؟ اگر ایسا لکھا ہے اور تم اس کو پڑھا کرتے ہو تو بتاؤ کہاں لکھا ہے؟

ظاہر ہے کہ کفار قریش نرے جاہل تھے۔ پورے جزیرۃ العرب میں جہالت کا دور دورہ تھا' نہ پڑھنا جانیں نہ لکھنا' علم و ہنر سے کوسوں دور۔ وہ کتاب کیا جانیں

اور قلم کس طرح لیتے ہیں، انھیں کیا معلوم؟ صرف لاف زنی کیا کرتے تھے۔ مجنونانہ بڑ
اور احمقانہ بکواس کے سوا ان کے پاس تھا کیا؟ پھر اس سوال کا جواب وہ کیا دے
سکتے ہیں؟ اور کوئی دوسرا بھی اس کا کیا جواب دے سکتا؟

اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا
تَحْكُمُوْنَ ۚ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ۚ کیا تم نے ہم سے قسمیں لی 68-39 68-40
ہیں ٹھیک پہنچنے والی قیامت کے دن تک کہ تم کو ملیگا جو کچھ ٹھہراؤ گے؟ پوچھیے
ان سے کونسا ان میں اس کا ذمہ لیتا ہے۔"

کفار سے دستاویزی ثبوت کا مطالبہ اگر کسی آسمانی کتاب میں ایسا کہیں
نہیں لکھا ہے نہ سہی، کیا تم نے ہم سے زبانی کوئی قسم (عہد و پیمان) لیا ہے
قیامت تک کے لئے کہ تم دنیا میں جب تک رہو جو چاہو کرتے رہو اس کی نسبت ہم کو کسی
نوع کی باز پرس کرنے کا کوئی حق نہ ہوگا۔ اور قیامت کے بعد جب تم آؤگے تو اس وقت بھی
تم کو وہ سب کچھ ملتا رہیگا جو تم حکم لگاؤ؟ اگر ایسا قیامت تک کا کوئی معاہدہ طے
پا گیا ہے کہ تم مدعی ہو تو اے نبی کریم! آپ ہی ان سے دریافت کیجئے ان میں کون ہے جو
خود کو اس کا ذمہ دار بتاتا ہو۔ ظاہر ہے کہ اس کے جواب میں بھی وہ کسی کو بتا نہیں سکتے
اور اگر کسی کو ہٹ دھرمی سے بتائیں بھی تو وہ سامنے نہیں آسکتا کہ میں نے ایسا

معاہدہ طے کرایا ہے۔

نکتہ سَلْهُمْ کا خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کرنے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ نالائق ہمارے خطاب کے قابل بھی نہیں ہیں اس لئے ہم ان سے ہم کلام نہ ہوں گے۔ آپ ہی دریافت فرمالیجئے۔ یہ خداوند تعالیٰ شانہ کے کمال ناراضی کی دلیل ہے کہ وہ اپنے شرک وکفر کی وجہ سے اپنی قدر ومنزلت کھو چکے ہیں۔ 68-41

اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۝

"کیا ان کے واسطے کوئی شریک ہیں پھر تو چاہیئے کہ لے آئیں اپنے اپنے شریکوں کو اگر وہ سچے ہیں"

کفار سے تقلیدی ثبوت کا مطالبہ مسلم اور مجرم، فرماں بردار اور نافرمان دونوں ایک درجے پر ہونے کے دعوے پر اگر کوئی دلیل عقلی یا نقلی نہیں مل سکتی تو آخری صورت تقلید کی رہ جاتی ہے کہ محض کسی کا دیکھا دیکھی کوئی کام یا کلام کیا جائے، گو ایسی نری تقلید جو اقتضائے عقل ونقل کے خلاف ہو حجت نہیں قرار پا سکتی۔ بریں ہم بدرجۂ تنزل ان سے یہ سوال کیجئے کہ جن چیزوں کو انھوں نے ہمارا شریک ٹھہرا لیا ہے کیا وہ ایسا کہتے ہیں کہ مطیع اور عاصی، حق ماننے والا اور منکر دونوں برابر ہیں؟ یا یہ کہ ان کے دیوتا اپنے زور سے ان کو ایسے باغات دلا دیں گے؟ اول تو اللہ سبحانہ کا کوئی شریک نہیں اور جن اوثان و اصنام کو ان لوگوں نے شریک بنا لیا ہے وہ ان شریک بنانے والوں سے بھی زیادہ

عاجز اور ذلیل ہیں۔ مشرک تو انسان ہے اور شریک ایک پتھر ہے تراشیدہ یا ناتراشیدہ وہ کیا جتلائے گا اور کیا دلائے گا؟ اس سے ثابت ہو چکا کہ ان کفار و مشرکین کا یہ دعویٰ کہ جب مسلمانوں کو آخرت میں باغات ملیں گے تو ہم کو ان سے زیادہ باغات ملیں گے اور ان کے مقابلے میں ہم ہی زیادہ مورد الطاف و عنایات ہوں گے۔ یہ ایسا دعویٰ ہے جو عقل، نقل، اور تقلیدی حیثیت سے بھی مردود ہے۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ۝ 68-42
خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ 68-43
وَهُمْ سَالِمُونَ ۝ جس دن کھولی جائے پنڈلی، اور وہ بلائے جائیں سجدہ کرنے کو، پھر وہ
نہ کر سکیں، جھکی پڑتی ہونگی ان کی آنکھیں، چڑھی آتی ہو گی ان پر ذلت، اور پہلے ان کو
بلاتے رہے سجدہ کرنے کو اور وہ تھے اچھے خاصے۔"

ساق کی پہلی تفسیر یکشف عن ساق کی تفسیر دو طرح سے کی گئی ہے۔ ایک وہ جو حضرت ابوسعید خدریؓ نے فرمایا کہ میں نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ ارشاد فرماتے تھے:۔ يكشف ربنا عن ساقه فيسجد له كل مؤمن و مؤمنة ويبقى من كان يسجد في الدنيا رياء وسمعة فيذهب ليسجد فيعود ظهره طبقا واحدا (بخاری، مسلم، نسائی، ابن المنذر، ابن مردویہ) اللہ سبحانہ

اپنی ساق کھول دیگا اس پر فوراً ہی ہر ایمان دار مرد اور ایمان دار عورت تو سجدہ کریگی اب صرف وہ لوگ رہ جائیں گے جو دنیا میں دکھاوے اور سناوے کے لئے سجدہ کیا کرتے تھے وہ بھی سجدہ کرنے جائیں گے تو ان کی پیٹھ تختہ ہو جائے گی " یعنی ان کی پیٹھ کے منکے ایک سیخ کی طرح ایک دوسرے سے مل جائیں گے جس کے باعث ان سے سجدہ نہ ہو سکیگا۔

کشف ساق سے تجلی مراد ہے | اس روایت کی رو سے لفظ ساق سے مراد، اللہ سبحانہ کی کوئی صفت اور تجلی کا ظہور ہوگا۔ اور یہ کلمہ متشابہات سے قرار پائے گا جس کا حقیقی علم اللہ سبحانہ کے سوا اور کسی کو نہیں ہے۔ جیسا کہ ید اللہ اور وجہ اللہ وغیرہ متشابہات کی نسبت حکم ہے کہ ہم اس پر بلاکیف ایمان رکھیں اور اس کی تحقیق میں جاکر مزید پریشان نہ ہوں کہ ید اللہ یا وجہ اللہ کیا ہے۔ یوں سمجھیں کہ ایک تجلی خاص ہوگی اور ایک صفت خاص کا ظہور ہوگا اور سب ایمان دار اس کے آگے سر بسجود ہو جائینگے۔

چنانچہ ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیہ کریمہ یوم یکشف عن ساق کی تفسیر میں فرمایا:۔ یوم یکشف عن ساق قال عن نور عظیم فیخرون له سجدا۔ (ابو یعلیٰ، ابن جریر، ابن المنذر، ابن مردویہ، بیہقی، ابن عساکر) ایک نور عظیم ظاہر ہوگا جس کے آگے سب سجدے میں گر پڑیں گے"۔

ساق کی دوسری تفسیر | دوسری تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے:۔

یکشف عن امر عظیم ثم قال قد قامت الحرب علی ساق۔ (فریابی سعید بن منصور
ابن مندہ، بیہقی من طریق ابراہیم النخعی) ایک امر عظیم یعنی بہت بڑا حادثہ ظہور پذیر ہوگا۔
عرب کا محاورہ ہے وہ کہتے ہیں: ـــ قد قامت الحرب علی ساق۔ جنگ زوروں پر
ہونے لگی" یہ بھی فرمایا: ـــ ھوالامر الشدید المفظع من الھول یوم القیامۃ۔
(ابن ابی حاتم، بیہقی) وہ بڑی شدت والا حادثہ ہے جو قیامت کے دن اپنی ہولناکی سے
گھبرا دینے والا ہوگا" حین یکشف الامر و تبدوالاعمال وکشفہ دخول الآخرۃ
وکشف الامر عنہ۔ (بیہقی) جس وقت حقیقت حال کھل جائیگی اور تمام اعمال
(کھلے چھپے) سب کے سب ظاہر ہو جائیں گے اور اس کا ظہور یہی آخرت کا آغاز ہوگا اور
اس کی حقیقت کا کھل جانا ہوگا" پھر حضرت ابن عباسؓ نے ایک اصول تفسیر یہ بیان
فرمادیا: ـــ اذا خفی علیکم شیئ من القرآن فابتغوہ فی الشعر فانہ
دیوان العرب۔ اما سمعتم قول الشاعر وقامت الحرب بنا علی ساق۔
(عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، حاکم بروایت صحیحہ، بیہقی من طریق عکرمہ) جب قرآن میں
کوئی مقام تم پر کھل نہ سکے تو شعرائے عرب کے کلام میں اس کو ڈھونڈھ لیا کرو کیوں کہ وہ
عرب کا دفتر ہے۔ کیا تم نے شاعر کا یہ قول نہیں سنا، وہ کہتا ہے: ـــ وقامت الحرب
بنا علی ساق۔ یعنی ہماری لڑائی بہت زوروں پر قائم ہوگئی۔ یعنی خوب

جنگ ہونے لگی "۔ اس اعتبار سے آیۂ کریمہ کے معنی یہ ہوں گے اس دن کو یاد کرو جبکہ قیامت کی شدت اور ہولناکی زوروں پر ہوگی "۔

اہلِ محشر کو دعوتِ سجود

وَ یُدۡعَوۡنَ اِلَی السُّجُوۡدِ فَلَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ

اور وہ بلائے جائیں گے سجدہ کرنے کو پھر وہ نہ کر سکیں گے "۔ جب قیامت کی شدت زوروں پر ہوگی اس وقت سب لوگ سجدہ کرنے کیلئے بلائے جائینگے تاکہ مومن اور غیر مومن کا فرق علی رؤس الاشہاد معلوم ہوجائے اور کسی کو کوئی عذر باقی نہ رہے۔ جو کافر یا منافق ہونگے وہ بھی سجدہ کرنے جائینگے مگر ان سے یہ نہ ہو سکیگا۔

اہلِ ایمان فوراً سجدہ کرینگے کفار سے یہ نہ ہو سکیگا

حضرت قتادہ فرماتے ہیں:۔ ذکر لنا ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول یوذن للمؤمنین یوم القیامۃ فی السجود فیسجد المومنون و بین کل مؤمنین منافق فیتعسر ظہر المنافق عن السجود و یجعل اللہ سجود المؤمنین علیھم توبیخا و صغارا و ذلا و ندامۃ و حسرۃ (عبد بن حمید) ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے دن مومنین کو سجدہ کرنے کا حکم ہوگا تو وہ فوراً سجدے میں چلے جائیں گے۔ اور ہر دو ایمان والوں کے درمیان ایک منافق رکھا جائے گا اس وقت منافق کی پیٹھ کے لئے سجدہ دشوار ہو جائے گا۔ اور ایمان والوں کا سجدہ منافقین کے حق میں زجر و توبیخ حقارت

ذلت اور ندامت وحسرت کا باعث ثابت ہوگا"۔ منافقین دیکھیں گے کہ ان کے داہنے بائیں جو اہل ایمان ہیں وہ حکم کے ساتھ ہی بے تکلف سجدے میں چلے گئے۔ ان کا دیکھا دیکھی انھوں نے بھی سجدہ کرنا چاہا تو پیٹھ ایسی سخت ہوگئی کہ اس میں خمیدگی اور جھکاؤ کا نام تک نہیں۔ پیٹھ جھکنے ہی نہیں دیتی۔ اس حالت میں ان کے لئے زجر و توبیخ اور حقارت و ذلت کے خطاب کے سوا اور کیا توقع ہوسکتی ہے' نیز ندامت اور حسرت کا منہ دیکھنے کے سوا اور کیا چارہ کار رہ جاتا ہے؟۔

کفار و منافقین کی رسوائی

خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ۔

"جھکی پڑتی ہونگی ان کی آنکھیں چڑھی آتی ہوگی ان پر ذلت"۔ جب دیکھا کہ اپنے دونوں بازوؤں پر جو مسلمان تھے انھوں نے تو حکم کے ساتھ ہی بے ساختہ سجدہ کرلیا اور یہ خود اگرچہ سجدہ کرنا چاہتے تھے' پر کچھ بھی نہ ہوسکا۔ رب العزت جل جلالہ کا حکم سننے پر بھی یہ لکڑے کے لکڑے رہ گئے ہیں تو مارے ندامت و حسرت کے نظریں نیچی ہوجائینگی آنکھ میں آنکھ ملانے کی ہمت نہ ہوسکیگی اور دنیا میں جس قدر زور بتاتے تھے۔ بلکہ یہاں تک کہہ دیا تھا لئن رجعنا الی المدینة لیخرجن الاعز منها الاذل۔ جب ہم لوٹ کر مدینے آئیں گے تو جو بڑے باعزت ہیں (یعنی ہم) تمام بے عزت ذلیلوں کو نکال باہر کردینگے"۔ آج ان کو اپنی ذلت پر ذلت دکھائی دیتی ہوگی۔

دنیا میں دعوت سجود اور کفار کا انکار	وَ قَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ۔ دعوت سجود تو سجوں کو دیجا رہی تھی اس حال میں کہ سب صحیح

وسالم تھے" یعنی جو لوگ میدان قیامت میں آج مجتمع ہیں۔ ایک زمانہ ان پر ایسا بھی آچکا ہے کہ یہ دنیا میں آباد تھے۔ ان کو پنجگانہ نمازوں کے موقع پر دعوت سجود روزانہ دیجاتی تھی۔ کفار کا کیا ذکر کہ وہ نماز اور مسجد کا نام کیوں لینے لگے جبکہ خدا اور رسول اور ان کی دعوت ہی کو قبول نہ کیا۔ مسجد کو آنے والے دو گروہ تھے۔ ایک مومنین مخلصین دوسرے منافقین۔ لیکن ان کے آنے آنے میں بھی ایسا ہی فرق تھا جیسا ان کی حقیقت میں۔ مومن مخلص کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے گھر میں ہو یا کسی کام میں لگا ہوا ہو اذاں کے انتظار میں گوش بر آواز تھا۔ اِدھر اذاں سنی اُدھر نہایت ذوق و شوق کے ساتھ آ حاضر ہوا خواہ اس کا کاروبار کتنا ہی اہم ہو اس کو ملتوی کر دیا۔ اس کو اللہ سبحانہ کا حکم معلوم ہے۔ یا ایھا الذین آمنوا اذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ و ذروا البیع ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون۔ اے ایمان والو! جب نماز کے لئے اذاں کہی جائے جمعہ کے دن تو اللہ کا ذکر (خطبہ سننے کے لئے) تیزی سے روانہ ہو جاؤ۔ اور خرید و فروخت سب کچھ چھوڑ دو۔ یہی تمہارے لئے (دنیا و مافیہا سے) بہتر ہے اگر تم یقین رکھتے ہو۔" گویہ حکم

نماز جمعہ کا ہے لیکن دوسری نمازوں کا بھی یہی حکم ہے جمعہ کا اہتمام زیادہ کرنا چاہیئے۔ مومنین مخلصین سوئے ہوئے بھی ہوتے تو الصلاۃ خیر من النوم کی آواز پر اٹھ کھڑے ہوتے۔

دنیا میں منافقین کا حال منافقین کا حال یہ تھا۔ واذا نادیتم الی الصلاۃ اتخذ وھا ھزواولعبا۔ اور جب تم نماز کی دعوت کے لئے اذاں کہتے ہو تو یہ اس کو ایک مذاق اور استہزاء اور لہو ولعب قرار دیتے ہیں"۔ موذن اور اس کی آواز کا بلکہ نماز کا اور جماعت کا مذاق اڑاتے ہیں۔ نماز کیا ہے گویا ان کی نظر میں ایک کھیل تماشا ہے۔ واذا قاموا الی الصلوۃ قاموا کسالی یرآء ون الناس ولا یذ کرون اللہ الا قلیلا۔ اور جب نماز کے لئے اٹھتے بھی تو نہایت کسلمندی اور سستی کے ساتھ اٹھتے۔ صرف لوگوں کو اپنی حاضری دکھاتے ہیں۔ رہا اللہ کا ذکر وہ تو کچھ بھی نہیں کرتے"۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ الرجل یسمع الاذان فلا یجیب الصلاۃ۔ (بیہقی) (منافقین میں کا) ایک ایک شخص اذاں سنتا اور سننے کے بعد بھی نماز کو نہ آتا"۔ اور آیا بھی تو نہایت سست قدم کہ نماز کا وقت کیا آیا ایک مصیبت آن پڑی۔ پھر نماز میں شامل ہوا تو اس کو قراءت، تسبیح

تشہد اور درود دعا و استغفار سے کیا غرض صرف حاضری دینی مقصود تھی۔ جو دیجا چکی اور بس۔ اسی حال میں عمر گزری مسلمہ اصول ہے جس کو حضرت مولائے کائنات نے فرمایا:۔

کما تعیشون تموتون وکما تموتون تبعثون۔ جیسی زندگی ایسی موت، اور جیسی موت ایسا حشر۔ اب قیامت میں رب العزت جل جلالہ کے حضور میں سجدہ کرنے کی نوبت ہے۔ سجدہ کرنا بھی چاہتے ہیں تو پیٹھ تختہ ہے۔ پھر سجدہ کہاں؟ یہی ارشاد ہو رہا ہے کہ جب ان کے اعضاء صحیح سالم تھے۔ تمام قوی اور صلاحیتیں بحال تھیں تو انھوں نے سجدہ نہ کیا اب تو پیٹھ ہی تختہ ہے۔ سجدے کا کیا ذکر؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دعوت سجود اور سلف صالحین دنیا میں سلف صالحین کا یہ حال تھا کہ ان کی نماز تو کیا فوت ہوتی۔ جماعت بلکہ تکبیر تحریمہ تک فوت نہیں ہوتی تھی۔ اگر کسی کی کبھی تکبیر تحریمہ چھوٹ جاتی یعنی امام کے ساتھ کوئی تکبیر تحریمہ میں شریک نہ ہو سکتا تو دوسرے لوگ اس کو تین دن تک پُرسہ دیتے رہتے اور اس کی تعزیت کرتے اور اگر کسی کی جماعت چھوٹ جاتی تو ایک ہفتہ تک تعزیت کا سلسلہ جاری رہتا۔ تکبیر تحریمہ چھوٹ جانا یا کبھی جماعت کا فوت ہو جانا ان کے نزدیک ایسا تھا گویا ان کے گھر کوئی بڑا حادثہ پیش آیا۔ یا یہ کہ کوئی میت ہو گئی۔ اللہ اکبر۔ ارشاد باری ہو رہا ہے:۔

فَذَرْنِي وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ

68-44

لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۞ وَ اُمۡلِیۡ لَہُمۡ ؕ اِنَّ کَیۡدِیۡ مَتِیۡنٌ ۞ آپ چھوڑ دیجئے مجھکو اور 68-45
ان کو جو جھٹلاتے ہیں اس بات کو اب ہم سیڑھی سیڑھی اتاریں گے ان کو جہاں سے انکو
خبر بھی نہ ہوگی اور ان کو ڈھیل دئے جاتا ہوں بے شک میری خفیہ تدبیر بہت پکی ہے۔"

مال و اولاد کی کثرت بھی امتحان ہے حضرت سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے خطاب ہو رہا ہے کہ کفار و منافقین کے اس رویہ سے آپ دلگیر نہ ہوں۔ ان مکذبین کی سزا ہی کو ہم پر چھوڑ دیجئے۔ ان کا خیال ہے کہ وہ ترقی کے بڑے اعلیٰ درجہ پر ہیں۔ ان کی شان بہت بڑھی ہوئی ہے۔ ہم ان کو ایک ایک سیڑھی نیچے اتارتے جائیں گے اس طرح کہ ان کو خبر تک نہ ہو۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ مال و دولت اور اولاد و مردم شماری کی یہ کثرت ان کے حق میں مفید ہے جبھی تو وہ اس پر اترا رہے ہیں۔ ہم اسی کو ان کے تنزل اور پستی کا سبب گردانیں گے اور اسی دولت و کثرت میں مبتلا رکھ کر ڈھیل دیتے جائیں گے تا آنکہ ان کی غفلت اور تمرد کی انتہا ہوگی تو ایک دم ان کو گرفتارِ عذاب کرلیں گے۔ ہماری ڈھیل اور ہماری تدبیر اتنی پختہ ہے کہ وہ اس سے نکل ہی نہ سکیں گے۔

گناہ پر نعمت ملنا ابتلا ہے علمائے کرام فرماتے ہیں:۔ من ارتکب المعصیۃ فعوقب علیھا بمصیبۃ فی الدنیا یرجی مغفرۃ ذنبہ ومن

ارتکب المعصیة ثم یری علیه ازدیاد النعمة یخشی علیه المکر والاستدراج
نعوذ باللہ منہ۔ جس نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا اور ساتھ ہی اس کو دنیا میں اس کی
سزا مل گئی تو یہ امید کیجا سکتی ہے کہ اس کا گناہ بخش دیا جائے گا۔ اور اگر کوئی ایسا ہے
کہ وہ گناہوں کا ارتکاب کرتا جارہا ہے اور برابر اس پر نعمتوں کی بارش ہو رہی ہے تو
یہ اندیشہ لگا ہوا ہے کہ یہ صورت حال کہیں اللہ سبحانہ کی ڈھیل اور اس کو ایک دم
پھانس لینے کی تدبیر نہ ہو۔ اللہ ہم سب مسلمانوں کو اس سے اپنی پناہ میں رکھے۔" آمین

أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُم مِّن مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ ۝ أَمْ عِندَهُمُ
الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ۝ کیا آپ مانگتے ہیں ان سے کوئی عوض کہ ان پر کسی 68-46 68-47

"تاوان کا بوجھ پڑ رہا ہے، کیا ان کے پاس غیب کی خبر ہے جسکو وہ لکھ لاتے ہیں۔"

اعراض کا سبب حضرت سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب ہو رہا ہے کہ
ان کفار کا اعراض آپ کی تعلیمات سے کس بنا پر ہے اور نہایت تعجب اور افسوس کا
اظہار فرمایا جارہا ہے کہ انسان کسی کی تعلیم کو قبول نہیں کرتا تو اس کے دو وجوہ ہوتے
ہیں۔ ایک یہ کہ معلمین اپنی تعلیم کا کوئی معاوضہ، تنخواہ وغیرہ طلب کرتے ہیں تو لوگ
اس کو زبردستی کا ایک تاوان اور ڈنڈ خیال کرکے حصول تعلیم سے پہلو تہی کرتے ہیں کہ
یہ صرفہ مفت میں کیوں برداشت کریں؟ ہم نے کوئی گناہ تو نہیں کیا ہے پھر یہ ڈنڈ

کیوں بھریں؟ ایسا خیال تعلیم کی قدر نہ جاننے والوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔
رہے وہ جو اس کے قدرداں ہوتے ہیں وہ مصارف تعلیم سے کبھی پہلو تہی نہیں کرتے۔
علم ہے ایسی متاع عزیز کہ حاصل کرنے کے لئے تن من دھن کی بازی لگائی جاتی ہے۔
مثل مشہور ہے۔ العلم لا یعطیك بعضه حتی تعطیه کلك۔ علم وہ جوہر ہے
کہ جب تک تم اس کے لئے اپنا کُل نہ دے ڈالو وہ اپنا بعض حصہ تم کو نہ دیگا"

اعراض کا دوسرا سبب دوسرا سبب کسی سے تعلیم نہ حاصل کرنے کا یہ ہوتا ہے کہ
یہ علم خود ان کو کسی اور ذریعہ سے حاصل ہو سکتا ہے تو خواہ مخواہ کسی شخص خاص سے کیوں
حاصل کیا جائے۔ اس مدرسہ یا جامعہ میں نہ سہی کسی دوسرے مدرسے یا جامعہ میں شریک
ہو سکتے ہیں۔ یا اس استاذ سے نہ سہی کسی دوسرے استاذ سے سیکھ لیں گے۔ یا اس معلم نے
جس استاذ یا درس گاہ سے تعلیم حاصل کی ہے ہم بھی وہاں رجوع ہوں گے۔ اسی کے مدنظر
کمال تاسف و تعجب سے استفسار فرمایا جا رہا ہے کہ عالم غیب کے علوم و اسرار
جس طرح حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر منکشف ہو رہے ہیں اور
نشر و اشاعت پا رہے ہیں اسی طرح کفار کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ علوم و اسرار راست طور پر
ہم بھی وہیں سے معلوم کر سکتے ہیں جہاں سے آپ نے حاصل کیا ہے۔

کفار پر تعجب و تاسف اب یہاں جو صورت حال درپیش ہے ان میں سے

ایک کا بھی وجود نہیں۔ نہ تو حضور انور کسی سے تبلیغ احکام الہٰی کا کچھ معاوضہ
طلب فرماتے ہیں اور نہ ان کافروں پر غیب کا دروازہ کھلا ہوا ہے جہاں سے
وہ اللہ سبحانہ کے احکام و ہدایات لکھ لیا کریں اور اس سے مستفید ہوں۔ جب
یہ دونوں باتیں بھی یہاں نہیں پائی جاتیں تو معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ ان کفار کا جہل
و عناد ہے۔ اور ان کا اعراض محض لغو اور باطل ہے۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُن كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ 68- 48
مَكْظُومٌ لَّوْلَا أَن تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِّن رَّبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ 68-49
مَذْمُومٌ ۝ فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ اب آپ استقلال سے 68-50
راہ دیکھتے رہیں اپنے رب کے حکم کی اور نہ ہوں مچھلی والے کی طرح جب انھوں نے
پکارا غصے میں بھر کر اگر نہ سنبھالتا ان کو احسان ان کے رب کا تو وہ پڑے رہتے
چٹیل میدان میں الزام کھا کر پھر نوازا ان کو ان کے پروردگار نے پھر برقرار رکھا
ان کو نیکوں میں۔"

یونسؑ کا واقعہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد ہو رہا ہے کہ آپ
انتظار فرمائیں کہ ان کافروں کے باب میں آپ کے پروردگار کا کیا حکم ہونے والا ہے؟
اس میں عجلت نہ فرمائیے جیسا کہ مچھلی والے (حضرت یونس علیہ السلام) نے عجلت کی تھی کہ

ان کو نینوی کے باشندوں کی طرف بھیجا گیا۔ وہ وہاں جا کر اللہ سبحانہ کا پیام پہنچاتے رہے۔ جب اس قوم نے نہ مانا تو ان کو تین دن کی مہلت دی۔ یہ مدت بھی ختم ہونے لگی اور کوئی اثر ہدایت کا انھوں نے قبول نہ کیا تو وہاں سے نکل گئے۔ اس باب میں کوئی حکم اللہ سبحانہ کے پاس سے نہ ملا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے چلے جانے کے بعد قوم کو یقین ہو گیا کہ اب عذاب آتا ہے۔ وہ سب کے سب اپنی عورتوں بچوں وغیرہ کو لے کر ایک میدان میں جمع ہو گئے اور سب مل کر آہ وزاری کرنے لگے۔ دعائیں مانگتے تھے کہ الہٰی! ہم پر رحم فرمایئے کرم فرمایئے۔ ہم نے آپ کی نافرمانی کی اور آپ کے بھیجے ہوئے ہادی اور ناصح کی بات نہ مانی بڑا قصور کیا۔ اگر ہمارا یہ قصور عفو فرما دیا جائے تو آئندہ آپ کی ہر بات ماننے کو تیار ہیں یہ صورت حال بالکل ایسی ہی تھی جیسے استسقاء کے موقع پر ہوا کرتا ہے کہ عموماً سب لوگ ایک میدان میں آکر دعا کرتے ہیں اور پانی برستا ہے۔ اللہ سبحانہ کو یہ ادا پسند آئی اور عذاب رک گیا۔

یونسؑ کا کشتی میں سوار ہو جانا حضرت یونس علیہ السلام نے دیکھا کہ تین دن گزر چکے مگر عذاب نہ آیا۔ اب سوچا کہ قوم کو کیا منہ دکھاؤں۔ ایک جہاز کہیں جانے کے لئے تیار تھا۔ اس میں سوار ہو گئے۔ جہاز روانہ ہو کر ایک جگہ رک گیا۔ نہ منزل مقصود کی طرف بڑھتا ہے اور نہ جہاں سے چلا تھا وہاں واپس ہوتا۔ جہازراں نے کہا کہ اس میں کوئی بھگوڑا غلام

جب تک اس کو دریا میں نہ پھینک دیا جائے یہ آفت دور نہ ہوگی۔ یہ سنتے ہی حضرت یونس علیہ السلام نے اپنے آپ کو پیش کر دیا کہ وہ بھگوڑا غلام یہی ہے اس کو دریا میں پھینک دیا جائے۔ مگر جہاز راں نے آپ کی مقدس شخصیت کے پیش نظر اس کو باور کیا۔ بالآخر تین دفعہ قرعہ ڈالا گیا اور ہر دفعہ آپ ہی کا نام نکلتا رہا۔ مجبوراً آپ کو دریا میں پھینک دیا گیا۔ پھینکنا ہی تھا کہ ایک مچھلی منہ کھولی کھڑی تھی۔ اس نے فوراً لقمہ بنا لیا اور تہ نشین ہوگئی۔ ادھر حکم ہوا کہ یونس محفوظ رہیں۔ چنانچہ چالیس دن آپ مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ دعا و تضرع کا سلسلہ جاری تھا۔ آخر یہ دعا فرمائی:۔ لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین۔ بارالہا! آپ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ آپ کی ذات پاک ہے یقیناً میں ہی ظالموں میں سے ہوں"۔ آپ کی یہ دعا سن لی گئی اور نہ صرف آپ کے حق میں بلکہ وعدہ دیا گیا کہ آئندہ بھی جو کوئی یہ دعا کرے اس کو بھی اسی طرح نجات دی جائیگی۔ اس کے بعد آپ کو نینوا اور اس کے مضافات پر بھی نبی رسول بنا کر بھیجا گیا۔ جہاں کی مردم شماری ایک لاکھ تھی۔ بچوں کا شمار کیا جائے تو تعداد میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔

صبر انتظار کا حکم اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا جا رہا ہے کہ یونسؑ تو غصے میں بھرے ہوئے اپنی قوم سے ناراض ہو کر ہمارے حکم کا انتظار کئے بغیر چل دئے تھے۔

پھر ان پر جو کچھ گزری جب وہ مچھلی کے پیٹ سے نکال کر لب دریا جنگل میں ڈال دئے گئے تو اس وقت بھی ان کی تسبیح جاری تھی۔ اسی کی بدولت نعمت الٰہی نے ان کا رخ کیا ورنہ وہ وہیں پڑے رہتے اور ان کا الزام دفع نہ ہوتا مگر ہم نے ان کو اپنی نعمتوں سے نوازا۔ اور اس قوم کی ہدایت کیلئے پھر انہی کا انتخاب کیا اور نینوا کے ساتھ اسکے مضافات کی نبوت و رسالت سے بھی سرفراز کیا۔ لیکن اس ابتلا و آزمائش کی نوبت محض ان کی جلد بازی کی بنا پر آئی۔ اے نبی کریم! آپ ان کی طرح عجلت نہ فرمائیں بلکہ ہر امر میں ہمارے حکم کے منتظر رہیں۔ گو یہ انتظار کیسا ہی صبر آزما ہو۔

وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا 68- 51
ع ۵ ۲ ۶ الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۝ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ ع 68-52

اور منکر تو آپ کو ہٹا دینے کے درپے ہیں اپنی نظریں لگا کر جب سنتے ہیں نصیحت اور کہتے ہیں وہ تو دیوانے ہیں۔ اور نہیں ہے یہ قرآن مگر نصیحت سارے جہانوں کیلئے "

قرآن سنکر کفار کا غیظ و غضب اے نبی کریم! یہ لوگ جب ہماری یاد گار کتاب جو سرتاپا نصیحت ہی نصیحت ہے آپ سے سنتے ہیں تو نہایت غضبناک ہو کر آپ کو گھورتے جاتے ہیں۔ تاکہ آپ اپنے اس منصب جلیل سے ہٹ جائیں اور زبان سے بھی نعرے لگاتے جاتے ہیں کہ یہ دیوانے ہیں۔ کوئی ان کی باتوں پر توجہ نہ کرے۔ درحالیکہ

آپ جو کچھ ان کو سناتے ہیں اور ہماری کتاب (قرآن کریم) میں جو کچھ لکھا ہے وہ تمام جہانوں اور جہاں والوں کے لئے قابل یادگار نصیحت ہی نصیحت ہے جس سے دونوں جہان کے کام بنتے ہیں اور قوموں کی نجات کی راہ اس سے ملتی ہے۔ ایسی یادگار نصیحت کو دیوانے کی باتیں کہنا اس سے بڑھکر دیوانگی وسفاہت اور کیا ہو سکتی ہے؟۔

دوسری تفسیر | یا یوں کہیئے کہ ہماری یہ کتاب قرآن کریم اور آپ کا یہ خلق عظیم ان دونوں کا ساتھ کچھ ایسا موزوں ومناسب جوڑ ہے کہ نظر لگتی ہے۔ مگر آپ انکی مطلقاً پرواہ نہ کیجئے اور برابر اپنے کام میں لگے رہئے منکروں کا منہ بند کرنے اور انکی شرارتوں کو روکنے کا انتظام ہم کیا کرنے والے ہیں آپ کو دیکھتے رہئے۔ وہ وقت دور نہیں کہ اس کا خاطر خواہ انتظام ہو جائے گا۔ آپ ذرا صبر سے انتظار کیجئے:۔

قد کان قومك یحسبونك سیدا واخال انك سید معیون

آپ کی قوم تو آپ کو سب کا آقا و سردار سمجھتی ہی تھی اور ہمارا خیال تو یہ ہے کہ آپ ایسے سردار و آقا ہیں جن کو نظر لگتی ہے۔

نظر بد حق ہے | حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ العاین حق ولو کان شیئ سابق القدر لسبقتہ العین واذا استغسلتم فاغسلوا۔ (بخاری مسلم وغیرہما) نظر لگنا حق ہے۔ اگر کوئی چیز تقدیر پر بھی سبقت کرنیوالی

ہوتی تو وہ نظر بد ہی ہوتی۔ اور اگر تم سے (منہ) دھو لینے کی فرمائش کی جائے تو دھو لیا کرو۔" اس سے بدنظری دفع ہو جاتی ہے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ان العین لیدخل الرجل القبر والجمل القدر۔ (ابونعیم ابن عدیؒ عن ابی ذرؓ) نظر بد انسان کو قبر میں دفن کرتی اور اونٹ کو دیگ میں پہنچاتی ہے" آپ نے یہ بھی فرمایا:۔ اکثر من یموت من امتی بعد قضاء اللہ وقدرہ بالعین (بزار) (حکم الٰہی اور اس کی تقدیر کے مطابق سب ہی مرتے ہیں لیکن) میری امت کے اکثر لوگ قضاوقدر کے بعد نظر بد کا شکار ہوتے رہیں گے۔" کہتے ہیں کہ قبیلہ بنی اسد بدنظری میں مشہور تھا۔ قریش نے ایک شخص کو بلوایا اور اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس نیت سے دیکھا بھی مگر اللہ سبحانہ نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی جس کی تلاوت کی برکت سے آپ پر اس کا کچھ بھی اثر نہ ہوا۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ آیہ کریمہ وان یکاد الذین کفروا نظر بد دفع کرنے کے لئے اکسیر ہے۔" حافظ شیرازی فرماتے ہیں:۔

حضور مجلس انس است دوستان جمعند — وان یکاد بخوانید و در فراز کنید

وماھو الاذکر کی دوسری تفسیر حضرت یعقوب کرخیؒ فرماتے ہیں کہ وماھو الاذکر للعالمین میں ضمیر ھو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بھی راجع

ہوسکتی ہے۔" اس صورت میں معنی یوں ہوں گے کہ آپ کی ذات تمام عالمین کیلئے نصیحت اور ذکر ہے کہ آپ کو دیکھنے اور آپ کا نام مبارک یاد آجانے سے اللہ یاد آتا ہے:

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

تبائیں تمھیں ان کا نام محمد محمد محمد محمد محمد

وصلی اللہ تعالیٰ وسلّم علی اوّل قابل للتجلی من الحقیقۃ الکلّیۃ وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ واتباعہ خیر البریّۃ۔

سورۂ قلم کی تفسیر ختم ہوئی۔ الحمد للہ والمنہ۔

۷ رجب المرجب ۱۳۷۷ھ۔ سہ شنبہ

69 Alhaaqqah Makky Aayaath 52

سُورۃ الحاقۃ

(مکیہ ہے اور اس میں (۵۲) آیتیں ہیں)

ماقبل سے ربط سورۂ قلم میں وقوع قیامت کا اجمالی بیان آچکا ہے یہاں اس دن کی اہمیت بیان فرمائی جارہی ہے۔ نیز قریش کی ایذاؤں کا ذکر ہوا تھا۔ یہاں امم سابقہ کی تکذیب دین اور اس کے نتائج تبلائے جارہے ہیں تاکہ قریش اور دوسرے تمام اعدائے آگاہ ہوجائیں کہ حق کے مقابلہ میں باطل کی ساری قوتیں ہیچ ہیں۔ حق اپنی پوری قوت کے ساتھ ظاہر ہوکر رہیگا۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ باطل خیالات کو دل سے نکال دیں اور دین حق جو اسلام ہے اس کے حلقہ بگوش ہوجائیں۔ وباللہ التوفیق۔

حضرت عمرؓ کا واقعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسلمان ہونے سے پہلے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درپے رہا کرتا تھا۔ ایک دن آپ کے تعرض کے خیال سے نکلا تو دیکھا کہ آپ مجھ سے پیشتر ہی مسجد حرام (خانہ کعبہ) میں پہنچ چکے ہیں۔ اور نماز میں سورۂ حاقہ کی تلاوت فرمارہے ہیں۔ میں آپ کے پیچھے کھڑا ہوگیا تو

اس سورت شریفہ کی نظم و ترتیب نے کچھ عجیب تاثیر دکھائی۔ دل میں کہنے لگا۔ بخدا
یہ شاعرانہ کلام ہے۔ آپ نے یہ آیہ کریمہ تلاوت فرمائی۔ وماھو بقول شاعر قلیلا
ما تؤمنون۔ یہ شاعرانہ کلام نہیں ہے، تم لوگ بہت کم یقین لاتے ہیں۔" یہ سُن کر
کہنے لگا کہ اس میں کاہنوں جیسی پیشین گوئیاں ہیں، لہذا یہ کہانت ہے۔ ساتھ ہی آپ نے
یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ ولا بقول کاھن قلیلا ما تذکرون۔ اور نہ یہ کسی
کاہن کا کلام ہے۔ تم لوگ بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو۔" یہیں سے اسلام کی حقانیت کا
خیال میرے دل میں جاگزیں ہوا۔ (حضرت امام احمدؒ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع ہے اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

اَلۡحَآقَّۃُ ۙ﴿۱﴾ مَا الۡحَآقَّۃُ ۚ﴿۲﴾ وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الۡحَآقَّۃُ ؕ﴿۳﴾ 69-1 69-2 69-3

"وہ ثابت ہو چکنے والی کیا ہے وہ ثابت ہو چکنے والی اور آپ کو کچھ سوجھا کہ کیا ہے وہ ثابت
ہو چکنے والی۔"

الحاقّۃ کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: الحاقّۃ من اسماء
یوم القیامۃ۔ (ابن المنذر، ابن ابی حاتم) حاقّہ، روز قیامت کے ناموں میں سے
اس کا ایک نام ہے۔" اس اعتبار سے اس کے معنی دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔

قتادہ فرماتے ہیں :۔ الساعۃ احقّت لکلّ عامل عملہ ۔ (عبدالرزاق، عبدبن حمید، ابن المنذر، حاکم) حاقّہ سے مراد ساعت قیامت ہے جو ہر کام کرنے والے کے لئے اس کا عمل ثابت کردکھائیگی " اور ابن جریج نے فرمایا :۔ حقّقت لکلّ عامل عملہ للمومن ایمانہ وللمنافق نفاقہ ۔ (ابن المنذر) ہر عمل کرنے والے کو اس کا عمل ثابت کردکھانے والی مومن کے لئے اس کے ایمان کو اور منافق کے لئے اس کے نفاق کو ثابت کردکھانے والی " یعنی ساعت قیامت کا نام حاقّہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ ساعت موعودہ، وقوع پذیر ہوکر نہ صرف اپنے وجود کو متحقق اور ثابت کردکھائیگی بلکہ دنیا میں جس جس شخص نے جو جو کام کئے ہیں ہر ایک کے ہر کام کو علی رؤس الاشہاد ثابت کردیگی جس کے بعد کسی منکر کو انکار کی مجال نہ ہوسکیگی ۔ مومن کا ایمان، اور منافق کا نفاق، اسی طرح کافر و مشرک کا کفر و شرک، سب کچھ ثابت و متحقق ہوجائے گا ۔ کیونکہ جب وہ آنیوالی ساعت خود ثابت و متحقق ہوگی تو اس کے لوازم یعنی اعمال کا حساب و کتاب، ان کا وزن بے کم و کاست، اور اس کی ٹھیک ٹھیک جزا و سزا بھی اس کے ساتھ ساتھ ثابت ہوکر رہیگی ۔ سبحان اللہ ! ایک کلمہ الحاقّہ اپنے اندر کیا کچھ وسعت رکھتا ہے کہ ساری کائنات، از آدم تا ایں دم اور ان کے جملہ اعمال، افعال، اقوال نیک و بد ان کا حساب، اور وزن و پیمائش، طول، عرض، گہرائی، ان کی تاثیرات، عواقب و نتائج

پھر ان کی جزا و سزا، جنت و دوزخ، سب کا سب اس میں داخل و شامل ہے۔ اس طرح کہ کوئی چیز اس سے خارج اور چھوٹنے والی نہیں۔ اسی سے قرآن کریم کی جامعیت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ اسی لئے دوبارہ ارشاد ہو رہا ہے :۔

ما الحاقّۃ کی تفسیر وہ ثابت ہوچکنے والی کیا ہے؟ یعنی کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اس کی حقیقت و ماہیت کیا ہے؟ یعنی ایّ شیی ھی فی حالھا و صفتھا۔ وہ ہے کیا چیز جس کا حال اور وصف یہ ہے؟ قیامت جس کا وعدہ اللہ سبحانہ نے فرمایا، اور جس کا نشان کتب سماویہ نے بتلایا، اور جس کی خبر تمام انبیا و رسل علی نبینا علیہم الصلاۃ والسلام نے دی۔ جس کو بہت کم لوگوں نے مانا اور اس کا یقین کیا۔ اور بہتیرے تو اس کے منکر ہی رہے۔ بعید از عقل سمجھا۔ پھر جنھوں نے مانا ان کا علم اسی قدر ہے کہ وہ ایک ساعت ہے، مانا کہ وہ ساعت پچاس ہزار برس کے برابر ہوگی مگر ہے ساعت اور ظاہر ہے کہ "ساعت" ایک معمولی جزو ہے زمانہ کا۔ اور خود زمانہ غیر قارّ الذات ہے، جس کی ذات کو قرار نہیں :۔

زمانہ ہے کہ گزرا جا رہا ہے
یہ دریا ہے کہ بہتا جا رہا ہے

لہٰذا زمانہ اپنی ذات کے اعتبار سے کیا ہے؟ اس بحث کو رہنے دیجئے۔ صرف اس ساعت قیامت کے احوال اور اوصاف ہی کم از کم بتا دیجئے کہ کیا ہوں گے؟ اور کیسے ہوں گے؟ انسان ضعیف البنیان کیا بتائے جب کہ ملائکہ مقربین نے اعتراف کرلیا:۔ سبحانك لاعلم لنآ الاما علمتنا۔ آپ کی ذات ہر ناموزوں نامناسب امر سے پاک ہے ہم کو کچھ بھی معلوم نہیں بجز اس شمّہ کے جس کی تعلیم ہم کو آپ نے دی۔" بہرحال حاقّہ بہت ہی عظیم الشان ساعت ہے جو اور ساعات کی طرح نہیں۔

وما ادرٰنك ما الحاقّہ کی تفسیر

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ۔ اور آپ کو کچھ سوجھا کہ کیا ہے وہ ثابت ہو چکنے والی" یہ مزید استفسار ہے کہ اس کی عظمت کس درجے کی ہے اور کیا شان اپنے اندر رکھتی ہے کیا اس کا کچھ علم ہو سکا؟ سوچو سمجھو اور بوجھو۔ اس تمام کد و کاوش کے بعد اس کی عظمت و شان جتنی کچھ بھی ذہن میں آئے اس استفسار ثانی سے یہ سمجھنا چاہیئے کہ حاقّہ کی عظمت و شان انسانی سمجھ بوجھ سے بہت ہی بالاتر ہے۔ اب خیال کیجئے کہ یہ ساعت جو اللہ سبحانہ کی ایک مخلوق ہے اس کی صفت اور حال کا اندازہ انسان نہیں کرسکتا تو خالق کی عظمت و شان کو انسان کیا پہچانے؟ اسی لئے عرفائے کاملین نے فرمایا ما عرفناك حق معرفتك

آپ کی شناخت جیسی کچھ ہونی چاہیے ہم سے نہ ہو سکی:۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہر چہ گفتہ ایم و شنیدیم خواندہ ایم

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ماہمچنیں در اول وصف تو ماندہ ایم

عرض فقیر | فقیر عرض کرتا ہے کہ یہاں خطاب اگرچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا جارہا ہے لیکن مقصود عام ہے یعنی نوع انسانی یا تمام افراد بنی آدمؑ مراد ہیں' جیسا کہ بعض مفسرین کرام نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔

اس ساعت قیامت کی عظمت وشان کو قریب الی الفہم کرنے کے لئے چند قیامت خیز واقعات کا بیان' نمونہ اور مثال کے طور پر فرمایا جارہا ہے۔ارشاد ہے:۔

69-4 كَذَّبَتْ ثَمُودُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ ۝ جھٹلایا ثمود اور عاد نے اس کوٹ ڈالنے والی (ساعت) کو"

قوم ثمود و عاد کی تکذیب | یعنی قوم ثمود جو حضرت صالح علیہ السلام کی امت تھی اور قوم عاد جو حضرت ہود علیہ السلام کی امت تھی ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے دور میں اس کوٹ ڈالنے کی ساعت قیامت کو جھٹلایا جس کے حق ہونے اور یقینی طور پر آنے کی اطلاع ان بزرگ پیغمبروں نے دی تھی۔ان بزرگوں نے اپنی اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ دنیا میں لوگ جو کچھ عمل کرتے ہیں ان کے حساب وکتاب اور

سزا و جزا کے لئے ایک ساعت مقرر کی گئی ہے، وہ ساعت کھڑکھڑاتی ہوئی نہایت دھاکو حالت میں رونما ہوگی، اس کے شور سے کان پھٹتے اور دماغ پاش پاش ہوتے دکھائی دیں گے، وہ ہر چیز کو کوٹ پیس کر رکھ دینے والی ہوگی۔ اس کے آگے انسان کی کیا بساط ہے سماوات جو تمام عالم پر محیط ہیں پھٹ جائیں گے، تمام سیارے اور ثوابت بے نور ہو جائیں گے، ان کی یہ روشنی اور جگمگاہٹ بالکلیہ جاتی رہیگی، ساری زمین زلزلے کے مارے تھراتی ہوگی اور یہ عالیشان پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں اڑتے رہینگے۔

ایک تمثیل اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ کسی عہدہ دار سے کسی امر عظیم کے متعلق جواب لینا ہوتا ہے تو اس کا موجودہ اختیار و اقتدار ختم اور اس کے عہدے سے اس کو معطل کر دیا جاتا ہے تاکہ اس کا کوئی اثر کسی پر قائم نہ رہ سکے۔ اور اس کی حیثیت کا حد من الناس ہو جائے۔ اب ہر شخص میں وہ قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کے متعلق جو کچھ بیان دینا ہو موافق یا مخالف، بغیر کسی روک ٹوک اور بغیر کسی جھجک اور پس و پیش کے آزادانہ طور پر دے سکے۔ انسان بھی اس دنیا میں خلیفۃ اللہ بنا کر دنیا کے سب سے بڑے اونچے منصب پر فائز کر کے بھیجا گیا تھا۔ اور ساری کائنات کو اس کا مسخر و تابع فرمان بنایا گیا تھا۔ اب جبکہ اس سے حساب کتاب کا وقت آیا اور سزا و جزا کا موقع در پیش ہوا تو اس کے دائرۂ اختیار کو اس طرح تہ و بالا کر دیا جائیگا کہ

دوسرے تمام ماتحتین یہاں تک کہ کائنات کا ہر ہر ذرہ اس کے متعلق جو بیان دینا ہو آزادی کے ساتھ دے سکے۔ بلکہ اوسی کے ہاتھ پاؤں، کان، آنکھ، ناک اس کے خلاف گواہی دے سکیں گے۔

قوم ثمود و عاد کا انجام

قوم ثمود اور عاد نے اپنے پیغمبروں کی ان شفقتانہ باتوں کو یاد نہ کیا جو انہیں کی آگاہی کے لئے قبل از قبل سنائی گئی تھیں اور ان کی تعلیمات کو ماننے کی جگہ جھٹلایا تو اس کا جو انجام ہوا سنایا جا رہا ہے۔

فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ○ پھر جو ثمود تھے وہ ہلاک 69-5
کردئے گئے اُچھال کر۔"

طاغیہ کی تفسیر

حضرت قتادہ فرماتے ہیں:۔ ارسل اللہ علیہم صیحۃ واحدۃ فاھمدتھم فاھلکوا۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن المنذر) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان پر ایک دھماکو آواز بھیجدی جس نے ان سب کو ڈھیر کردیا اور سب کے سب ہلاک و برباد کردئے گئے۔" کہتے ہیں کہ حکم الٰہی سے ان پر جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور نہایت زور سے چیخ کر کہا مُوتُوا۔ تم سب مرجاؤ اور ہلاک ہوجاؤ" یہ ایسی زبردست آواز تھی کہ اس سے زلزلہ آگیا اور اس آواز کے ساتھ زمین کی ہر ہر چیز کی آواز بطور صدائے بازگشت سنائی دی۔ یہ یک دم ایسی خوفناک صورت میں ظاہر ہوئی کہ اس سے سننے والوں کے

کان پھٹ گئے اور دماغ پاش پاش ہو گئے۔ اتنی ہیبتناک آواز کبھی کسی کے سننے میں نہ آئی تھی۔ اسی وجہ سے اس کو طاغیۃ کہا گیا ہے کہ دوسری تمام آوازوں سے بہت ہی بڑھی ہوئی جس کی حد کو اور کوئی آواز نہیں پہنچ سکتی تھی۔

تطبیق درمیان طاغیہ وصیحہ ورجفہ

قوم ثمود کی ہلاکت کے اسباب میں یہاں تو طاغیۃ کا لفظ آیا ہے یعنی حد سے بہت بڑھی ہوئی۔ کہیں ارشاد ہوا ہے:۔ فاخذتھم الصیحۃ۔ ان کو ایک زبردست چیخ نے گرفتارِ عذاب کر لیا" اور کہیں یوں ارشاد ہوا ہے:۔ فاخذتھم الرجفۃ۔ ان کو زلزلہ اور کپکپی نے پکڑ لیا" مطلب ان تینوں ارشادات کا ایک ہی ہے کیونکہ قوم ثمود کی ہلاکت کا ایک ہی واقعہ پیش آیا تھا۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ کہیں ہلاکت کے سبب قریب کا بیان ہوا اور کہیں سبب بعید کا۔ جامع تقریر یوں ہے کہ زوردار چیخ سے زمین میں زلزلہ آ گیا اور اس سے ساری قوم تباہ ہو گئی۔ بہرحال ان تینوں ارشادات میں مغائرت اور منافات نہیں ہے بلکہ ایک قول سے دوسرے کی تائید و تفسیر ہو رہی ہے۔

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۙ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ 69- 6
سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ 69- 7

؎ الحسوم ازالۃ اثر الشیئ یقال قطعہ فحسمہ ای ازال مادتہ وبہ

اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ج فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ ○ اور وہ جو عاد تھے 69-8

برباد ہوئے سناٹے کی ٹھنڈی ہوا سے نکلی جا رہی تھی ہاتوں سے مقرر کردیا اس کو ان پر

سات راتوں اور آٹھ دنوں تک لگاتار پھر آپ دیکھیں کہ وہ لوگ اس میں ایسے پچھڑ

گئے گویا وہ پیڑ ہیں کھجور کی کھوکھلی پھر کیا آپ دیکھ سکتے ہیں ان میں سے کوئی بچا ہوا؟

تنبیہ | عاد و ثمود کا قصہ، یا دیگر امم سابقہ کے واقعات جو قرآن کریم میں بدفعات بیان ہوئے ہیں اگرچہ نفس واقعہ ایک ہی ہے لیکن ان کے بعض بعض اجزا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سمی السیف حساما وحسم الداء ازالۃ اثرہ بالکی وقیل للشوم المزیل الاثر منہ نالہ حسوم قال تعالی ثمانیۃ ایام حسوما قیل حاسما اثرھم وقیل حاسما خبرھم وقیل قاطعا لعمرھم وکل ذالک داخل فی عمومہ۔ (مفردات)

کسی شے کا اثر زائل کردینے کو حسم کہتے ہیں۔ محاورہ ہے: قطعہ فحسمہ یعنی اس کو کاٹ ڈالا پھر اس کے مادے کو زائل کردیا۔ تلوار کا نام حسام بھی اسی مناسبت سے رکھا گیا ہے۔ حسم الداء کے معنی بھی یہی ہیں کہ داغ دیکر بیماری کے اثر کو دور کردیا۔ نحوست کو بھی حسوم کہتے ہیں کہ وہ کسی کو لگتی ہے تو اس کا نام ونشان مٹا کر چھوڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثمانیۃ ایام حسوما۔ نحوست والے آٹھ دن (جو قوم عاد کا نام ونشان مٹا کر رہے)۔ اس کے معنی کسی مفسر نے یوں کئے کہ ان کا اثر مٹا دیا۔ کسی نے کہا ان کی خبریں آنا بند ہوگئیں اور کسی نے کہا ان کی عمروں کا سلسلہ کٹ گیا۔ یہ تینوں معانی، سابقہ معنی عام میں داخل ہیں۔ **فقیر عرض کرتا ہے** کہ اسی قصہ میں بعض آیات کریمہ میں بجائے حُسُومًا کے یوم نحس مستمر اور فی ایام نحسات آیا ہے یہ اسی معنی پر دلالت کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

بطور خاص کسی مناسبت و موزونیت کی بنا پر ذکر کئے جاتے ہیں۔ اگر ان تمام اجزاء کو ایک جگہ جمع کیا جائے تو پورے قصے پر تفصیل سے روشنی پڑتی ہے۔ اس کو تکرار بیان تصور نہ کیا جائے بلکہ ہر موقع پر جو جزو بطور خاص بیان ہوا ہے اس پر نظر رکھی جائے تو تکرار کا تصور پیدا نہ ہوگا۔ اگرچہ تکرار بیان بھی تاکید وغیرہ فوائد سے خالی نہیں۔ یہاں جس جزو خاص کا بیان ہو رہا ہے وہ حسب ذیل ہے :۔

عاتیہ کی تفسیر حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں :۔

لم تنزل قطرۃ من ماء الا بمکیال علی یدی ملک الا یوم نوح فانہ اذن للماء دون الخزان فطغی الماء علی الخزان فخرج فذلک قولہ انا لما طغی الماء۔ ولم ینزل شیئ من الریح الا بکیل علی یدی ملک الا یوم عاد فانہ اذن لھا دون الخزان فخرجت فذلک قولہ بریح صرصر عاتیۃ عتت علی الخزان۔ (ابن جریر) مقررہ پیمانہ جو محافظ فرشتے کے ہاتھوں میں ہوتا ہے اس سے زاید پانی کی ایک بوند بھی کبھی اترنے نہ پائی مگر حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے دن یہ واقعہ پیش آیا کہ برسنے کا حکم راست طور پر پانی کو ہوا اس میں داروغہ آبپاشی کا توسط نہ رہا تو پانی نے داروغہ کی ایک نہ مانی (اور اتنا زیادہ پانی برسا کہ سطح زمین سے کئی گز بلند ہو گیا) آیہ کریمہ انا لما طغی الماء

جو آگے آرہی ہے اس میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ (اسی طرح) ہوا بھی جب کبھی چلتی ہے تو اس کا پیمانہ محافظ فرشتوں کے ہاتھوں میں ہوتا ہے اس سے زائد ہوا نہیں آتی۔ مگر قوم عاد پر جس دن آندھی آئی تو اس کا حکم راست ہوا کے نام آیا۔ خازن ریح کا واسطہ نہ رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خازن یادداوران کا پیمانہ ایک طرف رہ گیا (اور اس زور کی آندھی آئی کہ اس زور کا طوفان کبھی دیکھا نہ گیا) آیہ کریمہ بریح صرصر عاتیۃ میں اسی کی طرف ایما فرمایا جا رہا ہے۔"

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ ما انزل اللہ من السماء کفا من ماء الا بمکیال ولا کفا من ریح الا بمکیال الا یوم نوح فان الماء طغی علی الخزان فلم یکن لھم علیہ من سلطان قال اللہ تعالی انا لما طغی الماء حملناکم فی الجاریۃ ویوم عاد فان الریح عتت علی الخزان قال اللہ بریح صرصر عاتیۃ قال الغالبۃ ۔(ابو الشیخ، دارقطنی، ابن مردویہ، ابن عساکر) آسمان سے چلو بھر پانی بھی برستا ہے تو اس کا ناپ ہوتا ہے اور چلو بھر ہوا بھی آتی ہے تو اس کا بھی ایک ناپ ہوا کرتا ہے مگر طوفان نوح کے دن، پانی، محافظ فرشتوں کی بات ایک نہ سن سکا اور نہ پانی پر محافظ فرشتوں کو کوئی قابو رہ سکا۔ چنانچہ اللہ سبحانہ تعالی نے فرمایا ہے۔ جب پانی نے

(محافظ فرشتوں پر) سرکشی کی تو ہم نے تم سب مسلمانوں کو جہاز پر سوار کرادیا۔ اسیطرح قوم عاد کی تباہی کے دن، ہوا نے محافظ فرشتوں سے سرکشی کی چنانچہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تیز و تند اور سرد آندھی آئی جو محافظین پر غالب آ گئی۔"

حکم صرف اللہ جل جلالہ کا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ساری کائنات میں صرف اللہ سبحانہ تعالیٰ کی حکومت ہے۔ اسی کا حکم جاری و ساری ہے۔ فرشتے ہیں تو وہ تعمیل حکم میں لگے ہوئے ہیں۔ آب و باد ہے تو وہ بھی حکم الٰہی کے آگے مسخر و مقہور ہے پانی اور ہوا کو جب تک یہ حکم ہے کہ وہ محافظ فرشتوں کے تابع فرمان ہیں تو وہ ان کے حکم میں رہتے ہیں۔ اور جب پانی اور ہوا کو اللہ سبحانہ کا راست حکم پہنچتا ہے تو وہ اس کے حکم کے آگے اور کسی کی ایک نہیں مانتے۔ خواہ وہ ان کا حکمراں افسر اور محافظ فرشتہ ہی کیوں نہ ہو۔ نیز فرشتوں کو یا وصفیکہ قوت قاہرہ حاصل ہے۔ پانی اور ہوا ان کے تابع فرمان ہیں، لیکن جب ان کو راست احکام پہنچ گئے تو اپنی پوری قوت دکھائی۔ جس کے آگے فرشتوں کی بھی نہ چل سکی۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے ان الحکم الا للہ۔ حکومت صرف اللہ سبحانہ کی ہے۔ اسی کا حکم جاری و ساری ہے۔" لاریب فیہ

قوم عاد کی تباہی بہرحال جب ہوا کو راست احکام وصول ہوئے تو آٹھ دن اور درمیان کی سات راتوں تک مسلسل اس زور کا طوفان باد آیا کہ عاد جیسی تازہ و توانا

قوم جو بہت اونچی، چوڑی چکلی قوم تھی تہس نہس ہو گئی ۔ کہتے ہیں کہ ہوا، ہر ایک کے ایک
منفذ سے داخل اور دوسرے سے خارج ہو جاتی ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس دوران میں پوری
قوم کھجور کے کھوکھلے تنہ کی طرح ہو کر رہ گئی ۔ بظاہر تو وہ اونچے پورے، موٹے تازے
دکھائی دیتے تھے مگر اندر سے سب کچھ خالی تھا، اس عذاب سے ایک بھی نہ چھوٹ
سکا ۔ فاعتبروا یاولی الابصار ۔

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝ 69- 9
فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝ اور آیا 69-10
فرعون، اور جو اس سے پہلے تھے اور الٹ جانے والی بستیاں، خطائیں کرتی ہوئی
پھر حکم نہ مانا اپنے رب کے رسول کا، پھر پکڑا ان کو پکڑنا سخت ۔"

قوم لوط اور قوم فرعون کی تباہی

عاد و ثمود کی تباہی و بربادی کے بعد، فرعون آیا ۔ یہ بھی بہت بڑھ چڑھ کر باتیں کرنے لگا ۔ مصر کی حکومت اس کو کیا ملی کہ خدائی کے دعوے کرنے لگا ۔ کہا کرتا: ـــ الیس لی ملک مصر وھذہ الانھار تجری من تحتی ۔ کیا مجھے مصر کی سلطنت حاصل نہیں اور کیا یہ نہریں ہمارے تحت نہیں ہیں جو بہتی ہیں" اسی بنا پر وہ کہتا تھا: ـــ انا ربکم الاعلیٰ ۔ میں تم سب کا رب اعلیٰ یعنی مالک علی الاطلاق ہوں" اسی طرح فرعون سے پہلے

قوم نوحؑ تھی اور قوم شعیبؑ وغیرہ۔ اور اُلٹ جانے والی بستیوں سے قوم لوطؑ مراد ہے۔ ان سبھوں نے حکم الٰہی سے سرتابی کی۔ اور طرح طرح کی غلطیوں میں مبتلا ہوئے۔ ان کے پاس اللہ سبحانہ کے پیغمبر آئے، اللہ سبحانہ کا پیام پہنچایا۔ ہر طرح سود و بہبود کی باتیں سنائیں مگر نافرمانی کا بھوت ان کے سروں پر سوار تھا۔ نافرمانی کرتے گئے۔ انجام یہ ہوا کہ جب معاملہ حد سے گزرا تو ان پر بھی گرفت کی گئی ایسی سخت گرفت کہ نہ قوم چھوٹ سکی اور نہ ان کے سردار۔ حتی کہ فرعون بھی گرفتارِ عذاب ہوا۔ ان سب اقوام کے واقعات نہایت عبرتناک ہیں۔

اِنَّا لَمَّا طَغَى الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِى الْجَارِيَةِ ۙ لِنَجْعَلَهَا 69- 11
لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّ تَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ○ ہم نے جس وقت پانی ابلا 69-12
لاد لیا تم کو چلتی کشتی میں، تاکہ رکھیں اس کو تمہاری یاد دہانی کے واسطے اور یاد رکھیں اس کو کان، یاد رکھنے والے ''

طوفان نوح میں پانی کی طغیانی حضرت نوح علیہ السلام کے عہد میں جو طوفان آیا اور پانی کو جو طغیانی ہوئی اس کا کچھ حال ابھی ابھی دو چار آیات قبل قوم عاد کے عذاب کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں :—

لم ینزل من السماء قطرة قط الا بعلم الخزان الاحیث طغی الماء

فانہ غضب لغضب اللہ فطغی علی الخزان فخرج مالا یعلمون ماھو

(ابن المنذر، ابوالشیخ) خزانہ آب کے داروغہ کے بلا علم پانی کی ایک بوند بھی کبھی نہیں اترنے پائی مگر پانی کی طغیانی کے موقع پر ایک دفعہ ایسا ہوا کہ (نوح علیہ السلام کی قوم پر) اللہ سبحانہ کا غضب ہوتے ہی پانی بھی غضبناک ہو گیا پھر ان داروغوں کی بھی ایک نہ چل سکی۔ اتنا پانی نکل پڑا جس کی مقدار تک ان کو معلوم نہ ہو سکی" کہتے ہیں کہ روئے زمین کی بلند ترین چیزوں سے پندرہ ہاتھ پانی اونچا ہو گیا تھا۔ ادھر تو کفار پر یہ غضب تھا کہ کوئی متنفس بچ نہ سکا۔ بنی آدم کی تکذیب و نافرمانی کے ضمن میں تمام نباتات، حیوانات بھی تباہ ہو گئے۔ اس کے ساتھ اہل ایمان پر یہ کرم ہوا کہ ان کو سفینۂ نوح میں سوار کرا لیا گیا۔ اور تمام جانوروں کا ایک ایک جوڑا بٹھا لیا گیا۔ جن سے انسانوں کی ذریت اور حیوانات کی نسل چلی حملنا کم فی الجاریۃ میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے کہ ہم نے سفینۂ نوح میں تمہارے آباؤ اجداد کو کیا سوار کرایا، در اصل اے اولادِ آدم! جو زمان برکت نشان سید الانس والجان علیہ صلوات الرحمان میں موجود تھے اور آپ کے بعد اب تک موجود ہیں اور تا قیامت جو جو نسلیں آتی رہینگی ان سب کو سوار کرا لیا کیونکہ بعد کے ہر زمانہ کی نسل مومنین قوم نوح کی صلب میں تھی اور یہ مومنین کشتی نوح میں سوار تھے تو

نتیجہ یہی ہوا کہ ضمناً ہم سب بھی اس میں سوار تھے۔ ایسے طوفان عظیم میں کشتی کا سلامت رہنا ایسا احسان عظیم ہے جس کو کبھی فراموش نہ کرنا چاہیئے۔

مذکورہ واقعات یادگار رہیں

چنانچہ ارشاد ہو رہا ہے:۔ لِنَجۡعَلَهَا لَكُمۡ تَذۡكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۔ تاکہ ہم اس واقعہ کو بلکہ جملہ واقعات کو تمہاری یاد دہانی کا ذریعہ گردا نیں اور اس واقعہ کو یاد رکھنے والے بعض کان' یاد رکھیں"۔ مطلب یہ کہ ان اہم واقعات کو تمام بنی آدم تو کیا یاد رکھیں گے۔ یاد رکھنے والے ان میں چند ہی ہوں گے۔ مگر ان میں کا ایک ایک ایسا ہوگا کہ یہ صدائے حق ہزاروں لاکھوں کروڑوں' اربوں' انسانوں تک پہنچا سکتا ہوگا۔ جس سے مقصد بیان حاصل ہے۔ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:۔ ان ھذہ القلوب اوعیۃ فخیرھا اوعاھا۔ (طبرانی عن ابن عمرؓ) یہ دل علم کی تھیلیاں ہیں۔ ان سب میں بہتر قلوب وہ ہیں جن میں علم کے خزانے زیادہ محفوظ ہوں"۔ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:۔ فلح من جعل اللہ لہ قلبا واعیا۔ وہ کامیاب رہا جس کے دل کو اللہ سبحانہ نے یاد رکھنے والا بنایا"۔

حضرت مولائے کائنات کی فضیلت

حضرت مکحول تابعیؒ سے روایت ہے کہ

آیہ کریمہ وتعیھا اذن واعیۃ نازل ہوئی تو حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا:۔ سألت ربّی ان یجعلھا اذن علیؓ
(سعید بن منصور، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ) میں نے اللہ سبحانہ تعالیٰ سے
درخواست کی کہ علی کے کان کو یاد رکھنے والے کان بنائے" مکحول فرماتے ہیں میں نے
سیدنا علیؓ سے سنا آپ فرمایا کرتے تھے:۔ ما سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم شیئاً فنسیتہ۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے کسی بات کو حضرت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا پھر اس کو بھول گیا ہوں"۔

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا:۔ ان اللّٰہ امرنی ان
ادنیك ولا اقصیك وان اعلّمك وان تعی وحق لك ان تعی۔
(ابن جریر، ابن ابی حاتم، واحدی، ابن مردویہ، ابن عساکر، ابن النجاری) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے
مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اپنے سے قریب رکھوں، دور نہ کروں اور تم کو تعلیم دوں اور تم اسکو یاد رکھو، اور
تم پر لازم ہے کہ یاد رکھا کرو"۔ خود حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے بھی
اسی مضمون کی حدیث شریف مروی ہے۔

گوش شنوا کی فضیلت بہرحال مومن کا فریضہ ہے کہ دین کی باتوں کو توجہ سے سُنے
ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال نہ دے۔ جو کچھ سُنے اس کو خوب سمجھے اور یاد رکھے

اس میں غور و فکر کرتا رہے۔ وقت پر اس کی بموجب عمل کرے اور دوسروں تک پہنچائے۔
تعلیم کا مقصد بھی یہی ہے۔ اسی سے علم کی اشاعت ہوتی ہے۔ اگر سیکھنے سکھانے کا یہ طریقہ
چھوڑ دیا جائے تو علم ضائع ہوگا اور جہل پھیل جائیگا۔ خوب یاد رکھو کہ جہل موت ہے۔

مذکورہ واقعات نمونۂ قیامت اللہ سبحانہ نے جن واقعات کو قابل یادگار فرمایا ہے مثلاً
طوفان نوح کا واقعہ۔ اگر ایسے واقعات کو پیش نظر رکھا
جائے اور اس سے عبرت حاصل کی جائے تو منشائے الٰہی کی تعمیل و تکمیل کا اجر ملیگا۔
اور امن و امان برقرار رہیگا۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ اس کے مماثل یا اس سے بڑھکر
کوئی اور واقعہ درپیش ہو۔ اہل ایمان کو اس سے ڈرنا چاہیئے۔ عارف رومیؒ فرماتے ہیں:

گرچہ ناصح را بود صد داعیہ   پند را اذنے بباید واعیہ
گر نبودے گوشہائے غیب گیر   وحی ناوردے ز گردوں یک بشیر

خلاصہ یہ کہ یہ چند واقعات امم ماضیہ کے ہیں جو امتِ مرحومہ کی نصیحت کیلئے
سنائے گئے۔ عاد و ثمود کا واقعہ ہو یا قوم فرعون و قوم لوط اور قوم شعیب کا یا طوفان
نوح کا۔ یہ سب واقعات قیامت کا ایک معمولی سا نمونہ ہیں۔ رہا خود قیامت کا واقعہ
جس کو یہاں حاقّہ کے نام سے یاد فرمایا گیا ہے اس کا حال سنایا جاتا ہے:۔

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ 69-13 69-14

فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۝ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ وَانْشَقَّتِ 69-15 69-16
السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ۝ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ۚ وَيَحْمِلُ 69-17
عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ۝ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ 69-18
لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ۝

پھر جب پھونک دیا جائے ایک دم صور، زمین اور پہاڑ اٹھا کر دفعتاً چورا کر دئے جائیں، پھر اس دن ہو پڑے گی وہ ہونے والی اور پھٹ جائے آسمان، پھر وہ اس دن بودا ہو جائے، اور فرشتے ہوں گے اس کے کناروں پر، اور اٹھائیں گے تخت آپ کے رب کا اپنے اوپر اس دن آٹھ (فرشتے) اس دن پیش کئے جاؤ گے چھپی نہ رہیگی تمھاری کوئی چھپی بات ''۔

نفخ صور کی تفسیر

حاقّہ یعنی متحقق ہونے والی اور وقوع میں آنیوالی ساعت جس کی نسبت ابتدائے سورت میں استفسار فرمایا گیا اور اس کی حقیقت دریافت کی گئی تھی، ایک دفعہ نہیں بلکہ دو دو دفعہ تاکید کے ساتھ، اس کو کون بیان کر سکتا ہے، خود اللہ سبحانہ اس کی حقیقتِ حال اور عظمت و شان بیان فرما رہے ہیں تاکہ قیامت کی تکذیب کرنے والوں کے کان کھول دئے جائیں۔ ارشاد ہوا ہے کہ وہ ایک ساعت عظیمہ ہوگی جس میں صور پھونکا جائے گا۔

نفخۃ واحدۃ کی تفسیر

''صُور'' کیا ہے، ایک قرنہ یعنی سینگ ہے یا ایک

بگل سمجھو۔ نور سے بنا ہوا جس کی وسعت ساتوں آسمانوں سے بھی زیادہ ہوگی۔ اس میں سوراخ ہوں گے اتنے جتنے تمام بنی آدم کی تعداد ہے۔ اس کو اللہ سبحانہ کے حکم سے حضرت اسرافیل علیہ السلام پھونکیں گے۔ یہ پہلی پھونک ہے ایسی زبردست کہ آفرینش عالم سے قیام قیامت تک ایسی پھونک کسی کے دیکھنے سننے میں نہ آئی ہوگی۔ گویا قوم ثمود پر جو عذاب "صیحہ" یعنی چیخ کی صورت میں نمودار ہوا تھا اور جس سے تمام قوم ہلاک و برباد ہوئی تھی وہ اس صور قیامت کا ایک ادنیٰ سا نمونہ تھا۔ یہ ہے تفسیر فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ کی۔ یعنی جب پھونکا جائے صور میں ایک بار پھونکنا"

دکۃ واحدۃ کی تفسیر

وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً۔ اور اٹھائی جائے زمین اور پہاڑ پھر کوٹ دیے جائیں یکبارگی کوٹنا" یعنی اس پھونک سے جو ہوا آندھی اور آواز ہوگی اس سے تمام سننے والے یکبارگی چیخ اٹھیں گے پھر زمین اور پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ کر ایک دوسرے سے ٹکرا جائینگے یہ ٹکر زمین اور پہاڑوں کی۔ یہ بھی ایسا سانحہ ہوگا کہ نظام عالم جب سے قائم ہے ایسا سانحہ نہ کبھی دیکھا گیا اور نہ کسی کے سننے میں آیا۔ البتہ قوم عاد پر جو عذاب ریح یعنی طوفان باد آیا تھا جس سے ایسے تنا ور عظیم الجثہ انسان ایک دوسرے سے ٹکرا کر تباہ و تاراج ہوئے تھے اس کو قیامت کی اس ٹکر کا ایک معمولی سا نمونہ قرار دیا جائے تو

اور بات ہے۔ قوم عاد کے طوفان میں انسان اور ان کی سواریاں فضا میں پتنگوں کی طرح اڑتی تھیں تو قیامت کے نفخ صور میں ساری زمین اور پہاڑ روئی کے گالے کی طرح اڑتے، آپس میں ٹکرا کر پاش پاش ہوتے نظر آئیں گے۔ زمین اور بڑے بڑے پہاڑوں کا یہ حال ہو گا تو ان کے درمیان بے چارہ انسان ضعیف البنیان اور حیوانات پر کیا گزرے گی اس کا تصور کر لیا جائے۔

قوم لوط کی ہلاکت نمونۂ قیامت

اسی طرح قوم لوط کی بستی الٹ دی گئی تھی۔ قریۂ سدوم کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حکم الٰہی سے اپنے پروں پر اٹھائے ہوئے آسمان کے قریب تک لیجا کر پھر اس کو الٹ کر نیچے کی جانب دے مارا تھا۔ مؤتفکات جس کا بیان اسی سورت شریفہ میں اوپر گزرا اسی واقعہ کی طرف اشارہ تھا۔ وہاں تو صرف ایک دفعہ اور وہ بھی صرف قریۂ سدوم کی حد تک عمل ہوا تھا۔ قیامت میں ایسا معاملہ پوری روئے زمین پر پیش آئے گا۔ اللہ اکبر یہ کیسی ہولناک ساعت ہوگی۔ یوں سمجھئے کہ از آدم تا ایں دم جتنے ہولناک واقعات درپیش ہوئے قیامت میں وہ سب اکٹھے ہو کر پوری شدت اور خوفناکی کے ساتھ نمودار ہوں گے۔ جس کے مقابلہ میں دنیا بھر کے چیدہ چیدہ واقعات و حوادثات صرف مشتے نمونہ از خروارے کا مصداق ہوں گے۔

واقعہ کی تفسیر فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۔ پس اس دن وقوع میں آنیوالی وہ ساعت وقوع پذیر ہو جائے گی " جس کا بیان سُن کر لوگ انکار کرتے تھے طرح طرح کے شکوک وشبہات میں پڑے ہوئے تھے ۔ اقسام کے اعتراضات کرتے تھے ۔ جس کا مذاق اڑایا جاتا تھا ۔ اور اس کی تاریخ و وقت دریافت کرتے تھے ۔ اس کے بیسیوں نمونے آنکھوں سے دیکھے کانوں سے سُنے اور کتابوں میں لکھے تھے ۔ اور جس کی پیشینگوئیاں صدہا رسول اور پیغمبروں نے بیان فرمادی تھیں مگر منکرین انکار ہی کرتے رہے اور ان بزرگوں کی باتوں پر یقین نہ کیا ۔ پھر کیا ہوا جو واقعہ شدنی تھا وقوع پذیر ہو کر رہا۔

وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ۔ اور پھٹ جائے آسمان، پھر وہ اس دن بودا ہو جائے "۔

وانشقت السماء کی تفسیر قیامت کا یہ اثر صرف زمین اور اہل زمین کی حد تک محدود نہیں ۔ جب یہ زمین ہی نہ رہی اور زمین کی حالت دگرگوں ہو گئی تو اس آسمان کی بھی ضرورت باقی نہ رہی ۔ ع ایں زمیں را آسمانے دیگر است ۔

یہ آسمان جو نہایت مضبوط اور پائدار نظر آرہا ہے ۔ صدہا ہزارہا سال گزر جانے پر بھی اس کے نظام فلکی میں تغیر و زوال اور شکست و اضمحلال کے آثار نظر نہ آتے تھے آج وہ بالکل بوسیدہ اور پارہ پارہ نظر آئے گا ۔ نہ یہ چاند، نہ سورج، نہ یہ

سیارگان اور نہ ثوابت، نہ یہ طلوع وغروب، نہ یہ اوقات و موسم۔ نہ یہ لیل و نہار نہ یہ سارے کاروبار۔ ع یہ سب تجھی پہ مٹینگے رہیگا تو باقی۔

وَالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآىِٕهَا ۭ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ ثَمٰنِيَةٌ ۔ اور فرشتے ہوں گے اس کے کناروں پر، اور اٹھائیں گے تخت آپ کے رب کا اس دن اپنے اوپر آٹھ"۔

انشقاق سماء کے بعد ملائکہ کا مقام

جب آسمان پھٹنے لگیں گے تو وہاں جو فرشتے متعین ہیں وہ کنارے ہوتے جائیں گے۔ کیونکہ یہ ساعت اللہ سبحانہ تعالیٰ کے قہر و جلال کی ہوگی۔ جیسا دنیا کا دستور ہے کہ حاکم یا بادشاہ غصہ اور غضب کی حالت میں ہو تو ماتحت لوگ کنارے ہو جاتے ہیں اور اسکی ہیبت سے خائف و لرزاں ہوتے ہیں۔ بعض مفسرین نے ارجائھا کی ضمیر ھا کا مرجع زمین کو قرار دیا ہے۔ اس اعتبار سے معنی یہ ہوں گے کہ تمام فرشتے جو آسمانوں پر متعین ہیں ان کے پھٹ جانے کے بعد زمین کے کناروں پر آکر صف بستہ کھڑے ہوں گے اسی طرح سات آسمانوں کے ملائکہ کے سات حلقے سلسلے سے ہوں گے جو ایک کے پیچھے ایک کھڑے ہوئے ہوں گے۔ پہلا حلقہ سماء دنیا یعنی پہلے آسمان کے فرشتوں کا ان کے پیچھے دوسرے آسمان والوں کا۔ اسی طرح سلسلہ وار ساتوں آسمانوں کے فرشتوں کے

حلقے ہوں گے۔

حاملان عرش چار اور آٹھ اشخاص

حضرت ابن زیدؓ فرماتے ہیں کہ حضور سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: — یحمله الیوم اربعة ویوم القیامة ثمانیة۔ (ابن جریر) عرش رب العالمین کو آج چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں فردائے قیامت میں اس کے حاملین آٹھ ہوں گے۔" حضرت میسرہ فرماتے ہیں: — ارجلهم فی التخوم ورؤسهم عند العرش لا یستطیعون ان یرفعوا ابصارهم من شعاع النور۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر) ان فرشتگان حاملان عرش کے پاؤں زمین کے انتہائی حدود پر اور ان کے سر عرش کے پاس ہیں۔ عرش اعظم کی نورانی شعاعیں اتنی تیز ہیں کہ یہ فرشتے اوپر نظر تک نہیں اٹھا سکتے ہیں۔"

آٹھ کی تعداد کی حکمت

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن العربی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں: — ان للہ تعالی ملائکة یحملون العرش الذی هو السریر علی کواهلهم الیوم اربعة وغدا یکونون ثمانیة لاجل الحمل الی ارض المحشر۔ اللہ سبحانہ کے کچھ فرشتے ہیں جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ وہ تخت ہی ہے جس کو وہ اپنے شانوں پر لئے ہوئے ہیں۔ آج تک تو ان کی تعداد چار ہے۔ اور کل فردائے قیامت وہ آٹھ ہوں گے۔ کیونکہ اس کو ارض محشر تک اس دن منتقل کرنا ہوگا۔" گویا ارض محشر میں

اس کو پہنچایا جائے گا۔ تمام حساب وکتاب وہاں ہوگا۔ گویا چار کی جگہ آٹھ فرشتے جو عرش کو اٹھاتے ہوں گے اس کی غایت وحکمت یہ منتقلی ہوگی۔

مذکورہ بیان سے پایا جاتا ہے کہ حاملان عرش صرف آٹھ اشخاص ہیں۔ قرآن کریم کا ظاہر مفہوم بھی یہی ہے۔

حاملان عرش کی چار آٹھ صفیں

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ ثمانیۃ صفوف من الملائکۃ لا یعلم عدتھم الا اللہ (ابن جریرؒ ابن المنذر ابن ابی حاتم) (عرش اعظم کے حاملین) فرشتوں (کے صرف آٹھ اشخاص نہیں بلکہ ان) کی آٹھ صفیں ہوں گی۔ جن کی گنتی اللہ سبحانہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا"۔ مطلب یہ ہوا کہ آج حاملان عرش کی جو تعداد چار ہے وہ بھی صرف چار اشخاص نہیں بلکہ فرشتوں کی چار صفیں ہیں۔ ان صفوں میں کتنے فرشتے ہیں ان کی گنتی بھی اللہ سبحانہ کے سوا کوئی نہیں جانتا جب قیامت کا دن ہوگا تو چار کی جگہ آٹھ صفیں ہونگی۔

عرض فقیر

فقیر عرض کرتا ہے کہ ان دونوں تفسیروں میں اختلاف نہیں ہے اجمال وتفصیل کا فرق ہے۔ اصل حاملان عرش تو چار اور آٹھ ہیں وہی اس کے ذمہ دار اور مسؤل ہیں۔ باقی دوسرے فرشتے ان کے معین ومددگار وغیرہ ماتحتین ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں عرش اعظم کی عظمت وشان اور حاملان عرش کے باوقار ہونے کی طرف

اشارہ ہو رہا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھ لی جائے کہ قومی علم جہاں کہیں بلند کیا جاتا ہے تو اس کو راست طور پر اٹھانے والے تو امراء و وزراء ہوتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ بے شمار افراد اس کی ڈوریوں کو تھامے رہتے ہیں۔ اور اس اجتماع کثیر سے قومی نشان کی شان ظاہر ہوتی ہے۔

حاملان عرش کی تسبیح شہر بن حوشب کہتے ہیں:۔۔ اربعة منهم يقولون سبحانك اللهم وبحمدك لك الحمد على عفوك بعد قدرتك واربعة يقولون سبحانك اللهم وبحمدك لك الحمد على حلمك بعد علمك۔ ان آٹھ اشخاص یا صفوں میں سے چار کی تسبیح یہ ہوگی:۔۔ اے اللہ! آپ کی ذات پاک ہے اور آپ ہی کی تعریف ہے اور ساری تعریف آپ ہی کی ذات کے لئے سزاوار ہے اس بنا پر کہ پوری طرح آپ کو قدرت حاصل رہنے کے باوجود عفو و درگزر آپ کا کام ہے اور دوسرے چار یوں تسبیح پڑھتے ہوں گے:۔۔ اے اللہ! آپ کی ذات پاک ہے اور آپ ہی کی تعریف ہے اور ساری تعریفیں آپ ہی کی ذات کے لئے سزاوار ہیں اس بنا پر بھی کہ سب کچھ جاننے کے باوصف آپ کا حلم ہمیشہ کارفرما رہتا ہے۔

ایک اور روایت وہب بن منبہ فرماتے ہیں:۔۔ ليس لهم كلام الا قولهم قدسوا الله القوى الذى ملأت عظمته السماوات۔ ان کا کلام صرف

یہ ہوگا: ــــ اللہ سبحانہ کی پاکی بیان کرو جو ساری قوتوں کا سرچشمہ ہے جسکی عظمت شان تمام آسمانوں میں جاری وساری ہے"

عرض فقیر ان دو روایتوں میں کوئی منافات اور تضاد نہیں ہے۔ کوئی مہتم بالشان مہم درپیش ہوتی ہے اور غیر معمولی بار اٹھانا ہوتا ہے تو افسر اپنے ماتحتین سے کوئی گیت یا ترانہ پڑھنے کی فرمائش کرتا ہے۔ وہب بن منبہ کی روایت میں اسی طرف اشارہ ہے۔ افسر کا یہ حکم سن کر ماتحتین اس کا جواب دیتے ہیں اور اپنا ترانہ اور گیت گاتے ہیں۔ شہر بن حوشب کی روایت اسکی ترجمانی کررہی ہے۔ واللہ اعلم۔

یَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰی مِنْکُمْ خَافِیَۃٌ ۔ اس دن پیش کئے جاؤ گے چھپی نہ رہیگی تمھاری کوئی چھپی بات"

عدالت محشر کی پیشیاں ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ حضرت شفیع الانام علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: ــــ یعرض الناس یوم القیامۃ ثلاث عرضات فاما عرضتان فجدال ومعاذیر واما الثالثۃ فعند ذلک تطایر الصحف فی الایدی فآخذ بیمینہ وآخذ بشمالہ۔ (امام احمدؒ عبد بن حمید ترمذی ابن ماجہ ابن ابی حاتم، ابن مردویہ) قیامت کے دن لوگ تین دفعہ (رب العالمین کے حضور میں) پیش ہوں گے، ان میں سے دو پیشیوں میں آپس میں مباحثہ اور عذر داریاں

رہینگی۔ رہی تیسری پیشی، اس وقت اعمال نامے اُڑکر ہاتھوں میں پہنچ جائینگے۔ انمیں سے صحیفۂ اعمال کوئی تو اپنے داہنے ہاتھ میں لیا ہوا ہوگا اور کوئی اپنے بائیں ہاتھ میں" یعنی اہل ایمان کے داہنے ہاتھ میں اور غیر مومن کے بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال ہوگا اور ان تین پیشیوں میں عمر بھر کا حساب چکا لیا جائے گا۔ کوئی بات کسی کی چھپی ہوئی نہ رہیگی کھلی دریافت ہوگی۔ اور حق حق فیصلہ صادر ہوگا۔ رب العالمین پر تو تمام باتیں ہویدا ہیں تاہم سب کے سامنے مکمل دریافت ہوگی اور ہر ایک شخص اپنا کارنامہ اور اس کی جزا لکھی ہوئی دیکھ لیگا۔ اب کسی چون وچرا کی گنجائش نہ رہیگی۔

محاسبۂ اعمال اسی لئے سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تاکید فرماتے رہتے تھے:۔

حاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا فانہ ایسر لحسابکم وزنوا انفسکم قبل ان توزنوا وتجہزوا للعرض الاکبر یومئذ تعرضون لاتخفی منکم خافیہ۔ (ابن مبارک) تم خود اپنا آپ محاسبہ کیا کرو اس سے پیشتر کہ تم سے حساب طلب کیا جائے کیونکہ یہ صورت تمہارے حساب کے لئے موجب سہولت ہے۔ اور اپنے آپ کو میزان عدل میں تول لیا کرو اس سے پہلے کہ تم کو تولا جائے۔ اور بڑی پیشی کے لئے پہلے سے تیار رہو جس دن تمہاری پیشی ہوگی تو تمہاری کوئی بھی چھپی بات چھپی ہوئی نہ رہیگی"۔ حضرات صوفیہ کا دستور ہے کہ ہر روز جب وہ رات کو بستر پر

استراحت کے لئے آتے ہیں تو وہ دن بھر کے اپنے کارناموں پر نظر ڈالتے ہیں۔ اگر وہ مطابق احکام تھے تو اس پر شکر کرتے اور آئندہ اس سے زیادہ پابندی کی توفیق چاہتے ہیں۔ اور جو کام مطابق احکام نہ تھے ان کی نسبت توبہ و انابت سے کام لیتے ہیں اگر وہ حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہوں اور اگر حقوق الناس سے متعلق ہوں تو ان سے معافی چاہتے اور اس کی تلافی کی فکر کرتے ہیں۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا کِتٰبِیَهْ ۝ 69-19
اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ ۝ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ۝ فِیْ جَنَّةٍ 69-20 69-21
عَالِیَةٍ ۝ قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ ۝ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی 69-22 69-23
الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ ۝ اب جس کو ملا اس کا لکھا داہنے ہاتھ میں وہ کہیگا لیجیے پڑھیے 69-24

عہ ھا تکون اسم فعل بمعنی خذ و یجوز مد الفھا و یستعملان بکاف الخطاب و بدونھا و یجوز فی الممدودۃ ان تستغنی عن الکاف بتصریف ھمزتھا تصاریف الکاف فیقال ھاءَ للذکر و ھاءِ للمؤنث و ھاءُما و ھاءُم و ھاءُنَّ و منہ ھاؤم اقرأوا کتابیہ۔ (محیط المحیط) ھا اسم فعل بھی ہوتا ہے بمعنی خذ اور اس کا الف ممدودہ بھی جائز ہے۔ پھر الف مقصورہ ہو یا ممدودہ ان کا استعمال کاف خطاب کے ساتھ

میرا کارنامہ' میرا پختہ خیال تھا کہ یقیناً مجھ کو ملیگا میرا حساب' اب وہ ہیں من ملنے

چین میں' بلند باغ میں' جس کے میوے جھکے پڑے ہیں۔ کھاؤ اور پیو مزے سے بدلا

اس کا جو آگے بھیج چکے ہو تم گزرے ہوئے دنوں میں"

اہل ایمان کی مسرت حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہاں ظَنَنْتُ بہ معنی اَیقنتُ ہے یعنی مجھے یقین کامل تھا" اسی وجہ سے ہم نے اس کا ترجمہ "میرا پختہ خیال تھا" کیا ہے تاکہ لفظی اور معنوی حیثیات دونوں اپنی جگہ قائم رہیں۔ بہر حال جب مومن کو اس کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ مارے خوشی کے پھولوں نہیں سمائے گا۔ اپنے اہل قرابت' دوست احباب' اور جان پہچان والوں کو اپنا کارنامہ یہ کہہ کر دکھاتا رہیگا کہ بھائی! لیجئے اس کو پڑھیے۔ مجھے پیشتر سے یعنی دنیا میں رہتے تک یقین کامل تھا کہ قیامت کے دن مجھے اپنے کئے ہوئے اعمال کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور اس کے بغیر دونوں طرح ہوتا ہے۔ پھر ممدودہ کی صورت میں کاف سے مستغنی بھی ہو جاتا ہے نیز اس کی گردان کاف کی گردان کی طرح آتی ہے صیغہ مذکر ہو تو ھاءَ مونث ہو تو ھاءِ' تثنیہ دونوں کا ھاءُما اور جمع مذکر ھاءُم اور جمع مونث ھاءُنّ آیہ کریمہ ھاؤُمُ اقرءوا کتابیہ اسی قاعدے کے مطابق ہے" کذا فی مفردات الراغب وغیرہا من کتب اللغۃ العربیہ۔

حساب چکانا ہے۔ آج وہ دن آگیا۔

غسیل الملائکہ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جن کا لقب غسیل الملائکہ ہے یہ لقب ان کو اس لئے ملا کہ ان کو فرشتوں نے آسمان و زمین کے درمیانی فضا میں لیجا کر غسل دیا تھا۔ جب وہ زمین پر لائے گئے تو ان کا جسم تربتر تھا۔ سر کے بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ غسل اس لئے دیا گیا کہ یہ غزوۂ احد میں بحالت جنابت شہید ہو گئے تھے۔ ان کی اس حالت کا علم کسی کو نہ تھا۔ بعد کو ان کی بی بی سے یہ حال معلوم ہوا۔

شان ستاری و کرم الٰہی ان کے فرزند عبداللہ بن حنظلہ فرماتے ہیں کہ اعمال نامہ جن کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا ان میں ایسے بندے بھی شامل ہوں گے جن کو اللہ سبحانہ میدان محشر میں ٹھہرا کر اعمال نامہ کی پشت پر اس کی برائیاں جو لکھی ہوئی ہونگی ان کو دکھائے گا۔ اور ایک ایک سے تنہائی میں فرمائیگا کیوں بندے! تو نے یہ کام کئے تھے۔ وہ اقرار کرلیگا کہ ہاں پروردگار! مجھ سے یہ کام صادر ہوئے تھے۔ اس پر رب العزت جل جلالہ کا ارشاد ہوگا:۔ انّی لم افضحك بها وانّی قد غفرت لك (ابن ابی حاتم) دیکھ میں نے تیری فضیحت نہیں کی اور تجھے بخش دیا۔"

اس وقت وہ خوش ہو کر اپنا اعمال نامہ ایک ایک کو دکھاتا پھریگا۔"

ابوعثمان نہدی فرماتے ہیں :۔ ان المومن لیعطی کتابه فی ستر من الله فیقرأ سیئاته فیتغیر لونه ثم یقرأ حسناته فیرجع الیه لونه ثم ینظر فاذا سیئاته قد بدلت حسنات فعند ذلك یقول هاؤم اقرأوا کتابیه ۔ (ابن المبارک' عبد بن حمید' ابن المنذر' خطیب بغدادی) ایک ایک مومن کو اس کا اعمال نامہ اللہ سبحانہ کی طرف سے چپکے سے دیا جائیگا۔ مومن اس میں اپنی برائیاں پڑھیگا تو اس کا رنگ متغیر ہوجائے گا۔ پھر اپنی نیکیاں پڑھیگا تو اس کا اصلی رنگ لوٹ آئیگا۔ پھر وہ اپنے نامۂ اعمال کو دیکھیگا تو اس کی برائیاں' نیکیوں سے بدلی ہوئی ہونگی اس وقت وہ کہیگا یہ لو میرا اعمال نامہ پڑھو۔"

پروانۂ جنت حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں :۔ لا یدخل الجنة احد الا بجواز بسم الله الرحمن الرحیم هذا کتاب من الله لفلان بن فلان ادخلوه جنة عالیة قطوفها دانیة ۔ (عبدالرزاق' ابن المنذر' طبرانی' ابن مردویہ) پروانۂ جنت کے بغیر کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہوسکیگا۔ اس میں لکھا ہوگا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم' مکتوب ہذا اللہ سبحانہ کی طرف سے ہے فلاں بن فلاں کے لئے ۔ ان کو اونچے باغ میں داخل کرو جس کے میووں سے اس کی ڈالیاں جھکی ہوئی ہیں۔" جنت کے درختوں پر میوہ کی بہتات کا یہ حال ہوگا کہ ان کی شاخیں جھک

جھک جائینگی۔ اور جنتی سے اتنی قریب ہونگی کہ وہ اگر کھڑا ہوکر توڑنا چاہے تو آسانی سے اس کا ہاتھ میوے تک پہنچ سکیگا۔ بلکہ اگر بیٹھ کر یا لیٹے لیٹے ہی پھل توڑنا چاہے تو توڑ لے سکیگا۔ سبحان اللہ وبحمدہ۔ سبحان اللہ العظیم۔

عیشۃ راضیۃ کی تفسیر فِیْ عِیْشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ میں راضیۃ بمعنی مرضیۃ ہے یعنی مومنین اپنے پسندیدہ عیش میں ہوں گے"۔ یہ اس بنا پر ہے کہ مومن جب تک دنیا میں تھا اپنی پسند پر اللہ سبحانہ کی پسند کو ترجیح دیتا رہا۔ اور اپنی مرضی کو مرضیٔ الٰہی کا تابع بنا رکھا۔ یہی معنی بندگی کے ہیں۔ یہاں بندے کی مرضی کچھ نہیں۔ بندہ وہی کرتا ہے جس میں مولیٰ کی رضا ہے۔ اُس کا ہر کام حکم الٰہی کے تابع ہے۔ اس امتحان میں جب وہ پورا اترا تو آخرت میں اس کو یہ جزا ملیگی کہ وہاں وہ جو چاہیگا۔ اس کے مطابق عمل ہوتا رہیگا۔ لھم فیھا ما یشآؤن ولدینا مزید۔ ایمان والوں کے لئے جنت میں وہ سب کچھ مہیا رہیگا جس کو وہ چاہیں۔ اور اس کے علاوہ بھی مزید عنایات وانعامات ملیں گے"۔ بہرحال اللہ سبحانہ کا حکم یہ ہے کہ بندے! آج تو ہماری مرضی کا تابع بنا رہ۔ اور وہ کیا کر جو ہم چاہتے ہیں۔ کل ہم تیری تمام فرمائشات کی تکمیل کے لئے تیار رہیں بلکہ اس سے زیادہ دیتے رہیں گے۔ تیرا آج کا دن چند گھنٹوں کا ہے اس میں ہماری بات سن لے۔ کل کا دن کبھی ختم ہونیوالا نہیں ہے۔

اس میں ہم تیری تمام باتیں سنتے رہیں گے۔ اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ طبیب کسی مریض سے کہتا ہے کہ آج ہم جیسا کہتے ہیں اس کو مان لو اور اس کے مطابق عمل کرو۔ کل سے ہم تمھاری سنتے رہیں گے۔ بیمار کی بیماری مانع ہو رہی ہے اس لئے لذیذ اشیاء سے اس کو روکا جا رہا ہے۔ کل بیماری دفع ہو جائے تو زمانۂ بیماری کی تمام پابندیاں برخاست ہو جائینگی۔ پھر جو چاہو کھاؤ پیو۔ جہاں چاہو جاؤ۔ جو چاہو کرو۔ کوئی ممانعت نہیں۔ یہی حال دنیا کی پابندیوں اور آخرت کے انعام کا ہے۔

جنة عالية سننے سے بظاہر یہ خیال ہوتا تھا کہ باغ جنت بلند ہوگا یعنی اس کے درخت بہت اونچے اونچے ہوں گے تو ان کا ثمرہ حاصل کرنا دشوار ہو جائیگا اس لئے ارشاد ہوا: — قطوفها دانية ۔ اس کے خوشے جھکے ہوئے ہوں گے" اتنے جھکے ہوئے کہ کھڑے، بیٹھے، لیٹے جس حال میں بھی رہو آسانی کیساتھ ان پر دسترس ہوسکیگی۔

ایام خالیۃ کی تفسیر حضرت قتادہ آیہ کریمہ كلوا واشربوا هنيئاً بما اسلفتم في الايام الخالية کی تفسیر میں فرمایا کرتے: — ایامكم هذه ايام خالية فانية تؤدي الى ايام باقية فاعملوا في هذه الايام وقدموا خيراً ان استطعتم ولا قوة الا بالله ۔ (عبد بن حمید) لوگو! تمہارے یہ دن خالی خولی ہیں۔ (کوئی روزہ دار ہے۔ کوئی فاقہ زدہ ہے۔ کوئی نیم فاقے

کسی کو میسر تو ہے مگر اس کی مرضی کے مطابق نہیں) یہ دن ختم ہو جانے والے فانی ہیں۔ جو تم کو باقی رہنے والے دنوں تک پہنچانے ہیں۔ لہٰذا ان ہی فانی ایام میں عمل کیے جاؤ اور ہو سکے تو بھلے کام کر کر کے اس کا تحفہ بھیجتے رہو۔ اس کی قوت بھی اللہ سبحانہ کے ساتھ ہے" اسی کی توفیق سے اچھے کام ہو سکتے ہیں۔

ایک چرواہے کی خدا ترسی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے اصحاب کے ساتھ نواحی مدینہ میں تفریحاً گئے ہوئے تھے۔ دسترخوان چُنا گیا تو ایک چرواہہ بھی آ گیا۔ اس نے سلام کیا۔ ابن عمرؓ نے اس کو بھی آ جانے کے لئے فرمایا۔ اُس نے کہا میں روزے سے ہوں۔ آپ نے فرمایا ایسے پہاڑی مقام میں اور ایسی سخت گرمی میں روزہ رکھے ہوئے ہو؟ پھر بکریاں بھی چراتے ہو۔ چرواہے نے جواب دیا: "انی واللہ ابادر ایامی الخالیۃ۔ بخدا میں اپنے ان خالی دنوں کے گزرنے سے پہلے کچھ کر لینا چاہتا ہوں۔" اس پر حضرت ابن عمرؓ نے اس کی خدا ترسی کے امتحان کی غرض سے فرمایا۔ ان بکریوں میں سے اکاد بکری ہم کو فروخت کرتے ہو؟ ہم تمھیں اس کی قیمت بھی دیں گے اور افطار کے لئے گوشت بھی؟ اس نے کہا بکریاں میری نہیں ہیں۔ میرے آقا کی ہیں۔ میں اس کا غلام ہوں۔ آپ نے فرمایا تمھارا آقا کیا کر لیگا اگر تم کہہ دو کہ ایک کو بھیڑیا کھا گیا۔ یہ سنتے ہی چرواہہ سلسلۂ کلام قطع کر کے واپس ہو گیا۔ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتا جاتا اور کہتا۔ فاین اللہ۔ پھر اللہ کا خوف کہاں گیا؟ ابن عمرؓ پر اس کا بڑا اثر ہوا۔ اس کا کلمہ فاین اللہ بار بار دھراتے رہے۔ مدینہ منورہ لوٹے تو اس کے مولیٰ سے ان بکریوں اور اس غلام کو خرید لیا۔ پھر اس کو آزاد کر کے وہ تمام بکریاں اس کے حوالے کر دیں۔" (بیہقی)

ھنیئًا کی تفسیر | کُلُوْا وَاشْرَبُوْا ھَنِیْٓئًا میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں کھانا پینا کئی اعتبارات سے محدود تھا۔ مثلاً کسی چیز کو جی چاہتا تھا مگر وہ دستیاب نہیں ہوتی تھی، یا بازار میں موجود تھی مگر دام میسر نہ تھے۔ اور اگر دام میسر بھی تھے تو اس کا موسم نہ تھا۔ بازاروں میں مفقود تھی۔ دام بھی تھے اور بازار میں بھی موجود تھی مگر مزاج کے موافق نہ تھی۔ پھر اس کو کھایا پیا تو اس کی ایک مقدار مقرر تھی۔ زیادتی کی صورت میں ضرر کا اندیشہ تھا، بدہضمی ہو جاتی یا کسی مرض کا خوف تھا۔ جنت کے مطعومات و مشروبات میں یہ حدبندی اور یہ شروط و قیود نہ رہیں گے جو چیز جتنی چاہو اور جب چاہو، جہاں چاہو موجود اور میسر ہوگی کھاؤ پیو کسی ضرر کا اندیشہ نہیں۔ ھَنِیْٓئًا کے صرف ایک کلمہ میں یہ تمام صورتیں داخل ہیں۔ اس سے کلام پاک کی بلاغت ظاہر ہے۔ یہ بیان اہل ایمان کے انعام کا ہوا۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ 69- 25
كِتٰبِیَهْ ۚ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ ۚ یٰلَیْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِیَةَ ۚ 69- 26 69-27
مَاۤ اَغْنٰى عَنِّیْ مَالِیَهْ ۚ هَلَكَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ ۚ اور جس کو ملا اس کا 69-28 69-29

نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں، وہ کہیگا کیا اچھا ہوتا جو مجھ کو نہ ملتا میرا لکھا، اور مجھ کو خبر نہ ہوتی کہ کیا ہے حساب میرا کسی طرح وہی موت ختم کر جاتی، کچھ کام

نہ آیا مجھکو میرا مال، برباد ہوئی مجھ سے حکومت میری۔"

کفار کا اعمال نامہ رہا دوسرا گروہ، جن کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا۔ یہ کافروں کا گروہ ہوگا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ کفار کے بائیں ہاتھ ان کے سینے میں سے پروکر پشت کی طرف نکالے جائیں گے اور نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں ہوگا۔ جس میں عمر بھر کی شرارتیں لکھی ہونگی ان کو پڑھ پڑھ کر واویلا مچائیں گے کہ اے کاش! میرا اعمال نامہ مجھے دیا ہی نہ جاتا، نہ اس کو پڑھنے کی نوبت آتی۔ نہ اس طرح ایسی فضیحت اور رسوائی ہوتی۔ کبھی کہیگا کہ میرا حساب کیا ہے؟ کاش! اس کا علم مجھے نہ کرایا جاتا۔ یہ کیا مصیبت ہے کہ ذرہ ذرہ کا حساب لیا جا رہا ہے اور ایک ایک چیز کی پرسش ہو رہی ہے۔ ہر امر پر فرد جرم لگائی جا رہی ہے اور سزا سنائی جاتی ہے۔ اب یہ تمام سزائیں مجھکو بھگتنی پڑینگی جن کے تصور سے کلیجہ منہ کو آرہا ہے۔ کبھی شور مچائیگا کہ جس حالت میں اس وقت میں مبتلا ہوں یہی میرا خاتمہ کر دینے والی ہوتی نہ زندہ رہتا نہ یہ آفت اٹھانی پڑتی۔ دنیا میں ایک دفعہ موت آئی تھی۔ اور اس کے آتے ہی تمام دنیوی تکالیف اور آفات کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اسی پر قصہ ختم کر دیا جاتا تو ٹھیک تھا۔ مگر دوبارہ زندہ کیا گیا۔ یہ زندگی کیا ہوئی کہ اس سے موت ہی بدرجہا بہتر تھی اب عمر بھر کے کئے ہوئے کاموں کا حساب دینا پڑ رہا ہے۔ شرمندگی اور خجالت جدا درپیش ہے

اور اولین و آخرین کے سامنے فضیحت و رسوائی علیحدہ ہے۔ پھر سزاؤں کا ایک نا متناہی سلسلہ ہے۔ کبھی اس کو پچھتاوا ہوگا کہ جو مال و دولت دنیا میں حاصل کی۔ حلال و حرام جائز و ناجائز کسی کا کچھ خیال نہ کیا جیسا بھی بن پڑا بے غل وغش سمیٹتا رہا۔ جوڑ جوڑ کر جمع کیا۔ مستحقین کو تک نہ دیا۔ خیال یہ تھا کہ یہ مال اڑے وقت کام آئیگا۔ آئی ہوئی آفت کچھ دے دلا کر ٹلا دیا جائیگا۔ مگر آج ایسا کٹھن وقت ہے کہ جو کچھ میسر تھا اس میں سے کوئی چیز بھی کچھ کام نہیں آرہی ہے۔ کبھی بولیگا دنیا میں میرا ایسا اقتدار تھا۔ میری ایسی حکومت تھی، اتنے میرے زیر حکم تھے۔ میں جیسا چاہتا تھا ان پر اپنی مرضی چلاتا تھا کسی کی مجال نہ تھی کہ میرے حکم کے آگے چون وچرا کر سکے۔ آج کا حال عجب ہے کہ جو حکومت دنیا میں حاصل تھی وہ بالکلیہ سلب ہو چکی ہے۔ کسی پر میرا کچھ بھی قابو نہیں رہا۔ اب میں بالکل بےکس و بےبس ہوں۔ اس بےکسی و بےبسی میں میرا کوئی نہیں۔ غور کیجئے کیا وقت درپیش ہے اور ہم اس وقت کیسے خواب غفلت میں ہیں؟

ہر انسان کی ایک سلطنت حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں:۔ اما واللہ ما کلّھم من دخل النار کان امیر قریۃ ولکن اللہ خلقھم وسلّطھم علی ابدانھم وامرھم بطاعتہ ونھاھم عن معصیتہ۔ (عبد بن حمید) ارشاد باری تعالیٰ وھلک عنّی سلطٰنیہ سے یہ خیال نہ کیا جائے کہ کفار جو دوزخ میں جائیں گے

ان میں کا ہر شخص کسی شہر کا دنیا میں حاکم تھا۔ آج قیامت کے دن اس کی سلطنت اور حکومت جاتی رہی۔ یہ مراد نہیں ہے بلکہ معنی یہ ہیں کہ اللہ سبحانہ نے ان سب کو پیدا کیا اور ان کو اپنے بدن پر حکومت بخشی۔ (ہاتھ، پاؤں، کان، آنکھ، زبان، دل، دماغ ان کے زیر حکم تھے۔) ان سب اعضاء و جوارح پر ان کو حکومت دی تھی۔ اور ان اعضاء و جوارح کو حکم ہوا تھا کہ اس شخص کی اطاعت کیا کریں اور اس کی نافرمانی سے ان کو منع فرمایا تھا" قیامت میں یہ حکومت بھی سلب کر لی جائیگی۔ جبھی تو یہ اعضاء اس کے خلاف گواہی دیں گے کہ ہم کو اللہ کی اطاعت اور عبادت میں لگا رکھنے کے بجائے ایسے ایسے معاصی اور گناہوں میں لگائے رکھا تھا۔ اسی بنا پر وہ اپنا روتا روتا رہیگا کہ دوسرے ماتحتین جو اس سے برگشتہ ہوئے وہ رہے درکنار، خود اس کے اعضاء و جوارح بھی اسکے کہے میں نہیں رہے۔ یہ ایسی بے بسی اور بے کسی ہے کہ اس کا نمونہ کبھی دیکھا نہ گیا۔

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۙ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۙ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ 69-30

ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ۭ اس کو پکڑو پھر اس کو طوق ڈالو، 69-31

69-32

پھر آگ کے ڈھیر میں اس کو پہنچا دو، پھر ایک زنجیر میں جس کا طول ستر گز ہے اس کو جکڑ دو"

کفار پر غضب الٰہی | رب العزت کا حکم، فرشتوں کو ہوگا کہ اس کو گرفتار کر لیا جائے

اس کے گلے میں طوق ڈالا جائے اور اس طرح اس کو گھسیٹتے ہوئے آگ کے ڈھیر میں جھونک دیا جائے۔ اور ستر گز کی لمبی زنجیر میں اس کو کس دیا جائے۔ تاکہ وہ نہ کہیں بھاگ سکے اور نہ وہاں سے نکل سکے۔ مطلب یہ کہ جس عذاب میں وہ گرفتار ہے دم بھر کے لئے بھی اس سے گلو خلاصی کی کوئی صورت نہ رہے۔ یہ عذاب دائمی کس بنا پر ہے اس کا بیان آگے آرہا ہے۔

ذراع کی تفسیر نوف شامی نے فرمایا:۔ الذراع سبعون باعا والباع ما بینك وبین مکة وهو یومئذ بالکوفة۔ (ابن المبارک، ہناد، عبد بن حمید، ابن المنذر) یعنی گز سے دنیا کا گز مراد نہیں بلکہ آخرت کا گز مراد ہے جہاں کا ایک ایک گز ستر بام کا ہوگا اور ایک ایک بام اتنا طویل ہوگا جتنی مسافت یہاں سے مکہ تک ہے۔ اس روایت کے بیان کرتے وقت وہ کوفہ میں تھے۔

زنجیر کا عذاب حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ تسلك من دبره حتی تخرج من منخریه حتی لا یقوم علی رجلیه۔ (ابن ابی حاتم، بیہقی) اور یہ بھی فرمایا:۔ (ثم ینظمون فیها کما ینظم الجراد فی العود ثم یشوی) (ابن المنذر، ابن ابی حاتم) وہ زنجیر پیچھے سے پرو کر ناک کی نتھنیوں سے نکالی جائیگی تاکہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا تک نہ ہو سکے۔ پھر ان سب کفار کو زنجیروں میں پرو دیا

جائیگا جیسے ٹڈیوں کو ایک کاڑی میں پروتے ہیں۔ پھر ان سب کو آگ پر بھونا جاتا
رہیگا" یہ ایک نوع کا عذاب ہے جو دوزخیوں کو دیا جائے گا۔ اسی طرح بے حساب
انواع واقسام کے عذاب میں کفار ابدالآباد تک پڑے رہیں گے۔ الامان والحفیظ۔
مجاہد اور کعب احبار سے بھی اسی مضمون کی روایات مروی ہیں۔ جن سے ایک دوسری
کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ 69-33
الْمِسْكِينِ ۝ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هَاهُنَا حَمِيمٌ ۝ وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ 69-34 69-35
ع ۳۷/۵ ۱ غِسْلِينٍ ۝ لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ ۝ وہ تھا کہ یقین نہ لاتا تھا اللہ پر 69-36 69-37

جو سب سے بڑا ہے اور تاکید نہ کرتا تھا نادار کے کھانے پر۔ اب کوئی نہیں آج اس کا دوست
اور نہ کچھ ملیگا کھانا مگر بھوڑوں کی ریزش، کوئی نہ کھائینگے اس کو مگر وہی گنہ گار"

کفار کے عذاب کا باعث کفار کا ٹھکانا دوزخ اس لئے ہوا کہ ان میں کا
ایک ایک شخص ایسا تھا جس کو خدائے عظیم پر یقین نہ تھا۔ بعض تو خدا ہی کے منکر تھے۔
بعض خدا کو تو مانتے بھی تھے مگر اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں کا انکار کرتے تھے۔ یہ
خدا کا انکار ہوا۔ عقائد کا یہ حال تھا۔ رہا عمل۔ جب اللہ کی کتابوں اور اس کے
رسولوں کو تسلیم نہ کیا تو ان کی ہدایات اور احکام پر عمل کرنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

عبادات بھی بالائے طاق ہی رہے۔ اب رہ گئے بعض اخلاق حسنہ جو عقل کی رہنمائی سے معلوم ہو سکتے ہیں ان میں ایک کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ کسی نادار کو کھانا ہی کھلا دینا۔ یہ بات ہر ذی عقل کی سمجھ میں آ سکتی ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ایسا ہو جو کسی نادار مسکین کو خود کھانا کھلانا تو رہا ایک طرف، کسی اور کو اس جانب توجہ بھی نہ دلائے تو اس کو کیا خیال کیا جائے؟ آیا وہ انسان ہے؟ نہیں بلکہ انسان نما شیطان۔ بس اسی حقیقت کو ظاہر فرمایا جا رہا ہے کہ یہ سزا اس بنا پر ہے کہ نہ اس کو اللہ پر یقین، اور نہ ہمدردی از مسکین۔ لہٰذا آج قیامت میں اس کا کوئی دوست دار نہیں اور نہ اس کے کھانے نہ کھانے کا کسی کو درد۔ وہ بھوک کے مارے چلاتا ہے کھانا کھانا۔ تو اس کی کسی کو پرواہ تک نہ ہوگی۔ اب وہ مارے بھوک کے آس پاس کی چیزوں پر نظر دوڑاتا ہے تو اس کو کچھ دکھائی نہیں دیتا البتہ دوزخ میں جلنے سے دوزخیوں کے جسم پر جو آبلے اور پھوڑے ہو گئے ہیں اس کی بہتی ہوئی ریزش ہے کھانا چاہیں تو اس کو کھالیں۔ اس میں سڑے ہوئے گوشت کے لوتھڑے بھی ہوں گے اسی کو فروئے حلق کر لیں۔ ایسی شدت کی بھوک میں کوئی پرلے درجے کا خاطی اور گناہ گار ہی اس کو کھائے تو کھائے دوسرا اس کی طرف رُخ بھی نہ کرے۔

غسلین کی بدبو | حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا:۔ لو انّ دلواً من غسلین یھراق فی الدنیا لانتن باھل الدنیا (حاکم بروایت صحیحہ) اگر غسلین یعنی اہل دوزخ کے پھوڑوں کی ریزش کا ایک ڈول بھی زمین پر ڈال دیا جائے تو پورا روئے زمین، اور اس کے تمام ساکنین ہیں اس کی بدبو پھیل جائے۔ یعنی اس کی تاب نہ لاسکیں۔

طالبان علوم عربیہ کیلئے ایک لطیفہ

"خَاطِئُوْنَ" کا رسم الخط قدیم زمانہ میں خاطون بغیر ہمزہ کے لکھا جاتا تھا یعنی جس طرح زمانہ قدیم میں حروف کے نقطے، اعراب، تشدید، مدّ وغیرہ لکھنے کا دستور نہ تھا۔ ہمزہ بھی نہیں لکھتے تھے۔ مگر اہل لسان، ان سب اشارات و علامات کے لکھے نہ ہونے کے باوجود اس کو آسانی کے ساتھ پڑھ لیا کرتے۔ جس طرح اردو، فارسی تحریرات کو آپ ہم بغیر اعراب کے صحیح طور پر پڑھ لیتے ہیں۔ جب اسلامی فتوحات میں وسعت ہوئی اور اسلام کا آفتاب جزیرۂ عرب سے باہر ممالک عجم میں بھی چمکنے لگا تو عجمی النسل مسلمان قرآن کریم پڑھنے لگے۔ ان میں سے ایک بے علم نے حضرت شاہ ولایت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے دریافت کیا۔ یا امیرالمومنین کیف ھذا الحرف لا یاکلہ الا الخاطون۔ کلّ واللہ یخطو۔ امیر المؤمنین! آیۂ کریمہ لا یاکلہ الا الخاطون میں خاطون کیا کلمہ ہے؟ (جس کے معنی ہیں قدم اٹھانے والا) بخدا ہر شخص

قدم اٹھا کر چلتا ہے۔ پھر قدم اٹھا کر چلنے والوں کی غذا "غسلین" کیوں ہو گی؟ آپ نے اس پر تبسم فرمایا۔ پھر ارشاد فرمایا:۔ یا اعرابي لا یأکله الا الخاطؤن اے اعرابی! آیۂ کریمہ میں خاطؤن ہے۔" یعنی غسلین خطا کاروں کی غذا ہو گی۔" یہ سن کر اعرابی نے شکریہ ادا کیا۔

قرآن کا تلفظ استاذ سے سیکھو حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ ما الخاطون انّما ھو الخاطؤنَ وما الصابون انّما ھو الصابؤنَ۔ (حاکم بروایت صحیحہ) خَاطُوْنَ نہیں ہے بلکہ وہ خَاطِؤن ہے اور صَابُوْن نہیں ہے بلکہ وہ صابِؤن ہے۔" یعنی یہ دونوں کلمات بغیر ہمزہ کے لکھے جاتے ہیں۔ قدیم رسم الخط میں ہمزہ لکھنے کا رواج نہ تھا اسی طرح نقطے اور اعراب (زبر زیر پیش) تشدید جزم اور مدّ وغیرہ لکھا جانے کا دستور نہ تھا مگر اہل لسان اپنی زباں دانی کی بنا پر الفاظ و عبارات صحیح طریقہ پر پڑھ لیتے تھے۔ ان کو ان علامات اور اشارات کی احتیاج نہ تھی جس طرح قدیم فارسی میں بھی نقطے اور کاف کا مرکز نہیں لکھا جاتا تھا۔ آج تک فارسی اور اردو تحریرات پر اعراب لگانے کا طریقہ رائج نہیں ہے مگر زباں دانی کے سلیقہ کی بدولت ہر لکھا پڑھا شخص اس کو صحیح اعراب کے ساتھ بے تکلف پڑھ لیتا ہے۔ البتہ جو اشخاص اردو فارسی زبان سے واقف نہ ہوں ان سے غلطی ہو جاتی ہے اور ان کو سیکھنا پڑتا ہے

اسی طرح قرآن کریم کو بھی اس کا صحیح تلفّظ ماہر استاذ سے سیکھنا ضروری ہے۔ اسی لئے حضرت ابن عباسؓ نے آگاہ فرمایا کہ کتابت اگرچہ ایک صورت میں ہے جو بجائے خود درست ہے مگر قراءت یعنی پڑھنے کا طریقہ ان دونوں کلمات میں خَاطِؤُنَ صابئون

غلط پڑھنے کی مذمت حدیث شریف میں ہے: ۔ رُبَّ قارئ القرآن والقرآن یلعنہ ۔ ایسے کتنے قرآن خواں ہیں جو اس کو پڑھتے رہتے تو ہیں اور حال یہ ہے کہ قرآن اُن سے بیزار ہے"۔ اس بیزاری کے وجوہ واسباب میں یہ بھی داخل ہے کہ انسان اس کو استاذ سے سیکھے بغیر محض حرف شناسی کی بناپر بطور خود پڑھ لیا کرے۔ جس میں غلطیاں رہ جاتی ہیں اور ایسا غلط سلط پڑھنے سے معانی و مطالب بدل جاتے بلکہ بگڑجاتے ہیں اور اگر ایسی غلط قرأت نماز میں ہو تو نماز مکروہ بلکہ فاسد ہو جاتی ہے۔ اور اگر خارج نماز ایسی تلاوت ہو تو انسان بجائے ثواب اور رحمت کا مستحق ہونے کے عذاب اور لعنت کا مستوجب قرار پاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمان قرآن نہ پڑھیں بلکہ یہ آگاہی مقصود ہے کہ پہلے صحیح قرأت سیکھیں اس کے بعد تلاوت کرتے رہیں۔ صحیح تلفظ سیکھنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ کم از کم نماز میں جس قدر قرأت فرض ہے اتنا سیکھنا فرض ہے۔ واللہ الموفق۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۙ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ۙ اِنَّهٗ لَقَوْلُ

69-38
69-39-

رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ۝ وَلَا 69-40 69-41
بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۝ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعٰلَمِينَ ۝ 69-42 69-43

پس مجھے قسم ان چیزوں کی جو تم دیکھتے ہو اور ان کی جو تم نہیں دیکھتے' یقیناً یہ کہا ہے
ایک پیغام پہنچانے والے کا جو باعزت ہے' اور نہیں ہے یہ کلام کسی شاعر کا' تم تھوڑا
یقین کرتے ہو اور نہیں ہے یہ بات کسی کاہن (پریاں والے) کی' تم بہت کم دھیان
کرتے ہو' یہ اتارا ہوا ہے تمام جہانوں کے رب کا۔"

تمہید پہلے رکوع میں قیامت کے بیان کے ساتھ اس کے چند نمونوں کو یاد دلایا گیا تھا جو اللہ کے پیغمبروں کو نہ ماننے کی بنا پر بصورت عذاب چکھائے گئے تھے۔ انہیں کا ہر ایک عذاب' قیامت کا نمونہ تھا۔ اور یہ محض اس لئے تھا کہ لوگوں نے پیغمبروں کو نہ مانا۔ اسی ضمن میں یہ جتا دیا گیا کہ اب اسی سلسلہ کے آخری پیغمبر حضرت احمد مجتبےٰ محمد مصطفیٰ علیہ و علی آلہ التحیۃ و الثنا مبعوث ہوئے ہیں ان کو مانو اور آپ کا اتباع کرو ورنہ کہیں تمہارا بھی وہی حشر نہ ہو جو امم سابقہ کا ہوا۔ دوسرے رکوع میں اللہ سبحانہ کی آخری کتاب' قرآن کریم کا بیان فرمایا جا رہا ہے جو آپ پر نازل ہو رہی ہے۔ اس کی نسبت عوام غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں' اس وجہ سے کہ خواص' جانتے بوجھتے ہوئے بھی ان کو بھڑکا رہے ہیں۔

قرآن کریم میں تغیر نہیں ہو سکتا

ارشاد ہو رہا ہے کہ قسم ہے ان چیزوں کی جن کو تم دیکھتے ہو یعنی عالم شہادت، اور قسم ہے انکی بھی جنکو تم نہیں دیکھ سکتے یعنی عالم غیب۔ لیکن دونوں عالم اور ان کی چیزیں گواہ ہیں اس امر پر کہ یہ قرآن مجید ایک باعزت رسول کی زبانی آیا ہے۔ رسول یعنی پیغمبر کا فریضہ ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مُرسل یعنی بھیجنے والے کا پیغام پہنچائے۔ مشہور بات ہے : ع بر رسولاں بلاغ باشد وبس — دیئے ہوئے پیغام کو من وعن پہنچانا ہی رسول کا کام ہے۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اس میں کسی طرح کی کمی بیشی یا کسی حرف کی تبدیلی و تغیر ہو۔ حرف تو کیا، ایک شوشہ بھی کم و بیش یا بدل نہیں سکتا۔ پیغام بھی اللہ سبحانہ کا جو عالم الغیب والشہادہ ہے۔ سمیع و بصیر اور علی کل شئی قدیر ہے۔ پھر پیغام پہنچانے والے پیغمبر کی یہ شان کہ اللہ سبحانہ کے ہاں ان کی بڑی عزت ہے اور ان کو قرب خاص حاصل ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اسمیں کمی بیشی یا تغیر و تبدل ہو۔

رسول کریم کی تفسیر

مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں رسول کریم سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہوں جو وحی الٰہی کو پیغمبروں کے پاس پہنچانے پر مامور تھے اور جب تک سلسلۂ رسالت و نبوت جاری رہا وہ اپنا فرض انجام دیتے رہے۔ حضور رحمۃ للعالمین خاتم الانبیاء والمرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کے پاس بھی آپ ہی حاضر ہوتے رہے، تا آنکہ پورا قرآن مجید پہنچا دیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ

قرآن کریم اللہ کا کلام ہے نہ جبرئیلؑ کا اور نہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔
نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رسول کریم سے یہاں حضور اکرمؐ کی ذات اقدس مراد لی جائے
اور یہی زیادہ قرین قیاس ہے کیوں کہ آگے وماھو بقول شاعر اور وماھو
بقول کاھن ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ قرآن کریم کسی شاعر کا کلام نہیں اور نہ یہ کسی کاہن کی
باتیں ہیں" جبرئیل علیہ السلام چونکہ عالم غیب سے ہیں اس لئے لوگوں نے ان کو یہ
خطابات نہیں دئے۔ حضور اکرمؐ عالم شہادت میں رونق افروز ہونے کے باعث کفار
آپ ہی سے جھگڑتے رہتے تھے۔ اور آپؐ ہی کو ان کی ساری ایذائیں سہنا پڑتا تھا
جس کی مناسبت سے آپ کے مدارج عالیہ میں روزافزوں ترقی ہی ترقی مضمر ہے۔
بہرحال قرآن کریم پیغام الٰہی ہے جو حضرت جبرئیل اور حضرت نبی امی فداہ ابی وامی کی
زبانی سلسلہ بہ سلسلہ ہم تک پہنچا ہے۔

قول شاعر کی تفسیر اس کا مزید ثبوت یہ ہے کہ یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہوسکتا کیونکہ
شاعرانہ کلام میں قافیہ پیمائی اور وزن وبحر وغیرہ کی پابندی ہوتی ہے۔ پھر ایک مصرعہ
دوسرے سے کم وبیش نہیں ہوسکتا۔ ورنہ شعر کا حسن ہی خاک میں مل جاتا ہے۔ یہاں نہ کوئی
قافیہ ہے نہ بحر نہ مصرعہ نہ بیت بازی اور حسن کلام کا یہ عالم ہے کہ سارے شعراء
انگشت بدنداں ہیں اور تمام فصحا وبلغاء عش عش کررہے ہیں۔ جو کوئی سنتا ہے

سر دُھننے لگتا ہے' بلکہ بعضوں نے بے ساختہ کہہ دیا: ۔ **ما ھذا کلام بشر** ۔ یہ کسی بشر کا کلام کبھی نہیں ہو سکتا"۔ پھر شعراء اکثر تُک بندی کرتے اور واہی تباہی باتیں نظم کر دیتے ہیں۔ کسی نے کچھ دیدیا تو تعریفوں کا پُل باندھ دیا' اور اگر خلاف امید ہاتھ روک لیا تو ایسی ہجو کی کہ اس کے تمام محاسن برطرف ہو گئے۔ قرآن کریم ایسے مضامین سے یکسر پاک ہے۔ کسی چیز میں کچھ بھلائی ہے تو اس کا قرار واقعی اظہار فرما دیا اور جو برائی ہو اس کو بھی ظاہر کئے بغیر نہ رہا۔ حسن و قبح کا موازنہ ایسے ٹھیک طور پر کیا کہ اس سے بہتر کوئی صداقت نہیں ہو سکتی۔ شراب اور جوے کی حقیقت یوں بیان فرمائی:۔

فیھما اثم کبیر و منافع للناس و اثمھما اکبر من نفعھما۔ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کا نفع بھی ہے مگر نفع کے مقابلہ میں گناہ بہت بڑھا ہوا ہے"۔ اشعار میں وہمی' خیالی باتیں ہوتی ہیں' مگر قرآن کریم حقائق سے پُر ہے۔ پھر کوئی دعویٰ بے دلیل نہیں اور دلیل محض منطقی اور فلسفی نہیں بلکہ حقیقت اور واقعیت پر مبنی ہوتی ہے۔ گزرے ہوئے واقعات اور آئندہ درپیش ہونے والے حالات اس طرح بیان ہوتے ہیں جیسی ان کی حقیقت ہے' نہ زیادتی نہ کمی' نہ مبالغہ نہ سخن پروری۔ لہٰذا یہ شاعرانہ کلام نہیں۔

قول کاھن کی تفسیر | نیز قرآن کریم میں کہانت کو بھی کوئی دخل نہیں ہے۔

کاہنوں کے پاس دیو پری کی آمد و رفت رہتی تھی۔ قوم جن کے نر کو دیو اور مادہ کو پری کہتے ہیں۔ کاہنوں پر ان کا تسلط رہتا تھا۔ اور یہ بعض جزئی معلومات جو ملائکہ سے چوری چھپی کے طریقہ پر سن پاتے کاہنوں تک مقفی مسجع عبارت میں پہنچا دیتے۔ پھر کاہن اس میں اپنے عقلی ڈھکوسلے شریک کرکے کاہ کا کوہ اور پر کا پرندہ بنا کر پیش کرتا اور اس کے دام وصول کرتا۔ اسی پر اس کی زندگی رہتی۔ پھر یہ باتیں اکثر جھوٹ اور غلط ثابت ہوتیں۔ عبارت اگرچہ مقفی و مسجع ہوتی مگر ایسی نہیں کہ دوسرا ایسی عبارت نہ بنا سکے۔ قرآن کریم کی شان کا کیا پوچھنا؟ مضامین ایسے عالی کہ کسی کا دماغ وہاں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ عبارت ایسی شستہ فصیح و بلیغ کہ تمام جن و انس مل کر بھی اس کا جواب نہیں لا سکتے۔ واقعات اور حالات ایسے واقعی کہ کسی حرف پر انگشت نمائی کی گنجائش نہیں۔ احکام ایسے جچے تلے کہ اس کا متبادل کوئی حکم نہیں مل سکتا۔ اسرار و حکم ایسے دل نشیں کہ اگر ایک بار اس کا ذوق حاصل ہوا تو ساری دنیا سے بے نیاز ہو گیا۔ پھر لا اسئلکم علیہ من اجر کا اعلان شروع سے آخر تک ہوتا رہا۔ کہ اس تعلیم و تبلیغ پر کسی معاوضے اور صلے کا کوئی مطالبہ نہیں۔ دنیا و آخرت کے قیمتی خزانے بے دریغ لٹائے جا رہے ہیں۔ ولقد یسرنا القرآن فھل من مدکر۔ قرآن کو ہم نے آسان بنا دیا ہے کیا کوئی ہے اس سے نصیحت لینے والا؟

اس سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم کاہن کا بھی کلام نہیں۔

قلیلا ما تؤمنون کی تفسیر پھر شاعروں کے کلام میں یقین کرنے اور ایمان لانے کے قابل مضامین کہاں ہوتے ہیں خصوصاً جاہلیت کے شعراء کا کلام خرافات اور گندہ مضامین سے بھرا ہوا ہے۔ بعض شعراء کہیں کہیں مہمان نوازی، صلۂ رحمی، بیت اللہ شریف کی خدمت، اور اس کے زائرین کے ساتھ حسن سلوک وغیرہ کے متعلق کچھ لکھ دیتے ہیں جن کا تعلق اعمال صالحہ سے ہے۔ ایمان کے بغیر اعمال اور وہ بھی معدودے چند نجات کے لئے کافی نہیں۔ قلیلا ما تؤمنون میں اسی طرف اشارہ ہے۔ بخلاف قرآن کریم کے کہ اس کا ہر مضمون اور ہر حصہ ایمانیات اور یقینی امور پر مشتمل ہے۔ جبھی تو پورے کلام اللہ پر ایمان لانا شرط ایمان ہے۔ بعض باتوں پر ایمان ہوا اور بعض پر نہ ہو تو یہ یؤمنون ببعض الکتاب ویکفرون ببعض کا مصداق ہوا اس کو ایمان نہیں کہا جاتا اور نہ ایسے جزئی ایمان کا شریعت میں کوئی اعتبار ہے نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔

قلیلا ما تذکرون کی تفسیر اسی طرح کاہنوں کی باتیں کہ وہ صرف ایک مقفیٰ، مسجع کلام ہے وہ بھی اتنا معمولی کہ دوسرے بھی ایسا کہہ سکتے ہیں بلکہ اس سے بہت بہتر غلط واقعات اور جھوٹی پیشین گوئیوں پر مشتمل یا ایں ہمہ اللہ سبحانہ کا ذکر

اس کی یاد دلانے والا کوئی مضمون نصیحت آمیز کوئی بیان اس میں کہیں نہیں ملتا اور اگر کہیں کچھ ذکر بالفرض آ بھی گیا تو ایسے مجمل بلکہ مہمل طریقہ سے کہ اس کا وجود و عدم یکساں۔ اسی وجہ سے کاہنوں کی نسبت ارشاد ہوا:۔ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ تم بہت کم اس کا دھیان کرتے ہو۔" بخلاف قرآن کریم کے کہ اس کی کوئی سورت بلکہ کوئی رکوع اور کوئی آیت، اللہ سبحانہ کے ذکر سے خالی نہیں۔ صراحۃً یا کنایۃً یا اشارۃً، ضمیر، اسم اشارہ، اسم موصول، الف لام عہدی، اسم ذات، یا صفات کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے۔ بلکہ ایک ایک آیت میں کئی کئی جگہ اللہ سبحانہ کا ذکر آرہا ہے۔ یاد الٰہی قدم قدم پر ایک ایک لمحہ دلائی جارہی ہے۔ نصیحتیں اور نصیحتیں ہی ہیں جبھی تو قرآن کریم کے اسمائے گرامی میں ذکر، تذکرۃ، ذکریٰ وغیرہ بھی اسکے اسماء ہیں۔ اس سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ قرآن کریم رب العالمین کا اتارا ہوا کلام ہے۔ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ۔ ہے کوئی اس سے نصیحت لینے والا؟۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۝ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝
ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝ فَمَا مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ۝ 69-44
69-45
وَإِنَّهُ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ۝ اور اگر بنا لاتا ہم پر کوئی بات، تو ہم پکڑ لیتے 69-46
69-47
اس کا داہنا ہاتھ، پھر کاٹ ڈالتے اس کی گردن، پھر تم میں کوئی ایسا نہیں جو 69-48

اس سے بچالے' اور یہ نصیحت ہے ڈر والوں کو۔"

پیغمبر امین ہیں اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور رسولوں کی رسالت' معجزات و خوارق عادات وغیرہ دلائل سے ثابت ہوتی ہے' وہ معصوم ہوتے ہیں۔ ان سے تبلیغ رسالت میں ادنیٰ قسم کی بھی کوئی فروگذاشت یا لغزش نہیں ہو سکتی۔ اللہ سبحانہ کی طرف سے ان کی عصمت کا بچاؤ ہوتا ہے۔ لہذا جو بات' اللہ نے نہیں فرمائی وہ اس کو اللہ سبحانہ کی طرف منسوب نہیں کر سکتے۔ چنانچہ حضرت مسیح عرض کریں گے:۔ ما قلت لهم الا ما امرتني به۔ پروردگار! میں نے ان سے نہیں کہا مگر وہی جس کا آپ نے مجھے حکم دے رکھا تھا۔" اور حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں خود اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:۔ وما ينطق عن الهوىٰ ان هو الا وحي يوحىٰ۔ اور وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے یہ صرف حکم ہے جو بھیجا گیا ہے۔" پیغمبر امین ہوتے ہیں۔ ان کی امانت داری مسلمہ ہوتی ہے۔

اعداء اللہ کو سزا پیغمبر تو اللہ سبحانہ کے محبین و محبوبین ہوتے ہیں۔ بفرض محال اگر وہ اپنی طرف سے باتیں کہتے پھریں تو نعوذ باللہ وہ دشمن ٹھہرے اور دشمن کو ایسا موقع کیوں دیں گے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لیں گے اور ہاتھ بھی داہنا جس میں قوت زیادہ ہوتی ہے یعنی اس کا اختیار سلب کر لیں گے' پھر اس کی رگ ہی کاٹ دی

جس سے اس کی زندگی ہی ختم ہو جائے پھر تم میں سے کوئی بھی اس سے ہم کو روکنے اور اس کو بچانے والا نہ ہو گا۔

ایک مثال دنیا کے بادشاہوں کا دستور ہے کہ وہ کسی بڑے شخص کو کہیں کا حاکم بنا کر بھیجتے ہیں اگر وہ بادشاہ کی طرف غلط باتیں منسوب کرتا رہے تو اس کو نہ صرف معزول کرتے بلکہ سخت سزا دیتے ہیں ورنہ احکام شاہی سے اعتماد اٹھ جائے گا اور نظم و نسق درہم برہم ہو جائے گا۔ یہ اس صورت میں ہے جس کا تقرر فرمان یا جریدے کے ذریعہ عمل میں آیا ہو ورنہ اگر معمولی جاروب کش یا خاکروب ایسی باتیں بکتا پھرے تو اس کو سزا دینے کی چنداں ضرورت نہیں اس لئے کہ اس کی ایسی باتوں کو کون یاد رکھتا ہے اور اس سے ملک میں کیا خرابی پیدا ہو سکتی ہے یہی حال جھوٹے مدعیان رسالت کا ہے

وتین کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ الوتین ھو حبل القلب الذی فی الظھر۔ (فریابی، سعید بن منصور، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، حاکم بروایت صحیحہ) "وتین" دل کی رگ ہے جو پیٹھ میں ہوتی ہے" یہ بھی فرمایا:۔ اذا احتضر الانسان اتاہ ملک الموت فغمز وتینہ فاذا انقطع الوتین خرج روحہ فھنالک حین یشخص بصرہ ویتبعہ روحہ (ابن ابی حاتم) جب انسان موت کے قریب ہوتا ہے تو ملک الموت اس کے ہاں آتے اور اس کے

دل کی رگ کو داب دیتے ہیں۔ جب یہ رگ کٹ جاتی ہے تو اس کی روح نکل جاتی ہے۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب اس کی آنکھیں پتھرا جاتی ہیں اور اس کی روح بھی اس کے پیچھے چلی جاتی ہے۔"

تذکرۃ للمتقین کی تفسیر وَإِنَّهُ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ۔ اور یہ قرآن نصیحت اور یاددہی ہے ان پرہیزگاروں کے لئے جو خدا سے ڈرتے رہتے ہیں۔"

خلاصہ یہ کہ مذکورہ نصیحتوں سے فائدہ اٹھانا ان لوگوں کا کام ہے جو اللہ سے ڈرتے اور تقویٰ کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ اور جن کو خدا کا خوف ہی نہیں وہ کیا فائدہ اٹھا سکیں گے۔ سورۂ بقرہ کے آغاز ہی پر فرما دیا گیا ہے:۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ یہ قرآن متقیوں کے لئے رہنمائی کا ذریعہ ہے۔"

مجدد صاحبؒ کا قول حضرت شیخ احمد سرہندیؒ فرماتے ہیں:۔ ان تلاوۃ القرآن سبب للترقی بعد فناء النفس و زوال العین والاثر فان التقوی لایتصور الا بعد الفناء وکون القرآن تذکرۃ مختص بالمتقی یدل علیہ لام التخصیص واما قبل الفناء فالتلاوۃ داخل فی عمل الابرار دون المقربین المتقین عن رذائل النفس (مظہری) نفس کے فنا ہو جانے اور اس کا اثر زائل ہو جانے کے بعد تلاوت قرآن سے متقیوں کے درجات ترقی کرنے لگتے ہیں نفس جبتک

فنا نہ ہو تقویٰ کا تصور بھی پیدا نہیں ہوتا۔ اور قرآن کا نصیحت اور یاددہانی ہونا متقی ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ تذکرۃ للمتقین کا لام اس کو بتلا رہا ہے۔ کیونکہ لام تخصیص کے لئے آتا ہے۔ فنائے نفس سے پہلے جس قدر تلاوت ہوگی اس کا شمار اعمال ابرار میں ہوگا۔ مقربین جو رذائل نفس سے بچتے رہتے ہیں ان کے اعمال میں اس وقت تک اس کا شمار نہ ہوگا۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ تلاوت قرآن فائدے سے خالی نہیں۔ نفس کے فنا ہونے سے پہلے جس قدر تلاوت ہوگی وہ ترقی درجات کے لئے نہیں بلکہ فنائے نفس کے لئے۔ اور یہ جب حاصل ہو جائے تو یہاں سے ترقی کا آغاز ہوگا۔ ابرار اور متقین ہر دو گروہ کے لئے تلاوت مفید ہے مگر فائدے میں فرق ہے۔ حقیقی فائدہ متقین کے لئے ہے جو رذائل نفسانی سے پاک ہو چکے ہیں۔ اور یہی قرآن کریم کا مقصد اعلیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔

69-49 وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنْكُمْ مُكَذِّبِينَ ۝ وَإِنَّهُ لَحَسْرَةٌ عَلَى
69-50
69-51 الْكٰفِرِينَ ۝ وَإِنَّهُ لَحَقُّ الْيَقِينِ ۝ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ۝ ع ١٥ ٢
69-52

اور ہم کو معلوم ہے کہ تم میں جھٹلانے والے بھی ہیں۔ اور وہ پچھتاوا ہے منکروں پر۔
اور وہ (قرآن) ہے یقین کرنے کے قابل۔ آپ بیان کیجئے پاکی اپنے رب کے نام کی

جو بڑاہی باعظمت ہے ۔"

مکذبین کی ندامت و حسرت قرآن کریم تمام بنی آدم کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے اور سارے بنی نوع انسانی کی ہدایت کا سامان اس میں موجود ہے۔ بشرطیکہ وہ اس کو قبول کریں اور اس پر ایمان لائیں۔ مگر ان ہی بنی نوع میں مکذبین منکرین بھی ہیں جو اس کو اللہ کا کلام تسلیم نہیں کرتے۔ ایسی حالت میں وہ اس سے کیا خاک فائدہ اٹھا سکیں گے۔ دنیا میں وہ جو روش بھی پسند کریں ان کو اختیار ہے۔ تسلیم کرکے اسکی بتائی ہوئی راہ پر چلیں کہ اس میں ان کی نجات ہے' یا انکار کرکے اس کے خلاف راہ اختیار کریں۔ لیکن ان کو آخر کار حسرت رہ جائیگی کہ اے کاش! جو موقع اس کو تسلیم کرکے اس سے فائدہ اٹھانے کا تھا اس کو کھو دیا۔ اب حسرت ہی حسرت اور ندامت پر ندامت ہے۔ مگر آج نہ حسرت کارآمد ہے اور نہ ندامت۔ ایسی سراپا حسرت و ندامت کافروں کے لئے مختص ہے۔

کچھ حسرت اہل ایمان کو بھی رہیگی رہے اہل ایمان۔ گو نہ حسرت ان کو بھی رہیگی۔ چونکہ اس گروہ نے قرآن کریم کو اللہ کا کلام تسلیم کیا تھا۔ اس حد تک تو یہ فائدے میں رہے۔ لیکن اگر اس کو پڑھا ہوتا' اس کے معانی مطالب پر غور کیا ہوتا غور کے بعد اس پر عمل کیا ہوتا۔ اور مدارج عمل یکے بعد دیگرے طے کئے ہوتے تو جس طرح

تسلیم کی حد تک یہ فائدے میں رہے، علم و عرفان، عمل و اخلاص کے بیشمار فوائد بھی شامل حال رہتے جس سے جس قدر کوتاہی اس میں ہوئی اسیقدر حسرت کا منہ دیکھنا ہوگا۔ اور پچھتاوا ہی رہیگا۔

قوم سے خطاب برادران دین و ملت سے خصوصاً اور بنی نوع انسان سے عموماً یہی التجا و التماس ہے کہ موقع حاصل ہے اس کو غنیمت تصور کریں اور وقت فرصت کو ہاتھ سے جانے نہ دیں جس سے جس قدر بن پڑے اس دولت بے بہا سے فائدہ اٹھائیں علم و عرفان کے دریا بہہ رہے ہیں۔ ثواب کمانا ہے تو بڑا ظرف لیتے آئیں : ؎

جلوہ مفت است دیدنی دارد بدل و جاں خریدنی دارد

حق الیقین کی تفسیر "حق الیقین" کی تحقیق میں مفسرین کرام کے اقوال ہیں۔

عام طور پر حق اور یقین کو ایک ہی معنی میں استعمال کیا گیاہے، حق کی تعریف یہ ہے:۔

الثابت الذی لا یتطرق الیہ الریب۔ ایسی ثابت ہونے والی بات جس میں کسی شبہہ کی گنجائش نہ ہو" اور یہی معنی یقین کے بھی ہیں۔ لہذا حق کی اضافت جو یقین کی طرف کی گئی ہے اس سے تاکید مقصود ہے۔

مفردات راغب میں ہے :۔ الیقین من صفۃ العلم فوق المعرفۃ والدرایۃ واخواتھا یقال علم الیقین وعین الیقین وحق الیقین

وبینھما فرق مذکور فی غیر ھذا الکتاب۔ "یقین" علم کی صفت ہے جس کا درجہ معرفت اور درایت وغیرہ سے بالاتر ہے۔ چنانچہ علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین کہا جاتا ہے اور ہر ایک میں فرق ہے جو اور کتابوں میں مذکور ہے" یعنی یقینی چیز کو جاننا 'علم الیقین' اور اس کو دیکھنا اور مشاہدہ کرنا 'عین الیقین' اور اس کا ثبوت حق الیقین ہے۔

مفسرین کرام کی تحقیق امام رازی لکھتے ہیں:۔ حق لا بطلان فیہ ویقین لا ریب فیہ ثم اضیف احد الوصفین الی الآخر للتاکید (تفسیر کبیر) ایسا ثابت ہے کہ اس کا بطلان نہیں ہو سکتا اور ایسا یقین جس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔ پھر ان دو اوصاف میں سے ایک کی اضافت دوسرے کی طرف تاکید کے لئے ہے"۔ زمخشری کا کہنا ہے:۔ لکیقین حق الیقین کقولك ھو العالم حق العالم وجد العالم والمراد بہ البلیغ الکامل فی شانہ (کشاف) حق الیقین سے ایسا یقین مراد ہے جیسا کہ ہونا چاہئے۔ جیسے تم کہتے ہو کہ فلاں عالم ہے جیسا ہونا چاہیے پختہ عالم۔ اس سے مراد درجۂ کمال کو پہنچا ہوا"۔ قاشانی فرماتے ہیں:۔ محض الیقین وصرف الیقین ای خلاصۃ العالم وحقیقتہ من غیر شوب شیئ آخر۔ خالص یقین اور یقین ہی یقین، یعنی خالص عالم اور حقیقی عالم

جس میں اور کسی چیز کی آمیزش نہ ہو۔"

حضرت جنیدؒ کا ارشاد حضرت جنید بغدادی سید الطائفہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں:۔

حق الیقین ما تحقق العبد بذلك معرفة بالحق وھو ان یشاھد الغیوب کما شاھد تلك المرئیات مشاھدۃ عیان ویحکم علی المغیبات ویخبر عنھا بالصدق کما اخبر الصدیق الاکبر فی مشاھدۃ النبی علیه الصلاۃ والسلام حین سأله ماذا ابقیت لنفسك قال اللہ ورسوله۔ حق الیقین وہ درجہ ہے جو معرفت حق کی بدولت بندے کے لئے ثابت و متحقق ہوتا ہے یعنی وہ عالم غیب کا مشاہدہ اسی طرح کھلے طور پر کرتا ہے جیسا کہ وہ عالم شہادت کی مرئی چیزوں کا مشاہدہ آنکھوں سے کرتا رہتا ہے وہ مغیبات پر حکم لگاتا اور انکی صحیح صحیح خبر دیتا ہے۔ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا کہ (جب گھر میں جو کچھ تھا سب حاضر کر دیا تو) اپنے لئے کیا رکھا؟ تو عرض کیا کہ خدا اور اس کے رسول کو (گھر میں چھوڑ آیا ہوں)" یہ مقام حق الیقین کا ہے۔ حق الیقین کی تفسیر سورہ واقعہ کے اخیر میں بھی گزر چکی ہے۔

تسبیح کی اہمیت فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ۔ اب پاکی بیان کیجئے اپنے رب کے نام کی جو بڑا باعظمت ہے۔" یعنی اس کا نام ایسا باعظمت ہے کہ کوئی بات

اپنی طرف سے کہہ کر اس کی طرف منسوب نہیں کی جا سکتی تو اس کی ذات کی طرف ایسی چیزیں کیوں کر منسوب ہو سکتی ہیں۔ اس کا نام اور اس کی ذات ہر ایسی چیز سے منزہ ہے جو اس کی ربوبیت اور عظمت کے منافی ہو۔ نیز ایسا کلام پاک جو آپ پر اتارا گیا اس کا شکر ادا کرنے کے لئے اس کی تسبیح پڑھتے جائیے۔ اور اسی کی تسبیح و تقدیس میں ہمیشہ رطب اللسان رہئے۔ یہی تسبیح ملائکہ کرام کی عبادت ہے۔ حضرت آدمؑ کے مقابلہ میں ملائکہ کرام نے اپنی یہی صفت پیش کی تھی۔ انسان تسبیح کی بدولت فرشتہ صفت ہو سکتا ہے۔

تسبیحات رکوع وسجود حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ فرماتے ہیں:۔ لما نزلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسبح باسم ربک العظیم قال اجعلوھا فی رکوعکم ولما نزلت سبح اسم ربک الاعلی قال اجعلوھا فی سجودکم۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی) جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آیۂ کریمہ فسبح باسم ربک العظیم نازل ہوئی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو رکوع میں رکھو۔ اور جب آیہ سبح اسم ربک الاعلی نازل ہوئی تو فرمایا کہ اس کو سجدے میں رکھو۔"

تسبیح ودعا موجب ترقی حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں:۔ انہ صلی مع رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول فی رکوعہ سبحان ربی العظیم وفی سجودہ سبحان ربی الاعلیٰ وما اتی علی آیۃ رحمۃ الا وقف وسأل وما اتی علی آیۃ العذاب الا وقف وتعوذ (ترمذی ابوداؤد دارمی ونسائی ابن ماجہ الی قولہ الاعلیٰ) میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ اپنے رکوع میں سبحان ربی العظیم اور اپنے سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ فرمایا کرتے تھے۔ اگر آیت رحمت آتی تو آپ قدرے توقف فرما کر اس کی درخواست کرتے اور اگر کوئی آیت عذاب ہوتی تو وقف کرکے اس سے اللہ سبحانہ کی پناہ مانگتے۔" دوران قرأت نماز میں اس طرح دعا یا پناہ مانگنا چاہئے لیکن احناف کے پاس نفل نمازوں میں۔ دعا ہی عبادت کا مغز ہے۔ الدعا مخ العبادہ تسبیح کی تسبیح دعا بنی آدم کی خصوصیت ہے اور دعا ہی سے انسان کو فرشتوں پر فضیلت ہے کیوں کہ اس سے مدارج انسانی میں ترقی ہوتی ہے۔ یہ نصیب فرشتوں کے کہاں ہیں۔

تسبیح کے مدارج حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اذا رکع احدکم فقال فی رکوعہ سبحان ربی العظیم ثلاث مرات فقد تم رکوعہ وذلک ادناہ واذا سجد فقال فی سجودہ سبحان ربی الاعلیٰ ثلاث مرات فقد تم سجودہ وذلک ادناہ (ترمذی ابوداؤد

ابن ماجہ) جب تم میں کا کوئی رکوع کرے اور اپنے رکوع میں سبحان ربي العظيم تین بار کہے تو اس کا رکوع پورا ہوگیا اور یہ اس کا ادنیٰ درجہ ہے۔ اور جب سجدہ کرے اور اپنے سجدے میں تین دفعہ سبحان ربي الاعلی کہے تو اس کا سجدہ پوری طرح ادا ہوچکا اور یہ اس کا ادنیٰ درجہ ہے"۔

فقیر عرض کرتا ہے کہ پانچ دفعہ کہنا اوسط اور سات دفعہ کہنا اعلیٰ درجہ ہے۔ یہ حکم فرائض کا ہے۔ نماز پڑھانے والے امام کے لئے اس سے زیادہ کہنا قوم پر گرانی کا موجب ہے۔ ائمہ کو احتیاط کرنی چاہیئے۔ گرانی کا سبب بننا مکروہ ہے۔

تسبیح کے احکام رکوع و سجود کی تسبیحات جمہور ائمہؒ کے نزدیک سنت ہیں اور ہمارے امام حضرت سیدنا امام احمدؒ حنبل کے نزدیک واجب ہیں۔ کیونکہ حدیث شریف جو اوپر بیان ہوئی اس میں صیغۂ امر اجعلوا ارشاد ہوا ہے مگر جمہور ائمہ کرام نے صیغۂ امر کو ندب و استحباب پر محمول فرمایا ہے۔ اسی طرح تکبیرات انتقالیہ یعنی رکوع سے سجدے میں جاتے وقت یا سجدے سے اُٹھتے وقت جو تکبیرات کہی جاتی ہیں وہ بھی ہمارے امام صاحبؒ کے نزدیک واجب اور دیگر ائمہ کے نزدیک سنت ہیں۔ واللہ اعلم۔

(سورۂ حاقہ کی تفسیر ختم ہوئی)

وللہ الحمد ۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علیٰ خیر خلقہ

سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

۲۷ شعبان المعظم ۱۳۷۷ھ ۔ چہار شنبہ

سورۂ معارج

(مکیہ ہے اور اس میں (۴۴) آیات ہیں)

ماقبل سے ربط سورت ماقبل سے اس کا تعلق اور مناسبت صاف ظاہر ہے کہ سورۂ حاقہ میں قیامت کا بیان تھا۔ اس سورۃ شریفہ میں بھی قیامت اور دوزخ وجنت کا بیان ہے۔ گویا یہ سورت شریفہ سورۂ حاقہ کا تکملہ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سورت شریفہ کا نزول سورۂ حاقہ کے بعد ہی ہوا ہے۔ اس سے ربط و مناسبت بالکل ظاہر ہے۔ اس سورت کا نام سورۂ مواقع اور سورۂ سَاَلَ بھی ہے۔ یعنی سورت کے ابتدائی کلمے ہی کو اس کا نام قرار دیا گیا۔ جیسا کہ عمّ یتساءلون کی سورت بلکہ تمام پارے کو پارۂ عمّ کہتے ہیں۔ یعنی جس سورت یا جزو کی ابتدا عمّ سے ہوئی ہے۔ اسیطرح سورۂ سَاَلَ۔

شان نزول نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اہل مکہ کو عذاب الٰہی کا خوف دلایا تو وہ آپس میں کہنے لگے کہ اس عذاب کے مستحق کون لوگ ہیں اور یہ کس پر آئیگا۔ سید عالم محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرو۔ انھوں نے

حضور سے دریافت کیا۔ ان میں خصوصیت سے بنی عبدالدار کا ایک شخص نضر بن حارث تھا۔ اس نے تمسخر اور استہزاء کی راہ سے باری تعالیٰ شانہ کی جناب میں عرض کیا:

اللّٰھم ان کان ھذا ھو الحق من عندك فامطر علینا حجارة من السماء او ائتنا بعذاب الیم۔ یا اللہ! اگر یہی دین اسلام تیرے نزدیک حق ہے تو آسمان سے ہم پر پتھر برسادے یا ہمارے ہاں رنج وہ عذاب لا" (فریابی، عبد بن حمید، نسائی، ابن ابی حاتم، حاکم بروایت صحیحہ، ابن مردویہ) ابن جریج، سدی، اور جمہور بھی اسی کے قائل ہیں۔ بعضوں نے ابوجہل، حرث بن نعمان کو جو اشد کفار تھے سائل قرار دیا ہے۔ چونکہ یہ سب واقعات وقوع میں آئے ہیں اس لئے ان میں سے ہر ایک کو شان نزول قرار دیا جا سکتا ہے لیکن جمہور کا قول زیادہ ظاہر ہے اور ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع ہے اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے۔"

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ لِّلْکٰفِرِیْنَ لَیْسَ لَهٗ 70-1

70-2

دَافِعٌ ۙ مِّنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِ ؕ مانگا ایک مانگنے والے نے اوس 70-3

عذاب کو جو کافروں پر ہونے والا ہے، کوئی نہیں اس کو ٹالنے والا، وہ ہوگا اللہ

کی طرف سے جو بلندیوں کا مالک ہے۔"

سائل کی تفسیر یعنی ایک مانگنے والے نے ہم سے عذاب مانگا ہے۔ نضر بن حارث کافر کی شوخی دیکھئے اس کا تمسخر اور استہزاء اس درجہ بڑھ گیا ہے کہ اور لوگ جہاں ہم سے خیر کی درخواست کرتے اور ہمارے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں، یہ ہم سے عذاب کی درخواست کر رہا ہے۔ اس کو معلوم ہونا چاہیئے کہ کافروں اور منکروں کے لئے ہمارا عذاب مقرر ہے اور اس کا وقوع اپنے وقت پر ہونیوالا ہے خواہ اس کی درخواست کوئی کرے یا نہ کرے۔ جب وہ آئیگا تو صفحہ ہستی پر کسی کی مجال نہ ہوگی کہ اس کو دفع کرسکے۔ دفع کردینا اور ٹلا دینا تو بڑی بات ہے ایک لمحہ اور آن کے لئے بھی اسکو کوئی روک نہیں سکتا۔ وہ عذاب آئیگا اللہ کے پاس سے اور اس کے حکم سے، جو احکم الحاکمین ہے۔ اس کے بھیجنے اور دفع کرنے کا اختیار

اسی کو حاصل ہے۔ وہ احکم الحاکمین ہے ذِی الْمَعَارِجِ۔ اونچے، چڑھتے درجوں والا پھر ان درجات کی کوئی حد نہیں۔

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ 70-4

چڑھیں گے اس کی طرف فرشتے اور روح اس دن میں جس کی درازی پچاس ہزار برس ہے"

فرشتوں کا عروج فرشتے اور روحانیین جن سے تدبیر عالم کے بے شمار کام متعلق ہیں وہ اپنے فرائض اور مشاغل سے فارغ ہو کر اللہ سبحانہ کے حضور میں حاضری دیتے رہتے ہیں تو ان کو درجہ بدرجہ آسمانوں سے عروج کر کے بارگاہ قدس میں پہنچنا ہوتا ہے اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری ہے۔ اور یہ مدارج ان کے مرتبوں کے لحاظ سے مختلف ہیں، نیز ان کی رفتار و پرواز بھی جدا جدا ہے۔ کسی کی رسائی چشم زدن میں، اور کسی کی برق کی طرح اور کسی کی آواز اور روشنی کی رفتار کے مطابق ہوتی ہے اور خدا جانے ان کے کیا کیا اور کتنے درجات ہیں۔ اسیطرح قیامت کا دن بھی ہے جو ہمارے پچاس ہزار برس کے برابر ہو گا، اس دن بھی ان کا عروج جاری رہے گا۔

ارواح مومنین کا عروج یہی حال ارواح مومنین مخلصین کا ہے کہ اپنے ذکر و فکر

ریاضات و مجاہدات، ایمان و عرفان، تقویٰ و طہارت، علم و فضل، طاعت و عبادت کے لحاظ سے ان کے بھی بے شمار مراتب و مدارج ہیں۔ اور ہر آن و ہر لحظہ قرب و وصال کے زینے طے کرتے رہتے ہیں۔ اور روحانی طور پر شرف حضوری سے مشرف ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں بھی قرب اور اقربیت، حضوری و معیت، فنا و بقا وغیرہ اعتبارات سے تفاوت عظیم ہے۔ کسی کی ترقی چشم زدن میں ہوتی ہے۔ جیسے توبہ و انابت یا شہادت فی سبیل اللہ کہ ادھر توبہ کی یا شہادت نصیب ہوئی اور اُدھر وصال ہوا۔ مومن کی شان تو نہایت ارفع و اعلیٰ ہے۔ ایک اشد کافر جو شر البریہ اب تک کہلاتا تھا۔ اِدھر کلمۂ اسلام پڑھا اور ساتھ ہی اس کا شمار خیر البریہ کے زمرے میں ہو گیا۔ کسی کی ترقی ایک ساعت میں ہوتی ہے جیسے نماز، کوئی ایک دن میں جیسے پانچ وقت کی نمازیں یا ایک دن کا روزہ یا اعتکاف، کوئی ایک ہفتے میں جیسے نماز جمعہ، کوئی ایک مہینے میں جیسے صیام رمضان، کوئی ایک سال میں جیسے زکاۃ، اور کوئی عمر بھر کے لئے جیسے حج اس میں قرب فرائض بھی داخل ہے اور قرب نوافل بھی ہے۔ اور قرب وصال کا یہی سلسلہ جاری رہتا ہے حتی اکون سمعہ و بصرہ فبی یسمع و بی یبصر۔ تا آں کہ حق جل و علا کا ارشاد ہے کہ میں اس کے کان آنکھ ہو جاتا ہوں اور وہ مجھی سے سنتا اور مجھی سے دیکھتا رہتا ہے۔ یہ ہے فنا و بقا۔

یہ سلسلہ بھی تا قیامت قائم رہے گا۔

کفار کی حماقت فرشتے اور روحانیین ایک طرف، اور مومنین مخلصین کی ارواحِ طیبہ دوسری طرف صعود و عروج کے مدارج و معارج جہاں طے کر رہے ہیں کسی کافر کا یہ کہنا امطر علینا حجارۃ من السمآء او ائتنا بعذاب الیم غور کرنے کا مقام ہے کہ کیسی خیانت اور شرارت کا پتہ دے رہا ہے وہ کہتا ہے کہ ہم پر پتھر برسائے جائیں یا دردناک عذاب اتارا جائے۔" یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے ایسا بھی ہو سکتا ہے کفار کے لئے عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے وہ مانگیں نہ مانگیں۔

خمسین الف سنۃ کی تفسیر پچاس ہزار برس کا دن، جو قیامت کا ہوگا اس میں مفسرین کرام کے اقوال ہیں۔ کسی نے اس کو حقیقت پر محمول کیا ہے اور کوئی اس سے مجاز مراد لیتے ہیں۔ پھر حقیقت پر محمول کرنے والے بعض حسّی اور واقعی قرار دیتے ہیں اور بعض معنوی اور اعتباری تصور کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ والعرب تصف اوقات الشدۃ والحزن بالطول واوقات الرخاء والفرح بالقصر ومن ذلک قول الشاعر:۔

من قصر اللیل اذا زرتنی ۔۔۔ اشکو وتشکین من الطول

عرب کا محاورہ ہے کہ وہ سختی اور غم کے ساعات کی تعبیر درازی اور طوالت سے

کرتے ہیں اور یہی ساعات، سہولت اور خوشی کے ہوتے ہیں تو وہ اس کی تعبیر کمی اور کوتاہی سے کیا کرتے ہیں۔ اس کے ثبوت میں آپ نے ایک شاعر کا قول پیش فرمایا جس میں وہ اپنی معشوقہ سے خطاب کر رہا ہے کہ رات کی کوتاہی کا عالم رہتا ہے جب تو مجھ سے ملتی ہے۔ اور جب ہماری ملاقات نہیں ہوتی وہ رات اتنی طویل اور ملول کن ثابت ہوتی ہے جس کی شکایت مجھے بھی رہتی ہے اور تجھے بھی۔"

روز قیامت مومن کے حق میں نیز حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یوم کان مقدارہ خمسین الف سنة کے متعلق دریافت کیا گیا کہ یہ دن پچاس ہزار برس کا ہوگا تو کیا ہی طویل ہوگا؟ تو حضور نے ارشاد فرمایا:۔ والذی نفسی بیدہ انه لیخفف علی المؤمن حتی یکون اهون علیه من صلاة مکتوبة یصلیها فی الدنیا۔ (امام احمد، ابن حبان، ابو یعلی، ابن جریر، بیہقی) اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے وہ دن مومن کے حق میں اس سے بھی زیادہ سہل اور آسان ہوگا جتنا کہ دنیا میں ایک فرض نماز کی ادائی اس پر آسان تھی۔"

کافر و مومن کا فرق حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں:۔ یشتد کرب یوم القیامة حتی یلجم الکافر العرق قیل فاین المؤمنون یومئذ قال

یوضع للمؤمنین کراسی من ذھب ویظلل علیھم الغمام ویقصر علیھم ذلک الیوم ویھون حتی یکون کیوم من ایامکم ھذہ (عبد بن حمید)

قیامت کی سختی بہت ہی شدید ہوگی۔ ایک ایک کافر پسینے میں منہ تک ڈوبا ہوا ہوگا۔ اس پر دریافت کیا گیا' پھر اہل ایمان اس دن کہاں ہوں گے تو فرمایا۔ ایمان والوں کے لئے سنہری کرسیاں بچھائی جائینگی اور ان پر ابر (رحمت) سایہ فگن ہوگا اور وہ دن ان کے حق میں اتنا چھوٹا ہوگا' جیسے تمھارے یہ دن ہیں"

روز قیامت کم سے کم حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوع حدیث مروی ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے :۔ ما قدر طول یوم القیامۃ علی المؤمنین الا کقدر ما بین الظھر الی العصر ۔ (ابن ابی حاتم' حاکم' بیہقی) قیامت کے دن کی درازی مومنین کے حق میں اتنی ہی ہوگی جتنی ظہر اور عصر کے درمیان' (یہاں عموماً) ہوا کرتی ہے" اس باب میں اور بھی اسی مضمون کی احادیث شریفہ ہیں۔

عرض فقیر مفسرین کرام کے اقوال ان ہی روایات پر مبنی ہیں۔ کسی نے حقیقت پر محمول کیا اور کسی نے مجاز قرار دیا۔ یا شدت و غم اور فرحت و مسرت کی بنا پر اس کو طویل و قصیر تصور کیا۔ فقیر کے نزدیک جب ارشاد باری تعالیٰ صاف صاف

مقدارہ خمسین الف سنۃ وارد ہے تو اس کو حقیقت پر محمول کرنا ہی اقرب الی الصواب ہے۔ اور احادیث شریفہ جو اوپر مذکور ہوئیں ان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ پھر ایک مسلمہ اصول ہے کہ جب حقیقی معنی کے تسلیم کرنے میں کوئی محال لازم نہیں آتا تو مجاز کو اختیار کرنے یا کسی تاویل میں پڑنے کی مطلقاً حاجت نہیں ہے۔

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا ۝ إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ۝ وَنَرَاهُ قَرِيبًا ۝ 70-5 70-6 70-7

پس آپ صبر کیجئے" بھلی طرح کا صبر کرنا وہ دیکھتے ہیں اسکو دور اور ہم دیکھتے ہیں اس کو نزدیک"

صبر جمیل کی تفسیر صبر جمیل کیا ہے؟ اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: لا تشکوا الی احد غیری۔ (حکیم ترمذی) جو تکلیف پہنچے اس کی شکایت ہمارے سوا اور کسی سے نہ کیجئے" اور عبدالاعلی بن الحجاج فرماتے ہیں: یکون صاحب المصیبۃ فی القوم لا یعرف من ھو۔ (حکیم ترمذی) مصیبت زدہ سب لوگوں کے ساتھ اس طرح رہتا ہے، پہچانا نہیں جا سکتا کہ وہ مصیبت زدہ ہے حقیقت میں یہ ہے یا اور کوئی" یعنی نہ تو وہ کسی کے آگے اپنی تکلیف کا اظہار کرے اور نہ چہرہ وغیرہ اداس ہو جس سے کسی پر رنج وغم کے آثار نمایاں ہوں۔ باہمہ و بے ہمہ۔

قیامت کا قرب و بعد کفار قیامت کو بعید بلکہ مستبعد خیال کرتے ہیں، گویا

قیامت کا بیان صرف بات ہی بات ہے حقیقت کچھ نہیں اور اگر کوئی کچھ مانتا بھی ہے تو
وہ کہتا ہے کہ ابھی وہ دن بہت دور ہے۔ مگر اللہ سبحانہ کے نزدیک وہ بہت قریب
ہے۔ جبھی تو اس کی تعبیر دوسری جگہ غد یعنی کل کے آنے والے دن سے فرمائی گئی ہے
حضرت اعمشؒ فرماتے ہیں:۔ انھم یرونہ بعیدا بتکذیبھم ونراہ
قریبا صدقا کائنا۔ (عبد بن حمید) کفار چونکہ قیامت کی تکذیب کرتے ہیں اسلئے
وہ اس کو دور سمجھتے ہیں۔ اور حقیقت میں وہ وعدہ چونکہ سچا ہے اور وقوع میں آنیوالا
ہے اس لئے ہم اس کو قریب ہی دیکھ رہے ہیں"۔ ایک ایک دن گزر رہا ہے تو وہ
دن نزدیک ہوتا جارہا ہے۔

يَوْمَ تَكُونُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۙ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۙ
وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا ۚ يُبَصَّرُونَهُمْ ۚ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي 70-8 70-9
مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيهِ ۙ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ۙ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي 70-10 70-11
تُؤْوِيهِ ۙ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنجِيهِ ۙ كَلَّا ۖ جس دن ہوگا 70-12 70-13
آسمان جیسے تانبا پگھلا ہوا اور ہوں گے پہاڑ (ایسے ہلکے) جیسے اون رنگی ہوئی 70-14
اور نہ پوچھیگا دوست دوست کو سب نظر آتے ہوں گے ان کو چاہیگا گنہگار میں چھڑائی 70-15p
دے دیتا اس دن کے عذاب سے اپنے بیٹوں کو اور اپنے ساتھ والی کو اور اپنے

بھائی کو، اور اپنے گھرانے کو جس میں رہتا تھا، اور جتنے زمین پر ہیں سب کو، پھر اپنے آپ کو بچالے ہرگز نہیں۔"

آسمان کا رنگ دگرگوں آسمان کا رنگ، اس وقت نیلگوں نظر آتا ہے سبزی مائل، جب قیامت ہوگی تو اس وقت پگھلے ہوئے تانبے کی طرح سرخ دکھائی دیگا۔ یہ تغیر علامت اس بات کی ہوگی کہ زمین اور اہل زمین کے احوال بھی بدل جانے والے ہیں، ابتدائے آفرینش سے جو لیل و نہار تھے وہ اب باقی نہیں رہیں گے۔ اب دنیا کا رنگ کچھ اور ہی ہوگا۔ چونکہ تمام آسمانوں کی شکل ایک سی ہے اس لئے یَوْمَ تَکُوْنُ السَّمَآءُ کَالْمُهْلِ میں السَّمَآءُ بصیغہ واحد لایا گیا۔ بعض مفسرین نے المُهل کی تفسیر تیل کی تلچھٹ کے ساتھ کی ہے۔ بہر حال آسمان کا رنگ اس دن بدل جائے گا۔ جو ہم کو نظر آنے والی مخلوقات میں سب سے بڑی مخلوق ہے اور اتنی مضبوط و مستحکم کہ سالہا سال گزرنے پر بھی اس میں کوئی تغیر نظر نہ آتا تھا۔

پہاڑوں کا تغیر اسی طرح زمین کی مخلوقات میں پہاڑ ہیں۔ یہ بھی بہت بلند و بالا اور میلوں تک ان کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ پھر ایسے مضبوط و مستحکم کہ صدہا حوادث و آفات رونما ہونے کے باوصف وہ اپنی جگہ قائم و برقرار ہیں۔

لیکن جب قیامت ہوگی تو یہی پہاڑ دُھنی ہوئی روئی کے گالوں کی طرح ہوا میں
اُڑتے ہوئے نظر آئیں گے۔ ان کی ثقالت اور بوجھ کافور ہو جائے گا۔ پہاڑوں پر
تین قسم کے تغیرات آئیں گے۔ ابتداءً یہ پہاڑ ڈھلتی ہوئی ریگ کی شکل میں تبدیل
ہو جائیں گے، جیسا کہ سورہ مزمل میں ارشاد ہوا ہے:۔ وکانت الجبال کثیباً
مّھیلا۔ یعنی ہو جائیں گے پہاڑ ریت کے تودے پھسلتے ہوئے۔" ثانیاً وہ پہاڑ
روئی کے گالوں کی طرح اُڑتے ہوئے دکھائی دیں گے، جن کے رنگ مختلف ہونگے۔
اختلاف الوان، پہاڑوں کی رنگت مختلف ہونے کی بنا پر ہے۔ جیسا کہ سورہ فاطر
میں ہے:۔ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَ
غَرَابِيْبُ سُوْدٌ۔ اور پہاڑوں میں گھاٹیاں ہیں سفید اور سرخ، ان کے رنگ بھی
مختلف ہیں اور بھجنگے کالے۔" سفید رنگ کے پہاڑ ہیں تو ان کی سفیدی بھی مختلف
طرح کی ہے۔ بہت زیادہ سفید، کچھ اس سے کم، کچھ اس سے کم۔ اور جو سُرخ ہیں
ان کا بھی یہی حال ہے، اور بعض پہاڑ کالے ہیں۔ بعض تو بالکل کالے بھجنگے کوے
پروں کی طرح اور بعض کچھ کم۔ اسی وجہ سے یہاں جبال بصیغۂ جمع لایا گیا۔ روئی بھی
کئی رنگ کی ہوتی ہے۔ ثالثاً وہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر باریک سفوف بن جائیں گے۔
پہاڑوں کی اس حالت کا بیان سورہ فرقان میں اس طرح فرمایا گیا ہے:۔

فجعلناہ ھبآءً منثورا ۔ پھر ہم نے اس کو بنادیا ذرات کی طرح بکھرا ہوا۔"

انسان کے احوال کا تغیر | آسمانوں میں وہ تغیر اور پہاڑوں میں یہ تبدیلی تو اس کا اثر لوگوں پر یہ ہوگا :- لَا یَسْئَلُ حَمِیْمٌ حَمِیْمًا ۔ ایک دوست دوسرے دوست کو نہ پوچھیگا" دنیا میں باہم بہت کچھ میل ملاپ تھا۔ اور دوستی کے موقع پر بڑی گرمجوشی دکھائی جاتی تھی ۔ مگر قیامت ہوگی تو دوستوں پر بھی قیامت آجائیگی کہ کوئی بھی ایک دوسرے کو نہیں پوچھیگا کہ تم کس حال میں ہو؟ اس لئے کہ قیامت کی شدت سبھی کو گھیرے ہوئے ہوگی۔ اس نوبت پر یہ خیال بھی ہوسکتا تھا کہ ایسی کس مپرسی ممکن ہے اس بنا پر ہو کہ ایک دوسرے کو دیکھتے اور جانتے پہچانتے نہ ہوں۔ تو اس خیال کو بھی دفع کر دیا جارہا ہے :- یُبَصَّرُوْنَھُمْ - کہہ کر۔ یعنی حال یہ ہوگا کہ ایک دوسرے کو وہ دوست باہم دیکھتے ہوں گے" اور وہ دیکھتے بھالتے ہوئے بھی ایک دوسرے کی مدد کا خیال ان کو نہ ہوگا۔ اور ایسا خیال پیدا ہو تو کیونکر؟ یہ اس وقت ہوسکتا ہے کہ ایک دوست محفوظ حالت میں ہو۔ اور جب سبھی پریشان حال ہوں تو مدد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :- یعرف بعضھم بعضا و یتعارفون ثم یفرّ بعضھم من بعض ۔ (ابن جریر) ان میں کا ایک ایک دوسرے کو پہچانتا ہوگا۔

یہ اس کو اور وہ اس کو شناخت کرتا ہوگا۔ اس پر بھی وہ اس سے اور یہ اُس سے بھاگتا ہوگا " آگے روز قیامت کی ہولناکی کا واضح نقشہ اس طرح کھینچا جارہا ہے کہ دوستی عموماً اجنبی لوگوں میں ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ انسان اجانب کو نہ پوچھے۔ اپنے عزیز واقارب کو تو کوئی پوچھتا ہوگا۔ اس کا دفعیہ یوں فرمایا جارہا ہے :۔

کسی مجرم کا فدیہ قبول نہ ہوگا

یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ یَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ یَوْمِئِذٍ بِبَنِیْهِ ۔ گناہ گار کی آرزو یہ ہوگی کہ اس دن کے عذاب سے بچنے کیلئے کاش وہ اپنے بیٹوں کو اپنے فدیہ اور بدلے میں پیش کر دیتا " وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِیْهِ اور اپنے ساتھ والی بی بی اور ساتھ کے بھائی کو بھینٹ چڑھا دیتا " وَفَصِیْلَتِهِ الَّتِیْ تُـْٔوِیْهِ اور اپنے سارے گھرانے والوں کی بازی لگا کر چھوٹ جاتا جن میں وہ رہتا بستا تھا " وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ یُنْجِیْهِ۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ زمین میں جس قدر بھی جن وانس ہیں ان کو اگر فدیے میں قبول کیا جائے تو ان کو بھی پیش کر دے پھر اس کو نجات حاصل ہو " حضرت قتادہ رضؓ فرماتے ہیں :۔ یتمنّی یوم القیامۃ لو یفتدی بالاحب فالاحبّ والاقرب فالاقرب من اھلہ و عشیرتہ لتشدید ذلک الیوم۔ (عبد بن حمید ابن المنذر) قیامت کے دن مجرم کی آرزو ہوگی کہ اے کاش! محبوب سے محبوب تر

اور قریب سے قریب تر کا فدیہ اپنے گھر والوں اور قبیلے والوں میں سے قبول ہوتا۔ ایسی آرزو محض اس دن کی شدت کی بنا پر پیدا ہوگی" اور وہ ایسی درخواست بھی کریگا۔ مگر ارشاد ہو رہا ہے :۔ کَلَّا۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا"

مال و زر بھی کام نہ آئیگا جب گاڑھے دوست سے کچھ نہیں ہوسکتا۔ اولاد کام نہیں آسکتی، شریک زندگی سے کام نہیں بنتا، بھائی برادر کام نہیں آسکتے۔ روئے زمین کے ماتحت و بالادست کچھ نہیں کرسکتے تو مال و دولت، زر و جواہر، تخت و تاج وغیرہ بے جان چیزوں کا کیا ذکر۔ اسی لئے یہاں ان چیزوں کا ذکر نہیں فرمایا گیا۔ ماں باپ کا ذکر بصراحت اس لئے نہیں فرمایا گیا کہ انسان اپنے ماں باپ کا فدیہ خود ہوتا ہے۔ اور یہ طریقہ خلاف آداب ہے کہ انسان اپنے فدیے میں اپنے ماں باپ کو پیش کرے۔ مگر جہاں اولاد کے کارآمد نہ ہونے کا بیان صراحتہً فرمادیا گیا تو اس کے ضمن میں یہ بھی معلوم ہوچکا کہ جس طرح قیامت میں اولاد، اپنے ماں باپ کے لئے کارآمد نہیں۔ اسی طرح ماں باپ بھی اولاد کے لئے مفید ثابت نہ ہوسکیں گے۔ اس تفصیل کے سن لینے کے بعد روز قیامت کا کٹھن ہونا صاف صاف معلوم ہوچکا۔ حدیث شریف میں ہے :۔ یقول اللہ لاھون اھل النار عذابا یوم القیامۃ لوان لک ما فی الارض من شیئ اکنت

تفتدی بہ فیقول نعم فیقول اردت منك اھون من ھذا وانت فی صلب آدم ان لا تشرك بی۔ اللہ سبحانہ ادنیٰ دوزخی سے قیامت کے دن دریافت فرمائیگا کہ اگر دنیا کی ساری چیزیں میسر ہوتیں تو ان کو کیا اس عذاب کے فدیے میں تو پیش کر دیتا؟ وہ کہیگا۔ ہاں ضرور پیش کرتا۔ اس پر ارشاد ہوگا کہ جب تو آدم کی صلب میں تھا تو ہم نے چاہا تھا کہ اس سے بھی حقیر اور معمولی فرمائش کو تو قبول کر لیتا۔ وہ یہ کہ ہمارے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا اور بس" مگر تو نے اس کو نہ مانا۔

یَوَدُّ الْمُجْرِمُ کی تفسیر یَوَدُّ الْمُجْرِمُ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ بیان مجرمین یعنی کفار و مشرکین سے متعلق ہے۔ رہے مومنین، مسلمین، ابرار و متقین، ان کا حکم جدا ہے۔ ارشاد باری ہے :۔ افنجعل المسلمین کالمجرمین مالکم کیف تحکمون۔ کیا پھر ہم بنادیں گے اہل اسلام کو مجرمین (مشرکین) کی طرح؟ تم کو کیا ہو گیا ہے۔ تم کیسا حکم لگا رہے ہو؟" یہ بھی ارشاد ہے :۔ الاخلآء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین۔ تمام اقسام کی سنگھتوں والے اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے بجز متقین (خدا سے ڈرنیوالوں) کے" کہ وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، نیز اس کی تائید احادیث شریفہ سے بھی ہوتی ہے۔

چنانچہ بیہقی وقت، قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

قوله تعالى لا يسئل حميم حميما مختص بالكفار، واما المؤمنون فيسألون احماءهم ويشفعون لهم وقد تواترت في ذلك الاحاديث بالمعنى

(تفسیر مظہری) ارشاد باری تعالیٰ لا یسئل حمیم حمیما کفار کیساتھ مخصوص ہے، رہے اہل ایمان، وہ اپنے دوست، اپنے احباب کی حالت دریافت کریں گے اور ان کی شفاعت کریں گے۔ اس بارے میں بکثرت احادیث شریفہ موجود ہیں جو تواتر معنوی کی حد کو پہنچتے ہیں۔"

مجرم کی دوسری تفسیر

اس کے مقابل مفسرین کرام کا ایک قول یہ ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ لَا یَسْئَلُ حَمِیْمٌ حَمِیْمًا عام ہے مگر یہ قول ضعیف ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اہل ایمان، اعمال صالحہ میں کوتاہی اور محض شفاعت اخوان پر تکیہ نہ کریں۔ پھر یہ سفارش اہل ایمان کے حق میں ہوگی۔ کفار کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ نیز شفاعت اخوان کی نوبت نہ معلوم کب آئے۔ اسلئے ہر مومن کو اپنے اعمال کا جائزہ آپ لینا چاہیے۔ یہی محفوظ اور اسلم طریقہ کار ہے۔

اِنَّهَا لَظٰى ۙ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۚ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ 70-15P 70-16
وَتَوَلّٰى ۙ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ۝ وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے کھینچ لینے والی 70-17 70-18

پکارتی ہے اس کو جس نے پیٹھ پھیر لی اور پھر کر چلا گیا' اور ذخیرہ کیا اور جتن کر کے رکھا"

لَظٰی کی تفسیر لظی آگ کے اس شعلے کو کہتے ہیں جس میں دھواں نام کو نہ ہو۔ گویا خالص آگ ہی آگ۔ اور شوی جمع ہے شواۃ کی۔ یعنی ہاتھ پاؤں' یا سر کی جلد' اس سے مراد دماغ ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ دوزخ کیا ہے' خالص آگ جس میں دھوئیں کا نام و نشان تک نہیں۔ اس آگ سے جب کسی کو سابقہ پڑتا ہے تو وہ اس کے سر کی جلد کو جلاتی اور آن کی آن میں اس کے بھیجے کی خبر لیتی ہے۔ دوزخی اس آگ میں جلتا جاتا ہے۔ پھر اصلی حالت پر عود کرتا ہے' اس کا یہی حال دوزخ میں رہتا ہے۔ جو لوگ دنیا میں قبول حق سے پیٹھ پھیرتے اور منہ موڑتے رہے ان کو وہ آگ پکارتی جائیگی کہ چلو ادھر آؤ۔ نیز جن لوگوں نے مال جمع کر رکھا تھا اور اس میں سے حق اللہ تک ادا نہ کیا۔ ان کو بھی اپنی طرف کھینچتی اور بلاتی رہیگی۔ بعض مفسرین نے اس موقع پر یوں فرمایا ہے کہ زبانیہ یعنی دوزخ کے فرشتے ایسے لوگوں کو دوزخ کی طرف آنے کی دعوت دیتے رہیں گے۔ مگر حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

یخلق اللہ تعالی فیھا القدرۃ علی الکلام کما یخلقہ فی جلودھم وایدیھم وارجلھم فتنادیھم باسمائھم واسماء آبائھم۔ (روح المعانی)

اللہ سبحانہ تعالیٰ خود آگ میں قدرت کلام پیدا کریگا جیسا کہ قیامت کے دن انسانی جلد، ہاتھ اور پاؤں لسان قال سے شہادت دیں گے اور صاف وصریح کلام کرینگے اسی طرح آگ بھی گویا ہوگی۔ اور وہ ایک ایک کو اس کا اور اس کے باپ کا نام لیکر پکارتی جائیگی" دیگر روایات میں یہاں تک صراحت آئی ہے کہ نار دوزخ کہیگی الیّ الیّ یا کافر یا منافق۔ او کافر! او منافق!! کہاں جارہا ہے۔ اِدھر آ میری طرف آ" اس پر بھی جو خلاف ورزی اور سرکشی و تمرد سے کام لیکر اِدھر اُدھر دوڑتے بھریں گے ان کے متعلق آیا ہے کہ آگ کا ایک شعلہ لمبی گردن کی طرح بلند ہوگا:۔

ثم تلتقطهم كالتقاط الطير الحب۔ پھر ان کو اس طرح چن کر اٹھالیگا جیسے مرغ دانے کو زمین پر (ریتی اور کنکر کے درمیان) سے بے تکلف اٹھالیتا ہے"

صاحبانِ اموال کا وبال یہی حال مال جمع کرنے والوں اور حق داروں کا حق ادا نہ کرکے دولت سمیٹ کر رکھنے والوں کا ہوگا کہ آگ انکو بھی پکاریگی:۔

الیّ یا جامع المال۔ او مال اکٹھا کرکے جتن کر رکھنے والے! اِدھر میری طرف آ"

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں:۔ کان جموعاً للخبیث۔ ایسا شخص مال خبیث یعنی حرام مال جمع کر رکھنے والا تھا۔ یا یہ کہ اس کی زکاۃ نہیں دیتا اور مستحقین کے حقوق ادا نہ کرتا تھا اس وجہ سے اس میں خبث آگیا تھا۔ حضرت حکم فرماتے ہیں:۔

کان عبد اللہ بن عکیم لا یربط کیسہ قال سمعت اللہ یقول جمع فاوعی

(ابن سعد) حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن عکیم کی عادت تھی کہ وہ کبھی بھی اپنی تھیلی کا منہ بند کرتے تھے

وہ فرمایا کرتے کہ میں نے اللہ سبحانہ کا یہ ارشاد سنا ہے :۔ جمع کرتا اور جتن کر کے رکھا

کرتا تھا۔" تھیلی کا منہ بند کرنا شرعاً ناجائز نہیں مگر یہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن عکیم کا خوف

کمال التقوی پر مبنی تھا کہ مبادا یہ صورت بھی اس وعید میں داخل نہ ہو جائے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝ وَإِذَا 70-19 70-20 70-21

عہ الهلع الحرص وقيل الجزع وقلة الصبر وقيل اسوء الجزع وافحشه هلع يهلع هلعا و

هلوعا فهو هلع وهلوع ... وقال الفراء الهلوع الضجر وصفته كما قال تعالی اذا

مسه الشر جزوعا واذا مسه الخير منوعا ... قال ابو العباس المبرد رجل هلوع اذا كان

لا يصبر على خير ولا شر حتى يفعل في كل واحد منهما غير الحق وارد الآية ...... و

في الحديث من شر ما اعطى المرء شح هالع وجبن خالع اي يجزع فيه العبد ويحزن

والخالع الذي كانه يخلع فؤاده لشدته (لسان العرب) هلع کے معنی لغت میں "حرص"

کے ہیں بعض کہتے ہیں کہ اس کے معنی "گھبراہٹ" کے ہیں اور بعضوں نے کہا "بہت بری طرح گھبرانا

اور کھلے طور پر" یہ باب سمع سے آتا ہے۔ اس کا مصدر هَلَعٌ اور هُلُوعٌ اور صفت کا صیغہ هَلِعٌ اور

مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۙ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۙ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ 70-22
دَائِمُونَ ۙ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ۙ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۙ 70-23 70-24
وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ۙ وَالَّذِينَ هُم مِّنْ عَذَابِ 70-25 70-26
رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ۙ 70-27 70-28

بے شک انسان بنایا ہے جی کا کچا جب پہنچے اس کو برائی تو گھبرا اٹھے بے صبرا اور جب پہنچے اس کو بھلائی تو روک رکھنے والا مگر وہ نمازی جو اپنی نماز کے پابند ہیں اور جن کے مال میں حصہ مقرر ہے مانگنے والے اور ہارے ہوئے کا اور جو یقین رکھتے ہیں انصاف کے دن پر اور جو لوگ کہ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں بے شک ان کے رب کے عذاب سے کسی کو نڈر نہ ہونا چاہیے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) هَلُوعٌ ہے۔ فراء امام ادب نے فرمایا هَلُوعٌ کے معنی "تنگدل" کے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا بیان فرمایا کہ جب اس کو شر پہنچتا ہے تو وہ گھبرا جاتا ہے اور جب اس کو خیر پہنچتا ہے تو ہاتھ روک لیتا ہے۔ امام ادب ابو العباس مبرد نے فرمایا رجل هَلُوعٌ اس وقت کہتے ہیں کہ نہ وہ خیر پہ ثابت قدم رہ سکتا ہے اور نہ شر پر صبر کر سکتا۔ دونوں حالتوں میں حق پر قائم نہیں رہتا۔ اور اصولیوں نے بھی اسی آیہ کریمہ سے استدلال کیا ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ انسان کو سب سے بری چیز جو دی گئی ہے وہ گھبرا دینے والی حرص اور دل چھڑا دینے والی بزدلی ہے جس میں انسان گھبرا جاتا غمگین ہوتا اور رنج کی شدت سے اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔

ھلوع کی تفسیر یہاں انسان کی فطرت اور جبلت بیان فرمائی جارہی ہے کہ وہ جی کا کچا ہے، جلد باز، بے صبر، غیر مستقل مزاج ہے۔ اگر اس کو اپنی فطرت پر چھوڑ دیا جائے تو تکلیف کے وقت پر وہ بے صبرا، گھبرا جانے والا، تنگ دل ثابت ہو گا۔ ظاہر ہے کہ ایسا آدمی کسی کام کا نہیں۔ اور راحت کے وقت جبکہ اس کو اس کی منہ مانگی مراد مل جائے تو وہ ناشکرا پایا جائے گا۔ کفران نعمت کرنے والا۔ ایسے موقع پر مرضی خداوندی کیا ہے اس سے بے خبر غافل۔ تو اس قسم کے آدمی سے کسی خیر کی امید نہیں ہو سکتی۔ خلاصہ یہ ہوا کہ کسی حال بھی اس کو چین نہیں۔ اور انسان کی پوری زندگی ایک امتحان گاہ ہے۔ کبھی اس کو خیر سے سابقہ رہتا ہے اور کبھی شر سے۔ اب جس کی حالت ایسی غیر مستقیم ہو کہ کسی حال اس کو چین نہیں تو وہ کاہے کا انسان ہے؟ شاہ ظفر نے کیا خوب کہا:

ظفر آدمی اُس کو نہ جانیے گا ہو وہ کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ کی تفسیر ہاں! چند انواع اس سے مستثنیٰ ہیں: اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ مگر نمازی "یہ پہلی قسم ہے۔ ان میں وہ نمازی داخل نہیں جو کبھی نماز پڑھتا اور کبھی چھوڑتا ہو، بلکہ مستثنیٰ ایسے نمازی ہیں: اَلَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ۔ جو اپنی نماز کے پابند ہیں" پابندی کے ساتھ پانچوں نمازوں کو

ادا کرتے ہوں۔ اور ادائے کامل وہ ہے کہ جماعت کیساتھ نماز ادا کرے کیونکہ نماز باجماعت ہی فرض ہوئی ہے۔ ارشاد باری ہے:۔ ارکعوا مع الراکعین یہاں رکوع سے نماز مراد ہے جو جملہ شرائط و ارکان کے ساتھ ادا کی جائے۔ ذکر البعض و ارادۃ الکل کے قاعدے کے مطابق کہ جزو کا ذکر کر کے کل کا ارادہ کیا گیا ہے۔ اور نماز ہی فواحش و منکرات سے انسان کو روکتی ہے۔ ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشآء والمنکر۔ جس کا بیان آگے آرہا ہے۔ یہ تو عبادت بدنی ہے۔

حق معلوم کی تفسیر دوسرے عبادت مالی ادا کرنے والے۔ اَلَّذِیْنَ فِیٓ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔ جن کے مال میں سائل یعنی مانگنے والے کا حق مقرر ہے اور ہارے ہوئے کا بھی۔ اس سے زکاۃ دینے والے مراد ہیں۔ اللہ سبحانہ نے اپنے فضل و کرم سے ان کو صاحب مال بنایا ہے اتنا کہ ان کے جملہ ضروریات کی تکمیل کے بعد بھی ان کے ہاں نقدی یا چاندی سونا اتنا ہے کہ وہ شرع شریف کے مقرر کردہ نصاب کو پہنچتا بلکہ اس سے زائد ہے پھر کامل ایک سال گزرنے کے باوجود وہ جمع رہا تو اس کا چالیسواں حصہ بطور زکاۃ راہ خدا میں مستحقین کو دے ڈالتے ہیں۔ یہ دوسری جماعت ہے جو حکم بالا سے مستحق ہے۔

محروم کی تفسیر مستحقین زکاۃ (نادار) دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جو نادار ی کے

مانگتے پھرتے ہیں۔ اور اپنی ناداری کا اظہار کرتے ہیں یہ ہیں سائلین۔ دوسرے وہ جو نادار ہونے کے باوجود کسی سے کچھ نہیں مانگتے۔ اور نہ مانگنے کی وجہ سے لوگ ان کو کچھ نہیں دیتے۔ ایسے اصحاب عموماً مالداروں کی دادودہش سے محروم رہتے ہیں۔ اللہ سبحانہ نے اسی گروہ کو محروم کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔ مگر وہ اللہ سبحانہ کے ہاں محروم نہیں بلکہ اللہ سبحانہ نے ایسوں کو دینے کی ترغیب دی ہے' ان کو دینا اللہ سبحانہ کی کمال خوشنودی کا سبب ہے۔

فطرت نہیں بدلتی نماز کی پابندی کرنے والوں اور زکاۃ دینے والوں' نیز دیگر اوصاف کے حاملین کو جن کا بیان آگے آرہا ہے۔ حکم صدر سے مستثنیٰ قرار دینے کے یہ معنی نہیں کہ جلد بازی' تنگدلی وغیرہ صفات مذمومہ سے یہ جماعتیں بالکل پاک ہو جاتی ہیں؛ ایسا نہیں' اس لئے کہ یہ فطری صفات ہیں اور فطرت بدل نہیں سکتی۔ عارفین فرماتے ہیں:۔ الشح فی الانسان امر جبلی لا یمکن زوالہ ولکن یتعطل بعنایۃ اللہ تعالی استعمالہ لاغیر فلذلک قال ومن یوق شح نفسہ فاثبت الشح فی النفس الا ان العبد یوقاہ بفضل اللہ و برحمتہ وقال ان الانسان خلق ھلوعا واصل ذلک کلہ ان الانسان استفاد وجودہ من اللہ فھو مفطور علی الاستفادۃ

علی افادة فلا نعطیه حقیقته ان یتصدق او یعطی احدا شیئا

ولذلک ورد الصدقة برهان یعنی دلیل الانسان وقی بها

شح النفس۔ کسی کو نہ دینے کی صفت انسان کی فطری بات ہے جس کا دور ہونا

ممکن ہی نہیں البتہ اللہ سبحانہ کی عنایت سے اس صفت کا استعمال معطل ہو جاتا ہے

(تو وہ اس وقت کسی کو کچھ دیدیتا ہے) اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اسی وجہ سے تو

اللہ سبحانہ نے فرمایا کہ جو کوئی نفس کی نادہندگی سے بچا لیا گیا وہ کامیاب ہوا"

بہر حال نادہندگی انسان کے لئے وصف لازم قرار دی گئی ہے، بندے کا

اس سے بچنا اللہ سبحانہ کے فضل و رحمت پر موقوف ہے۔ اسی طرح اللہ سبحانہ نے

فرمایا:۔ ان الانسان خلق هلوعا اذا مسه الشر جزوعا

واذا مسه الخیر منوعا۔ انسان جلد باز اور ناصبور بنایا گیا ہے اسکو

برائی پہنچتی ہے تو وہ گھبرا اٹھتا ہے اور اگر بھلائی پہنچتی ہے تو دوسروں کے ساتھ

خیر کرنے سے باز رہتا ہے" (نہ اس کو تکلیف میں صبر نہ راحت میں چین) الحاصل جبکہ

انسان اپنا وجود اللہ سبحانہ سے حاصل کیا ہے۔ تو اس کے ہر کام کی نوعیت

استفادہ اور استحصال پر مبنی ہوگی۔ وہ ہر چیز حاصل کرتا جائے گا۔ استفادہ چھوڑ کر

افادہ یعنی کسی کو کچھ دینا اور فائدہ پہنچانا اس سے نہیں ہو سکتا بجز اس کے کہ

عنایات الٰہیہ اس کے شامل حال ہو۔ اسی لئے حدیث شریف میں آیا: الصدقۃ برھان۔ صدقہ دینا دلیل ہے" اس امر کی کہ اللہ سبحانہ نے اس کو نادہندگی کے استعمال سے بچا لیا"۔

یوم جزا کی تصدیق | وَالَّذِیۡنَ یُصَدِّقُوۡنَ بِیَوۡمِ الدِّیۡنِ۔ اور اس ناصبوری اور نادہندگی سے مستثنیٰ ہیں وہ لوگ جو یوم جزا کی تصدیق کرتے ہیں" یعنی اس امر کا یقین رکھتے ہیں کہ ہم دنیا میں جو کچھ کریں گے، خیر ہو یا شر، ایک دن اس کی جزا ملنے والی ہے۔ اس عقیدے پر جو انسان قائم رہیگا اس کو ہر کام کے کرنے کے وقت سزا و جزا کا خیال دامنگیر رہیگا۔ اور یہ خیال جیسا جیسا پختہ ہوتا جائے گا اسی کے بموجب وہ شر سے محفوظ اور خیر کا عادی ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ جس کے اعمال اس میزان کے مطابق ہوں گے اور فطری ناصبوری اور نادہندگی اس سے دور رہیگی۔ محض تصدیق تو ہر مسلمان کو حاصل ہے۔ صاحب فضیلت وہ ہے جسکی تصدیق اس کو آمادہ عمل کرے۔ یہاں ایسی ہی تصدیق مراد ہے۔ واللہ الموفق۔

خوف خدا ہمیشہ قائم رہے | اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمۡ غَيۡرُ مَاۡمُوۡنٍ۔ بے شک ان کے رب کا عذاب ایسا ہے کہ کوئی اس سے ایمن یعنی بے خوف نہیں رہ سکتا"۔ مومن کی زندگی خوف و رجا کے درمیان بسر ہوتی ہے۔

وہ جو بھی کرتا ہے دیکھتا ہے کہ میرا یہ کام نیک ہے یا بد؟ اللہ سبحانہ کی مرضی کے مطابق ہے یا اس کے خلاف۔ اگر اس کی مرضی کے مطابق ہے تو وہ اس کو کرتا ہے اور اگر خلاف مرضی ہے تو وہ اس کو نہیں کرتا۔ وہ روزانہ اللہ سبحانہ کی جناب میں اقرار کرتا ہے:۔ نرجو رحمتك ونخشی عذابك۔ ہم سب آپ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور آپ کے عذاب سے ڈرتے ہیں"۔ جن کا یہ حال ہوگا وہ کیوں کر ناصبوری اور نادہندگی سے محفوظ نہ ہوں گے؟ سلف صالحین کے واقعات پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ ان کی زندگی اتباع شرع شریف میں ڈوبی ہوئی ہونے کے باوجود خوف و خشیت الٰہی ان پر اس درجہ غالب تھی کہ وہ بے ساختہ کہہ اٹھتے:۔ "یا لیتنی کنت شجرۃ تعضد۔ کاش میں کوئی درخت ہوتا جس کو کاٹ دیا جاتا" کوئی کہتے:۔ لیت امی لم تلدنی۔ کاش کہ میری ماں مجھے نہ جنتی"

وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ 70-29
أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ 70-30
ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝ اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت 70-31
کرتے ہیں مگر اپنی بی بیوں اور اپنی لونڈیوں سے کہ نہیں ان پر کچھ ملامت پھر
جو کوئی ڈھونڈے اس کے سوائے تو وہی ہیں حد سے بڑھنے والے"

شرم گاہ کی حفاظت (نیز مستثنیٰ ہیں) وہ لوگ جو اپنی شرم گاہوں اور شہوت کی جگہ کی حفاظت کرتے ہیں۔ ہاں اگر اپنی بی بی ہو یا اپنی کنیز اور ان سے اپنی شہوت پوری کی تو ایسے لوگوں پر کوئی ملامت نہیں اس لئے کہ اللہ سبحانہ نے انکی اجازت دیدی ہے۔ البتہ جو لوگ ان دو صورتوں کے سوا اور کسی طریق سے قضائے شہوت کریں تو ایسے لوگ اللہ سبحانہ کے بتائے ہوئے حدود سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ زنا کی تو سخت سزا مقرر ہے۔ اور باقی تمام صورتیں نسل انسانی کو ضائع کرنے کی ہیں۔ لہذا اس کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ اللہ سبحانہ کو تو منظور ہے کہ نسل انسانی بڑھے خلق خدا سے اللہ سبحانہ کی زمین آباد ہو اور یہ صورتیں اس کی منافی ہیں اللہ سبحانہ محفوظ رکھے آمین۔

چند ضروری مسائل ان آیات کریمہ سے یہ مسئلہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ متعہ شرعاً جائز نہیں۔ اس لئے کہ جو فرقے جواز متعہ کے قائل ہیں وہ بھی اپنی ممتوعہ کو زوجہ کی تعریف میں داخل نہیں سمجھتے اور نہ متعہ کرنے سے باہم حق وراثت پیدا ہونیکے قائل ہیں۔ کذا فی التفسیر المظہری۔ اس کے علاوہ اور بھی چند مسائل مستنبط ہوتے ہیں امام بغویؒ فرماتے ہیں:۔ وفیہ دلیل علی ان الاستمناء بالید حرام وھو قول العلماء۔ اس آیۃ کریمہ میں اس امر کی دلیل بھی موجود ہے کہ

استمناء بالید (جلق بازی) شرعاً حرام ہے اور یہی قول جمہور علماء کا ہے " حضرت ابن جُریجؒ فرماتے ہیں:۔ سألت عطاء عنه فقال مکروه سمعت ان قوما یحشرون وایدیهم حبالیٰ فاظن انهم هؤلاء ۔ میں نے حضرت عطاء تابعی سے استمناء بالید کے باب میں مسئلہ دریافت کیا تو فرمایا۔ یہ ناپسندیدہ مکروہ فعل ہے میں نے سنا ہے کہ ایک گروہ قیامت میں اٹھایا جائیگا اس حال میں کہ ان کے ہاتھ حاملہ ہوں گے۔ اور میرا گمان ہے کہ وہ یہی لوگ ہیں " حضرت سعیدؒ بن جبیر تابعی فرماتے ہیں:۔ عذب الله امة کانوا یعبثون بمذاکیرهم۔ اللہ سبحانہ نے ایک امت کو اسی بنا پر عذاب میں مبتلا کیا کہ وہ اپنے اعضائے تناسل سے عبث بازی کرتے تھے "

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ 70-32
بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ 70-33
70-34
اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ۝ اور جو لوگ کہ اپنی امانتوں اور اپنے قول کو 70-35
نباہتے ہیں اور جو اپنی گواہیوں پر سیدھے ہیں اور جو اپنی نماز سے خبردار ہیں وہی لوگ ہیں باغوں میں عزت سے "

امانت اور عہد کی نگہداشت | وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ

(نیز مستثنیٰ ہیں) وہ جو امانت دار اور اپنے قول وقرار میں پکے ہیں" امانت وہ جوہر ہے
جس کا تحمل آسمانوں، زمین اور بڑے بڑے پہاڑوں سے نہ ہو سکا۔ ایک ضعیف البنیان
اور ظلوم وجہول انسان ہی تھا جو اتنی رفیع الشان بلند و بالا مخلوقات کے مقابلہ میں
اس کے تحمل کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ اور اس علو ہمت ہی کی بنا پر امانت الٰہی اسکے
تفویض ہوئی۔ آیۂ کریمہ انا عرضنا الامانۃ اس کی شاہد عدل ہے۔ اسی طرح
عہد پر قائم رہنا کوئی معمولی بات نہیں۔ ایسی صفات عالیہ جس کی ذات میں ودیعت
ہوں، وہ کچے دل والا 'جلدباز' نہیں ہو سکتا۔

اکابر اولیاء کا ارشاد قال بعض الکبار کل من اتصف بالامانۃ وکتم
الاسرار سمع کلام الموتی وعذابھم ونعیمھم کما سمعت البھائم عذاب القبور
لعدم النطق ویسمع کلام اعضائہ فی دار الدنیا۔ اکابر اولیاء اللہ کا ارشاد
ہے کہ جس میں صفت امانت ہو اور راز دار بنا رہے وہ مرے ہوئے لوگوں کی باتیں،
ان کا عذاب وثواب سب کچھ سن سکتا ہے، جیسا کہ چوپائے عذاب قبر کو سنتے ہیں محض
اس بنا پر کہ وہ سب کچھ دیکھتے ہیں مگر بولتے نہیں۔ نیز وہ اپنے اعضا کی گفتگو اسی دنیا میں
سن سکے گا"

سیدھی سیدھی گواہی وَالَّذِیْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ۔ نیز جو لوگ

اپنی گواہیوں پر (راستی کے ساتھ) قائم ہیں"۔ یعنی جس امر کے وہ گواہ ہیں پوری پوری گواہی دیتے ہیں، نہ اس میں کسی قسم کی کمی کرتے اور نہ زیادتی، نیز کسی امر میں تغیر یا تبدیل سے کام نہیں لیتے۔ جس چیز کو جس حال میں دیکھا اور جو چیز جس طرح ان کے علم و اطلاع میں ہے اس پر راستی اور مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں۔ ادائے شہادت ' یا جرح کے موقع پر ان کے قدم ڈگمگا نہیں جاتے۔ جس قدر بھی اُلٹ پھیر کر ان کو راستی سے ہٹانے کی کوشش کی جائے اسی قدر مضبوطی اور پختگی سے سیدھی سیدھی شہادت دینگے ایسے اصحاب بھی کچے دل والے، جلد باز نہیں ہو سکتے۔

یحافظون کی تفسیر | وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ۔

نیز وہ لوگ جو اپنی نماز سے خبردار ہیں"۔ اس مضمون کے آغاز پر ارشاد ہوا تھا۔ الا المصلین الذین ھم علی صلاتھم دائمون۔ کچے دل والے ناصبور اور نادہندوں سے مستثنیٰ ہیں' وہ نمازی جو اپنی نمازوں کے پابند ہیں۔ اور ہمیشہ اس کو وقت پر ادا کرتے رہتے ہیں"۔ اور یہاں یہ بتانا منظور ہے کہ اس پابندی کے علاوہ ان کی نمازوں کا یہ حال ہے کہ اس کے شروط' ارکان' واجبات اور سنن' مستحبات' کو نگاہ رکھتے' اور مکروہات و مفسدات وغیرہ سے بچتے رہتے ہیں۔ خشوع و خضوع' حضور قلب' اور یہ تصور کہ وہ رب العلمین کے حضور میں کھڑے ہیں

اس کو دیکھ رہے ہیں۔ یا یہ کہ وہ ان کو دیکھ رہا ہے۔ یہ صفت جن کی نماز کی ہو ان کی نمازوں کا کیا پوچھنا۔ جبکہ نماز معراج المومنین، اور مناجات از رب العلمین ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے: جعلت قرۃ عینی فی الصلاۃ۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے تو نماز ہے بھی اس قابل کہ اس کی اس طرح حفاظت کی جائے۔

نماز کی اہمیت بہرحال ناصبوری، نادہندگی، جلدبازی، اور دل کی خامی سے مستثنےٰ رہنے والوں کا بیان نمازیوں ہی سے شروع ہوا تھا۔ اختتام بھی انھیں پر ہو رہا ہے۔ اس سے نماز کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے یہی وجہ تھی کہ حضرت رسالت پناہ صلوات اللہ وسلامہ علیہ جب اس دار فانی سے پردہ فرما رہے تھے تو آخری کلمات جو زبان فیض ترجمان پر تھے وہ یہی تھے: الصلاۃ وماملکت ایمانکم۔ نماز کا خیال رکھو اور باندی غلاموں پر شفقت کرو" الغرض یہاں آٹھ صفات بیان ہوئے ہیں اور اول وآخر میں نماز پر زور دیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ کر لیا جائے کہ اللہ سبحانہ کے نزدیک نماز کا کیا درجہ ہے۔ اور حضرت شارع علیہ السلام کو اس سے کیا تعلق خاطر ہے؟

امتہ مرحومہ کی صفت انبیائے سابقین کے پاس حضرت قتادہ رض فرماتے ہیں:

ذکر لنا ان دانیال نعت امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقال یصلوت صلاۃً لوصلاھا قوم نوح ما اغرقوا وعاد ما ارسلت علیھم الریح العقیم اوثمود ما اخذتھم الصیحۃ قال قتادۃ فعلیکم بالصلاۃ فانھا خُلق من خُلق المؤمنین حسن (عبد بن حمید ابن المنذر) ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت دانیال پیغمبرؑ نے حضور اکرم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کا وصف یہ بیان فرمایا کہ وہ لوگ نماز پڑھتے رہیں گے۔ اگر یہ نماز قوم نوحؑ پڑھتی ہوتی تو وہ اس طرح غرق نہ کی جاتی، اور اگر قوم عاد اس کی پابند ہوتی تو ان پر آندھی مسلط نہ ہوتی، اور اگر قوم ثمود نمازی ہوتی تو زلزلے کے عذاب میں وہ گرفتار نہ ہوتی۔ اس کے بعد حضرت قتادہؓ نے مسلمانوں سے فرمایا۔ لہٰذا تم نماز کے پابند بنے رہو کیونکہ نماز کی عادت ایمان والوں کی بہت ہی اچھی عادت ہے۔"

مذکورہ صفات والوں کا مقام | اُولٰٓئِكَ فِي جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ۔

ان صفات کے حاملین باغوں میں ہوں گے عزت سے۔" یعنی نماز پڑھنے والے[1] پابندی کے ساتھ، اور زکاۃ دینے والے[2] مستحقین کو، اور روز جزا پر یقین[3] رکھنے والے ایسا یقین جو ان کو آمادہ عمل کرتا ہو، اور اپنے رب کے[4] عذاب سے ڈرتے رہنے والے، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے[5] یعنی اللہ سبحانہ کے

حدود جو اس باب میں مقرر ہیں ان سے تجاوز نہ کرنے والے اور اپنے امانات اور عہد کو نگاہ رکھنے والے اور سیدھی سیدھی شہادت دینے والے اور بحالت نماز اسکے آداب کی حفاظت کرنے والے یہ جملہ آٹھوں گروہ جنتوں میں عزت کیساتھ ہونگے ایسے اصحاب "ھلوع" کچے دل کے جلد باز نادہند نہیں ہو سکتے۔ بلکہ وہ اولوالعزم اور عالی ہمت لوگ ہیں۔ بالفاظِ دیگر یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ صفات اختیار کئے جائیں تو فطری خامی اگر دفع نہ بھی ہو تو جلد بازی اور ناصبوری کے جذبات ماند پڑ جائیں گے اور اس کا ضرر پہنچنے نہ پائے گا۔ وھوالمطلوب۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ۙ عَنِ الْيَمِيْنِ 70-36

وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ۝ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ 70-37 70-38

جَنَّةَ نَعِيْمٍ ۙ كَلَّا ۭ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ پھر کیا ہوا ہے 70-39

منکروں کو کہ آپ کی طرف دوڑے ہوئے آتے ہیں' داہنے سے اور بائیں سے

غول کے غول' کیا لالچ رکھتا ہے ہر ایک شخص ان میں کا کہ وہ داخل کیا جائے گا

نعمت کے باغ میں' ہرگز نہیں' ہم نے ان کو بنایا ہے اس سے جس کو وہ بھی جانتے ہیں''

عزین کی تفسیر حضرت جابر بن سمرہ کہتے ہیں:۔ دخل علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسجد ونحن حلق متفرقون فقال مالی اراکم عزین۔ (عبد بن حمید' مسلم' ابو داؤد' نسائی' ابن مردویہ) ہم مسجد نبوی میں اپنے اپنے حلقے جدا جدا بنا کر بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا:۔ تم کو کیا ہو گیا کہ جدا جدا حلقے بنا کر الگ الگ بیٹھے ہوئے یعنی یہ جاہلیت کا طریقہ ہے' اہل ایمان کی عادت یہ ہونی چاہئے کہ ان کی ایک مجلس ہو اور سب مل کر اس میں شریک رہیں۔

قرآن کے ساتھ کفار کا طرز عمل حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کریم کی آیات سنایا کرتے تو بیشتر سے جو کفار مجلس مبارک میں موجود رہتے وہ قرآن کریم اور خود

حضرت رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا مذاق اڑاتے۔ پھر داہنے بائیں طرف سے بھاگ جاتے۔ اور جو اس وقت پہلے سے نہ ہوتے تو آپ کی تقریر شروع ہوتے ہی داہنے بائیں سے دوڑے دوڑے آتے۔ پھر اس کا استہزا کرتے۔ نیز یہ کہ جنت کا بیان سن کر کہتے کہ اس کے مستحق تو ہم ہی ہیں۔ اللہ نے جب ہم کو یہاں آپ کے مقابلہ میں خوشحال رکھا ہے تو آخرت میں (اگر وہ حق ہے) تو ہم کو وہاں بھی آپ سے اچھی حالت میں رکھے گا۔ اس کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ ان کی جہالت اور احمقی قابل دید ہے کہ حصول جنت کا جو صحیح طریقہ ہے اس سے تو یہ بھاگتے رہتے ہیں۔ پھر اس وحشت اور نفرت کے باوجود یہ آرزو بھی ہے کہ نعمت والے باغوں میں داخل کئے جائیں۔ یہ خیال کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ اللہ سبحانہ تو حکیم و عادل ہے۔ حکمت و عدالت کا اقتضاء یہ نہیں ہو سکتا کہ مومن اور کافر، مطیع اور عاصی، حق ماننے والا اور باغی، دونوں برابر ہو جائیں۔ ہم نے انسان کو جس چیز سے بنایا ہے یعنی سڑی ہوئی مٹی یا قطرۂ آب سے جس سے گھن آتی ہے۔ حقیقت انسانی تو اسی قدر ہے۔

حصول قرب کا طریقہ اب انسان کا فریضہ ہے کہ اگر وہ قرب الٰہی کا آرزومند ہے تو اپنے آپ کو اس کے قابل بنائے۔ اسی پاک مقصد کی خاطر خدائے رؤف و رحیم نے اپنی فیاضی سے پیغمبروں کو مبعوث فرمایا اور ان پر کتابیں نازل کیں، اور وہ طریقے بتلائے

جس سے اپنا قرب حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس بتائے ہوئے طریقے کو چھوڑ کر کوئی یہ چاہے کہ اس کی گندگی دفع ہو یا قرب الٰہی یوں ہی حاصل ہو تو یہ خیال خام ہے : ؎

ہر آنکہ تخم بدی کشت وچشم نیکی داشت
دماغ بیہودہ پخت وخیال باطل بست

حضور انور کی ایک تمثیل حضرت بشیرؓ فرماتے ہیں :۔ قرأ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ھذہ الآیۃ ..... ثم بزق علی کفہ ووضع علیھا اصبعہ وقال یقول اللّٰہ ابن آدم انّی تعجزنی وقد خلقتک من مثل ھذا حتی اذا سوّیتک وعدلتک مشیت بین بردین وللارض منک وئید فجمعت ومنعت حتی اذا بلغت التراقی قلت اتصدق وانّی اوان الصدقۃ (بیہقی) حضرت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیۂ کریمہ تلاوت فرمائی (جوادپرند کور ہوئی) پھر اپنی ہتھیلی انور پر لعاب مبارک لگایا اور انگشت پاک اس پر رکھ کر (اشارہ کرکے) فرمایا :۔ اللّٰہ سبحانہ کا ارشاد ہو رہا ہے کہ اے ابن آدم! تو مجھے کہاں عاجز کرسکتا ہے؟ درحالیکہ میں نے تجھے اس جیسی چیز سے بنایا پھر تیرے جملہ اعضاء وجوارح درست کئے پھر بھلا چنگا انسان بنا کر کھڑا کیا۔ اب تو دو چادریں زیب تن کرکے چلنے پھرنے لگا (لنگی زیر و لعلگی بالا) زمین میں اپنے خزانے دفن کرنے لگا۔ دولت جمع کرتا جاتا ہے پر کسی کو دیتا نہیں۔ تاآنکہ گدگدی میں

جان رہ گئی (اور عالم آخرت تجھ پر کھل گیا) تو کہنے لگا کہ یہ تمام دولت خیرات
کر دیتا ہوں، اب خیرات کا کونسا موقع رہ گیا ہے؟"

خیر میں تاخیر نہیں مطلب یہ ہے کہ خیرات کرنا ہو، یا عمل صالح کرنا ہو، ایمان
لانا ہو، یا آخرت کا خیال کرنا ہو اس کا وقت آج ہی ہے بلکہ اب اور ابھی۔ اس کے
بعد کیا ہونے والا ہے اس کی خبر نہیں۔ اگر اس موقع کو جو حاصل ہے غفلت میں گزار
دیگا اور وقت اخیر آن پہنچا تو حسرت و ندامت ہی رہیگی۔ لہذا آخرت کیلئے
جو کچھ کرنا ہے اس کو کر گزرو تا کوئی پچھتاوا نہ رہے۔ یہ تو خیرات کا ارادہ رکھنے
والوں کا حال ہوا۔ رہا وہ جو آخرت ہی کا منکر ہے اس کا کیا حشر ہوگا سمجھ لیجئے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ۙ عَلٰٓی 70-40
اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝ پس میں قسم کھاتا ہوں 70-41
مشرقوں[1] اور مغربوں کے مالک کی تحقیق ہم قادر ہیں کہ بدل کر لے آئیں ان سے
بہتر اور ہمارے قابو سے نکل نہ جائیں گے"

۱ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ للشمس کل یوم مطلع تطلع فیه و مغرب
تغرب فیه غیر مطلعها بالامس و غیر مغربها بالامس (سعید بن منصور، عبد بن حمید)

ماضی و حال کی تبدیلی سے استقبال کی تبدیلی پر استدلال

یعنی جب یہ معلوم ہو چکا کہ انسان مٹی اور پانی سے بنایا گیا ہے جس کو مختلف اشکال میں تبدیل کیا جاتا رہا تو رب المشارق والمغارب کی قسم ہے (جو ہر روز آفتاب کو ایک نئے مشرق سے نکالتا اور نئے نقطۂ مغرب میں اس کو غروب کرتا رہتا ہے) ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ (اگر مکہ والے آپ کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں ہیں تو آپ کی رفاقت کے لئے) ان کو بدل کر ان سے اچھے لوگوں کو لائیں اور ایسا کرنے میں ہم پیچھے نہیں رہ جائینگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب آپ مکہ سے ہجرت کرکے اپنے رفقائے مہاجرین کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لائے تو انصار نے آپ کا ساتھ دیا۔ اور ہر موقع پر داحے درمے قدمے سخنے آپ کی اعانت اور نصرت صدق دل سے کرنے کے علاوہ ہر معرکہ اور میدان کارزار میں اپنی اور اپنی آل و اولاد کے جان کی بازی لگا دی نیز مدۃ العمر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ابن المنذر ابن جریر ابن ابی حاتم) آفتاب کا روزانہ ایک نیا مقام طلوع ہے جس میں وہ طلوع کرتا ہے اور ایک نیا مغرب ہے جس میں وہ غروب ہوتا ہے۔ آج کا مطلع کل نہ تھا اور آج کا مغرب بھی کل نہ تھا۔"

یا ہر ستارے کا نقطۂ طلوع و غروب مراد ہے جو ایک دوسرے سے جدا ہے۔ اس لئے مشارق و مغارب بصیغہ جمع ارشاد ہوا۔

آپ پر اور آپ کے لائے ہوئے دین اسلام پر پروانہ وار نثار ہوتے رہے۔ رضی اللہ
تعالیٰ عنہم وارضاہم عنا۔ آمین۔ اسی طرح ہم ان کو دوبارہ بھی پیدا کر سکتے ہیں۔

فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتّٰى يُلٰقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي 70-42
يُوعَدُونَ ۝ يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى 70-41
نُصُبٍ يُّوفِضُونَ ۝ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ذٰلِكَ 70-43
الْيَوْمُ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ۝ع بس چھوڑ دیجئے ان کو کہ باتیں بناتے اور 70-44

کھیلتے رہیں یہاں تک کہ پالیں اس دن کو جس کا ان سے وعدہ ہے جس دن نکل
پڑیں گے قبروں سے دوڑتے ہوئے تیزی سے جیسے کسی نشانی پر دوڑے جاتے ہیں۔
جھکی ہونگی ان کی آنکھیں، چڑھی آتی ہوگی ان پر ذلت، یہ ہے وہ دن جس کا ان سے
وعدہ کیا جاتا رہا ہے۔"

نکموں سے اعراض انسان کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور دین اسلام عملی دین ہے
مگر کفار مکہ کام سے جی چرا کر نکمے بنے رہنا چاہتے تھے۔ نکما انسان کام تو نہیں کرتا بلکہ
باتیں بناتے رہتا ہے۔ اس لئے ارشاد ہو رہا ہے کہ ان نکموں کو اپنے حال پر چھوڑ
دیجئے کہ وہ کام چھوڑ کر صرف باتیں بناتے رہیں۔ اور دنیا کے لہو و لعب میں مبتلا رہکر
اپنی عمر عزیز یوں ہی گنوالیں۔ قیامت کا دن، جس کی یاد دہانی بار بار کیجاتی رہی ہے

اپنے وقت مقرر پر آ رہیگا۔ یہ وہی دن ہوگا جب تمام لوگ اپنی قبروں سے نکل کر بیت المقدس میں جمع ہوں گے جہاں حضرت اسرافیل علیہ السلام مقام صخرہ پر کھڑے ہوئے صور پھونکیں گے۔ اور سب لوگ اس آواز کی سمت تیزی سے دوڑتے چلیں گے جیسے کوئی فوج اپنے علم کے نیچے اکٹھی ہو جاتی ہے۔ یا جیسے بت پرست صبح اٹھتے ہی اپنے بتوں کے پاس پہنچنے کے لئے تیزی دکھاتے اور ایک دوسرے پر سبقت لیجانا چاہتے ہیں۔ یا کوئی شکاری جال بچھا کر دور کھڑا ہوا اس کو دیکھتا رہتا ہے۔ اس نے دیکھا کہ شکار اس میں پھنس گیا ہے تو وہ تیزی سے اس کی طرف دوڑتا ہے تاکہ شکار کہیں بھاگ نہ جائے۔ ٹھیک اسی طرح سب لوگ قیامت کے دن قبروں سے نکل کر صور کی آواز کی طرف دوڑے جائیں گے۔ مگر کافر جو قیامت کے منکر تھے اب اس کو برحق دیکھ کر ذلت کے ساتھ، شرمندگی سے سر جھکا کر افتاں و خیزاں وہاں پہنچیں گے۔

یوم الکافرین و یوم المومنین ارشاد ہو رہا ہے کہ یہی تو ان سب کا دن ہے جس کا وعدہ ان سے دیا جا رہا۔ یہ یوم الکافرین ہے۔ کافر جو اس دن کے منکر تھے جب اپنی قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو وہ صور کی آواز پر دوڑیں گے مگر ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی اور مارے شرم و حسرت کے انکی گردنیں جھکی ہونگی۔ یہاں سی کا بیان ہے مگر فقیر عرض کرتا ہے کہ یہ یوم المومنین بھی ہے کیونکہ مومن جو اس دن کو مانتا تھا وہ بھی دوڑیگا اس لئے کہ

اللہ سبحانہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ اہل ایمان سے جو جو
وعدے کئے تھے آج ان کے ایفاء کا وقت آچکا ہے۔ مومن کو ندامت اور شرمندگی تو
نہ ہوگی لیکن اس امر کی حسرت رہیگی کہ اس نے ایمان کے ساتھ جو عمل صالح کیا تھا
اس کی جزا یہ نعیم مقیم ہے۔ اگر اس سے زیادہ عمل کرتا ہوتا تو اس سے زیادہ اجرو
ثواب کا مستحق قرار پاتا۔ مگر اس وقت عمل کا کوئی موقع نہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

الحمد اللہ والمنہ کہ سورہ معارج کی تفسیر ختم ہوئی۔ وصلی اللہ علی سیدنا
ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

۱۹ ذیقعدہ ۱۳۷۷ھ۔ دوشنبہ

71 Nooh Makky Aayaath 28

سورۂ نوحؑ

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔ اس میں (۲۸) آیتیں ہیں

سورۂ نوح مکیہ ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ نزلت سورۃ نوح بمکۃ۔ (ابن الضریس، نحاس، ابن مردویہ، بیہقی) سورۂ نوحؑ مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔" نیز حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے مروی ہے آپ نے فرمایا:۔ نزلت سورۃ انا ارسلنا نوحا بمکۃ۔ (ابن مردویہ) انا ارسلنا نوحا سے جس سورت کی ابتدا ہوئی ہے وہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی" اس پر سب کا اتفاق ہے۔

ماقبل سے ربط سورۂ معارج میں ارشاد ہوا تھا:۔ انا لقادرون علی ان نبدّل خیرا منھم۔ ہم اس پر قادر ہیں کہ ان کو یہاں سے ہٹا کر انکی جگہ ان سے بہتر لوگوں کو لائیں" اس لئے یہ سورت، سورۂ معارج کے بعد لائی گئی جس میں صاف طور پر مذکور ہے کہ نافرمانی کی بنا پر پوری قوم غرق کردی گئی۔ اور دنیا از سر نو بسائی گئی۔ اسی وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام کو آدمؑ علیہ السلام ثانی کہا جاتا ہے کہ

بستی دنیا جو اس وقت روئے زمین پر موجود ہے وہ جس طرح اولاد آدمؑ ہے اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد بھی ہے۔

دوسری مناسبت دوسری وجہ مناسبت یہ ہے کہ سورۂ معارج جس کی ابتدا سَأَلَ سَآئِلٌ سے ہوئی ہے اس میں بعض مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ یہاں سائل سے حضرت نوحؑ مراد ہیں۔ اس لئے سورۂ معارج کے بعد سورت نوحؑ رکھی گئی تاکہ دلیل اور دعوے میں مطابقت ظاہر ہو جائے۔ نیز سورۂ معارج کا آغاز جس طرح کافروں کے عذاب اور عتاب سے ہوا ہے اسی طرح اس سورت شریفہ کی ابتدا بھی کافروں کی وعید سے ہوئی ہے۔

قوم نوحؑ پہلے بلائی جائیگی حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ ان اللہ یدعو نوحا وقومہ یوم القیامۃ اول الناس فیقول ماذا اجبتم نوحا فیقولون ما دعانا وما بلغنا وما نصحنا ولا امرنا ولا نھانا۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ قیامت کے دن حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کو سب سے پہلے بلا کر دریافت فرمائیگا کہ نوح تمہارے رسول بنکر آئے تھے تم نے ان کو کیا جواب دیا تھا؟ وہ کہیں گے کہ انھوں نے ہم کو کبھی نہیں بلایا۔ اور نہ ہم کو آپ کا کوئی پیام پہنچایا، اور نہ کوئی نصیحت کی، نہ تو کوئی حکم سنایا اور نہ کسی چیز سے

منع کیا۔“

حضرت نوحؑ کی شہادت حضور اکرمؐ دیں گے

فیقول نوح دعوتھم یارب دعاء فاشیا فی الاولین والآخرین امۃ بعد امۃ حتی انتھی الی خاتم النبیین احمد فانتسخہ وقرأہ وآمن بہ وصدقہ فیقول للملائکۃ ادعوا احمد وامتہ۔ حضرت نوحؑ عرض کریں گے کہ پروردگار من! میں ان کو دعوت دیتا رہا جس کی پیشین گوئیاں اگلی امتوں میں ہو چکی تھیں نیز جنکی اطلاعات پچھلی امتوں کو بھی یکے بعد دیگرے ہوتی رہیں تا آنکہ خاتم النبیین احمد مجتبیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بھی پہنچی انھوں نے اس کو لکھ رکھا۔ اور اس کو پڑھ سنایا اس کا یقین کیا اور اس کی تصدیق کی۔ یہ سن کر اللہ سبحانہ فرشتوں سے فرمائے گا کہ احمد اور آپ کی امت کو بلا لائیں“ چنانچہ اللہ سبحانہ کا یہ پیام حضرت ختمی مآب روحی فداہ کو پہنچایا جائے گا۔

حضرت نوحؑ کا خطاب حضور اکرمؐ اور امتِ مرحومہ سے

فیأتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وامتہ یسعی نورھم بین ایدیھم فیقول نوح لمحمد وامتہ ھل تعلمون انی بلغت قومی الرسالۃ واجتھدت لھم بالنصیحۃ وجھدت ان استنقذھم من النار سرا وجھرا فلم یزدھم دعائی الا فرارا۔

چنانچہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائیں گے اور آپ کی امتہ مرحومہ بھی آپ کے ساتھ ہوگی جن کے آگے آگے نور دوڑتا ہوگا۔ اب حضرت نوح علیہ السلام حضور اکرم سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امتہ مرحومہ سے مخاطب ہوں گے کہ آپ سب جانتے ہیں کہ میں نے اپنی قوم کو اللہ سبحانہ کا پیام پہنچایا اور ان کی خیر خواہی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اور پوری کوشش کی کہ ان کو دوزخ سے نکال لاؤں۔ یہ سب کچھ در پردہ بھی کیا اور علی الاعلان بھی۔ مگر یہ سب سن کر انھوں نے راہ فرار اختیار کی؟ اور میری ایک نہ مانی؟

حضور اکرم اور امتہ مرحومہ کا جواب فیقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وامتہ فانا نشھد بما نشدتنا الیک فی جمیع ما قلت من الصادقین۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امتہ مرحومہ کہیگی۔ آپ نے ہم سے جس امر کا مطالبہ فرمایا اس کی نسبت ہم گواہی دیتے ہیں کہ اس تمام تقریر میں آپ صادقین سے ہیں۔"

قوم نوح کا معارضہ فیقول قوم نوح وانی علمت ھذا انت وامتك ونحن اول الامم وانتم آخر الامم۔ اس پر قوم نوح معترض ہوگی کہ آپ کو اور آپ کی امت کو یہ سب کہاں سے معلوم ہوگیا؟ درحالیکہ ہم اس امتہ کے اگلے لوگوں میں

شامل ہیں اور آپ سب ہمارے بعد آئے ہیں ۔"

حضور اکرم اور امتہ مرحومہ کی شہادت فیقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ الرحمن الرحیم انا ارسلنا نوحا الی قومہ حتی ختم السورۃ فاذا ختمھا قالت امتہ نشھد ان ھذا لھو القصص الحق وما من الہ الا اللہ وان اللہ لھو العزیز الحکیم ۔ اس نوبت پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورۂ نوحؑ پورا پڑھ کر سنا دیں گے جب آپ اس کی تلاوت ختم فرمائیں گے تو آپ کی امتہ مرحومہ گواہی دیگی کہ یہ واقعہ (جس میں حضرت نوح علیہ السلام کو رسول بنا کر آپ کی قوم کی طرف بھیجنے اور آپ کی تبلیغ اور قوم کے انکار وغیرہ کی تفصیل ہے) یقیناً حق ہے اور اللہ سبحانہ کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں بیشک اللہ ہی عزت والا حکمت والا ہے ۔"

باری تعالی کا فیصلہ فیقول اللہ عند ذلک وامتازوا الیوم ایھا المجرمون ۔ (حاکم) اس نوبت پر اللہ سبحانہ تعالی کا ارشاد ہو گا :۔ اے مجرم قوم! تم سب یہاں سے الگ ہو کر دور جا ٹھہرو ۔"

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع ہے اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے ۔"

حضرت نوح علیہ السلام

حضرت نوح علیہ السلام کے نام سے متعلق مفسرین کرام کے اقوال ہیں بعض فرماتے ہیں کہ یہ عجمی زبان کا لفظ ہے۔ کسی نے سریانی لکھا ہے جس کے معنی " ساکن " یعنی سکون والا ہیں، یہ اس لئے کہ آپ کی بدولت ساری زمین کو کفار کی شرارتوں سے سکون نصیب ہوا۔ کوئی کہتے ہیں کہ آپ کا اصلی نام عبد الغفار تھا۔ کثرت نوحہ وزاری کی وجہ سے نوح کے لقب سے مشہور ہوئے۔ مستدرک حاکم میں ایسی ایک روایت بھی ہے مگر قول اول ہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے:۔ نُوح بن لَمْك بن مَتُّوشَلَخ بن خَنُوخ (مشہورا خنوخ، آپ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں) بن مَھلائیل بن قینان بن أنوش بن شیث (علیہ السلام) بن آدم (علیہ الصلاۃ والسلام)۔ اس طرح سات واسطوں سے آپ حضرت آدمؑ کے فرزند ارجمند ہیں جن میں تین انبیاورسل شامل ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس وقت تک ہبوط آدمؑ سے دس صدیاں گزر چکی تھیں۔ مستدرک حاکم میں بروایت مرفوعہ مروی ہے کہ چالیس سال کی عمر میں آپ کی بعثت ہوئی۔ نوسو پچاس سال آپ تبلیغ فرماتے رہے۔ طوفان کے بعد ساٹھ سال تک حیات رہے۔ عمر شریف تقریباً گیارہ سو سال تھی۔

ایک روایت کی رو سے ایک ہزار چار سو اسی سال عمر شریف تھی۔ واللہ اعلم۔ کوفے کی سرزمین آپ کا مسکن تھی وہیں آپ نبوت و رسالت سے سرفراز ہوئے۔ گو حضرت آدمؑ اپنے فرزندوں اور حضرت حواؑ کے حق میں نبی و رسول تھے' لیکن آپ پہلے رسول ہیں جنکو شرائع و سنن دئے گئے۔ کہتے ہیں کہ آپ کی شریعت کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہوا۔ اس کی تائید اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ آپ کی شریعت میں صرف ایمان لانے کی دعوت تھی اور بس۔ اس اعتبار سے ظاہر ہے کہ یہ حکم تمام شریعتوں میں برقرار رہا اور آج بھی باقی ہے اور تا قیامت رہیگا۔ اس لحاظ سے آپ کو شیخ المرسلین کہا جاتا ہے۔ نیز آپ کا لقب آدم ثانی ہے۔ دنیا میں اس وقت جس قدر انسانی آبادی ہے وہ سب آپ کی اولاد ہے۔ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ 71-1
يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف کہ ڈرائیے اپنی قوم کو اس سے پہلے کہ پہنچے ان پر عذاب دردناک ۔

ڈر سنانے کی اہمیت قانون قدرت جیسا کہ سب جانتے ہیں یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کو ماننے والے انعام و اکرام کے مستحق ہیں اور نہ ماننے والے قابل باز پرس و سزا۔ یہ قانون کبھی بدل نہیں سکتا۔ لیکن خدائے رحمٰن و رحیم کی رحمت کا اقتضاء ہے کہ

تمام بندوں کو اپنے خاص نمایندوں کے ذریعہ آگاہی بخشے تاکہ وہ قبل از قبل
قانون الٰہی سے باخبر اور آگاہ ہو کر اپنی نجات و کامیابی کی راہ اختیار کریں۔
بازپرس اور سزایاب ہونے کی راہ اختیار نہ کریں۔ کامیابی کی مسرت کے مقابلے میں
سزا کا اندیشہ چونکہ دل پر زیادہ اثرانداز ہوتا ہے اس لئے اسی پہلو کو مقدم رکھا
گیا۔ ورنہ جتنے رسول اور پیغمبر دنیا میں تشریف لائے وہ سب کے سب بشیر بھی تھے
اور نذیر بھی۔ چنانچہ منشائے الٰہی کے مطابق آپ نے قوم کو اس طرح مخاطب فرمایا۔

قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۙ﴿﴾ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ 71-2
وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى 71-3
اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿﴾ 71-4

کہا اے میری قوم! میں تم کو ڈر سناتا ہوں کھلے طور پر کہ بندگی کرو اللہ کی اور
اس سے ڈرتے رہو اور میرا کہا مانو تاکہ بخشے وہ تمہارے کچھ گناہ اور ڈھیل دے
تم کو ایک مقرر وعدے تک، وہ جو وعدہ کیا ہے اللہ نے جب آپہنچیگا اسکو ڈھیل
نہ ہوگی، اگر تم کو سمجھ ہے۔"

حضرت نوح کا خطاب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے نہایت
محبت آمیز خطاب فرمایا کہ تم میری قوم ہو اور مجھے تم کو ڈر سنانے کے لئے بھیجا گیا ہے

لہذا تم کو صاف صاف بتا دیتا ہوں کہ اللہ سبحانہ کو وحدہٗ لاشریک لہ جان کر اسکی عبادت میں لگے رہو اور اس کے ڈر کو دل میں جگہ دیکر میرا کہا مانتے رہو۔ اسی توحید اور تقویٰ و اطاعت کے ثمرات آخرت میں مغفرت، اور دنیا میں عمر طبعی تک بھیجے کی صورت میں حاصل ہوں گے۔ زندگی کا موقع جو اس وقت حاصل ہے اسکو غنیمت جان کر اپنا فرض انجام دیئے جاؤ تو اس کا صلہ دنیا میں ایک مقررہ مدت تک اور آخرت میں ابدالآباد کے لئے ملتا رہیگا۔ یہ سمجھنے کی بات ہے، اگر تم کو سمجھ ہے تو اس سے یہ کام لے سکتے ہو۔

حضرت عمروؓ بن العاص کی بیعت

حضرت عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ دست مبارک دراز فرمائیے تاکہ میں بیعت سے مشرف ہوں۔ آپ نے داہنا ہاتھ بڑھایا، میں نے آپ کے دونوں مبارک ہاتھ تھام لئے۔ ارشاد فرمایا:— مالک یا عمرو۔ عمرو! تم کو کیا ہو گیا؟ میں نے عرض کیا:— اردت ان اشترط۔ میں نے چاہا کہ آپ سے ایک شرط کرلوں۔ فرمایا:— تشترط ماذا۔ کیا شرط لینا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا۔ ان یغفرلی۔ یہ کہ اللہ سبحانہ میری مغفرت فرمائے۔" اس پر ارشاد مبارک ہوا:— اما علمت یا عمرو ان الاسلام یھدم ما کان قبلہ

وان الھجرۃ تھدم ما کان قبلھا وان الحج یھدم ما کان قبلہ ۔ (مسلم شریف)
عمرو! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام اس سے پیشتر کے تمام گناہوں کی عمارت کو ڈھا دیتا ہے ۔ اور ہجرت اس سے پہلے کی تمام خطاؤں کی بنیادیں ڈھا دیتی ہے اور حج اس کے پہلے کئے ہوئے تمام برے کاموں کی عمارت کو ڈھا دیتا ہے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام، ہجرت اور حج یہ تین کام ایسے ہیں کہ ان میں کا ہر ایک سابقہ معاصی کی بنیاد کو ڈھا دیتا ہے ۔

اللہ کا حق بندوں پر اور بندوں کا اللہ پر

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا ۔ آپ کے اور میرے درمیان سواری کے دنبالہ کے سوا اور کوئی چیز حائل نہ تھی ۔ ارشاد مبارک ہوا:۔ یا معاذ ھل تدری ما حق اللہ علی عبادہ وما حق العباد علی اللہ ۔ معاذ! کچھ جانتے ہو کہ اللہ سبحانہ کا حق اپنے بندوں پر کیا ہے اور بندوں کا حق اللہ سبحانہ پر کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ سبحانہ اور اس کے پیارے رسول ہی اس کو بہتر جانتے ہیں ۔ فرمایا: ۔ حق اللہ علی العباد ان یعبدوہ ولا یشرکوا بہ شیئا وحق العباد علی اللہ ان لا یعذب من لا یشرک بہ شیئا اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کرتے رہیں

اور اس کے ساتھ کسی کو اس کا شریک نہ گردانیں اور بندوں کا حق اللہ سبحانہ پر یہ ہے کہ جو کوئی اس کے ساتھ کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے اس کو عذاب نہ دے۔" یہ سنتے ہی میں نے عرض کیا۔ کیا میں لوگوں کو یہ بشارت نہ سنادوں؟ ارشاد ہوا۔ لاتبشرھم فیتکلوا (بخاری، مسلم) نہیں نہیں۔ یہ خوش خبری ان کو نہ سناؤ۔ وہ اسی پر تکیہ کرلیں گے" (پھر کوئی نیک کام نہ کریں گے) حضرت انسؓ فرماتے ہیں:۔ فاخبر بھا معاذ عند موتہ تأثما۔ معاذ نے اس واقعے کو عمر بھر کسی سے بیان نہ کیا۔ جب ان کا وقت آخر آن پہنچا تو محض اس اندیشے سے کہ رسولؐ اللہ کی حدیث شریف کو بیان نہ کرنے کا گناہ رہ جائیگا اس کو بیان کردیا۔" کیونکہ قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں کتمان علم کی مذمت اور ممانعت وارد ہوئی ہے۔ علم کو چھپانا گناہ ہے۔

من ذنوبکم کی تفسیر یہاں یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ ارشاد ہوا ہے۔ وہ تمہارے کچھ گناہ بخش دیگا" یہ اس بنا پر ہے کہ گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہے۔ دوسرے وہ جو حقوق الناس سے متعلق ہیں۔ اسلام لانے، ہجرت کرنے اور حج کی ادائی سے حقوق اللہ کی معافی ہوتی ہے۔ رہے حقوق الناس وہ لوگوں سے معافی چاہنے پر موقوف ہیں۔ لہٰذا کچھ گناہ سے مراد یہ ہے کہ انسان اور

اللہ کے درمیان جو ناکردنی کام صادر ہوئے ان کی مغفرت کی جائے گی۔

ذنوب کی تفسیر ابن جریجؒ فرماتے ہیں: من ذنوبکم قال الشرک۔ (سعید ابن منصور، ابن المنذر) من ذنوبکم سے مراد شرک ہے۔" جو توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوسکتا۔ کسی مشرک کا مسلمان ہوجانا بھی شرک سے توبہ ہے۔ لہٰذا ایک مشرک جو عمر بھر شرک جیسا گناہ عظیم کرتا رہا اگر وہ اسلام لائے تو عمر بھر کے مشرکانہ اعمال بخش دئے جائیں گے۔ جب شرک جیسا گناہ عظیم بخش دیا جاتا ہے تو دوسرے گناہوں کی کیا حقیقت ہے۔ بشرطیکہ وہ حقوق الناس سے متعلق نہ ہوں۔

کلمۂ من کی تفسیر بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں کلمہ من بیانیہ ہے۔ یعنی من زائد ہے جس کے کوئی معنی نہیں لئے جائیں گے۔ گویا یوں ارشاد ہو رہا ہے کہ ان کے گناہ بخش دئے جائیں گے۔" یعنی تمام گناہ۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ بعض گناہوں کے بخش دئے جانے کی بشارت سنانے کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے بعض نہیں بخشے جائینگے۔ ہوسکتا ہے کہ دوسرے بعض بھی بخش دئے جائیں۔ گو اس کا وعدہ نہیں دیا گیا۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ بہر حال یہ خطاب قوم نوحؑ کے لئے ہے کہ توبہ کرنے سے بعض گناہ بخش دئے جانے کا وعدہ کیا گیا اور دوسرے بعض کی نسبت کوئی وعدہ نہیں کیا گیا۔ مگر امتہ مرحومہ کے حق میں ارشاد ہوا:۔ یغفر لکم ذنوبکم (سورۃ الصف)

جس میں من تبعیضیہ وارد نہیں ہوا۔ گویا امتہ مرحومہ کو وعدہ دیا گیا ہے کہ ان کے تمام گناہ بخش دئے جائیں گے" سورۂ توبہ میں ارشاد ہوا۔ یغفرلھم ما قد سلف ان کے اگلے تمام گناہ بخش دئے جائیں گے" اس سے زیادہ صراحت اس آیہ کریمہ میں فرمائی گئی۔ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا۔ یقیناً اللہ سبحانہ تمام گناہ بخش دیگا" اس سے امتہ مرحومہ کی فضیلت امم سابقہ پر معلوم ہوتی ہے۔

وَ يُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۔ اور تم کو ڈھیل دیگا ایک مقرر وعدے تک" یعنی تم کو عافیت دیگا اس مدت کی انتہا تک جو تمہارے لئے مقرر کی گئی ہے جس صورت میں کہ تم ایمان لاؤ اور طاعت میں لگے رہو۔ اس عرصہ مدت میں تم سے کوئی مواخذہ یا بازپرس نہ ہوگی۔

قضاء مبرم و معلق اصل یہ ہے کہ قضائے الٰہی یعنی اللہ سبحانہ کا فیصلہ جو اپنے بندوں کے حق میں روز ازل ہوا ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قضائے مُبرم یعنے اٹل فیصلہ جو کسی حال نافذ ہو کر رہیگا کبھی رُک نہیں سکتا۔ ایسا فیصلہ ناقابل تبدیل ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:۔ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ ہمارے نزدیک بات بدل نہیں سکتی" جو کہہ دیا گیا وہ ہو کر رہیگا۔ دوسری قضائے معلق۔ قضائے معلق سے مراد یہ ہے کہ لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے کہ مثلاً فلاں قوم یا شخص اگر اطاعت گزار رہے تو

اس کو اتنی مدت تک عافیت کی زندگی نصیب ہو گی۔ اور اگر نافرمانی کرے تو اس کو یہ یہ سزا دیجائیگی۔ ایسا فیصلہ عائد کردہ شرط پر موقوف ہے۔ اگر شرط کی تکمیل کیجائے تو اس کی مقررہ جزا دیجائیگی۔ اور جو اس کی خلاف ورزی ہو تو اس کی سزا ملیگی۔ گویا یہ فیصلہ شرط کے ساتھ ہے۔ تکمیل شرط کی صورت میں ایک حکم اور تبدیل کی صورت میں دوسرا حکم۔ قضائے معلق بدلتی رہتی ہے۔ ارشاد باری یمحوا اللہ مایشآء ویثبت میں اسی جانب ایما فرمایا گیا ہے کہ اللہ سبحانہ جو چاہے مٹا دے اور جس کو چاہے برقرار رکھے یا مٹائے ہوئے فیصلہ کی جگہ جو چاہے لکھ دے۔ یہ اختیار ذاتی ہے جو ہمیشہ کے لئے محفوظ ہے۔

حضرت نوحؑ کی فہمائش اس قاعدے کی بموجب حضرت نوح علیہ السلام کے ذریعے آپ کی قوم کو جتا دیا گیا کہ اگر وہ آپ کی نصیحت مان لیں یعنی اللہ سبحانہ کو خدائے واحد جانیں، اور اس سے ڈرتے رہیں اور حضرت نوحؑ کے مطیع و فرماں بردار ہو جائیں تو اس دنیا میں جتنی مدت اس قوم بلکہ اس کی ایک ایک فرد کے لئے مقرر ہے اس کی آخری ساعت ختم ہونے تک عافیت سے گزریگی اور ہر طرح کا امن و چین نصیب ہو گا۔ اور اگر اس کی خلاف ورزی کی گئی تو ساری قوم کو طوفان میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیا جائے گا۔ یہ دو راہیں سامنے رکھی ہوئی ہیں، ان میں سے جس کو چاہیں اختیار کریں۔ مگر متر از قصور کو

اتنی واضح اور مفید بات' اس بدنصیب قوم میں سے کسی کی سمجھ میں نہ آئی درحالیکہ
فہمایش کے مختلف طریقے اور پیرائے اختیار کئے گئے جس کا بیان آرہا ہے۔ فہمائش کا
کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔ تقریباً ایک ہزار سال تک فہمائش کی جاتی رہی۔
ایک نسل سے مایوسی ہوئی تو دوسری نسل کا انتظار کیا گیا۔ پشت ہا پشت گزرنے پر بھی
حالات میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی بلکہ نافرمانی اور انکار کا جذبہ ترقی کر کرکے استہزاء و
تمسخر کی صورت اختیار کرتا گیا' پھر دستی و لسانی تکالیف برداشت کرنا پڑا اس پر بھی
کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ حضرت نوح علیہ السلام یہ سب کچھ اپنی قوم کے ہاتھوں برداشت
فرماتے مگر جناب باری میں کوئی حرف شکایت زبان پر نہ لاتے۔ تا آنکہ اللہ سبحانہ نے
خود یہ آگاہی فرمائی: لن یؤمن من قومک الا من قد آمن (سورہ ہود)
آپ کی قوم میں جو ایمان لایا وہ لایا۔ اب آئندہ کوئی شخص ہرگز ایمان نہ لائیگا"
جب یہ حقیقت منجانب اللہ آپ کو دکھلا دیگئی تو آئندہ کے لئے کوئی حالت منتظرہ
باقی نہ رہی۔ اب آپ بھی عرض حال کے لئے تیار ہو گئے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًا فَلَمْ یَزِدْهُمْ 71-5
دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا ○ وَ اِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ 71-6
فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَ اسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَ اَصَرُّوْا وَ اسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ○ 71-7

عرض کیا اے پروردگار میرے! میں بلاتا رہا اپنی قوم کو رات اور دن، پھر میرے بلانے سے اور زیادہ بھاگنے لگے، اور میں نے جب کبھی اُن کو بلایا تاکہ آپ ان کو بخشیں، ڈالنے لگے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں اور لپیٹنے لگے اپنے اوپر کپڑے اور ضد کی اور غرور کیا بڑا غرور"

دعوت قومی کی تفسیر دعوت قومی لیلاً و نھاراً یعنی میں نے اپنی قوم کو دعوت ایمان و اطاعت "راتوں میں بھی دی اور دن کو بھی" گویا ہمیشہ دعوت الی اللہ دیتا اور آپ کے احکام کی تبلیغ کرتا رہا۔ دعوت و تبلیغ میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اور کوئی وقت ضائع نہ کیا۔ رات کو رات نہ سمجھا اور نہ دن کو دن۔ ہر وقت اور ہر آن، موقع و محل تلاش کرکے اپنا فرض انجام دیتا رہا۔ کڑکڑاتے جاڑے چلچلاتی دھوپ اور لگاتار موسلا دھار بارش یا رات کی تاریکی اور میٹھی نیند، کسی چیز کو عذر نہ قرار دیا۔ ان کے مجمع اور جھگھٹوں میں چلا جاتا اور انفراداً ایک ایک کے گھر پر جا کر سمجھاتا مگر الٰہی! اس کا نتیجہ جو آپ پر مخفی نہیں، اس کے سوا کچھ نہ نکلا کہ میں جیسا جیسا ان کو آپ کی طرف بلاتا گیا وہ مجھ سے بھاگتے ہی رہے، میری کوشش ہمیشہ یہی رہی کہ وہ دعوت ایمان قبول کریں تو آپ کی بخشش و مغفرت کے مستحق ٹھہریں اور ان کی کوشش یہ رہی کہ میری بات نہ سنیں بلکہ میری صورت تک نہ دیکھنے پائیں کہ چار آنکھ ہو جانے سے کچھ نہ کچھ

مروت کا خیال آجاتا ہے۔ اس کے دفعیہ کی انھوں نے یہ تدبیر کی کہ میری تقریر جب تک جاری رہتی کانوں میں انگلیاں رکھ لیتے تاکہ کوئی بات سنائی نہ دے۔ اس کے ساتھ اپنے اوپر کپڑے اور چادریں اوڑھ لیتے تاکہ میری صورت ہی نظر نہ آئے۔ حق کے قبول کرنے سے ان کو اتنی ضد ہے کہ اپنی بات پر اڑے ہوئے ہیں۔ سب کچھ سننے پر بھی اپنی کہے جاتے اور اپنا کام کیے جاتے ہیں۔ ذرا بھی ٹس سے مس نہیں ہوتے۔

حضرت نوح کا تعارف قوم کے بچوں سے

حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں :۔ بلغنی انه کان یذهب الرجل بابنه الی نوح فیقول لابنه احذر هذا لا یغرنك فان ابی قد ذهب بی وانا مثلك فحذرنی کما حذرتك۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن المنذر) مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ اس قوم کا ایک شخص اپنے بچے کو حضرت نوح علیہ السلام کے پاس لاکر کہتا کہ ان سے بچے رہنا یہ کہیں تجھے اپنے دام میں نہ پھانس لیں۔ میرے ابا بھی مجھے اپنے ساتھ ان کے ہاں لے گئے تھے جب کہ میں تجھ جیسا کم عمر تھا۔ اور جیسا اب میں تجھے ان سے بچتے رہنے کی تاکید کر رہا ہوں ایسی ہی تاکید ابا نے مجھے بھی کی تھی"۔ اس کے مقابلہ میں حضرت نوحؑ کا خُلق ملاحظہ ہو۔

حضرت نوحؑ کیا تھا ایذا رسانی

عبید بن عمر لیثی کہتے ہیں :۔ بلغه انهم

کانوا یبطشون بنوح علیہ السلام فیخنقونہ حتی تغشی علیہ فاذا افاق قال رب اغفر لقومی فانھم لایعلمون حتی اذا عادوا فی المعصیۃ واشتد علیہ منھم البلاء انتظر النجل فلا یاتی قرن الا کان اخبث من الذین قبلھم حتی کان الآخرون منھم لیقولن قد کان ھذا مع آبائنا واجدادنا ھکذا مجنونا لایقبلون منہ شیئا۔ (محمد بن اسحاق) ان کو یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو آپ کی قوم کے لوگ پکڑ کر گلا گھونٹ دیتے جس سے آپ پر غشی طاری ہو جاتی۔ افاقہ ہوتا تو فرماتے پروردگار! میری قوم کو بخش دیجئے کیونکہ یہ لوگ نادان ہیں۔" جب قوم کی زیادتی کا سلسلہ جاری رہتا اور شدت اختیار کر لیتا تو ان لوگوں سے مایوس ہو کر ان کی آئندہ نسل کا انتظار فرماتے۔ مگر ان کے بعد جو پود آتی وہ ان سے زیادہ خبیث اور اخبث ہوتی۔ چنانچہ بعد والی نسل اپنی اولاد سے کہتی کہ یہ دیوانے ہیں، ہمارے باپ دادا بھی ان کی بات نہیں سنتے تھے لہٰذا تم بھی ان کی ایک نہ مانا۔

قوم نوح کا غرور وَاَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا۔ "اور اپنی ضد پر اڑے رہے اور بڑا غرور جتایا۔" قوم نوحؑ کی انانیت اور تکبر کا یہ حال تھا کہ برملا کہہ دیا: ــــ

وما نرٰلك اتبعك الا الذین ھم اراذلنا بادی الرای وما نری لکم علینا من فضل بل نظنکم کاذبین۔ (ہود) اور ہم تو یہی دیکھ رہے ہیں کہ صرف

چند کمینے آپ کے ساتھ ہو گئے ہیں سطحی رائے رکھنے والے۔ اور آپ لوگوں کو ہم پر کسی نوع کی کوئی فضیلت اور برتری حاصل نہیں بلکہ ہم آپ سب لوگوں کو جھوٹے خیال کرتے ہیں۔"

مطلب یہ کہ ایک انسان کو دوسرے پر فضیلت جو حاصل ہوتی ہے یا تو مال و دولت کی بنا پر یا حکومت کے باعث یا قوت و اکثریت کے لحاظ سے۔ ان چیزوں میں سے ایک بھی آپ کو یا آپ کے متبعین کی جماعت کو حاصل نہیں پھر ہم آپ کی بات کس بنا پر مانیں؟

غرور کی سزا امام بغوی لکھتے ہیں کہ اس گستاخانہ جواب کی پاداش میں اللہ سبحانہ نے چالیس سال اور ایک روایت کی رو سے ستر سال تک ان پر بارش کو روک دیا۔ اور ان کی عورتیں بانجھ کر دی گئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مویشی ہلاک ہو گئے، مال و دولت ختم ہو گئی۔ اولاد نہ ہونے سے نسل انسانی گھٹنے لگی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے قوم کی احمقی کا جب یہ حال مشاہدہ فرمایا کہ ان کے دماغ میں برتری اور فضیلت کے صرف ظاہری اسباب ہی ہیں، ایمان و احسان، علم و فضل، زہد و تقویٰ، کسب و کمال، لیاقت اور ہنر اور سب سے بڑھ کر اللہ سبحانہ کی رضا و خوشنودی سے یہ یکسر عاری ہیں تو ان جیسے معلومات رکھنے والوں سے جس نوع کی گفتگو کرنی چاہیے وہی طریقہ اختیار فرمایا جیسا کہ آیات ذیل میں اس کی حکایت فرمائی گئی ہے:—

ثُمَّ إِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝ ثُمَّ إِنِّيْٓ أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ

71-8
71-9

لَهُمْ اِسْرَارًا ۝ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ 71-10
السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ 71-11
جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝ پھر میں نے ان کو بلایا بر ملا پھر میں نے انکو اعلان 71-12
دیا اور چھپ کر کہا چپکے سے، چنانچہ میں نے کہا گناہ بخشواؤ اپنے رب سے، بے شک
وہ ہے بخشنے والا، چھوڑ دیگا آسمان کی تم پر دھاریں، اور بڑھا دیگا تم کو مال
اور بیٹوں سے اور بنا دیگا تمھارے واسطے باغ اور بنا دیگا تمھارے واسطے
نہریں"۔ یعنی دعوت و تبلیغ کی جتنی صورتیں ہوتی ہیں سب ہی اختیار کی گئیں۔
کبھی تو آواز دے کر بلایا گیا اور کبھی اعلان دے کر، وقت و مقام کا تعین کرکے
دعوت دی گئی۔ اور کبھی خاموشی کے ساتھ چپکے چپکے سے سمجھایا۔ پھر اس جاہل قوم کی
نظر ظاہری وجاہت پر ہے۔ اس لئے ان سے بڑے پیار سے کہا کہ یہ امساک باراں
اور یہ سلسلہ توالد و تناسل کی بندش، محض تمہاری تکذیب و تکبر اور انانیت کا
نتیجہ ہے۔ اس طریقے کو چھوڑو اور اطاعت و اتباع کی راہ اختیار کرو جس کا پہلا زینہ
توبہ و استغفار ہے۔ گزشتہ معاصی کی بخشش چاہو۔

حضرت نوح اور آپ کی قوم کا مکالمہ اس قوم کا کہنا تھا:۔ ان کنا
علی الحق فکیف نترکہ وان کنا علی الباطل فکیف یقبلنا ویلطف بنا

جل وعلا بعد ما عکفنا علیہ دھراً طویلا۔ اگر ہم حق پر ہیں تو آپ ہی فرمائیے کہ ہم اس کو کیونکر چھوڑ بیٹھیں۔ اور اگر باطل پر ہیں تو حق جل وعلا کے لطف وکرم کی کیا صورت ؟ درحالیکہ برس ہا برس کے طویل عرصہ سے ہم باطل پر جمے ہوئے ہیں۔" حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ باطل پرستی میں اگرچہ تم زمانہ مدید سے پڑے ہوئے ہو لیکن استغفار کی برکت سے تم بالکل ناآشنا ہو۔ مغفرت کی درخواست کرو تو سہی اللہ سبحانہ ازلاً وابداً غفار ہے۔ بڑی ہی بخشش والا۔ ایک وقت کی درخواست پر عمر بھر کی خطائیں بخش دیتا اور سارے گناہوں سے معافی دے دیتا ہے۔ پھر جہاں گناہ معاف ہو چکے تو تمام بندشیں کھل جائینگی۔ آسمان سے پانی برسنے لگیگا ایسا کہ جھڑیاں لگ گئی ہیں۔ باغات اور کھیت سرسبز ہو جائیں گے غلے، میوے، پھول، پھل کی بہتات ہو گی۔ حیوانات پر گوشت چڑھ جائے گا۔ دودھ، دہی، مکھن اور گھی کی فراوانی ہو گی اور تم سب کھا پی کر خوش حالی کی زندگی بسر کرتے رہو گے، تمہاری نہریں جو خشک ہو گئی ہیں سب جاری ہو جائینگی بلکہ نئی نئی نہریں پھوٹ نکلینگی۔ پھر تمہاری نسل ترقی کر جائے گی۔ اس طرح مال واولاد جس کی کثرت پر تم اتراتے رہو۔ یہ دولت بھی تم کو میسر ہو جائیگی۔

استسقاء کا حکم	امساک باراں کی صورت میں استسقاء کا طریقہ جو شریعت اسلامیہ میں

جاری ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت جاری رہیگا وہ اس آیہ کریمہ سے ثابت ہے:۔

استغفروا ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا اپنے پروردگار سے بخشش مانگو یقیناً وہ بخشنے والا ہے۔ چھوڑدیگا تم پر آسمان کی دھاریں"۔ یعنی خوب پانی برسائیگا۔ ظاہر ہے کہ عامۃ الناس جب گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور حقوق اللہ کی ادائی سے پہلو تہی کرنے لگتے ہیں تو قحط اور امساک باراں جیسی عام بلائیں نازل ہوتی ہیں۔ اس کا علاج توبہ و استغفار ہی ہو سکتا ہے۔ عارف رومی فرماتے ہیں:۔

از زنا افتد وبا اندر جہات ابر ناید از پئے منع زکات

استسقاء کی تاریخ استسقاء کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ انبیائے سابقین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کے عہد میں بھی رائج رہا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی اس تصریح کے علاوہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام وغیرہم سے بھی استسقاء کا ثبوت ملتا ہے۔

حسن بصری کا ایک واقعہ حضرت ربیع بن صبیحؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت خواجہ حسن بصری قدس سرہ کے پاس آیا اور امساک باراں اور قحط کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا:۔ استغفرالله تعالیٰ۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بخشش کی درخواست کرو اور گناہوں کی معافی چاہو"۔ اس کے بعد ایک اور شخص حاضر ہوا

اس نے تنگدستی کی شکایت کی۔ آپ نے اس کو بھی یہی تلقین فرمائی۔ پھر تیسرا آیا
اس نے درخواست کی کہ مجھے لڑکا نہیں ہے آپ دعا فرمائیے۔ اس کو بھی آپنے یہی
تعلیم دی۔ پھر چوتھا شخص آیا۔ اس نے اپنا باغ سوکھ جانے کی شکایت کی۔ اسکو بھی
آپ نے یہی ہدایت فرمائی۔ ہم لوگوں نے عرض کیا۔ یہ کیا بات ہے کہ آپ کے پاس
چار اشخاص مختلف درخواستیں لاتے ہیں اور آپ ہر ایک کو ایک ہی جواب دیتے
جا رہے ہیں کہ استغفر اللہ تعالیٰ۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے فرمایا کہ یہ جوابات
میں نے اپنی طرف سے نہیں دیے بلکہ اس آیہ کریمہ سے سبق حاصل کیا:۔ استغفروا
ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا و یمددکم باموال
وبنین ویجعل لکم جنات ویجعل لکم انھارا۔ اپنے پروردگار سے مغفرت
مانگو یقیناً وہ بخشنے والا ہے۔ چھوڑ دیگا تم پر آسمان کی دھاریں اور مدد فرمائیگا
اموال سے اور بیٹوں سے اور بنا دیگا تمہارے لئے باغات اور بنا دیگا تمہارے لئے
نہریں "

امام اعظم کا استنباط حضرت امام اعظمؒ نے اسی آیہ کریمہ سے یہ مسئلہ استنباط فرمایا
کہ استسقاء کی روح صرف استغفار ہے۔ نماز اس کے لئے شرط نہیں بلکہ استسقاء کی
تکمیل کے لئے پڑھی جاتی ہے۔ اگر صرف استغفار پر ہی اکتفا کی جائے تو بھی کافی ہے۔

چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ایک وقت ایسا ہی ہوا کہ آپ نے استسقاء کے موقع پر نماز نہیں پڑھی۔ صرف استغفار کیا۔ کسی نے سبب دریافت کیا تو فرمایا: ۔ طلبت الغیث بمجاری السماء الذی یستنزل بھا القطر۔ میں نے آسمان کے دہانوں ہی سے راست بارش آنے کی دعا کی جہاں سے برسات آیا کرتی ہے۔" نیز صحیح بخاری کی حدیث شریف ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دفعہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے۔ اسی حالت میں ایک شخص حوالی مدینہ سے آیا اور امساک باراں کی شکایت کی۔ آپ نے منبر شریف ہی پر دعا فرمائی۔ پھر کیا تھا کہ بارش شروع ہوئی۔ اور آئندہ جمعہ تک اس کا سلسلہ جاری رہا۔ دوسرے جمعہ میں پھر وہ شخص حاضر ہوا اور کثرت باراں کی شکایت کرنے لگا۔ پھر آپ نے دوران خطبہ ہی میں بارش رکنے کی دعا فرمائی چنانچہ آسمان کھل گیا۔

بہرحال حضرت نوح علیہ السلام کی قوم دنیاداری کی دلدادہ تھی تو آپ نے ان ہی کے پسندیدہ طرز زندگی کی راہ سے وصول الی اللہ کی تدبیر فرمائی۔ مگر اس بدنصیب قوم پر اس کا بھی کچھ اثر نہ ہوا اس پر آپ نے فرمایا: ۔

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۚ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝ کیا ہوا ہے تم کو 71-13 71-14

"کیوں نہیں امید رکھتے اللہ کی بڑائی سے اور اسی نے بنایا تم کو طرح طرح سے۔"

آیہ لَا یَرْجُوْنَ کی تفسیر

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ لا تعلمون للّٰہ عظمۃ۔ (سعید بن منصور، بیہقی، عبد بن حمید) لا تعرفون للّٰہ حق عظمتہ (ابن ابی شیبہ، ابن جریر، ابن ابی حاتم) لا تخافون للّٰہ عظمۃ۔ (ابن ابی حاتم، ابو الشیخ) لا تخشون لہ عقابا ولا ترجون لہ ثوابا۔ (ابن ابی حاتم) یعنی تم کو کیا ہو گیا ہے کہ اللہ سبحانہ کی کچھ بھی عظمت نہیں جانتے، اور نہ اس کی عظمت کا حق پہچانتے، تم کو اسکی عظمت سے خوف نہیں، نہ اس کے عذاب سے ڈرتے ہو اور نہ اس کے ثواب کی امید رکھتے ہو" ظاہر ہے کہ دل میں کسی کی عظمت ہوتی ہے تو دل اس کی تعظیم کے لئے جھکتا ہے کہ اس معظم ہستی کی مرضی معلوم کرکے اس کے مطابق کام کرنا چاہیئے جس سے وہ خوش ہو جائے۔ اسکی خوشنودی گوناگوں رحمتوں اور برکات کا باعث ہوگی۔ نیز اس کی مرضی کے خلاف سے ڈرتا ہے کہ مبادا وہ ناراض ہو جائے تو اس کی ناراضی طرح طرح کی زحمتوں اور آفات کا پیش خیمہ ہوگی پھر عظمت کے مختلف اسباب اور درجات ہو جاتے ہیں۔ جس کی جیسی عظمت ذہن نشین ہو ایسی تعظیم اور اسی کے مطابق امید و بیم کا اعتقاد پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ارشاد ہوا۔

خلقکم اطوارا کی تفسیر

وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا۔ "اور اسی نے بنایا تم کو طرح طرح سے"

لہٰذا جب وہ تمہارا خالق ہے وجود میں لانے والا' نیست سے ہست کرنے والا۔ اور یہ طاقت کائنات میں کسی کو حاصل نہیں تو اس کی تعظیم سب سے بالاتر اور اس کی ذات تمام امیدوں کا مرجع ہوگی۔ اس کی خوشنودی ڈھونڈنا ہمارا فرض ہوگا۔ اسی طرح اس کی ناراضی سے بچنا' اور بصورت ناراضی' اس کے عذاب سے ڈرنا لازم ہوگا۔ انسان کی آفرینش کا کیا حال ہے اس کا بیان کئی جگہ آچکا ہے یہاں اس کی جانب صرف اشارہ کردیا گیا۔ یعنی یہ کہ پہلے عناصر سے' پھر غذاؤں سے' پھر اخلاط سے' پھر نطفہ سے علقہ' مضغہ بنایا۔ پھر ہڈی کا ڈھانچہ تیار کرکے اس پر گوشت چڑھایا' پھر روح پھونکی' پھر حواس خمسہ ظاہری و باطنی سے آراستہ کرکے' پیدا کیا۔ پھر بچہ سے جوان' پھر بوڑھا کیا' کسی کو بلند قامت' کسی کو کوتاہ' کسی کو ضعیف و ناتواں' کسی کو تنومند قوی بنایا' خلق اور خُلق کے مختلف درجات اور صورتیں بنائیں' زبان اور رنگ کے لحاظ سے ان کی تقسیم جُدا ہے۔

دوسری تفسیر | یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عہد الست کے موقع پر صلب آدمؑ سے نکال کھڑا کیا' پھر حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیٰ نبینا وعلیہما الصلاۃ والسلام جب خانۂ کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو حضرت سیدنا ابراہیمؑ کو حکم ہوا:۔ اذن فی الناس بالحج۔ "تمام لوگوں میں حج کا اعلان دیجئے" اس وقت سے قیامت تک جس قدر بنی آدمؑ وجود میں آنے والے تھے ان سب کی ارواح کو جمع کرکے اعلان سنایا گیا۔ حضرت خلیل اللہ نے

وقفہ وقفہ سے کئی بار حج کا اعلان فرمایا۔کسی نے ایک دفعہ لبیک کہا اور کسی نے ایک سے زائد دفعہ۔ اور باقی جواب نہ دے سکے جنھوں نے لبیک نہ کہا ان کو حج میسر نہ ہوا۔ اور لبیک کہنے والوں میں سے جس نے جتنی دفعہ لبیک کہا تھا اتنی دفعہ ان کو یہ سعادت نصیب ہو رہی ہے۔یہ بھی ایک نوع کی تخلیق تھی۔

تیسری تفسیر اسی طرح جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج ہوئی تو حضرت آدمؑ کو آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ان کے داہنے بائیں تمام ذریت موجود ہے۔آپ کو معلوم کرایا گیا کہ داہنی جانب میں جس قدر ذریت ہے وہ ارواح سعداء ہیں یعنی نیک بخت اور مومنین اور جس قدر بائیں جانب ہیں وہ ارواح اشقیاء ہیں یعنی بدبخت و کفار۔ پھر سعداء اور اشقیاء کے بے شمار اقسام ہیں۔یہ بھی ایک طور سے تخلیق تھی۔اور معلوم اس جیسی تخلیق کب کب اور کتنی دفعہ عمل میں آئی اور آئیگی جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کا اعلان اور حضورؐ اکرم کی معراج' حضرت نوح علیہ السلام کے عہد سے ہزاروں سال بعد ہوئی۔ بہرحال حضرت نوح علیہ السلام کا منشا اس تقریر سے یہ تھا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی عظمت و وقار قوم کے ذہن نشین ہو۔جب آپ نے مشاہدہ فرمایا کہ دلائل انفس سے قوم متاثر ہوتی نظر نہیں آرہی ہے تو دلائل آفاق پیش کئے:۔

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۙ وَّجَعَلَ 71-15
71-16

الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝ کیا تم نہیں دیکھتے کیسے

بنائے اللہ نے سات آسمان تہ پر تہ اور رکھا ان میں چاند کو روشن اور رکھا سورج کو

چراغ جلتا ہوا"

آیاتِ آفاق سے تحصیلِ معرفت

انسان آنکھ کھولتا ہے تو اس کو آسمان نظر آتا ہے اگر یہ صورت رات کو رونما ہو اور عموماً ایسا ہی ہوتا ہے کہ لوگ دن بھر کام کر کے فارغ ہوتے ہیں تو اطمینان کا سانس لیتے ہیں۔ اب آسمان ان کے پیشِ نظر ہے اور اس میں چاند اور ستارے بھی۔ چاند کی روشنی خنک اور خوشگوار اور یہی حال ستاروں کا ہے اس لئے چاند کا بیان پہلے فرمایا۔ اور کبھی ایسی اطمینانی صورت دن میں بھی پیش آتی ہے۔ اس وقت چاند اور ستارے تو نظر نہیں آتے مگر صرف ایک آفتاب عالم تاب کی روشنی اتنی تیز دکھائی دیتی ہے گویا کوئی جلتا ہوا چراغ آنکھوں کے سامنے ہے مجال نہیں کہ اس کو آنکھ بھر دیکھ سکیں۔ تیزی اس بلا کی ہے کہ نظر پڑتے ہی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ یہ آسمان، اور یہ چاند، سورج، اور ستارے بھی اللہ سبحانہ کے بنائے ہوئے ہیں۔ قدرت کے بے شمار انتظامات ان سے وابستہ ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو نظامِ عالم معطل ہو جائے علوم ہیئت و نجوم کا تعلق ان ہی ثوابت اور سیاروں سے ہے۔ سینکڑوں ہزاروں برس سے معلومات فراہم کی جارہی ہیں لیکن جس قدر دریافت ہوئی ہے وہ کوہ کے

مقابلہ میں کاہ' یعنی ناقص و ناتمام اور ع کار کلی ہنوز در قدر راست۔ کا مصداق ہے۔
اگر صرف انہی آسمانوں اور سیارگان و ثوابت کو دیکھو تو خدا کی قدرت نظر آتی ہے ان کو
دیکھ کر اللہ سبحانہ پر ایمان لاؤ۔

شمس و قمر کی روشنی آسمانوں میں

حضرت حسن بصریؒ آیہ کریمہ خلق سبع سماوات
طباقا کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ بعضھن فوق بعض بین کل ارض و سماء
خلق وامر۔ ایک آسمان پر دوسرا آسمان ہے اور ہر زمین و آسمان کے درمیان مخلوق
بستی ہے اور امر الٰہی جاری ہے۔" وجوھھما فی السماء وظھورھما الیکم۔ (ابن المنذر'
ابوالشیخ) چاند سورج کا رخ آسمانوں کی طرف اور ان کی پیٹھ تمہاری جانب ہے۔" عکرمہؒ
فرماتے ہیں:۔ انه یضیئ نور القمر فیھن کلھن کما لوکان سبع زجاجات
اسفل منھا شہاب اضاءت کلھن فکذلك نور القمر فی السماوات کلھن
لصفائھن۔ (ابن المنذر) چاندنی ساتوں آسمانوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ جیسے سات شیشے
ہوں اور ان کے نیچے ایک تارہ ہو تو تمام شیشے چمک اٹھتے ہیں اسی طرح چاندنی بھی
پورے آسمانوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس لئے کہ آسمان شفاف ہیں۔" اسی مضمون کی روایات
حضرت ابن عباس' عبداللہ بن عمرو اور عطاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہیں جن کی
تخریج عبدالرزاق' عبد بن حمید' ابن المنذر' ابوالشیخ اور حاکم نے بروایت صحیحہ کی ہے۔

وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۙ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا 71-17 71-18
وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۞ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۙ لِّتَسْلُكُوْا 71-19 71-20
مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۞ اور اللہ نے اگایا تم کو زمین سے جا کر پھر دوبارہ ڈالے گا ع ۲۰ ۹
تم کو اس میں اور نکالے گا تم کو باہر اور اللہ نے بنا دیا تمہارے لئے زمین کو بچھونا تاکہ
چلو اس میں کشادہ رستے"

آیات آفاق سے ایک اور سبق

اگر اپنے گھر سے باہر نکلنا اور آسمان یا چاند سورج کو دیکھنا گوارا نہیں تو زمین جس پر تم رہتے بستے ہو اسی کو دیکھو کہ تمہارے جدِ اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کی آفرینش مٹی سے ہوئی۔ ابن جریج فرماتے ہیں: خلق آدم من ادیم الارض کلہا۔ (ابن المنذر) "آدمؑ کی تخلیق ادیم الارض یعنی پورے روئے زمین کی مٹی سے ہوئی"۔ اسی وجہ سے آپ کا نام آدمؑ ہوا۔ روئے زمین کی مٹی سے بنایا ہوا۔ پھر ان کی ذریت زمین سے پیدا ہونے والی غذاؤں اور ان غذاؤں سے بنے ہوئے اخلاط اور ان اخلاط سے نکلے ہوئے خلاصہ سے بنائی گئی۔ اس اعتبار سے تمام انسان مٹی ہی سے بنائے گئے۔ اسی طرح جیسے نباتات زمین سے اگتے ہیں۔ پھر انسان پر قضا طاری ہوتی ہے تو وہ مٹی میں جاتا ہے۔ اس کے بعد حساب وجزا کے لئے دوبارہ اسی مٹی سے اٹھایا جائے گا۔ یہی زمین اللہ سبحانہ کے حکم سے تمہارا بچھونا بنی ہوئی ہے تاکہ تم اس پر

سہولت کے ساتھ چلتے پھرتے، زندگی کے کاروبار انجام دیتے اور اس کی منفعتوں سے فائدہ اٹھاتے رہو۔ اس زمین سے بھی تم کو سبق مل سکتا ہے کہ جس طرح اس میں کھیتی باڑی کرنے، باغات لگانے، آب پاشی کا انتظام کرنے سے بے شمار غلے، پھل پھول، کیمیائی بوٹیاں، ایندھن اور جانوروں کا چارہ لیا، تعمیری اشیاء، معدنیات اور ضروریات کی تمام چیزیں فراہم ہوتی ہیں، اسی طرح اللہ نے اس زمین میں راستے بنا دیئے ہیں تاکہ تم ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچ سکو۔ اور چل پھر کر بے شمار منافع اور فوائد حاصل کرتے رہو۔ یہ تمام نعمتیں بھی اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ لہٰذا اُسے خدائے واحد کا یقین کرو اور اس کے احکام مانو۔

حضرت نوحؑ کی مایوسی ایسی دلپذیر تقریر اور ایسا دل نشیں طرز بیاں، پھر اس پر مستزاد یہ کہ انسان کا جی بھی یہی چاہتا تھا اور طبیب روحانی حضرت نوح علیہ السلام نے نسخہ بھی وہی تجویز فرمایا۔ یعنی قوم نوحؑ کو جن چیزوں سے الفت اور دلچسپی تھی اسی سے ان کا موثر علاج کرنے کی تدبیر فرمائی اور تدبیر بھی ایسی کہ ان کی دنیا بھی سدھر جائے اور عاقبت بھی بنے، اپنی پسندیدہ چیزوں سے اور اپنی پسند کے مطابق۔ ایمان کی بات یہ ہے کہ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم، اپنی برادری کی ہمدردی، فلاح و بہبودی، نصیحت اور خیر خواہی کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ فرمایا۔ نہایت دل سوزی اور خلوص سے ایک ہزار سال تک

سمجھاتے رہے۔ سو سال میں عموماً چار پشت ہوتے ہیں۔ گویا آپ چالیس پشتوں کو درس شفقت دیتے رہے مگر معدودے چند افراد کے سوا کسی پر اس کا اثر نہ ہوا۔ اللہ سبحانہ نے فرمایا:۔

لن یؤمن من قومك الا من قد آمن۔ آپ کی قوم سے جس قدر بھی ایمان لائے وہ لائے۔ ان کے سوا آئندہ کوئی بھی ایمان نہ لائیگا۔" یہ معلوم کرکے آپ نے عرض کیا:۔

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَ 71-21
وَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا ۚ وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ۚ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ 71-22 71-23
وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۚ وَقَدْ 71-24
أَضَلُّوا كَثِيرًا ۖ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ۔ کہا نوحؑ نے اے پروردگار

میرے! انھوں نے میرا کہا نہ مانا اور مانا ایسے کا جس کو اس کے مال اور اولاد سے اور زیادہ ہوا ٹوٹا اور داؤ کیا ہے بڑا داؤ اور بولے ہرگز نہ چھوڑو اپنے معبودوں کو اور نہ چھوڑو ود کو اور نہ سُواع کو اور نہ یغوث کو اور یعوق کو اور نسر کو اور بہکا دیا بہتوں کو اور تو نہ زیادہ کریے انصافوں کو مگر بھٹکنا۔"

حضرت نوحؑ کے ساتھ مخالفت یہ عرض داشت سابقہ معروضہ قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي کا تتمہ اور تکملہ ہے چونکہ فاصلہ زیادہ ہو گیا تھا اس لئے قَالَ نُوحٌ سے اس کی ابتدا فرمائی گئی اور واو عاطفہ نہیں لایا گیا۔ بہرحال حضرت

حضرت نوح علیہ السلام نے یہ بھی عرض کیا کہ پروردگار من! ان لوگوں نے میری ایک بات بھی نہ مانی۔ گویا ایک ہزار سال کی کدو کاوش کا خلاصہ صرف ایک لفظ عَصَوْنِی میں پیش فرما دیا گیا۔ سبحان اللہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا کیا کمال بلاغت ہے کہ ہزار سال تک تبلیغ کرنے کا نتیجہ ایک لفظ عصونی میں بیان فرما دیا کہ انھوں نے ان پیغمبرانہ تقریروں میں سے ایک کو بھی نہ مانا۔"

مال و دولت کی ناقدری پھر مانا کس کو۔ مال و دولت رکھنے والوں اور مردم شماری میں اکثریت والوں کو' درحالیکہ کثرتِ مال و اولاد سے نقصان کے سوا کوئی فائدہ ان کو نہ پہنچ سکا۔ اور فائدہ پہنچتا کیسے جب کہ ان چیزوں کو راہِ خدا میں لگایا ہی نہیں گیا۔ اللہ نے مال دیا تھا تو مال سے حق اللہ ادا کیا جانا چاہیے تھا۔ حضرت سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا: ؎

توانگراں را وقف ست و نذر و مہمانی ۔۔۔ زکاۃ و فطرہ و اعتاق و ہدی و قربانی
تو کے بدولتِ ایشاں رسی کہ نتوانی ۔۔۔ جزایں دو رکعت و آں ہم بصد پریشانی

بجائے اس کے لہو و لعب' اسراف اور فضولیات' بلکہ اللہ سبحانہ کی نافرمانیوں میں لگایا گیا جس سے مال بھی ضائع ہوا اور آخرت بھی برباد ہوئی۔ خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہوئے' نعوذ باللہ منہ۔

اولاد کی ناقدری اللہ سبحانہ نے اپنے فضل وکرم سے ان کو اولاد بھی دی تھی۔ اتنی کہ ان کی زیادتی پر فخر کرتے رہے۔ اگر اس اولاد کو دین سکھایا جاتا۔ اور عبادتِ الٰہی کا خوگر بناتے تو وہ نیک کاموں میں لگے رہکر دوسروں کی ہدایت کا سبب بنتے۔ خود نجات پاتے اور دوسروں کو نجات دلاتے' نیز اپنے ماں باپ کے حق میں ہمیشہ دعائے خیر کرتے رہتے۔ اَللّٰھُمَّ اغفر لی ولوالدیّ وارحمھما کما ربیانی صغیرا الٰہی! مجھے بخش دیجئے اور میرے والدین کو بھی بخش دیجئے اور ان پر مہربانی فرمایئے۔ جیساکہ وہ بچپن میں مجھ پر مہربان رہ کر میری تربیت کرتے رہے" مگر افسوس کہ نہ خود راہ راست پر آئے اور نہ اولاد کی صحیح رہنمائی کی۔ بالآخر ضلّوا واضلّوا کا مصداق ٹھہرے۔ کثرت اولاد سے بھی بجائے فائدے کے نقصان ہی میں رہے۔

حضرت نوحؑ کے ساتھ داؤ پھر یہی نہیں بلکہ عمر بھر اللہ کے رسول کی مخالفت میں کمربستہ رہے ومکروا مکرًا کبّارا۔ اور بڑے بڑے داؤ خدا اور اس کے رسول کے خلاف میں کرتے رہے۔ کبھی تو استہزاء وتمسخر کیا۔ کبھی طعنہ زنی اور اعتراضات سے کام لیا۔ کبھی ایذا رسانی کے درپے رہے۔ قتل کی دھمکیاں دیں اور جان لینے کے منصوبے بناتے رہے۔ لوگوں میں بدنام اور رسوا کیا۔ اگر کچھ لوگ راہ راست پر آتے ہوئے نظر آتے تو ان کو اپنے ارادے سے روکنے کی کوشش کی۔ بنے بنائے کام کو بگاڑ دینا اور نیکی میں

نیکی میں رکاوٹ ڈالنا ان کا ادنیٰ کرشمہ تھا۔ جو کام شیطان سے بھی نہ ہوسکے یہ شیاطین الانس اس کو کر ڈالتے۔

بت پرستی کا پرچار چنانچہ وہ کہا کرتے:۔ لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ تم اپنے معبودوں اور ٹھاکروں کو کبھی نہ چھوڑنا" اور نہ نوح کے خدائے واحد کو ماننا۔ ان کے معبود کون؟ وَدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر وغیرہ وغیرہ۔ جتنی ان کی ضرورتیں اور حاجات، اتنے ان کے معبود۔ ایک دن ایک کی عبادت، تو دوسرے دن دوسرے کی پوجا اور درشن۔ خود اسی تقسیم کار سے ان کے معبودوں کی عاجزی اور بے بسی ظاہر ہے کہ ایک سے دوسرے کا کام نہیں ہوسکتا۔ اور ایک معبود کی مجال نہیں ہے کہ دوسرے کے کام میں دخل دے سکے۔ مگر ان پجاریوں کی عقل ماری گئی ہے کہ ایسی کھلی بات انکی سمجھ میں نہیں آتی۔

معبودانِ قومِ نوحؑ کے جو اسماء اوپر بتائے گئے ان کی نسبت عام روایات متفق ہیں کہ یہ صالحین تھے، یہ کس زمانے کے تھے اور کون تھے اس میں اختلاف ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کے صلبی فرزند تھے، کسی روایت میں ہے کہ ان کا زمانہ حضرت آدم اور نوح علیہما السلام کے درمیان تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ حضرت نوحؑ ہی کی امت کے صالحین تھے جن کی وفات حضرت نوح علیہ السلام کی حیات میں ہو چکی تھی۔

یہ حضرات خدا و رسول کے فرماں بردار بھی تھے اور اپنے ماں باپ کے ساتھ بھی حسن سلوک کرتے تھے۔ انکی اولاد کا بھی یہی حال تھا کہ وہ بھی اپنے والدین کے مطیع و فرمانبردار تھے۔

بُت پرستی کی ایجاد عبیداللہ بن عبید بن عمیر فرماتے ہیں:- اول ماحدث تث الاصنام علی عھد نوح وکانت الابناء تبرالآباء فمات رجل منھم فجزع علیہ فجعل لایصبر عنہ فاتخذ مثالا علی صورتہ فکلما اشتاق الیہ نظرہ ثم مات ففعل بہ لما فعل ثم تتابعوا علی ذلک فمات الآباء فقال الابناء ما اتخذ ھذہ آباؤنا الا انھا کانت آلھتھم فعبدوھا۔

(فاکہی) بت پرستی سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کے عہد میں ایجاد ہوئی۔ اس وقت عام طور پر بچے اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا کرتے تھے۔ ان صالحین میں سے ایک کا انتقال ہوا۔ بچوں پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ وہ مرحوم کو دیکھے بغیر نہ رہ سکتے تھے انھوں نے مرحوم کا ایک مجسمہ تیار کیا۔ اب کیا تھا کہ جب کبھی مشتاق دید ہوتے تو اس کو دیکھ لیتے۔ یہ نسل بھی گزر گئی تو ان کے ساتھ بھی ان کی اولاد نے یہی عمل کیا جب یکے بعد دیگرے کئی نسلیں اسی طرح مرتی گئیں تو ان کی اولاد کہنے لگی کہ ہمارے باپ دادا نے یہ مجسمے محض ان کی پرستش کی خاطر بنائے تھے۔ اس کے سوا ان کا اور کوئی مقصد نہیں ہوسکتا۔ یہ کہہ کر ان کی پرستش شروع کرنے لگے" بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ اولاد کو پریشان دیکھ کر

ابلیس لعین نے ان کے والدین کی تصویریں دیں اور کہا جب کبھی اُن کو دیکھنا ہو انکی یہ تصاویر دیکھ لیا کرو۔ ابتداءً تو یہ تصویریں مسجد کے ایک گوشہ میں پس پشت رکھ دی گئی تھیں۔ شدہ شدہ ان کو سامنے کے گوشہ میں پھر ان کو کھول کر سامنے نصب کر دیا گیا اور علانیہ پرستش ہونے لگی ؎۱

یغوث کی ساخت ابو عثمان فرماتے ہیں:۔ رأیت یغوث صنما من رصاص یحمل علی جمل اجرد فاذا برك قالوا قد رضی ربکم ھذا المنزل۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن مردویہ) میں نے یغوث نامی بت کو دیکھا جو سیسے سے بنایا گیا تھا اس کو

؎۱ فی زمانناد یکھا گیا کہ بعض لوگ اپنے بزرگوں کی محبت میں بیجا غلو کر جاتے ہیں کہ انکی تصاویر اصلی یا فرضی تیار کر کے اس کو اپنی نظروں کے سامنے رکھتے ہیں۔ ان تصاویر کو چومتے ہیں۔ سر آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ انکی بلائیں لیتے ہیں۔ بیماری کے وقت اپنے سر پر رکھتے اور اپنے سینے سے لگاتے ہیں اور اس کو باعث شفا سمجھتے ہیں جب ان منہیات پر کوئی انھیں ٹوکتا ہے تو اس سے کہتے ہیں کہ ہمارا یہ عمل قابل ملامت نہیں کیونکہ ہمارا مقصد اپنے بزرگوں سے اپنا رابطہ قائم رکھنا ہے وبس۔ عزیزانِ من! یہ سب امور قابل اصلاح ہیں۔ رفتہ رفتہ یہی چیزیں ترقی کرنے لگیں گی تو پھر انھیں بزرگانِ دین رحمہم اللہ کی تصاویر کے مجسمے تیار ہونے لگیں گے۔ آنے والی نسلیں اِنَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا کہہ کر انکی پرستش و پوجا پاٹ شروع کردینگی۔ اسلئے انکی شدید ضرورت ہے کہ ان فتنوں کے دروازوں کا جلد جلد سدباب کیا جائے۔ واللہ الموفق۔

اس کو ایک اونٹ پر لادا جاتا تھا جس کے بال نہ ہوتے یا کم ہوتے۔ وہ اونٹ چلتا چلتا جہاں کہیں بیٹھ جاتا تو سب کے سب کہنے لگتے کہ یہ جگہ تمہارے رب کی پسندیدہ منتخب جگہ ہے گویا وہیں اس کو نصب کرکے پرستش کرنے لگتے۔

بت پرستی عرب میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ صارت الاصنام والاوثان التی کانت فی قوم نوح فی العرب بعدُ اما ودّ فکانت لکلب بدومة الجندل واما سواع فکانت لھذیل واما یغوث فکانت لمراد ثم لبنی غطیف عند سبا واما یعوق فکانت لھمدان واما نسر فکانت لحمیر لآل ذی الکلاع (بخاری، ابن المنذر، ابن مردویہ) تراشیدہ اور ناتراشیدہ بُت، جو قوم نوحؑ میں تھے بعد کو عرب میں منتقل ہو گئے۔ وَدّ بنی کلب کی مورتی تھی جو دومۃ الجندل میں آباد تھے۔ اور سواع قبیلہ ہذیل کی اور یغوث قبیلہ مراد کی، پھر بنی غطیف کی جو ملک سبا (یمن) میں بستے تھے، یعوق کی مورتی قبیلہ ہمدان کے حصہ میں آئی اور نسر مقام ذی الکلاع کے قبیلہ حمیر کے حصہ میں۔

دفن شدہ بتوں کی برآمدی نیز حضرت عباسؓ سے ایک روایت یوں ہے:۔ ان تلک الاوثان دفنھا الطوفان وطمھا التراب فلم تزل مدفونة حتی اخرجھا الشیطان لمشرکی مکة۔ (مظہری) ان بتوں کو طوفان نوحؑ نے دفن

کردیا تھا اور ان کو مٹی نے دبا دیا تھا۔ وہ ایک عرصے تک زیر زمین دفن رہے تا آنکہ ان کو شیطان نے مکہ کے مشرکین کے لئے نکال لایا" یعنی عمرو بن لُحَی نامی مشہور لعین جو قبیلہ مضر سے تھا جس کا زمانہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت سے تین چار سو سال قبل تھا اس کو شیطان نے یوں بہکایا کہ زمانہ نوحؑ کے دیوتا جدہ میں دفن ہیں ان کو نکال کر ان کی پرستش کیا کرو۔ چنانچہ وہ ان بتوں کو جدہ سے مکہ میں لایا اور ان کو کعبۃ اللہ شریف میں کھڑا کیا۔ اس کے بعد سے عرب میں بت پرستی کا آغاز ہوا۔ یہ بت پیتل، سیسے، تانبے، لکڑی، اور پتھر کے تھے۔

عرب میں بت پرستی کا موجد | عمرو بن لُحَی ملعون کے ذریعہ بت پرستی کا عرب میں رواج اسی طرح تھا جیسا کہ سامری لعین کے ذریعہ ہندوستان میں اس کا رواج ہوا۔ جو وشنو، شیو، برہما، اندر، ہنومان، وغیرہ ناموں سے مشہور ہیں۔ اور اب تک اس کا سلسلہ جاری ہے۔ نعوذ باللہ من کید الشیطان۔ آفتاب اسلام کی ضیا باری سے سارا عالم چمک اٹھا۔ اور بڑے بڑے بت کدے ڈھیر ہوئے مگر چودہ سو سال گزرنے پر بھی اسلام کی حقانیت، اور بت پرستی کی گمراہی اب تک اہل ہند کی سمجھ میں نہ آئی اگرچہ بعض طبائع متنفر ضرور ہیں لیکن بت پرستی کے انکار کی ہمت ابھی نہیں ہے۔ واللہ الموفق۔

بت پرستی کی گمراہی | وَقَدْ اَضَلُّوْا کَثِیْرًا ۔ ان لوگوں نے یا ان کے بتوں نے

بہتوں کو گمراہی میں ڈال دیا۔ جب یہ لوگ خود گمراہی میں پڑے رہنا چاہتے ہیں تو اے پروردگار من! وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا ضَلٰلًا۔ تو بھی ان ظالموں کی گمراہی کو بڑھاتا ہی جا۔ کیونکہ سنت اللہ یہی جاری ہے:۔ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم۔ اللہ سبحانہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا۔ تا آں کہ وہ خود ہی اپنی حالت کو نہ بدلیں۔؎

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی ۔۔۔ نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

پھر قوم نوحؑ کا کیا حشر ہوا؟ اس کو مختصراً بیان فرمایا جا رہا ہے:۔

مِمَّا خَطِیْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ یَجِدُوْا لَهُمْ 71-25

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ۝ کچھ وہ اپنے گناہوں سے ڈبائے گئے، پھر ڈالے گئے آگ میں، پھر نہ پایا اپنے واسطے انھوں نے اللہ کے سوائے کوئی مددگار۔

مِمَّا خَطِیْٓـٰٔتِهِمْ کی تفسیر کلمۂ مِمَّا دراصل "مِنْ مَا" تھا۔ قرب مخرج کی وجہ سے ن کو م سے بدل کر ایک کو دوسرے میں ادغام کیا گیا۔ عامۂ مفسرین نے یہاں مِنْ سببیہ قرار دیا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی ان خطاؤں اور معصیتوں کے سبب سے وہ تمام کے تمام ڈبا دئے گئے پھر ساتھ ہی آگ میں ڈال دئے گئے۔ **فقیر** کی رائے ناقص میں من تبعیضیہ بھی ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ ان کی بعض خطاؤں اور معصیتوں کے باعث

وہ صرف ڈبا دیے گئے پھر آگ میں جھونک دیے گئے۔ اس لئے کہ یہ عذاب دنیا اور برزخ کا تھا تمام معاصی اور گناہوں کی سزا کیا ہوگی اسی سے اندازہ کرلیا جائے۔ رہا کل خطاؤں اور معصیتوں کا حساب اور ان سب خطاؤں کے بدلے میں عذاب، وہ قیامت میں ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:۔ ولنذیقنھم من العذاب الادنی دون العذاب الاکبر۔ ہم ضرور چکھائیں گے ان کو معمولی سا عذاب (دنیا میں) نہ کہ بڑا عذاب (جو آخرت میں ہوگا)۔"

ناراً کی تفسیر نیز ناراً کو نکرہ لانے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ آگ کچھ اور ہی قسم کی آگ تھی جو نار جہنم کے سوا ہے۔" یہیں سے مفسرین کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ اس آیۂ کریمہ سے عذاب قبر کا ثبوت ملتا ہے۔ کیونکہ اُغرِقُوا کے بعد فَاُدخِلُوا ناراً فائے تعقیبیہ کے ساتھ ارشاد ہوا۔ اور ناراً کو نکرہ لایا گیا۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ قوم نوحؑ ڈبا دی جانے کے ساتھ ہی ایک جداگانہ نوع کی آگ میں ڈال دی گئی۔ یہ برزخ کی آگ ہے۔ یہاں نار دوزخ مراد نہیں لی جاسکتی کیونکہ کفار قیامت کے فیصلے کے بعد اس میں داخل ہوں گے۔ ضحاک نے یہاں تک تصریح فرمائی ہے:۔ کانوا یغرقون من جانب ویحرقون بالنار من جانب۔ قوم نوح ایک طرف سے پانی میں ڈوب رہی تھی اور دوسری طرف سے آگ میں جلائی جارہی تھی۔" لہذا

یہ عذاب برزخ (عذاب قبر) ہی ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض دوسری آیات کریمہ میں بھی عذاب قبر کی طرف ایما موجود ہے۔ اس کے علاوہ احادیث صحیحہ میں عذاب قبر کے باب میں صریح روایات بکثرت آئی ہیں۔ جن سے انکار نہیں ہو سکتا جو تواتر معنوی کی حد کو پہنچتی ہیں۔ اسی وجہ سے ہم اہل سنت والجماعۃ کا عقیدہ ہے: "عذاب القبر حق۔ عذاب قبر حق ہے" چنانچہ ذیل میں چند احادیث شریفہ عرض کیے جاتے ہیں:۔

میت جوتیوں کی آواز تک سنتی ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ ان العبد اذا وضع فی قبرہ وتولی عنہ اصحابہ وانہ لیسمع قرع نعالھم اتاہ ملکان فیقعدانہ فیقال لہ ماکنت تقول فی ھذا الرجل لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم فاما المؤمن فیقول اشھد انہ عبد اللہ ورسولہ فیقال لہ انظر الی مقعدک من النار قد ابدلک اللہ بہ مقعدا من الجنۃ فیراھما جمیعا واما المنافق والکافر فیقال لہ ماکنت تقول فی ھذا الرجل فیقول لاادری کنت اقول مایقول الناس فیقال لادریت ولاتلیت ویضرب بمطارق من حدید ضربۃ فیصیح صیحۃ یسمعھا من یلیہ غیر الثقلین (بخاری مسلم)

جب بندہ قبر میں رکھ دیا جاتا اور اس کے ساتھی واپس ہو جاتے ہیں اور وہ اس حالت میں

ان کی جوتیوں کی آواز سنتا رہتا ہے تو اس کے ہاں دو فرشتے (منکر نکیر) آتے اور اس کو بٹھاتے ہیں پھر (حضرت سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھا کر اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تو ان کے باب میں کیا عقیدہ رکھتا تھا؟ وہ ایمان دار ہوتا ہے تو کہتا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ تو اس سے کہا جاتا ہے کہ دیکھ تیرا یہ ٹھکانہ دوزخ میں تھا جس کو بدل کر اللہ سبحانہ نے تیرا ٹھکانہ جنت میں قرار دیا۔ وہ ان دونوں ٹھکانوں کو دیکھ لیگا۔ اور جو منافق یا کافر ہوتا ہے تو وہ جواب دیتا ہے کہ یہ صاحب کون ہیں میں نہیں جانتا' ان کی نسبت سب جو کہتے تھے میں بھی وہی کہتا تھا۔ تو اس سے کہا جاتا ہے کہ نہ تو نے خود جانا اور نہ کسی کی بات مانی' اب اس کو لوہے کے ہتوڑوں سے پیٹا جائے گا جس سے وہ چیختا چلاتا رہیگا جس کی آواز جن وانس کے سوا تمامی مخلوقات سنتے ہوں گے۔"

حضورؐ کا عذاب قبر سے پناہ مانگنا ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں :۔

ما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی صلاۃ الا تعوذ باللہ من عذاب القبر (بخاری، مسلم) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں نے جب کبھی نماز پڑھتے دیکھا تو آپ عذاب قبر سے ہمیشہ اللہ سبحانہ کی پناہ مانگتے رہے۔"

قبر آخرت کی پہلی منزل ہے امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی حالت یہ تھی :۔ انہ کان اذا وقف علی قبر بکی حتی تبتل لحیتہ' فقیل لہ تذکر الجنۃ

فلا تبکی وتبکی من ھذا فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان القبر اول منزلۃ من منازل الآخرۃ فان نجامنه فما بعدہ ایسر منه وان لم ینج منه فما بعدہ اشد منه۔ (ترمذی ابن ماجہ) آپ کسی قبر کے پاس ٹھہرتے تو اتنا روتے کہ داڑھی تربتر ہوجاتی آپ سے کہا گیا کہ آپ جنت کی یاد کرتے ہیں تو زاری نہیں فرماتے اور قبر پر اس قدر گریہ وزاری فرماتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ قبر منازل آخرت کی پہلی منزل ہے اگر اس سے نجات ہوجائے تو اس کے بعد کے منازل آسان ہیں اور جو اسی سے نجات نہ ملی تو مابعد کے منازل دشوار تر ہیں۔" نیز آپ نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے:۔ ما رأیت منظرا قط الا والقبر افظع منه ۔ میں نے کوئی منظر ایسا نہیں دیکھا جو قبر سے زیادہ بھیانک ہو۔"

کفار پر عذاب قبر حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ یسلط علی الکافر فی قبرہ تسعة وتسعون تنینا تنھشه وتلدغه حتی تقوم الساعة ولوان تنینا منھا نفخ فی الارض ما انبتت خضراء ۔ (دارمی ترمذی) ایک ایک کافر کی قبر میں (۹۹) سانپ مسلط ہوں گے جو تاقیامت اس کو ڈستے اور اس کا گوشت نوچتے رہیں گے۔ ان میں کا ایک ایک سانپ

ایسا ہوگا کہ اگر وہ زمین پر پھونک مارے تو پھر اس پر کوئی سبزہ پیدا نہ ہوئے

عذاب قبر حق ہے یہاں قبر سے برزخ مراد ہے۔ خواہ میت کو زمین میں دفن کیا گیا ہو یا اس کی نوبت نہ آئی ہو۔ آگ میں جلا دیا جائے۔ یا پانی میں ڈوب جائے۔ یا کوئی درندہ کھا جائے وہی اس کی قبر ہوگی' عالم برزخ کا عذاب و ثواب' جو بھی میت سے متعلق ہے وہیں سے اس کا مشاہدہ یا اس سے سابقہ رہیگا۔ ہم اہل السنۃ والجماعۃ کا یہی عقیدہ ہے جو قرآن کریم کی آیات اور حضرت رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے صریح ارشادات سے ثابت ہے۔ رہے معتزلہ وغیرہ جو اس کے منکر ہیں۔ ان کے جواب کے لئے تقریر بالا کے بعد یہ شعر کافی ہے :-

برسر قبر کسے رفتم وگفتم چونی گفت احوال چہ پرسی کہ تو آئی دانی

بتوں کی بے بسی الغرض قوم نوحؑ اپنے کرتوت کی بنا پر جب اس عذاب میں مبتلا ہوئی فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ أَنصَارًا۔ تو اللہ سبحانہ کی مدد تو ان کے شامل حال نہ تھی اس لئے کہ وہ اس کے منکر تھے۔ اور غیر اللہ کی پرستش میں لگے ہوئے تھے۔ اگر ان کو ایمان ہوتا تو یہ عذاب ہی کیوں آتا۔ ایسے نازک وقت میں نہ ودّ ان کی مدد کو آسکا اور نہ سواع نہ یغوث انکی فریاد کو پہنچ سکے اور نہ یعوق و نسر وغیرہ۔ سب کے سب پانی میں ڈبوئے اور آگ میں جھونکے گئے۔ یا حسرۃً علی العباد۔

وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۝

إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ 71-27
رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَن دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ 71-28
وَالْمُؤْمِنَاتِ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا ۝ع اور کہا نوحؑ نے یا رب! نہ چھوڑیے زمین پر ع
منکروں کا ایک بھی گھر بسنے والا، مقرر اگر تو چھوڑ دیگا ان کو، بہکائیں گے تیرے
بندوں کو، اور نہ جنیں گے مگر ڈھیٹھ، حق کا منکر، اے رب! معاف کر مجھ کو اور میرے
ماں باپ کو اور جو آئے میرے گھر میں ایمان دار، اور سب ایمان والے مردوں کو
اور سب ایمان والی عورتوں کو، اور بڑھتا رکھ گنہگاروں پر یہی برباد ہونا۔

حضرت نوحؑ کا معروضہ حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے ہزار سالہ تجربہ یا اللہ سبحانہ کے اس ارشاد کی بنا پر کہ آئندہ کوئی ایمان نہ لائے گا۔ اپنی قوم کے ہدایت پانے کی کوئی امید باقی نہ رہی اور نہ ان کی آئندہ نسل سے کوئی توقع رہی کہ وہ راہ راست پر آئے گی بلکہ یہ اندیشہ قوی ہوتا گیا کہ دوسروں کی گمراہی کا سبب بنیں گے تو کمال حسرت سے عرض کیا کہ پروردگار! اب زمین پر کسی کافر کو رہنے بسنے کا موقع نہ دیجئے۔ ایسا نہ ہوگا تو وہ آپ کے ہدایت یافتہ بندوں کو گمراہ کر کے چھوڑیں گے اور ان کی آنے والی نسل ان سے بڑھ کر بے حیا اور ڈھیٹھ ہوگی۔ اور ان کا انکار حد سے سوا ہوگا۔ ایسے ڈھیٹھ منکروں کو زمین پر رہنے بسنے کا کوئی حق نہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی حسرت

حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں :-
لوگوں میں سے کسی کو اتنی حسرت نہیں ہوئی جتنی کہ حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کو ہوئی۔ حضرت آدمؑ کو حسرت اسوقت ہوئی جبکہ آپ جنت سے باہر تشریف لائے۔ اور حضرت نوحؑ کو حسرت اسوقت ہوئی جبکہ آپنے اپنی قوم پر بد دعا کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا کی کوئی چیز ڈوبنے سے بچ نہ سکی بجز ان کے جو کشتی میں آپ کیساتھ تھے۔ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے حضرت نوح کے اس ملال کے مدنظر آپکے ہاں وحی بھیجی کہ نوح! آپ ملول نہ ہوں کیونکہ آپکی دعا ہماری تقدیر ازلی کے عین مطابق تھی۔ (ابن عساکر) یعنی ہمارا فیصلہ ازل سے یہی تھا جو آپکی بد دعا کی صورت میں اسوقت رونما ہوا۔

حضرت نوحؑ کی دعا

حضرت نوحؑ نے اپنی اس بد دعا پر اکتفا نہیں فرمائی بلکہ جو لوگ ہدایت یافتہ تھے ان کے حق میں التجا کی :- پروردگار میرے! مجھے بخش دیجئے یعنی تبلیغ نبوت رسالت میں کوئی کسر رہ گئی یا کوئی کام منصب نبوت ورسالت کے شایاں مجھ سے نہ ہو سکا تو اس کو معاف فرمائیے۔ نیز میرے والدین (ماں باپ یا باپ دادا) کو بھی بخش دیجئے۔ مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ آپکے والدین ماجدین صاحب ایمان تھے۔ والد ماجد کا نام ملک بن متوشلخ تھا جیسا کہ اوپر گزرا۔ اور والدۂ ماجدہ کا نام سمحا بنت انوش تھا۔ نیز ان تمام لوگوں کو بخش دیجئے جو ایمان کی حالت میں میرے گھر میں داخل ہوئے۔ بیتی کی تفسیر بیت (گھر) نیز مسجد اور سفینہ سے کی گئی ہے مطلب یہ کہ جو لوگ میرے گھر میں یا مسجد میں یا جہاز میں بحالت ایمان داخل ہوئے ان کو بھی بخش دیجئے۔ نیز تمام اہل ایمان

مردوں اور تمام ایمان والی عورتوں کو خواہ وہ کسی زمانے میں ہوں ماضی حال استقبال سب کو بخش دیجیے

رہے ظالم یعنی کافر انکی بربادی اور تباہی میں اضافہ ہی ہوتا ہے"۔ اسمیں کفار مکہ کو یہ نصیحت مقصود ہے کہ قوم

نوح کی تباہی سے سبق لیں اور حضور انور کا اتباع کریں ورنہ اندیشہ ہے کہ جو حشر قوم نوح کا ہوا کہیں انکا بھی نہو۔

حضرت نوح کی دعا کی مقبولیت حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا کا قبول ہوتا تو عالم آشکار ہے کہ یادگار

طوفان کی شکل میں ظاہر ہوا یہ واقعہ صفحات تاریخ کے علاوہ زبان زد خاص و عام ہے۔ اسی سے یہ امید بلکہ یقین

کامل ہے کہ مغفرت کیلئے بھی دعا خاصہ عام جو آپنے فرمائی جس میں ہم امت مرحومہ کے مومنین و مومنات بھی

شامل ہیں ضرور محل اجابت میں پہنچ چکی ہے۔ جس سے حضرات انبیا علیہم السلام کی وسعت قلبی کا اندازہ

کیا جا سکتا ہے۔ علی نبینا و علیہم الصلاۃ والسلام خصوصاً علی نوح فی العالمین۔

دُعا بنابریں اس فقیر حقیر کی دعا ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور اپنے رسل اولوالعزم

نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے طفیل سے نیز حضرت نوح علیہ السلام کی دعائے مستجاب کے

بموجب ہم عاصیوں کو نیز ہمارے والدین اعزہ و اقربا احیا کو خصوصاً اور تمام مومنین و مومنات

کو عموماً دنیا و آخرت میں شاد کام فائز المرام رکھے آمین ثم آمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر

خلقہ سیدنا و مولانا محمد علی آلہ و اصحابہ ازواجہ ذریاتہ و اولیاء امتہ و علماء ملتہ و اتباعہم اجمعین الحمد للہ رب العالمین

سورۂ نوح کی تفسیر ختم ہوئی۔ و للہ الحمد۔

(۱۸ ذی الحجۃ الحرام ۱۳۷۷ھ روز یکشنبہ)

72 Jin Makky Aayaath 28

سُورۂ جنّ

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا اور اس کی (۲۸) آیتیں ہیں

ماقبل سے ربط | ماقبل سورت کریمہ سے اس سورت شریفہ کی مناسبت و ربط کئی وجوہ سے ہے :۔

۱۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں :۔ فکرت فیہ مدۃ فلم یظھر لی سوی انہ سبحانہ قال فی سورۃ نوح استغفروا ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا وقال عزوجل فی ھذہ السورۃ وان لو استقاموا علی الطریقۃ لاسقیناکم ماء غدقا وھذا وجہ بین فی الارتباط۔ میں نے اس بارے میں عرصۃ تک غور و فکر کیا تو مجھ پر یہی ظاہر ہوا کہ اللہ سبحانہ نے سورۂ نوح میں فرمایا تھا کہ تم اپنے پروردگار سے اپنے گناہ بخشواؤ یقیناً وہ بڑی بخشش والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے (پانی کی) دھاریں اتار دیگا" اور اس سورت شریفہ میں فرمایا کہ اگر وہ طریق حق پر قائم ہو جائیں تو ہم تم کو وافر پانی سے خوب سیراب کریں گے" سورت ماقبل سے اس کے ربط کی یہ کھلی ہوئی وجہ ہے۔

۲۔ سورت سابقہ میں کفار پر جو عذاب آیا تھا اس کو یوں بیان فرمایا گیا تھا۔ مما خطیئاتھم اغرقوا فادخلوا نارا۔ "پھر ان کی خطاؤں کے باعث وہ ڈبا دئے گئے پھر آگ میں جھونک دئے گئے" اور اس سورت شریفہ میں ارشاد ہو رہا ہے:۔ ومن یعص اللہ ورسولہ فان لہ نار جھنم خالدین فیھا ابدا۔ "اور جو کوئی نافرمانی کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی تو مقرر ہے اس کے لئے دوزخ کی آگ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ پڑے رہیں گے"

۳۔ قوم نوحؑ اصنام پرستی میں گرفتار تھی اور وہ ودّ' سواع' یغوث' یعوق اور نسر وغیرہ بتوں کی پرستش کیا کرتی تھی۔ اور قوم عرب بھی بت پرستی کیا کرتی تھی بلکہ یہی بت ان کے ہاں منتقل ہو کر آئے تھے۔ اور دونوں قوموں کی گمراہی ایک سی ملتی جلتی تھی۔ نیز حضرت نوح علیہ السلام تمام رسولوں میں پہلے صاحب شریعت رسول تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین اور اللہ سبحانہ کے آخری رسول ہیں جن کے بعد پھر کوئی نبی یا رسول نہ ہوں گے اور آپ کی شریعت تمام شرائع کی ناسخ اور قیامت تک باقی رہنے والی ہے جس کے بعد کوئی شریعت نہیں۔ بہرحال اول اور آخر میں مناسبت بالکل ظاہر و باہر ہے۔

سورۂ جن سے سبق اس سورت شریفہ میں یہ تعلیم دی جا رہی ہے کہ قوم جن باوجود

غیر جنس ہونے کے قرآن کریم سے متاثر ہو رہی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
ہدایات و تعلیمات کو قبول کرتی اور آپ پر ایمان لاتی ہے مگر قوم عرب جو جنس بشر ہے
اور ان کی ہدایت کے لئے رسول بھی اسی جنس سے مبعوث ہوئے ہیں باوجود اتحاد
جنس کے ان پر ایمان لانے اور ان کی ہدایات و تعلیمات قبول کرنے سے پہلو تہی
کر رہی ہے۔ لہٰذا ان کو ڈرنا چاہیئے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا جو حشر ہوا
کہیں اس کا انجام بھی اس طرح کا نہ ہو۔ و باللہ التوفیق۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع ہے اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْۤا اِنَّا سَمِعْنَا 72-1
قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ يَّهْدِيْۤ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِكَ 72-2
بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۙ وَّاَنَّهُ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً 72-3
وَّلَا وَلَدًا ۙ وَّاَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۙ

آپ کہیئے مجھ کو حکم آیا کہ سن گئے کتنے لوگ جنوں کے پھر کہنے لگے ہم نے سنا ہے
ایک قرآن عجیب کہ سمجھاتا ہے نیک راہ لہٰذا ہم اس پر یقین لائے اور ہرگز شریک
نہ بتلائیں گے ہم اپنے رب کا کسی کو اور یہ کہ اونچی ہے شان ہمارے رب کی نہیں رکھی

اس کے بیوی نہ بیٹا' اور یہ کہ ہم میں کا بے وقوف اللہ پر بڑھا کر باتیں کہا کرتا تھا۔"

شانِ نزول

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ انطلق النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی طائفة من اصحابه عامدین الی سوق عکاظ وقد حیل بین الشیاطین وبین خبر السماء وارسلت علیهم الشهب فرجعت الشیاطین الی قومهم فقالوا ما لکم فقالوا حیل بیننا وبین خبر السماء وارسلت علینا الشهب فقالوا ما حال بینکم وبین خبر السماء الا شیئ حدث فاضربوا مشارق الارض ومغاربها فانظروا ما الذی حال بینکم وبین خبر السماء فانصرف اولئك الذین ذهبوا نحو تهامة الی النبی صلی اللہ علیه وسلم وهو بنخلة عامدین الی سوق عکاظ وهو یصلی باصحابه صلاة الفجر فلما سمعوا القرآن استمعوا له فقالوا هذا واللہ الذی حال بینکم وبین خبر السماء فهنالك رجعوا الی قومهم فقالوا یا قومنا انا سمعنا قرآنا عجبا یهدی الی الرشد فآمنا به ولن نشرك بربنا احدا فانزل اللہ علی نبیه قل اوحی الی انه استمع نفر من الجن وانما اوحی الیه قول الجن[ع]

ع امام احمدؒ، عبد بن حمید، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن المنذر، حاکم، طبرانی، ابن مردویہ، ابونعیم، بیہقی۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کبار کی ایک جماعت کے ساتھ بازار عکاظ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت آسمانی خبریں شیاطین پر بند کر دی گئی تھیں اور ان پر شہاب ثاقب برسنے لگے تھے اس موقع پر شیاطین اپنی قوم میں جا کر کہنے لگے یہ کیا بات ہے کہ ہم پر آسمانی خبریں بند کر دی گئی ہیں اور ہم پر انگارے چھوڑے جا رہے ہیں۔ قوم شیاطین نے کہا کہ یہ بندش کسی نہ کسی نو ایجاد امر کے باعث ہے۔ لہذا مشرق و مغرب کے چپے چپے کو چھان مارو اور دیکھو کہ ہمارے اور آسمانی خبروں کے مابین کیا چیز حائل ہو گئی ہے؟ (چنانچہ شیاطین تمام روئے زمین میں مشرق سے مغرب تک پھیل گئے۔ بہت کچھ چھان مارا کچھ پتہ نہ چلا) تہامہ یمن کی طرف جو گئے تھے جس میں حجاز مقدس بھی شامل ہے وہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ گئے جبکہ آپ بازار عکاظ کو تشریف لیجانے کے لئے مقام نخلہ میں فروکش تھے وہاں آپ اپنے اصحاب کے ساتھ نماز فجر ادا فرما رہے تھے۔ ان لوگوں نے جب قرآن کریم سنا تو اس پر کان لگائے رکھے۔ اور خوب غور سے سنا پھر فیصلہ کر لیا کہ بخدا! یہی چیز ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان حائل ہوئی ہے۔ وہیں سے وہ اپنی قوم کے پاس جا کر کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب قراءت (قرآن) سنی جو بھلائی کی راہ دکھاتی ہے لہذا ہم اس پر ایمان لائے اب ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو کبھی شریک نہیں ٹھہرائیں گے اس موقع پر

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے نبی اکرمؐ پر سورت قل اوحی الی نازل فرمائی اور بنی جان (جنات) نے جو کچھ کہا تھا بذریعہ وحی اس کی اطلاع آپ کو دی گئی"۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول الثقلین ہیں

احادیث شریفہ سے چھ دفعہ بنی جان کے وفود خدمت اقدس میں حاضر ہونے کا پتہ چلتا ہے اور مفسرین کرام نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے؎۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے کہ ایسے کتنے واقعات درپیش ہوئے۔ بنی جان کے اس طرح حاضر ہونے اور آپ سے ہدایت حاصل کرنے سے یہ بھی

؎ حضرت زر بن حُبَیش کہتے ہیں کہ اس موقع پر جو بنی جان حاضر ہوئے تھے وہ کل سات تھے۔ جن میں "حران" کے تین اور "نصیبین" کے چار تھے۔ یہ علاقہ یمن کی بستی ہے۔ عراق میں بھی اسی نام کا ایک موضع ہے یہاں وہ مراد نہیں۔ ایک روایت میں ان کی تعداد (۹) بتلائی گئی ہے۔ نصیبین میں رہنے والے جن شرفاء و رؤساء سے ہونا لکھا ہے۔ اور حضرت عکرمہ کی روایت ہے کہ وہ بارہ ہزار تھے اور موصل کے باشندے تھے۔ بہرحال ان روایات میں جو اختلاف ہے وہ اتنا شدید ہے کہ سات اور نو یا بارہ ہزار میں کوئی نسبت ہی نہیں ممکن ہے کہ یہ سات یا نو ان کے حاکم اور افسر ہوں۔ زمخشری لکھتے ہیں کہ یہ "شیصبان" کے علاقہ سے تھے جہاں بنی جان کی بڑی بڑی بستیاں ہیں اور ابلیس لعین کی زیادہ تر افواج یہیں کی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ثابت ہے کہ حضور اکرمؐ مبعوث الی کافۃ الانس والجن تھے اسی وجہ سے آپؐ کو سید الثقلین کہتے ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ علامہ بوصیری فرماتے ہیں:۔

محمد سید الکونین والثقلین والفریقین من عرب و من عجم

رہا یہ امر کہ جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع فرمان تھے یہ صرف تسخیر کی حد تک ہے جیسے ہوا اور پرندے بھی آپ کے لئے مسخر کئے گئے تھے۔ تسخیر سے آپ کا رسول الی الجن ہونا ثابت نہیں ہوتا یہ خصوصیت تمام انبیاء علیہم السلام میں صرف حضور انورؐ کو حاصل تھی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

نبی جان نے قرآن کریم کی کونسی سورتیں سنیں

اس موقع پر نماز فجر میں جن سورتوں کی تلاوت فرمائی گئی ان کے متعلق مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ وہ سورۃ الرحمٰن تھی بعض کہتے ہیں کہ وہ سورت اقرأ باسم ربك الذی خلق تھی۔ ممکن ہے کہ پہلی رکعت میں حضورؐ نے الرحمٰن اور دوسری میں اقرأ تلاوت فرمایا ہو۔ یہ قصہ جن ہجرت سے تین سال پیشتر وقوع میں آیا اور واقدی کہتے ہیں کہ نبوت کے گیارھویں سال کا واقعہ ہے۔ چونکہ نبوت کے جملہ تیرہ سال تھے اس اعتبار سے اختلاف معمولی سا پایا جاتا ہے۔ لیلۃ الجن کا واقعہ جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے وہ اس کے سوا ہے۔

لیلۃ الجن کا واقعہ

ہمارے امام احمدؒ بن حنبل کی مسند میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا: انی امرت ان اقرأ علی الجن اللیلة فایکم یتبعنی فاطرقوا ثم استتبعهم فاتبعه عبد اللہ بن مسعودؓ مجھے حکم ہوا ہے کہ آج کی رات میں بنی جان کو قرآن سناؤں لہٰذا تم میں سے میرے ساتھ کون ہوگا؟ یہ سنکر سبھوں نے گردنیں جھکا دیں۔ پھر دوبارہ ساتھ چلنے کے لئے دریافت فرمایا تو عبد اللہ بن مسعودؓ آپ کے ساتھ حاضر رہنے پر آمادہ ہوگئے۔“

چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔ ولم یحضر معنا غیری فانطلقنا حتی اذا کنا با علی مکة دخل نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعبا یقال له شعب الحجون وخط لی خطا ثم امرنی ان اجلس فیه وقال لا تخرج منه حتی اعود الیك ثم انطلق حتی قام فافتتح القرآن فجعلت اری مثل النسور تهوی وسمعت لغطا شدیدا حتی خفت علی النبی صلی اللہ علیه وسلم وغشیته اسودة کثیرة حالت بینی وبینه حتی ما اسمع صوته ثم طفقوا ینقطعون مثل قطع السحاب الذاهبین ففرغ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم مع الفجر فانطلق الیّ۔

اس رات ہمارے سوا اور کوئی حاضر نہ تھے۔ ہم روانہ ہوئے تا آنکہ مکہ مکرمہ کے بالائی حصے میں پہنچے اور اللہ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک گھاٹی میں داخل ہوئے جس کو شعب الحجون کہتے ہیں۔ اور میرے لئے ایک خط کھینچکر فرمایا کہ میں اس کے اندر بیٹھا رہوں اور یہ بھی تاکید فرمائی کہ میری واپسی تک اس سے باہر نکلنا پھر آپ تشریف لے گئے اور ایک مقام پر ٹھہر کر تلاوت شروع فرمائی۔ میں دیکھ رہا تھا کہ گدھوں کی طرح جماعتیں وہاں پہنچ رہی تھیں۔ اور بڑا شور سنائی دے رہا تھا مجھے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت اندیشہ رہا۔ بہت ساری جماعتیں آپ کو گھیری ہوئی تھیں جن کی گڑبڑ سے آپ کی آواز مجھے سنائی نہ دیتی تھی۔ پھر ان کا مجمع چھٹنے لگا جیسے ابر چھٹتا ہے۔ فجر کے وقت کہیں آپ فارغ ہوئے اور میرے پاس تشریف لائے۔"

لیلۃ الجن میں حضور کی مراجعت فرمائی فقال انمت قلت لا واللہ یارسول اللہ ولقد ھممت مرارًا ان استغیث بالناس حتی سمعت صوتك تقرع بعصاك تقول اجلسوا قال لوخرجت لم آمن علیك ان یتخطفك بعضھم۔ آتے ہی حضور نے دریافت فرمایا کیا تم سو گئے تھے؟ میں نے عرض کیا نہیں یارسول اللہ۔ بخدا میں نے کئی دفعہ یہ ارادہ کیا کہ لوگوں سے مدد

طلب کروں تا آنکہ آپ کی آہٹ سن پائی کہ لکڑی ٹیکتے ہوئے آپ تشریف لا رہے ہیں اور فرماتے جاتے ہیں کہ وہیں بیٹھے رہو۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر تم جل سے باہر قدم رکھتے تو پھر تمہاری خیر نہ تھی کہ ان میں کوئی تم کو اڑا لیجاتا۔"

حضرت ابن مسعودؓ کا مشاہدہ ثم قال رأیت شیئًا قلت نعم رأیت رجالا اسودا مستثفری ثیاب بیض قال اولئک جن نصیبین سألونی المتاع فمتعتهم لکل عظم حائل وروث وبعرة۔ فقال یا رسول اللہ یقذرها الناس فنهی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یستنجی بالعظم والروث قال فقلت یا رسول اللہ وما یغنی ذلك عنهم قال انهم لا یجدون عظما الا وجدوا علیہ لحمه یوم یوکل ولا روثة الا وجدوا فیها حبها یوم اکلت۔ پھر فرمایا کہ تم نے کچھ دیکھا؟ میں نے عرض کیا ہاں۔ کالے کالے اشخاص سپید دھوتیاں باندھے لنگوٹیاں لگائے ہوئے۔ فرمایا وہ نصیبین کے جنات ہیں ان لوگوں نے کھانے کی خواہش کی۔ تو میں نے ہر موٹی ہڈی اور لید اور مینگنیوں کی اجازت دیدی۔ میں نے عرض کیا کہ ان چیزوں کو تو لوگ پلید کر دیتے ہیں (یعنی ان سے نجاست صاف کرتے ہیں) تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرما دیا کہ آئندہ ہڈی اور لید سے استنجا نہ کیا کریں۔ پھر میں نے عرض کیا

یارسول اللہ! اس سے ان کا پیٹ کیا بھریگا؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ ہڈی کو اٹھاتے ہی اس پر اس جانور کا گوشت چڑھ آتا ہے جیسا کہ اس پر تھا۔ اور یہی حال لید (اور مینگنیوں) کا ہے کہ جانور اس دن جو غلہ کھایا تھا لید (یا مینگنی) کو اٹھاتے ہی وہ غلہ وہاں نمودار ہوجاتا ہے۔ (ہڈی جنات کھاتے ہیں اور لید ان کے چوپائے۔)

ابن مسعودؓ کا استفسار فقلت یارسول اللہ سمعت لغطا شدیدا فقال ان الجن تدارت فی قتیل قتل منھم فتحاکموا الیّ فقضیت بینھم بالحق قال ثم تبرز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم اتانی فقال ھل معک ماء قلت یارسول اللہ معی اداوۃ فیھا شیئ من نبیذ التمر فاستدعاہ فصببت علی یدیہ فتوضا فقال تمرۃ طیبۃ وماء طھور۔ پھر میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں بڑی گڑبڑ سنتا رہا۔ فرمایا کہ جناتوں نے اپنے ایک مقتول کا مقدمہ دائر کیا اور مجھ سے فیصلہ چاہا۔ تو میں نے حق حق فیصلہ صادر کیا۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ پھر آپ حاجت کے لئے تشریف لے گئے پھر میرے پاس واپس آئے اور فرمایا کیا تمھارے ہاں کچھ پانی ہے؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میرے ساتھ ایک آفتابہ ہے جس میں کھجوروں کی نبیذ ہے' آپ نے اُسی کو لانے کیلئے فرمایا۔ چنانچہ میں اس کو آپ کے دست مبارک پر ڈالتا رہا' آپ نے وضو بنایا' پھر

فرمایا کھجوریں بھی پاک ہیں اور پانی بھی پاک ہے "۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے لیلۃ الجن کا ایک اور واقعہ مروی ہے۔ اس میں حضور اکرمؐ کیساتھ کوئی نہ تھے۔ اس طرح چھ واقعات کا احادیث شریفہ سے پتہ چلتا ہے۔ والعلم عند اللہ۔

جن کا وجود قومِ جن کا وجود قرآن کریم اور احادیث شریفہ کے سوا دیگر کتب و صحف سماویہ سے بھی ثابت ہے۔ بعض فلاسفہ اپنی کوتاہ بینی کی بنا پر اس کے منکر ہیں ہم کو ان سے بحث نہیں۔ ان کے قدما بھی جن کے وجود کے قائل ہیں۔ شرائع سابقہ کے ماننے والے بھی ان کا وجود تسلیم کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے جہاں فرشتوں کو نور سے پیدا کیا جس میں عناصر اربعہ کو دخل نہیں ہے۔ اسی طرح عناصر سے دیگر مخلوقات پیدا فرمائیں۔ انسان اور بعض حیوانات میں عنصر غالب خاک (مٹی) ہے اس لئے وہ زمین پر رہتے بستے ہیں۔ بعض حیوانات میں خلط غالب پانی ہے وہ پانی میں رہتے ہیں۔ کسی پر ہوا کا غلبہ ہے جیسے پرندے۔ لہٰذا وہ ہوا میں اڑتے رہتے ہیں۔ اور قوم جن پر نار کا غلبہ ہے۔ ارشاد باری ہے:۔

بنی جان کی تخلیق وخلق الجانّ من مارج من نار۔ اور بنی جان کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا ہے "۔ وہ عام طور پر نظر نہیں آتے اور فرشتوں کی طرح

اپنی شکل بدلتے بھی ہیں۔ کبھی بصورت انسان نمودار ہوتے اور کبھی سانپ، بلی وغیرہ کی شکل بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ شکل بدلنا ان کے لئے اتنا ہی آسان ہے جیسا ہم تبدیل لباس کر لیتے ہیں۔ مگر ملائکہ کے برخلاف ان میں نر و مادہ، اکل و شرب، توالد و تناسل جاری ہے۔ ان میں عقل موجود ہے۔ اور مختلف مذاہب کے پیرو ہیں۔ نیکی و بدی بھی ان میں موجود ہے۔ آپس میں جنگ و جدل اور مار کٹائی بھی ہوتی رہتی ہے، مرتے اور مارے جاتے بھی ہیں۔ زمین پر پہلے انھیں کی حکومت تھی۔ حضرت آدمؑ کی تخلیق کے بعد یہ ہٹا دیے گئے۔ زمین کے گوشوں میں عموماً ان کی بود و باش ہے۔ ان میں بلا کی قوت ہوتی ہے جبھی تو ایک عفریت نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا تھا کہ مجلس برخاست نہ ہونے تک وہ اکیلا بلقیس کا تخت اٹھا لائیگا۔ قال عفریت من الجن انا آتیك بہ قبل ان تقوم من مقامك تفصیل کے لئے کتاب آکام المرجان فی احکام الجان قابل دید ہے۔

جنّ مکلف ہیں جن مکلف ہیں۔ جو کافر ہیں وہ جہنم میں ڈال دیے جائیں گے اور تمام کافروں کی طرح ابدالآباد عذاب پاتے رہیں گے۔ اور جو مسلمان ہیں انکے ثواب پانے کے باب میں اختلاف ہے۔ مومنین مطیعین کے باب میں جو آیات کریمہ اور احادیث صحیحہ صریحہ وارد ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عموم میں قوم جن بھی

داخل ہے۔ نیز حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ لھم ثواب وعلیھم عقاب یلتقون فی الجنۃ ویزدحمون علی ابوابھا۔ (روح المعانی) ان کے لئے ثواب ہے اور ان پر عذاب بھی ہے۔ وہ جنت میں مسلمانوں کو ملتے رہیں گے۔ اور جنت میں داخل ہوتے وقت ابواب جنت پر ان کا ازدحام رہیگا" بعض علماء نے یہ بھی صراحت فرمائی ہے کہ آخرت کا معاملہ دنیا کے برعکس ہوگا۔ یہاں جن کو انسان نہیں دیکھتے تھے وہاں دیکھتے رہیں گے' اور انسانوں کو جن' یہاں دیکھتے تھے وہاں نہ دیکھ سکیں گے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ قوم جن کا ثواب یہی ہے کہ ان کو صرف عذاب دوزخ سے نجات ملیگی۔ پھر ان کو جنت کی مٹی بنا دیا جائے گا۔ حضرت ابوالزناد فرماتے ہیں :۔ اذا قضی بین الناس وامر باھل الجنۃ الی الجنۃ و اھل النار الی النار قیل لسائر الامم ولمؤمنی الجن عودوا ترابا فعودوا ترابا فعند ذلک یقول الکافرحین یراھم قد عادوا ترابا یا لیتنی کنت ترابا۔ (عبد بن حمید، ابن شاہین) جب تمام لوگوں کا فیصلہ سنا دیا جائیگا اور اہل جنت کو جنت میں اور دوزخیوں کو دوزخ چلے جانے کا حکم ہوگا تو تمام حیوانات اور قوم جن کے مومنین کو حکم ہوگا کہ تم مٹی بن جاؤ۔ اس پر سب کے سب مٹی ہو جائیں گے اس وقت ایک ایک کافر نے جب دیکھا کہ یہ سب مٹی ہو گئے (اور عذاب سے چھوٹ گئے) تو

کہنا شروع کریگا کہ کاش! میں بھی مٹی ہو جاتا۔ یا مٹی ہی رہتا اور انسان نہ بنایا جاتا۔"
لیث بن ابی سلیم اور ایک جماعت اہلِ علم کا یہی قول ہے۔

بنی جان کا ثواب و عقاب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں:۔ ان مؤمنی الجن حول الجنۃ فی ربض ولیسوا فیھا۔ قوم جن کے مومنین جنت کے اطراف میں میدانوں میں ہوں گے۔ جنت میں نہیں رہیں گے" بعض بزرگوں کا قول ہے کہ وہ اعراف میں ہوں گے، جو جنت و دوزخ کے درمیان ایک مقام ہے۔ کوئی کہتے ہیں: یدخلون الجنۃ ویلھمون التسبیح والذکر فیصیبون من لذۃ ذلک ما یصیبہ بنو آدم من لذائذھم۔ وہ جنت میں جائیں گے اور تسبیح و ذکر میں مشغول رہیں گے اس سے ان کو وہ لذت حاصل ہوگی جو بنی آدم کو ان کی لذتوں سے ملتی ہوگی" امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:۔ والصحیح انھم یدخلونھا ویتنعمون فیھا بالاکل والشرب وغیرھما صحیح یہ ہے کہ وہ جنت میں جائیں گے اور کھانا پینا اور اسکے علاوہ ساری نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے" یہی مذہب حضرت حسن بصریؒ، امام مالکؒ ضحاکؒ اور ابن ابی لیلیٰؒ وغیرہم کا ہے۔

حضرت امام اعظمؒ کا توقف امام نسفیؒ نے تیسیر میں لکھا ہے:۔ توقف ابو حنیفۃ رضی اللہ عنہ فی ثواب الجن فی الجنۃ ونعیمھم لانہ لا استحقاق

للعبد علی اللہ تعالی ولم یقل بطریق الوعد فی حقھم الا المغفرۃ او الاجارۃ من العذاب واما نعیم الجنۃ فموقوف علی الدلیل۔

مومنین جن نعیم جنت سے مستفید ہونے کے باب میں امام اعظم ابو حنیفہؓ نے توقف (سکوت) فرمایا ہے اس لئے کہ اللہ سبحانہ تعالی پر بندے کا کوئی حق نہیں (جنت میں جانا فضل الٰہی پر موقوف ہے) قوم جن کے بارے میں کوئی وعدہ نہیں دیا گیا بجز اس کے کہ گناہوں سے مغفرت اور عذاب سے پناہ دینے کا وعدہ ہوا ہے' رہا جنت کی نعمتوں سے استفادہ وہ دلیل پر موقوف ہے" اور اس پر کوئی دلیل نہیں۔ یعنی جنوں کو جنت کا وعدہ دیا جانا کہیں ثابت نہیں۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ یہ سورۂ احقاف کی اس آیہ کریمہ کی طرف اشارہ ہے:۔ یاقومنا اجیبوا داعی اللہ وآمنوا بہ یغفر لکم من ذنوبکم ویجرکم من عذاب الیم۔ (قرآن کریم کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن کر بنی جان نے اپنی قوم کو مخاطب کیا) اے ہماری قوم! اللہ کی طرف سے دعوت دینے والے (داعی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دعوت کو قبول کرو اور ان پر ایمان لاؤ تو اللہ سبحانہ تمھارے سابقہ گناہوں کو بخش دیگا اور تم کو دردناک عذاب کی پناہ دیگا" گناہوں کو بخش دینے اور عذاب سے نجات دینے سے یہ لازم نہیں کہ جنت

نعمتوں سے بھی سرفراز کرے۔ بہرحال حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ بعض دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی بنظرِ احتیاط سکوت و توقف فرمایا ہے۔ اقرار یا انکار نہیں فرمایا رضی اللہ عنہ۔

تفسیر آیاتِ صدر | قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ الآیۃ۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امرِ الٰہی ہو رہا ہے کہ آپ اہلِ مکہ سے کہہ دیجئے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے پاس سے مجھے یہ معلوم کرایا گیا ہے کہ قوم جن کی ایک جماعت نے مجھے قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے پاکر اس کو گوشِ جان سے خوب سنا۔ جب اس سے فارغ ہو کر اپنی قوم کے پاس واپس گئے تو اپنا تأثر یوں بیان کیا کہ ہم نے ایک قرآن (پڑھتے رہنے اور پڑھ سنانے کے قابل کتاب کو) سنا کہ عجب شان کی کتاب ہے۔ ہماری زبان اور ہمارے ہی محاورہ پر ہے مگر اس کی ترتیب، شیرینی، لطفِ بیان، فصاحت و بلاغت جاذبیت و کشش، دلوں پر تاثیر کچھ عجب شان رکھتی ہے جو دوسرے فصحاء و بلغاء کے کسی کلام میں نہیں پائی جاتی۔

یھدی الی الرشد کی تفسیر | پھر اس کلام پاک کی خصوصیت یہ ہے: یَهْدِیْ اِلَی الرُّشْدِ نیکی اور دانائی کی راہ بتاتا ہے۔ یہ بات اور کسی کلام میں نہیں پائی جاتی۔ دوسروں کا کلام فصیح و بلیغ ہوتا ہے مگر اس میں فصاحت و بلاغت کے سوا اور کچھ نہیں۔ لغویات و خرافات ہوتے ہیں۔ بے نتیجہ باتیں ہوتی ہیں۔ مذاق و

بیہودگی ہوتی ہے۔ کسی کی بیجا تعریف، یا ہجو، فسق و فجور کی داستان، بے حقیقت مبالغے، تک بندی، قافیہ پیمائی، زورِ سخن، تعلّی، بلند پروازی، محض تخیل، اس کے سوا کچھ نہیں۔
بہرحال جب ہم نے قرآن کریم کو بغور سنا فَاٰمَنَّا بِہٖ ۔ تو ہم نے اس کے منجانب اللہ ہونے کا یقین کرلیا" کہ اور لوگوں کے کلام کی یہ شان ہی نہیں ہوسکتی۔

لن نشرک بربنا احدا کی تفسیر اللہ سبحانہ کی توحید ہمارے دلوں میں ایسے راسخ اور مضبوط طریقہ سے جم گئی کہ اس کے برخلاف اگر لاکھ کوشش کی جائے وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۔ ہم اپنے مالک حقیقی کے ساتھ جو ہماری پرورش اور تربیت کرنے والا ہے، اور درجہ کمال تک ہم کو پہنچانا چاہتا ہے آئندہ اور کسی کو کبھی شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

تعالیٰ جدّ ربنا کی تفسیر وَاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا ۔ اور ہمارے حقیقی مالک و آقا کی عظمت و رفعت شان کا کوئی ٹھکانا اور حد نہیں کہ کسی کی وہاں تک رسائی ہوسکے۔ یا وہم و خیال کے ذریعہ اس کا اندازہ کیا جاسکے۔ ہم اپنے توہم و تخیل میں اللہ سبحانہ کی عظمت و رفعت شان کا جو بھی تصور کریں وہ اس سے بلند اور بلند تر ہے:۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم و ز ہر چہ گفتہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر ما ہمچناں در اوّل وصفِ تو ماندہ ایم

مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا کی تفسیر | مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا۔

ایسی پُرعظمت و بارفعت ذات نے نہ کوئی اپنی بی بی بنائی اور نہ کسی کو اپنی اولاد"۔

اس خدائے عظیم و رفیع کی عظمت و رفعت شان جب اس درجہ ہے کہ اس کی کوئی حدو انتہا نہیں وہ اپنی حد ذات میں یگانہ ہے تو بھلا اس کو صاحبہ سے کیا مناسبت؟ صاحبہ چاہتی ہے جنسیت کو' اور اللہ سبحانہ کی کوئی جنس نہیں' نیز جنسیت مقتضی ہے شرکت کی۔ اور خداوند تعالیٰ شانہ کا کوئی شریک نہیں۔ پھر' شرکت متلزم ہے اثنینیت اور دوئی کو۔ اور اللہ شانہ کی ذات ہے واحد' جہاں دوئی کا گزر نہیں۔ اس کے علاوہ صاحبہ کی صورت میں لازم آتی ہے احتیاج۔ اور خدائے قدوس کی ذات ہے غنی۔ بہرحال جب اس کی کوئی صاحبہ نہیں تو ولد کا کیا ذکر؟ ولد کی نفی کے دلائل پیشتر بھی گزر چکے ہیں۔

وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۙ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ

72-4

اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۙ اور یہ کہ ہم میں کا بیوقوف 72-5

اللہ پر بڑھا کر باتیں کہا کرتا تھا' اور یہ کہ ہم کو خیال تھا کہ ہرگز نہ بولیں گے آدمی اور جن' اللہ پر جھوٹ"۔

سفیہ سے مراد یہاں امور آخرت سے ناواقف ہے گو دنیوی امور میں کتنا ہی

عقلمند اور فیلسوف ہو۔ خواہ سفیہ بطور جنس مراد لیا جائے یعنی ہمارے نادان اور بے وقوف لوگ، اللہ سبحانہ کے لئے جورو بیٹا تجویز کیا کرتے اور اسی قسم کی مشرکانہ باتیں غلط سلط منسوب کیا کرتے تھے۔ ان میں ابلیس لعین بھی داخل ہے۔ یا یہ کہ خاص ابلیس ہی سے مراد لی جائے جیسا کہ مجاہد، قتادہ، ابو موسیٰ اشعری اور عثمان بن حاضر سے مروی ہے اور یہی قول جمہور کا ہے۔ چنانچہ مجاہد فرماتے ہیں:۔ ھو ابلیس۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) یعنی ابلیس لعین ہی ایسی ایسی باتیں، اللہ سبحانہ کی جناب میں بکا کرتا تھا۔" نیز ہمارا خیال یہ تھا کہ انسان ہوں یا جنّ، اللہ سبحانہ کے خلاف کوئی جھوٹ اور غلط بات نہیں کہیں گے۔ جب دیکھا کہ بہت سارے انسان جن میں پڑھے لکھے اور عقلائے زمانہ بھی داخل ہیں۔ مثلاً یہود کہتے ہیں کہ عزیر ابن اللہ ہیں۔ اسی طرح نصاریٰ کہتے ہیں:۔ المسیح ابن اللّٰہ "مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔" اور عرب کہتے تھے۔ الملائکہ بنات اللہ۔ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔" جنّ بھی اسی نوع کی تقریریں کیا کرتے تو ہم بھی ان کے بہکاوے میں آگئے اور یہ سمجھنے لگے کہ اللہ سبحانہ کی بی بی اور بچے ہیں لیکن جب قرآن کریم کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تو حقیقت حال منکشف ہوئی کہ یہ تمام باتیں لغو اور جھوٹی بکواس ہے۔ اور اللہ سبحانہ کی جناب میں کمال گستاخی۔ اس لئے اس سے تائب ہوگئے۔

اب ہماری سمجھ میں آگیا کہ اللہ سبحانہ کی ذات وحدہ لاشریک ہے اور وہ اپنی ہر صفت میں بھی تمام مخلوقات سے بلند و برتر ہے تو بی بی بچوں سے اس کو کیا واسطہ؟ پچھلی باتیں آخرت سے ناواقفیت کی بنا پر تھیں۔

وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ 72-6

فَزَادُوْهُمْ رَهَقًاۙ اور یہ کہ کتنے مرد آدمیوں میں کے پناہ ڈھونڈتے تھے

کتنے مردوں کی جنوں میں کے پھر تو وہ اور زیادہ سر چڑھنے لگے"

آدمیوں کا جنات کی پناہ لینا

ابو رجاء عطاردی تمیمی رض خود اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں:۔ بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد رعیت علی اھلی و کفیت مھنتھم فلما بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرجنا ھرابا فاتینا علی فلاۃ من الارض وکنا اذا امسینا بمثلھا قال شیخنا انا نعوذ بعزیز ھذا الوادی من الجن اللیلۃ فقلنا ذالک فقیل لنا انما سبیل ھذا الرجل شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ فمن اقر بھا امن علی دمہ ومالہ فرجعنا ودخلنا فی الاسلام قال ابو رجاء انی لاری ھذہ الآیۃ نزلت فیّ وفی اصحابی۔ (ابن سعد) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت شریفہ ہوئی تو میں اپنے اہل و عیال کی نگہداشت اور انکے انتظامات سے

فارغ تھا۔ جب آپ مبعوث ہوئے تو ہم اپنے گھروں سے دوڑے ہوئے نکلے جنگل میں ایک جگہ شام ہو گئی تو ایسے موقع پر ہماری عادت تھی کہ ہم میں جو بوڑھا بڑا ہوتا تو وہ کہہ دیتا :۔ انا نعوذ بعزیز ھذا الوادی من الجن اللیلۃ ۔ آج رات ہم اس وادی کے سردار جن کی پناہ میں آتے ہیں۔" چنانچہ (اس رات بھی عادت کے مطابق) ہم نے یہی کہا۔ اس نوبت پر ہم سے بعض ساتھیوں نے کہا کہ یہ صاحب جو مبعوث ہوئے ہیں ان کا مسلک یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دیجائے' لہذا جو کوئی اس کا اقرار کرلیتا ہے تو اس کو اپنی جان اور مال کا امان مل جاتا ہے۔ چنانچہ ہم نے سابقہ خیال سے رجوع کیا اور اسلام میں داخل ہو گئے۔ ابو رجاءؓ کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ یہ آیہ کریمہ میرے اور میرے ساتھیوں کے باب میں نازل ہوئی"۔

بنی جان کے شر سے استعاذہ کا طریقہ

اس باب میں ایسے متعدد واقعات منقول ہیں۔ یہاں تو کلمۂ شہادت پڑھ لینے سے امان مل جانا مذکور ہے۔ بعض روایات میں یہ دعا تلقین فرمائی گئی ہے :۔ اعوذ بکلمات اللہ التامات التی لا یجاوزھن برّ ولا فاجر من شر ما یلج فی الارض وما یخرج منھا وما ینزل من السماء وما یعرج فیھا ومن فتن اللیل ومن طوارق النھار الا طارقا یطرق بخیر۔ (ابو نصر سجزی) میں اللہ سبحانہ کے کلمات تامات کی پناہ

لیتا ہوں جن سے نہ کوئی نیک آگے بڑھ سکتا ہے اور نہ بد۔ شرارت سے ان چیزوں کی جو زمین میں گھستی ہیں یا اس سے نکلتی ہیں، نیز شر سے ان کے جو آسمان سے اترتی یا اس پر چڑھتی ہیں۔ نیز رات کے فتنوں اور دن کے حوادث سے مگر کوئی ایسا نیا واقعہ جو بھلائی ساتھ لائے"۔ ایسے مواقع پر معوذتین کا پڑھ لینا بھی کافی ہے جو سب سے سہل تر اور عموماً سب کو یاد ہیں۔ بلکہ اس کو روزانہ سوتے وقت پڑھ لینا چاہیے۔

تنبیہ جن ہوں یا شیاطین کسی پر از خود مسلط نہیں ہوتے لیکن لوگ ان کو خود پر مسلط کر لیتے ہیں۔ ان سے ڈرتے ہیں۔ ان کی پناہ ڈھونڈتے ہیں۔ ان کی امداد چاہتے ہیں تو ان کا دماغ چڑھتا جاتا ہے۔ وہ بھی اپنا زور دکھانے لگتے اور سروں پر سوار ہو جاتے ہیں۔ خود کردہ را چہ علاج۔ یہی حال فی زماننا بعض لوگوں کا سنا جاتا ہے جو زنسو شیخ صدو' بمن' یا کسی دیوی کی پوجا کرتے۔ ان کی نیازیں کرتے' ان سے منتیں مرادیں مانگتے' ان کے چڑھاوے چڑھاتے اور کیا کیا خرافات کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ دین متین اسلام کی سیدھی سادی راہ ہے جس میں توحید ہی توحید ہے' جہاں شرک کو دخل نہیں۔ دین اسلام اختیار کرو' اس کے بتلائے ہوئے طریق (صراط مستقیم) پر چلو اور سیدھے جنت میں چلے جاؤ۔ واللہ الموفق۔

وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۙ اور یہ کہ

ان (آدمیوں) کو بھی خیال تھا جیسا کہ تم کو خیال تھا کہ ہرگز نہ بھیجے گا اللہ کسی کو"۔

لن یبعث کی تفسیر پیغمبروں کی نسبت کفار ہمیشہ یہی کہتے رہے:۔۔۔

ماھذا الرسول یأکل الطعام ویمشی فی الاسواق۔ ان رسول (پیغمبروں) کو کیا ہو گیا کہ یہ کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں" یہ انسان کے کام ہیں۔ رسول نوع بشر سے نہیں ہو سکتے۔ فرشتہ ہونا چاہیے۔ جنوں کا خیال بھی یہی تھا وہ بھی اسی قسم کی تقریریں اپنی قوم میں کیا کرتے تھے کہ کوئی انسان اللہ کا رسول یا پیغمبر نہیں ہو سکتا۔ مگر ان لوگوں نے جب قرآن کریم کو حضرت رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے سنا کہ ایسا معجز کلام ابتداءً رسول بشر ہی سے سنا تو ان کو یقین آگیا کہ واقعی حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والسلام والثناء اللہ کے رسول ہیں جبھی تو ان پر ایسا کلام پاک نازل ہوا ہے اور ان کی سابقہ غلط فہمی دور ہو گئی۔ اسی کی حکایت اس جماعت جن نے اپنی قوم سے کی اور حقیقت حال سے مطلع کیا۔

دوسری تفسیر بعث کے ایک معنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے کے بھی ہیں۔ یعنی بعث بعد الموت۔ اس اعتبار سے آیۂ کریمہ کے معنی یوں ہو گئے کہ مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار جیسا تم کرتے ہو انسان بھی منکر تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مرنے کے بعد کسی کو بھی اللہ سبحانہ دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھائیگا۔ انکی یہ غلط فہمی

ایسی ہی تھی جس میں ہماری قوم بھی اب تک مبتلا تھی۔ قرآن کریم کو سننے سے یہ غلطی بھی رفع ہو گئی
اس میں صاف طور پر بعث بعد الموت کو حق بتلایا گیا ہے اور متعدد مثالوں اور
واقعات سے اس کو سمجھایا گیا اور دلائل و براہین سے ثابت کیا گیا ہے۔ لہٰذا ہم
اس پر بھی ایمان لاچکے۔

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّ 72-8
شُهُبًا ۙ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ 72-9
يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْۤ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِى 72-1
الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۙ اور یہ کہ ہم نے ٹٹول دیکھا
آسمان کو پھر پایا اس کو بھرے ہوئے ہیں اس میں چوکیدار اور انگارے' اور یہ
ہم بیٹھا کرتے تھے ٹھکانوں میں سننے کے واسطے پھر جو کوئی اب سننا چاہے تو پائیگا
انگارا تاک میں' اور یہ کہ ہم نہیں جانتے کہ بُرا ارادہ ٹھہرا ہے زمین والوں کے حق میں
یا چاہا ہے ان کے حق میں ان کے رب نے راہ پر لانا۔"

آسمانی خبروں پر احتساب

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ کانت الجن
قبل ان یبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم یستمعون من السماء فلما بعث
حرست فلم یستطیعوا ان یستمعوا فجاءوا الی قومھم یقولون للذین

لم يستمعوا فقالوا انا لمسنا السماء فوجدناها ملئت حرسا شديدا وهم الملائكة وشهبا وهي الكواكب وانا كنا نقعد منها مقاعد للسمع فمن يستمع الآن يجد له شهابا رصدا يقول نجما قد ارصد له يرمى به (ابن مردویہ)

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت شریفہ سے پیشتر جنات آسمانی باتیں سنا کرتے تھے۔ جب بعثت مبارکہ ہوئی تو سننے کا موقع جاتا رہا اب وہ اپنی قوم کے ہاں آکر اون لوگوں سے کہنے لگے جو سننے کے لئے نہیں گئے تھے کہ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو پایا کہ سارا آسمان فرشتوں کے پہرے چوکیوں سے پُر ہے اور تاروں کے انگارے تیار ہیں۔ ہم پہلے اپنے ٹھکانوں پر سننے کے لئے بیٹھا کرتے تھے۔ اب تاروں کے انگارے تاک لگائے ہوئے ہیں۔ (جہاں کوئی کچھ سننے کو آیا) انگاروں سے مار بھگا دیا جاتا ہے۔"

آیۂ لاندری کی تفسیر ابن جریج فرماتے ہیں:۔ قالوا لاندري لم بعث هذا النبي لان يومنوا به ويتبعوه فيرشدوا اولان يكفروا به ويكذبوه فيهلكوا كما هلك من قبلهم من الامم والله اعلم ۔ (ابن المنذر) جنات کہنے لگے ہمیں خبر نہیں کہ یہ نبی کیوں بھیجے گئے ہیں؟ کیا اس لئے کہ لوگ ان پر ایمان لائیں اور ان کا اتباع کریں تو نیکی کی راہ پائیں گے۔ یا اسلئے اگر ان کا انکار کریں اور انکو جھٹلائیں تو ہلاک کر دئے جائیں جیسا کہ ان سے پیشتر کی امتیں انکار و تکذیب کی بنا پر ہلاک

ہو چکی ہیں ؟ حقیقت حال کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے ۔"

اب کہانت نہیں رہی حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا ۔ کان الشیاطین لھم مقاعد فی السمآء یستمعون فیھا الوحی فاذا سمعوا الکلمۃ زادوا فیھا تسعا فاما الکلمۃ فتکون حقا واما ما زادوا فیکون باطلا (ابن ابی شیبہ، امام احمدؒ، ترمذی بروایت صحیحہ، نسائی وغیرہ) آسمان پر شیاطین کے ٹھکانے اور بیٹھکیں تھیں جہاں سے یہ آسمانی وحی سنا کرتے ۔ جہاں ایک کلمہ سن پایا تو ایک کو دس کر دیتے ۔ وہ ایک کلمہ تو صحیح ہوتا باقی اضافے سب جھوٹ ۔ نجومیوں کا نجوم اور کاہنوں کی کہانت اسی پر موقوف تھی ۔ امام زہری فرماتے ہیں :۔ ان اللہ حجب الشیاطین عن السمع بھذہ النجوم انقطعت الکھانۃ فلا کھانۃ ۔ (بیہقی) اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے ان ستاروں کے ذریعہ شیاطین کا سننا روک دیا تو کہانت کا سلسلہ منقطع ہو گیا ۔ اب کہانت کہانی بن گئی ۔"

وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۙ 72-11

وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ وَ لَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۙ 72-12

وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا یَخَافُ 72-13

بَخْسًا وَّ لَا رَهَقًا ۙ اور یہ کہ ہم میں سے تھے کوئی نیک اور کوئی اس کے سوائے

ہم کئی راہوں پر پھٹے ہوئے تھے' اور یہ کہ ہمارے خیال میں آ گیا کہ ہم چھپ نہ جائینگے
اللہ سے زمین میں' اور نہ تھکا دیں گے اس کو بھاگ کر' اور یہ کہ جب سُن لی ہم نے
بات راہ کی' تو ہم نے اس کو مان لیا' پھر جو کوئی یقین لائیگا اپنے رب پر تو نہ ڈرے گا
کسی نقصان سے اور نہ کسی زبردستی سے "

قومِ جن ماضی و حال میں یعنی قرآن کریم کو سننے سے پہلے ہم میں (قوم جن میں) کوئی نیک تھے نیکی کو پسند کرنے والے اور نیکی کی راہ اختیار کرنے والے' جکی رہنمائی عقل اور فطرت کرتی ہے۔ یا توریت اور انجیل پر ایمان رکھتے اور اس پر عمل کرتے تھے۔ اور کوئی ان کے سوا بھی تھے۔ شریر الطبع' موذی' ظالم۔ دوسروں کو ستانا ہی ان کو پسند ہے نیز مختلف اہواء و خواہشات رکھتے تھے جن کے ادیان بھی مختلف تھے۔ کوئی یہودی کوئی صابئی' (ستارہ پرست یا یہودیوں میں کا ایک فرقہ) اور کوئی نصرانی' مجوسی مشرک وغیرہ۔ جب ہدایت کا وقت قریب آیا تو یہ بات ہماری سمجھ میں آ گئی کہ تمام کائنات پر اللہ سبحانہ کی حکومت ہے۔ منشائے الٰہی کے خلاف چل کر نہ ہم زمین میں کہیں چھپ سکتے ہیں اور نہ کسی سمندر یا ہوا یا آسمان میں پناہ لے سکتے ہیں۔ جہاں کہیں ہوں ہم اللہ سبحانہ کو تھکا نہیں سکتے نہ اس کو گرفتاری سے عاجز کر سکتے۔ نہ کہیں بھاگ سکتے۔ اس کے احکام بہر حال ہر مکان و زمان میں جاری ہو سکتے ہیں۔ سلطنتوں کے

مجرم اگر ایک سلطنت میں جرم کرکے دوسری سلطنت میں پہنچ جاتے ہیں تو اس لئے کہ دوسری سلطنت میں اس کا حکم نہیں چل سکتا۔ حکومت الٰہیہ تمام کائنات پر جاری و ساری ہے اس سے فرار ممکن نہیں۔ ففروا الی اللّٰہ۔ دانائی اور ایمان کی بات یہ ہے کہ اگر جرم صادر بھی ہوا ہے تو اللہ ہی کی طرف راہ فرار اختیار کریں اور جوار رحمت ہی میں پناہ لیں۔ اتنی بات تو پیشتر ہی سے ہماری سمجھ میں آچکی تھی۔ جب ہم نے قرآن کریم کو سن پایا کہ وہ راہ حق بتاتا ہے تو ہم نے اس کو فوراً بے چون و چرا مان لیا۔ اور جو کوئی اپنے پروردگار کا یقین رکھیگا اور اس پر ایمان لائیگا اس کو کسی حق تلفی کا اندیشہ نہ رہیگا۔ نہ اس کے ثواب میں کوئی کمی ہوگی اور نہ اس کے عذاب میں بمقابلہ جرم کے کسی طرح کا اضافہ ہوگا۔

جنات کی اپنی قوم میں تبلیغ

گویا اپنی قوم کو وہ توجہ دلا رہے ہیں کہ تم بھی حضرت رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اور حضور پر نازل کی ہوئی کتاب قرآن کریم پر ایمان لاؤ اور اس کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرتے رہو تو تمہاری نجات ہے۔ یہی راہ حق ہے۔ اور تقاضائے دانشمندی و دوراندیشی یہی ہے۔ جس طرح نوع بشر کے افراد آپ پر ایمان لاکر قرآن کریم کے احکام کا اتباع کر رہے ہیں اور اپنی دنیا و آخرت کو سنوار رہے ہیں۔ اور دنیا و آخرت کے تمام اندیشوں سے مامون و مصئون ہوئے ہیں

وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ 72-14
تَحَرَّوْا رَشَدًا ۝ اور یہ کہ کچھ ہم میں فرمانبردار ہیں اور کچھ ہیں بے انصاف
اب جو فرماں بردار ہوئے انھوں نے ڈھونڈھ لی نیک راہ "

قوم جنّ قرآن سننے کے بعد یعنی قرآن کریم کو سننے کے بعد بھی ہم دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ بعض وہ ہیں جنھوں نے ایمان کی راہ اختیار کی اور اس کے احکام کی بجاآوری میں لگے ہوئے ہیں اس کے حکم کے آگے اپنی گردنیں جھکا دی ہیں۔ اور ہم میں بعض ہیں بے انصاف' حضرت ابن عباسؓ ان آیات کریمہ کے سلسلے میں فرماتے ہیں:۔ منّا المسلم و منّا المشرك اهوآء شتّی۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم) ہم میں بعض مسلمان ہیں اور بعض مشرک' اہل ہوا۔ یعنی قاسطین (بے انصاف) دو طرح کے ہیں۔ ایک مشرک و کافر جو شیطان کے پنجے میں بالکلیہ پھنسے ہوئے ہیں۔ دوسرے وہ جو ایمان تو لائے ہوئے ہیں اور احکام کے آگے اپنی گردنیں جھکا دی ہیں لیکن نفس و شیطان کے پنجے سے پوری طرح نکلے نہیں۔ سُدّی کہتے ہیں:۔ الجنّ هم مثلكم قدرية و مرجئة۔ (ابوالشیخ) جن بھی تمھاری طرح۔ قدریہ بھی ہیں (جو کہتے ہیں کہ انسان کو اپنے افعال پر پوری قدرت ہے) مُرجئہ بھی ہیں (جو کہتے ہیں کہ صرف ایمان کافی ہے عمل کی مطلقاً ضرورت نہیں)۔ یہ بطور مثال

چند فرقوں کے نام بتائے گئے ہیں۔ اسی پر (۷۲) فرقوں کو قیاس کرلیا جائے کہ جس طرح انسان ان گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں قوم جن کا حال بھی یہی ہے۔ مگر راہ نجات بالکلیہ مسلمین یعنی انھیں کے حصہ میں آئی ہے جو ایمان لائے اور اس کے حکم کے آگے اپنی گردنیں جھکائے ہوئے احکام کی بجاآوری کررہے ہیں۔

وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۙ اور جو بے انصاف ہیں وہ ہوئے دوزخ کے ایندھن ۔ 72-15

قاسطون کی تفسیر بے انصاف یعنی ظالم دو قسم کے ہیں جیساکہ اوپر بیان کیا گیا۔ ایک مشرکین جو ظلم عظیم اپنی گردنوں پر اٹھائے ہوئے ہوں۔ دوسرے وہ جو ایمان تو رکھتے ہیں لیکن ہوا پرستی میں گرفتار ہیں۔ نفس وشیطان سے آزاد نہیں ہوئے۔ یہ دونوں گروہ جہنم میں جائیں گے۔ فرق اس قدر ہے کہ مشرکین اور کفار کا عذاب دائمی ہے۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے: ۔ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ اللہ سبحانہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کئے جانے کے گناہ کو کبھی نہیں بخشیگا ۔ اور دوسرا گروہ دوزخ میں جائے گا۔ اور ہوا پرستی کی سزا پائے گا لیکن یہ سزا دائمی نہیں بلکہ بقدر گناہ یہ اور بات ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم یا شفاعت حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بخش دے کیونکہ ارشاد ہوا ہے: ۔ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء

اور شرک کے سوا دوسرے گناہ گاروں میں سے جس کو چاہے بخش دیگا"۔

وَّاَنْ لَّوِاسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ۙ 72-16

لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۙ اور یہ 72-17

(حکم آیا) کہ اگر لوگ سیدھے رہتے راہ پر تو ہم پلاتے اُن کو پانی بھر کر' تاکہ اُن کو جانچیں

اس میں اور جو کوئی منہ موڑے اپنے رب کی یاد سے وہ ڈال دیگا اس کو چڑھتے عذاب میں"۔

اطاعت کے ثمرات اور سرکشی کے نتائج یعنی اللہ سبحانہ تعالی کا یہ ارشاد ہوا کہ اگر تمام یا عام جن و انس اسلام کی سیدھی راہ' صراط مستقیم پر قائم رہتے تو ہم ان کے جی بھر پانی برساتے جس سے ان کی کھیتیاں اور باغات سرسبز ہوتے' کھانے کے لئے غلہ کی پیداوار خوب ہوتی' میووں اور پھل پھول کی فراوانی ہوتی' اور لطف زندگی حاصل ہوتا' مال و دولت کی کثرت ہوتی تاکہ ہم ان کا امتحان کریں کہ ان نعمتوں کا شکر کس طرح بجالاتے ہیں۔ اگر شکر گزار رہیں تو مزید نعمتوں کے دروازے کھول دیں سنۃ اللہ ایسی ہی رہی ہے۔ امم سابقہ کو بھی ایسا سنا دیا گیا تھا جیسا کہ دوسری جگہ اللہ سبحانہ نے فرمایا:۔ ولو انھم اقاموا التورٰۃ والانجیل وما انزل الیھم من ربھم لاکلوا من فوقھم ومن تحت ارجلھم۔ اور اگر یہ لوگ اپنے اپنے عہد میں توریت و انجیل اور دیگر کتب منزلہ (صحف ابراہیم

اور قرآن کریم) کے احکام کو قائم رکھتے تو ان کے اوپر سے (برسنے والے پانی) اور ان کے پاؤں تلے (پیدا ہونے والے غلوں، میووں، اور پھل پھول) سے مستفید ہوتے رہتے۔"

آیۂ لواستقاموا کی تفسیر حضرت حسن بصری نے آیۂ کریمہ وان لواستقاموا کی تفسیر میں فرمایا:۔ یقول لواستقاموا علی طاعۃ اللہ وما امروا بہ لاکثر اللہ لھم الاموال حتی یفتنوا بھا۔ یوں ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر لوگ اللہ سبحانہ کی طاعت پر قائم رہتے اور ان کو جو احکام دئے گئے ہیں ان کو بجا لاتے رہتے تو یقیناً اللہ تعالیٰ مال و دولت بکثرت عنایت فرماتا اتنا کہ دوسرے عش عش کرنے لگیں۔" پھر مزید یہ فرمایا:۔ واللہ ان کان اصحاب محمد لکذلک کانوا سامعین للہ مطیعین لہ ففتحت علیھم کنوز کسری وقیصر ففتنوا بھا فوثبوا بامامھم فقتلوہ (عبد بن حمید) قسم بخدا کہ حضرت سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب یقیناً ایسے ہی تھے جو اللہ سبحانہ کے احکام و ہدایات بگوش جان سنتے جاتے پھر ان کی بجا آوری میں لگے رہتے تھے۔ جس کی بدولت اللہ سبحانہ نے کسری و قیصر کے خزانے ان پر کھول دیے جس پر دوسرے عش عش کر رہے تھے۔ پھر کیا ہوا کہ بعد والے اپنے ہی امام پر حملہ آور ہو کر ان کو قتل کر ڈالا۔" یہ حضرت خلیفہ سوم سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ شہادت کی طرف اشارہ ہے۔ جس کے بعد مسلمانوں کو ایسا امن وچین پھر کبھی نصیب نہ ہوا۔

عدم استقامت کے نتائج جنگ جمل، معرکۂ صفین، قتال خوارج، حضرت خلیفۂ برحق سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ پھر امام مسموم حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ و علی جدہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شہادت، واقعہ فاجعہ کربلا، قتال حرہ، اور تیاری قتال ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، یہ سب اہم اہم حوادث و واقعات وقوع میں آئے۔ جو تلوار کفار و اعداء اللہ پر چمکتی تھی، وہ آپس ہی میں چلنے لگی۔ اور نتیجہ سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ خدا کی پناہ۔ ان میں واقعہ کربلا تو اتنا دردناک ہے کہ تاقیامت اسکی یاد فراموش نہیں کی جاسکتی۔ واقعہ کیا تھا کہ خاندان نبوت اور دودمان رسالت علیہم الصلوٰۃ والتسلیم پر قیامت خیز مظالم کی بوچھار تھی۔ ان ظالموں نے دعویٰ اسلام رکھتے ہوئے وہ کام کیا جو کفار و شیاطین سے بھی نہ ہوسکا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون :

جس دن ہوگا اذا السماء انفطرت　　جس دم ہوگا اذا النجوم انکدرت

تب سیدہ فاطمہ کریں گی فریاد　　اولاد مری بای ذنب قتلت

لواستقاموا کی دوسری تفسیر دوسری تفسیر یہ ہے کہ ابو الجن (ابلیس) عرصۂ دراز تک اللہ سبحانہ کی طاعت و عبادت میں لگا ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ زمین کا کوئی چپہ نہ چھوڑا جہاں اس نے سجدے کے لئے اپنا سر نہ رکھا ہو۔ تاآنکہ کانٹے پر بھی سجدہ کیا

جس کی بدولت زمرۂ ملائکہ کیا تھا اس کو شامل کیا گیا۔ مگر حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کر کے راندۂ درگاہ ایزدی ہوا۔ اور امر ربانی کے مقابلہ میں اپنی رائے و قیاس سے معارضہ کرتا رہا۔ کہا جاتا ہے :۔ اوّل من قاس ابلیس ۔ (نص) حکم صریح کے مقابلہ میں جس نے سب سے اول قیاس کو پیش کیا وہ ابلیس ہی تھا " اس کی وجہ سے اس کی اولاد بھی برگشتہ ہوئی ۔ اگر وہ پہلے کی طرح راہ حق پر قائم رہتا تو اس کی ذریت بھی برگشتہ نہ ہوتی اور ان کو حیات طیبہ نصیب ہوتی ۔ اور اللہ سبحانہ کا فضل و کرم اس درجہ عائد حال ہوتا کہ دیکھنے والے ان پر بھی عش عش کرتے ۔ یہ تفسیر بھی اپنی جگہ درست اور سیاق سے موزونیت رکھتی ہے ۔ واللہ اعلم ۔

عذابا صعدا کی تفسیر یہ بیان تو طریق حق پر قائم رہنے والوں کا ہوا ۔ خواہ یہاں جن و انس دونوں فریق مراد ہوں یا فقط جن، آگے ان لوگوں کا بیان فرمایا جا رہا ہے جو ذکر الٰہی سے اعراض و روگردانی کرنے والے اور اس کے منکر ہیں ۔ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۔ اور جو کوئی اپنے رب کی یاد سے منکر و روگرداں ہوا تو وہ اس کو ڈال دیگا چڑھتے عذاب میں " بظاہر یہاں عذاب سے عذاب دنیا مراد ہے کیونکہ اس سے اوپر کی آیۂ کریمہ میں راہ حق پر قائم رہنے والوں سے لاسقیناھم ماء غدقا کا وعدہ فرمایا گیا ہے کہ ہم ان کو آب کثیر سے سیراب کریں گے

یعنی پانی برسا کر خیر و برکت دیں گے اور ہر طرح مالا مال کریں گے۔ یہ خیر و برکت دنیوی ہی تھی تو اس کے مقابل جس عذاب کا بیان فرمایا جا رہا ہے وہ بھی دنیوی ہی ہونا چاہئے۔ حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں :۔ کل مال اعطیتہ عبدا من عبادی قل اوکثر لایطیعنی فیہ فلاخیر فیہ وھو الضنک فی المعیشۃ۔ (ابن ابی حاتم) یہ حدیث قدسی ہے۔ رب العزت جل جلالہٗ و عم نوالہٗ کا ارشاد ہے کہ جو بھی مال میں اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو دیتا ہوں تھوڑا ہو یا بہت، اور وہ اس کو لیکر میرا تابع فرمان نہیں رہتا تو اس مال میں اس کو کوئی خیر و برکت نصیب نہیں ہوتی۔ یہی معیشت کی تنگی ہے۔" حضرت سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں :۔ تسلبہ القناعۃ حتی لایشبع۔ قناعت کی صفت اس سے سلب ہو جاتی ہے۔ (وہ خوب کماتا جاتا ہے) لیکن اس کو کبھی سیری نصیب نہیں ہوتی۔"

عہد حاضر پر ایک نظر فی زمانا اقوام عالم پر نظر کیجئے کہ ہزاروں لاکھوں کروڑوں، اربوں روپیہ بے غل و غش جس طرح بھی بن پڑے گھسیٹ رہے ہیں۔ باایں ہمہ ان کی حرص و آز کے دانت تیز ہی رہتے ہیں۔ کسی نوبت پر بس کہنے کی کوئی صورت ہی نظر نہیں آتی۔ جب دیکھو روپیہ کمانے، جتن کرنے کی فکر دامنگیر ہے۔ آپس میں حسد و بغض اس درجہ ترقی کیا ہوا ہے کہ اگر بس چلے تو دوسروں کو

کھاجائیں۔غور کیجئے کہ یہ چڑھتا ہوا عذاب صعد نہیں تو اور کیا ہے کہ دولت جیسی جیسی بڑھتی جاتی ہے آتش حسد و بغض چڑھتی جاتی ہے اطمینان و چین کبھی نصیب نہیں ہوتا۔ یہ ساری نکبت ذکراللہ سے اعراض کی نکبت ہے۔

صوفیائے کرام کا اسوہ حسنہ ان کے مقابل ایک گروہ اہل الذکر صوفیائے کرام کا ہے کہ بیچارے کیا کماتے کیا کھاتے، کیا پہنتے، کہاں رہتے اور کس طرح خاموش زندگی گزار رہے ہیں مگر کوئی لمحہ یاد الہٰی سے خالی نہیں۔حلال طریقہ سے کچھ حاصل ہوا تو تنہا خوری سے کام نہ لیا۔بلکہ عالی ہمتی سے فقرا و ماکین کو شریک حال بنا لیا۔ ؎

نیم نانے گر خورد مرد خدا بذل درویشاں کند نیمے دگر

اور اگر کبھی کچھ میسر نہ ہوا تو دن کو روزہ رکھا یا رات کو نہ ملا تو فاقہ۔اور حمد و شکر میں وقت گزار دیا۔نیز اس نایابی رزق کو اپنے گناہوں کا کفارہ تصور کیا۔لیکن کسی حال صبر و سکون، طمانینت قلب، شرح صدر، مخلوق سے استغناء اور خلق اللہ پر شفقت کو ہاتھ سے جانے نہ دیا بلکہ ایسا بھی ہوا ہے کہ چور گھر میں گھس آیا۔مگر اس کو کچھ نہ ملا تو چور کا خالی ہاتھ جانا تک گوارا نہ فرمایا۔کمبل اتار کر پھینک دی جس کو لے کر وہ خوشی خوشی چلتا بنا۔ ؎

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ

ترا کے میسر شود ایں مقام کہ با دوستانت خلاف است جنگ

دوسری تفسیر یہ بھی ہو سکتا ہے عذابا صعدا سے عذاب قبر مراد ہو۔ جیسا کہ سورۂ طٰہٰ کی آیۂ کریمہ ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا کی تفسیر میں "عذابِ قبر" کی صراحت بعض روایات میں موجود ہے۔ یا یہ کہ عذاب آخرت مراد ہو۔ حضرت ابو سعید خدری رضی فرماتے ہیں:۔ صعد جبل فی النار کلما وضعوا ایدیھم علیہ ذابت (روح المعانی) صعد نام کا دوزخ میں پہاڑ ہے (جس پر چڑھنے کے لئے اہل دوزخ کو حکم ہو گا۔) وہ اس پر چڑھنے کے لئے ہاتھ رکھتے ہی وہ گھلنا شروع کر دیگا"۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی اسی کے قریب ایک روایت آئی ہے۔ عکرمہؓ فرماتے ہیں:۔ ھو صخرۃ ملساء فی جھنم یکلف صعودھا فاذا انتھی الی اعلاھا حدر الی جھنم۔ صعود نام کی دوزخ میں ایک بلند چکنی چٹان ہے جس پر چڑھنے کے لئے دوزخیوں کو حکم ہو گا جب وہ چڑھتے چڑھتے اس کی چوٹی تک پہنچ جائیں گے تو پھسل کر جہنم میں آرہیں گے"۔ العیاذ باللہ۔ یہ ہے سزا غافلوں کی اور اللہ کی یاد سے منہ موڑنے والے منکروں کی۔ خواہ وہ جن ہوں یا انس۔

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا اور یہ کہ مسجدیں 72-18

خاص اللہ (کی یاد) کے لئے ہیں لہذا نہ پکارو اللہ کے ساتھ کسی کو"۔

ان المساجد للہ کی تفسیر یہود و نصاریٰ کی عادت تھی کہ جب وہ اپنی عبادت گاہوں میں آتے تو مشرکانہ باتیں کرتے۔ یہود حضرت عزیرؑ کو اور نصاریٰ حضرت مسیحؑ کو اللہ سبحانہ کی عبادت میں شریک کرتے۔ جنات بھی ان کو دیکھ کر مشرکانہ طور طریق اختیار کئے ہوئے تھے۔ قرآن کریم کی سماعت کے بعد ان کو معلوم ہوا کہ یہ مشرکانہ طریقہ ہے۔ اب اس سے آگاہ ہو کر وہ اپنی قوم سے کہہ رہے ہیں کہ مساجد اللہ سبحانہ کی مخلصانہ عبادت کے لئے بنائی گئی ہیں۔ اس وقتِ خاص اور مقامِ خاص میں اللہ کو چھوڑ کر یا اللہ سبحانہ کے ساتھ کسی کو شریک عبادت کرنا درست نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اللہ کے ساتھ اور کسی کے نام کو عبادت کے لئے پکارنا ہرگز نہ چاہیئے۔ یہ مسجد کا ادب ہوا اور عبادت کا صحیح طریقہ۔

دوسری تفسیر دوسری تفسیر یوں کی گئی ہے کہ تمام روئے زمین "مسجد" ہے۔ حدیث شریف ہے:۔ جعلت لی الارض مسجداً و طهوراً۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پوری زمین خصوصیت کے ساتھ میرے لئے (جس میں آپ کی امتِ مرحومہ بھی داخل ہے) سجدہ گاہ اور طہارت کا ذریعہ بنائی گئی ہے" چنانچہ اس اعتبار سے مسلمان، اپنے خدائے بزرگ و برتر کی عبادت کے لئے کسی خاص عبادت گاہ کا محتاج نہیں رہا۔ جیسا کہ دیگر اقوام خود کو محتاج کلیسا و مندر

و بیت خانہ وغیرہ سمجھی ہوئی ہیں۔ مسلمان جہاں کہیں ہو وقت آتے ہی اسی جگہ نماز ادا کرسکتا ہے۔ نیز وہ وضو وغسل کے لئے پانی کا محتاج نہیں۔ اگر عبادت کا وقت آن پہنچا اور وہاں نہ کوئی مسجد ہے اور نہ طہارت کا پانی جس سے وضو غسل کرسکے، تو وہ پاک مٹی پر بہ نیت تیمم دونوں ہاتھ مار کر اپنے ہاتھ منہ پر مل لیتا ہے۔ پھر دونوں ہاتھ مار کر اپنے دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک مل لیتا ہے۔ اب وہ وضو وغسل کی نجاست حکمی سے پاک ہو گیا لہٰذا بے تکلف وہیں پر نماز ادا کرسکتا ہے۔ اس اعتبار سے آیۂ کریمہ کے معنی یہ ہوئے کہ تمام روئے زمین ادائے عبادت کا محل (مسجد) ہے۔ لہٰذا زمین کے کسی گوشہ میں بھی اللہ کے سوا کسی کو نہ پکارو۔ یہ تفسیر سابقہ تفسیر سے بھی بلیغ تر ہے۔

شانِ نزول اعمش کہتے ہیں: قالت الجن یارسول اللہ ائذن لنا فنشھد معک الصلوات فی مسجدک فانزل اللہ وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا یقول صلوا لا تخالطوا الناس (ابن ابی حاتم) جنوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہمیں اجازت ہو تو آپ کی مسجد شریف میں آپکے ساتھ نمازوں میں حاضر رہا کریں۔ تو اللہ سبحانہ نے یہ آیۂ کریمہ نازل فرمائی کہ تمام مساجد (روئے زمین) اللہ کی ہے ہاں! اللہ کے سوا اور کسی کو نہ پکارا کریں جسمیں حکم ہو رہا ہے کہ (جہاں وقت آئے) نماز پڑھ لیا کریں! انسانوں کیساتھ خلط ملط نہ کریں۔" حضرت سعید بن جبیرؓ سے بھی ایک روایت ہے جس سے انکی تائید ہوتی ہے جو تفسیر ابن جریر میں مسطور ہے۔ واللہ اعلم۔

تیسری تفسیر | تیسری تفسیر یوں ہے کہ "مساجد" سے اعضائے سجود مراد ہیں۔
حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد
فرمایا:— امرت ان اسجد علی سبعۃ اعظم علی الجبھۃ والیدین
والرکبتین واطراف القدمین ولا نکفت الثیاب ولا الشعر۔
"مجھے حکم ہوا ہے کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کیا کروں۔ پیشانی دونوں ہاتھوں دونوں
گھٹنوں اور دونوں پاؤں کے کناروں پر۔ نیز یہ کہ کپڑوں کو نہ سمیٹ لیں اور
نہ بالوں کو" چنانچہ سجدے کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ ان سات اعضا پر سجدہ
کیا جائے۔ اور یہ اعضا درحقیقت اسی مقصد خاص (اللہ سبحانہ کے سجدے)
کے لئے بنائے گئے ہیں۔ لہٰذا اور کسی کے آگے یہ اعضا جھک نہیں سکتے۔

فان سجدنا الیک نسجد　　وان سعینا الیک نسعیٰ

"بارالٰہا! اگر ہم سجدہ ریز ہوں گے تو مخصوص طور پر آپ ہی کے لئے۔ اور
اگر ہماری دوڑ کہیں ہو گی تو آپ ہی کی طرف"

وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ

19 لِبَدًا ۞ اور یہ کہ جب کھڑا ہوا اللہ کا بندہ کہ اس کو پکارے لوگوں کا بندھنے
لگتا ہے اُس پر تانتا"

72-19

لِبَدًا کی تفسیر لِبَدً جمع ہے لِبَدَۃٌ کی۔ اس کے معنی ہیں الجماعات بعضھا فوق بعض ۔ جماعتیں اور ٹکڑیاں ایک پر ایک گرنے والی ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بھی اطلاع دی جا رہی ہے کہ جب عبد اللہ یعنی اللہ کا عبد کامل (ذات اقدس حضور سرور کائنات علیہ افضل الصلوات وازکی التسلیمات) اس کی عبادت کے سلسلہ میں اس کے حضور میں کھڑے اس کی یاد کر رہے اور اس سے مخاطب ہیں، راز و نیاز ہو رہے ہیں، دعا فرماتے جا رہے ہیں تو جن و انس آپ پر ہجوم کرتے اور ایک دوسرے پر گرتے جاتے ہیں ۔ چنانچہ نماز جب بیت اللہ شریف کے پاس ادا ہوتی تھی تو مسلمان آپ کے ساتھ شریک نماز ہوتے جاتے اور کفار و مشرکین تماشائی بن کر ہر طرف سے اس منظر خاص کا نظارہ کرتے رہتے تھے اور آپکی مخالفت کی تدبیریں سوچتے تھے ۔ اور آج جب کہ آپ سوق عکاظ کو تشریف لیجاتے ہوئے مقام نخلہ میں نماز فجر ادا فرما رہے تھے تو جنات کا بھی یہی حال تھا۔ سات یا نو کی تعداد نے آپ کو بحالت نماز پا لیا تو روئے زمین میں پھیلے ہوئے جنات کو آواز دی کہ تم کو جس امر کی تلاش ہے وہ اور کہیں نہیں ہے بلکہ یہاں ہے۔ یہ سنتے ہی ہزاروں جن وادی نخلہ میں پہنچ گئے اور یہ خاص منظر دیکھنے کے لئے

ایک پر ایک ٹوٹ پڑتے تھے۔ یہ از راہ تعجب تھا مقصدِ اجتماع جدا سہی مگر منظر قابل دید۔ سب میں بہتر اور افضل تر وہ جو شریک حال ہوجائیں۔ واللہ الموفق۔

عبداللہ کی تفسیر | یہاں اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیگر القاب (نبی، رسول، خاتم النبیین، سید الرسل وغیرہ) یا دیگر اسمائے شریفہ (محمد، احمد، حامد، محمود وغیرہ) سے یاد نہ کرکے عبداللہ کے لقب خاص سے یاد فرمانا اس امر کی دلیل ہے کہ مقام عبدیت مدارج کمال کا اعلیٰ ترین درجہ اور مرتبہ ہے کہ اس سے بڑھکر انسانیت کا کوئی درجہ متصور نہیں ہوسکتا۔ نیز اس نادر واقعہ کا اعلان حضور انور روحی فداہ کی زبان فیض ترجمان سے کرانا منظور ہے تو کمال تواضع و انکسار اسی میں ہے کہ اپنے آپ کو عبداللہ کے موزوں و محمود لقب سے معروف و مشتہر فرمائیں۔ معراج شریف کے موقع پر اللہ سبحانہ نے اسریٰ بعبدہٖ کے مبارک لقب سے یاد فرمایا تھا۔ مگر وہاں ضمیر کے ساتھ عبدہٖ ارشاد ہوا تھا۔ ضمیر مبہمات سے ہے۔ موقع ومحل کے لحاظ سے وہاں ضمیر ہی مناسب تر تھی۔ یہاں اعلان کے موقع پر عبداللہ بصراحت تلقین فرمایا گیا اس کا لطف اہل لسان اور علمائے ربانیین سے پوشیدہ نہیں کہ اس سے بڑھکر بلاغت نہیں ہوسکتی۔ سبحان اللہ۔

حضرت قتادہ کی تفسیر | حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں:۔ لما قام نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تلبدت الانس والجن علی ھذا الامر لیطفوہ فابی اللہ الا ان ینصرہ ویظہرہ علی من ناواہ ۔ (عبدالرزاق عبد بن حمید ابن المنذر) جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (نماز کے لئے) کھڑے ہوتے (اور تلاوت شروع فرماتے) ہیں تو انس و جن آپ پر ہجوم کرتے اور ٹوٹ پڑنا چاہتے ہیں تاکہ جو نور اسلام آپ کے ساتھ ہے اس کو بجھا دیں ۔ ادھر اللہ سبحانہ کی مشیت یہ ہے کہ وہ ان کے مقابلہ میں آپ کی نصرت فرماتا رہے اور تمام مخالفین پر آپ کو برتری دے اور آپ کی پشت پناہی فرماتا رہے'' چنانچہ یہی ہوا اور ہوتا رہیگا ۔

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ۝ آپ کہیے کہ 72-20

میں تو پکارتا ہوں بس اپنے رب کو اور شریک نہیں کرتا اس کا کسی کو''

کفار انس و جن سے خطاب نماز اور قرأت قرآن کریم کے موقع پر کفار و مشرکین کا ہجوم ہو یا جنات کا ازدحام کیوں ہوتا ہے نماز پڑھنے سے کفار کو کیوں ناراضی ہے اور جنات کے لئے تعجب کی کیا بات ہے ؟ آپ فرما دیجیے کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کو پکارتا اس کی عبادت کرتا اور اسی کے آگے اپنی حاجات پیش کرتا ہوں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا ۔ اور نہ کسی کو حاجت روا جانتا ہوں ۔ اس پر تم کو ناراضی کیوں ہے ۔ خدائے واحد کی عبادت کی یا اس کے سامنے اپنی حاجات پیش کیں تو اس میں کس کا نقصان ہوا ؟ جو خواہ مخواہ میرے خلاف

محاذ تیار کر رہے ہو۔ توحید اور اس کی دعوت تو اچھی بات ہے اور یہی حق ہے ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ تم بھی میرے ساتھ اس دعا اور دعوت میں شریک ہو جاتے۔ ایسا نہ کر کے مخالفت کے کیا معنی؟۔

قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۝ یہ بھی فرما دیجئے 72-21

کہ میرے اختیار میں نہیں تمہارا نقصان اور نہ تم کو راہ راست پر لانا ''

طلبۂ علوم عربیہ سے خطاب جمہور مفسرین نے یہاں ضرًّا کے بعد اس کی ضد نفعاً اور رَشَدًا کے بعد اس کی ضد غیًّا کو مقدر تسلیم کیا ہے گویا اس کو باب احتباك سے قرار دیا ہے جو علمائے بیان کے نزدیک حذف کلام کی ایک بہترین اور نہایت لطیف قسم ہے۔ ایسا حذف اس موقع پر کیا جاتا ہے جب کہ محذوف کا علم، مذکور کے ذریعہ خود بخود حاصل ہوتا ہو۔ چنانچہ یہی اصل یہاں کارفرما ہے کہ ضرًّا یا ضَرَر سے اس کی ضد یعنی نفع اور رَشَد یا رُشد سے اس کا مخالف پہلو یعنی غیّ اس کے ساتھ بے تکلف ذہن میں آجاتا ہے۔ چنانچہ آیۃ الکرسی میں ہے:۔ قد تبیّن الرشد من الغیّ بے شک ہدایت گمراہی سے جدا ہو چکی'' جب صورت حال یہ ہے کہ مخالف پہلو کا علم خود بخود اس کے سننے والے کو حاصل ہوتا ہے تو اس کو بیان کر کے کلام میں طوالت دینے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس لئے

ایک کا ذکر کرکے دوسرے کو حذف کر دیا گیا جس سے اختصار کے علاوہ لطفِ کلام دوبالا ہوگیا۔

پھر رُشد (ہدایت) اور غیّ (ضلالت) اسباب ہیں نفع وضرر کے۔ ہدایت سے نفع حاصل ہوتا ہے اور ضلالت سے ضرر۔ تو نفع وضرر مسبّب ہوئے جو اپنے اسباب کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں۔ یہاں اللہ سبحانہ نے دو اسباب میں سے ایک اور دو مسببات میں سے ایک کا ذکر فرماکے دوسرے کو نظر انداز فرمایا ہے۔ اس میں بھی جو لطف خاص ہے وہ ظاہر ہے۔ ان ہر دو اعتبارات سے کلام کی رفعت شان کی کوئی حد نہیں رہی۔

آیہ ۲۱ ملاکی تفسیر بہرحال اس آیہ کریمہ کے ذریعہ یہ بتانا منظور ہے کہ اے نبی کریم! آپ فرما دیجیے کہ تمہارے نقصان پر میرا کوئی اختیار نہیں ہے جیسا کہ کسی کو کوئی نفع پہنچانا میرے اختیار اور میرے ارادہ پر موقوف نہیں ہے۔ نیز تم میں سے کسی کو راہ راست پر لا کھڑا کر دینا اس طور سے کہ تم کبھی اس سے بھٹکنے نہ پاؤ' یہ بھی میرے اختیار سے باہر ہے۔ جیسا کہ تم میں سے کسی کو بھٹکا دینا کہ پھر کبھی راہ راست پر نہ آسکو یہ بھی میرے اختیار میں نہیں ہے۔ تمہارا ضرر اور نفع یا تمہاری ہدایت وضلالت سب کچھ اللہ سبحانہ مالک و مختار کے اختیار اور بس میں ہے۔ میں صرف رہنمائی

کردیتا ہوں کہ اس میں نفع ہے اور اس میں ضرر۔ نیز یہ کہ راہ ہدایت یہ ہے اور یہ راہ گمراہی۔ اس سے بڑھ کر
مجھ پر کوئی ذمہ داری نہیں وہی میرا آقا جو ساری کائنات کا مالک ہے سب کچھ اسکی مرضی پاک پر منحصر ہے وبس۔

قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّ لَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ 72-22
مُلْتَحَدًا ۙ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِسٰلٰتِهٖ ؕ وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ 72-23
فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ آپ فرمادیجئے مجھ کو نہ بچا سکے گا
اللہ سے کوئی اور نہ پاؤں گا اس کے سوا کہیں پناہ کی جگہ، مگر پہنچانا ہے اللہ کی
طرف سے اور اس کے پیغام لانے ہیں، اور جو کوئی حکم نہ مانے اللہ کا اور اس کے
رسول کا، تو اس کے لئے ہے آگ دوزخ کی رہیں اس میں ہمیشہ۔"

شان نزول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کفار کہتے تھے: ارجع
عن دینك فنحن نجیرك۔ آپ اپنے دین سے پھر جائیے تو ہم آپ کو ہر طرح پناہ
دیں گے۔" حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ لیلۃ الجن میں جس وقت جنات کا
آپ پر ہجوم ہونے لگا تو ان کے افسر "وردان" نامی نے عرض کیا: الا ازحلهم
عنك یا رسول الله! یا رسول اللہ! کیا میں ان کو آپ کے پاس سے
نہ چلادوں؟ تو اللہ سبحانہ نے آیہ کریمہ نازل فرمائی کہ آپ ان لوگوں سے
فرمائیے کہ (مجھے تمہاری کوئی حاجت نہیں) مجھے اللہ سبحانہ کے سوا اور کوئی پناہ

نہیں دے سکتا۔ اور نہ اس کو چھوڑ کر اور کہیں جائے پناہ ہے۔ میری پناہ کی کوئی صورت ہو سکتی ہے تو وہ یہی کہ اللہ سبحانہ کے احکام اور اس کے پیام پہنچاتا رہوں۔ پیام یہی ہے کہ جو کوئی نافرمانی کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی تو اس کے لئے دوزخ کی آگ تیار ہے جس میں ان نافرمانوں کو ہمیشہ رہنا ہوگا؎

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اِلَّا کا استثناء آیۂ ماقبل لا املک سے کیا جائے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ میں تمہارے نفع و ضرر اور ہدایت و ضلالت کا بالذات نہ مالک ہوں نہ مختار بجز اس کے کہ اللہ سبحانہ کے احکام اور اس کے پیامات جو میرے پاس آتے ہیں ان کو من و عن تم تک پہنچاتا رہوں اور اپنے تبلیغی فرض کو بس اس طرح پورا کرتا رہوں۔

آیہ لن یجیرنی کا ماحصل مطلب یہ کہ کوئی انسان ہو یا جن، اس کو صرف اللہ سبحانہ کے ہاں پناہ مل سکتی ہے اس کو چھوڑ کر اور کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔ اللہ سبحانہ کی پناہ حاصل ہونے کا سیدھا صاف طریقہ یہ ہے کہ خدا و رسول کی اطاعت کریں۔ اطاعت سے منہ نہ موڑیں، اگر اس کی خلاف ورزی کیجائے تو یاد رکھیں کہ دوزخ کی آگ دہک رہی ہے۔ نافرمانوں کو دوزخ میں جانا ہوگا جس میں وہ ابدالاباد تک رہیں گے۔ پھر اس سے کبھی چھٹکارا نہ ہوگا۔ موقع

حاصل ہے، اپنی نجات کی راہ ڈھونڈلو۔

حَتّٰٓی اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ 72-24
نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ۝ یہاں تک کہ جب دیکھیں گے جو کچھ ان سے وعدہ ہوا تب جان لیں گے کس کے مددگار کمزور ہیں اور گنتی میں تھوڑے "۔

وعدۂ الٰہی امتہ مرحومہ کیساتھ حق تعالیٰ شانہ نے فتح و نصرت کا وعدہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا تھا کفار اس کو باور نہ کرتے اور بار بار یہ کہے جاتے کہ مٹھی بھر مسلمان کس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں جو وہ بھی تہی دست اور بے سروسامان ہیں۔ ان کے اس باطل تصور اور ناعاقبت اندیشانہ کلام کا جواب دیا جا رہا ہے کہ کفار آپ کو اور آپ کی مختصر جماعت متبعین کو اسی طرح کمزور اور قلیل العدد خیال کرتے رہیں تا آں کہ جس امر کا وعدہ دیا گیا ہے اس کا وقت آجائے گا اور آپکی فتح و نصرت، باطل کی تمام قوتوں اور تمام افواج کے مقابلہ میں ہوتی ہوئی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تب کہیں ان کو یقین ہوگا کہ کس فریق کے مددگار کمزور ہیں اور کن کی گنتی گھٹی ہوئی ہے؟ کفار جو چاہیں اس وقت بکواس کرتے رہیں وہ وقت سب کو معلوم ہو جائے گا۔

تکمیل وعدہ کا وقت رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ سے کیا مراد ہے؟ ہو سکتا ہے کہ

اس سے یوم بدر مراد لیا جائے جس میں ایک ہزار مسلح کفار کی فوج کے مقابلے میں (۳۱۳)
نہتے مسلمانوں کی فتح ہوئی۔ یا یہ کہ موت کا وقت مراد لیا جائے کہ جب مرنے کا وقت
آتا ہے تو فرشتۂ اجل کے آگے کسی کی کچھ نہیں چل سکتی۔ کسی کے ہاں کتنی ہی دولت ہو
اور اس کے اعوان و انصار کتنے ہی زیادہ ہوں۔ کوئی چیز بھی اس وقت کارآمد
نہیں ہوسکتی۔ یا قیامت کا دن مراد ہو۔ **فقیر** کے نزدیک کسی وقت کی تخصیص کی
حاجت نہیں مَا یُوْعَدُوْنَ عام ہے اس کو اپنے عموم پر ہی قائم رکھنا اولیٰ و
انسب ہے۔ یعنی جو جو وعدے اللہ سبحانہ نے اپنے نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اور آپ کے
متبعین کو دئے ہیں خواہ وہ یوم بدر ہو' یا یوم موت' یا یوم قیامت' ہر ہر وعدہ
اپنے اپنے وقت پر پورا ہوتا ہوا ان کو نظر آئے گا تو ہر موقع پر کفار کو معلوم ہوتا
جائے گا کہ کس کے مددگار کمزور تھے اور کن کی گنتی کم تھی؟ کفار کی یا مسلمانوں کی؟
سچ تو یہ ہے کہ فتح و کامرانی مطلوب ہے اور وہ کس کے نصیب میں ہے؟ معلوم ہو جائیگا۔

اللہ سبحانہ مسلمان کے دوست ہیں

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اہل اسلام کی
نسبت فرمایا ہے:۔ اللہ ولیّ الذین آمنوا۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ ایمان والوں کا
دوست اور ان کا معین و مددگار اور کارساز ہے۔" اور کفار کی بابت فرمایا:۔
وانّ الکافرین لامولی لھم۔ اور جو کافر ہیں ان کا کوئی معین و مددگار اور

کارساز نہیں " ان ہر دو آیات کے ملانے کے بعد نتیجہ ظاہر ہے۔ چنانچہ ماضی کا یہی حال رہا۔ اور مستقبل میں بھی یہی ہوگا۔ اور زمانہ حال میں بھی یہی ہو رہا ہے کہ حق و باطل کی کشمکش جاری ہے اور کامیابی حق کو حاصل ہو رہی ہے۔ **وللہ الحمد** مسلمانوں سے صرف ایک ہی مطالبہ ہے کہ وہ حق پر قائم رہیں۔ حق کہیں۔ حق پر جئیں اور حق پر مریں۔ قال تعالیٰ۔ وَلَا تَمُوتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ۔ تم کبھی نہ مرنا مگر اس حال پر کہ تم حق کے فرماں بردار بنے رہو" حافظ شیراز فرماتے ہیں :ـ

تیغے کہ آسمانش از فیض خود دہد آب　　تنہا جہاں بگیرد بے منت سپاہی

اقبال کہتے ہیں :ـ

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں　　یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ 72-25

اَمَدًا ۝ آپ کہئے میں نہیں جانتا کہ نزدیک ہے جس کا تم سے وعدہ ہوا ہے یا کردے اس کو میرا رب ایک مدت کے بعد"

کفار کا تمسخر اور ان کا جواب جب کفار نے یہ سنا کہ ان سے جو وعدہ دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھ سے ان کو سزا دلانے کا یا قیامت میں ان کی عمر بھر کے افعال کا حساب کر کے اس کی سزا تجویز کرنے کا کیا گیا ہے تو وہ از راہ تمسخر پوچھنے لگے کہ اس

وعدے کی تکمیل آخر کب ہوگی؟ وہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہتے کہ آپ ہمیشہ ہم کو عذاب اور ساعت قیامت کا ڈر سناتے رہتے ہیں مگر وہ عذاب یا ساعت کب آئیگی آیا وہ قریب ہے یا بعید؟ اس کا کچھ ذکر نہیں فرماتے تو اس کا جواب دیا جارہا ہے کہ آپ ان سے فرمائیے کہ جو وعدہ تم سے کیا جارہا ہے وہ نزدیک ہے یا اس کی اتنی مدت مقرر ہے مجھے معلوم نہیں۔ یہ علم الٰہی میں ہے جو چیز علم الٰہی میں ہے اس کو میں کس طرح بتا سکتا ہوں؟ البتہ چونکہ اللہ سبحانہ نے وعدہ فرمایا ہے اس لئے میں یہ یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ وعدہ پورا ہو کر رہیگا۔ ان اللہ لا یخلف المیعاد یہ یقینی ہے کہ اللہ اپنے وعدے کا خلاف نہیں فرماتا" ان وعد اللہ حق۔ بے شک اللہ کا وعدہ حقیقت پر مبنی ہے۔ اللہ سبحانہ کا ہر وعدہ اپنے اپنے وقت پر پورا ہو کر رہیگا۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی 72-26
مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۙ 72-27
لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ وَ اَحْصٰی 72-28
كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ۠ جاننے والا غیب کا پھر وہ نہیں خبر دیتا اپنے غیب کی
کسی کو مگر جو پسند کر لیا کسی رسول کو تو وہ چلاتا ہے اس کے آگے اور پیچھے چوکیدار

تا کہ جانے کہ انھوں نے پہنچائے پیغام اپنے رب کے، اور قابو میں رکھا ہے جو ان کے پاس ہے اور گن لی ہے ہر چیز کی گنتی "

آیۂ عالم الغیب کی تفسیر یعنی اللہ سبحانہ عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو قابو نہیں دیتا، خواہ وہ کوئی فرشتہ ہو یا انسان یا جن، کسی کی اس کے بھید تک رسائی نہیں مگر رسولوں میں سے کسی کو بتانا پسند فرمائے تو اس بھید کے رسول تک پہنچانے کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے کہ ایک فرشتۂ خاص پر اس کا القاء کیا جاتا ہے اور اس سربستہ راز کو رسول تک پہنچانے کے لئے اس کے آگے اور پیچھے سے (ہر جہت سے) چوکیدار مقرر کئے جاتے ہیں اور وہ فرشتۂ خاص، ان چوکیداروں کے جلو میں سربستہ راز کو لیکر رسول تک پہنچا دیتا ہے۔ اس اثناء میں جنات یا شیاطین آجاتے ہیں تو ان کو مار کر ہٹا دیا جاتا ہے۔ اس طرح وہ سربستہ راز رسول تک بے کم و کاست، من و عن، پہنچا دیا جاتا ہے۔ اس اہتمام کی بدولت، لانے والے فرشتوں، راہ میں ملنے والے جنات اور شیاطین، اور خود رسول بلکہ رب العزت جل جلالہٗ کو بھی کھلے بندوں صاف صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ان فرشتوں نے اپنے رب کے پیامات، ان رسول کے ہاں جوں کے توں، پہنچا دئے اور رسول نے ان اسرار نہانی پر فرشتوں کے ذریعہ سے پوری طرح آگاہی حاصل فرمالی اور اللہ سبحانہ کے ہاں تو ہر چیز کی گنتی ہے۔" بارش کے

قطرے، درختوں کے پتے، پہاڑوں کا ثقل، اور سمندروں کی سمائی، آفتاب سے چمکنے والے اور رات میں چھپ جانے والے تمام کائنات کا تفصیلی علم اللہ سبحانہ کو بالذات حاصل ہے۔ یہ شان اور کسی کے علم کی نہیں ہو سکتی نہ کسی بشر کی نہ کسی جن کی اور نہ کسی فرشتے کی اور نہ کسی مخلوق کی۔ سبحان من علیم خبیر۔

وحی الٰہی کی عظمت شان حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ ما انزل اللہ علی نبیہ آیۃ من القرآن الا ومعھا اربعۃ من الاملاک یحفظونھا حتی یؤدونھا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم قرأ عالم الغیب (ابن مردویہ) اللہ سبحانہ نے اپنے نبی مکرمؐ پر قرآن کریم کی جو کوئی آیت نازل فرمائی تو اس کے ساتھ چار محافظ فرشتے ضرور رہا کرتے تاکہ وہ اس آیۃ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا دیں۔ پھر اس کے ثبوت میں یہی آیہ کریمہ عالم الغیب تلاوت فرمائی۔" حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں:۔ اربعۃ حفظۃ من الملائکۃ مع جبرئیل لیعلم محمد ان قد ابلغوا رسالات ربھم۔ جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ چار محافظ فرشتے ہوا کرتے تھے تاکہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہو جائے کہ ان فرشتوں نے سب طرح اپنے پروردگار کے پیامات پہنچا دیے۔" پھر یہ بھی فرمایا:۔ وما جاء جبریل الا ومعہ

اربعة من الملائكة حفظة۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابوالشیخ) اور جبرئیل علیہ السلام جب کبھی حاضر ہوئے ضرور ان کے ساتھ چار محافظ فرشتے ہوا کرتے تھے"۔ حضرت ضحاک بن مزاحم فرماتے ہیں:۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا بعث الیہ الملک بالوحی بعث معہ نفر من الملائكة یحرسونہ من بین یدیہ ومن خلفہ ان یتشبہ الشیطان علی صورۃ الملک۔ (عبد بن حمید، ابن جریر) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب فرشتہ (جبرئیل) وحی لیجانے کو بھیجے جاتے تو ان کے ساتھ فرشتوں کی ایک جماعت بھیجی جاتی تھی جو اس وحی یا فرشتہ کے آگے اور پیچھے سے حفاظت کرتے رہتے تھے اس اندیشہ سے کہ شیطان فرشتے کی صورت میں آکر دھوکہ نہ دے سکے"۔ اس روایت سے پایا جاتا ہے کہ محافظ فرشتے صرف چار نہیں بلکہ ان کی خاصی تعداد ہوتی تھی جو چاروں سمت آگے پیچھے داہنے بائیں سے وحی کی حفاظت کرتی رہتی تھی۔ اوپر کی روایات میں چار سے چاروں سمت مراد لی جا سکتی ہیں جس سے تمام روایات میں مطابقت پیدا ہو جاتی ہے۔

بیان صدر کی تائید اس توجیہ کی تائید دیگر روایات سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً سورۂ انعام کے باب میں ہے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ارشاد فرمایا:۔ نزلت علی سورة الانعام جملة واحدة یشیعها سبعون الف ملك لهم زجل بالتسبیح والتحمید۔ (طبرانی، ابن مردویہ) سورۂ انعام مجھ پر تمام کا تمام ایک دم اترا جس کے جلو میں ستر ہزار فرشتے تھے۔ ان کی تسبیح وتحمید سے ساری فضا گونج رہی تھی"۔ حضرت انسؓ کی روایت میں ہے:۔ نزلت علی سورة الانعام ومعها موکب من الملائکة یسد ما بین الخافقین لهم زجل بالتسبیح والتقدیس والارض ترتج ورسول الله صلی الله علیه وسلم یقول سبحان الله العظیم سبحان الله العظیم۔ (طبرانی، ابوالشیخ، ابن مردویہ، بیہقی، سلفی) سورۂ انعام نازل ہوا تو اس کے ساتھ فرشتوں کا ایک جلوس تھا جو مشرق سے مغرب اور زمین سے آسمان تک کی فضا کو گھیرا ہوا تھا۔ ان کی تسبیح وتقدیس کی آوازیں گونج رہی تھیں اور زمین (ان کی کثرت سے) کپکپا رہی تھی اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وردِ زبان سبحان اللہ العظیم سبحان اللہ العظیم کی تسبیحات تھیں"۔ آیۃ الکرسی اور بعض دیگر آیات وسور کے باب میں بھی ایسی ہی روایات آئی ہیں جن سے ایک دوسرے کی تصدیق وتائید ہوتی ہے۔ اس اہتمام میں کلام منزّل کی عظمت شان کے علاوہ بہت ساری حکمتیں ہیں۔

پیغمبروں کا غیب میں حصہ

بہرحال اس آیہ کریمہ میں ارشاد ہو رہا ہے کہ

عالم الغیب مطلقاً اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ذات قدسی صفات ہے جس کا علم اللہ سبحانہ تعالیٰ
کے سوا اور کسی کو نہیں۔ ہاں ممتاز و منتخب پیغمبروں کو اس کی اطلاع کرا دیجاتی ہے۔ خواہ
فرشتہ بھیجکر یا بلا واسطہ بطریق وحی یا الہام یا القاء۔ خواہ بحالت خواب یا بیداریٰ
خواہ منصب رسالت سے اس کو تعلق ہو یا نہ ہو۔ اس سے زیادت فضل و تشریف
مقصود ہوتی ہے کیونکہ علم صفت فضل و کمال ہے۔ جتنا علم زیادہ ہوگا فضل و کمال بھی
زائد ہوگا۔ حضور اکرم ارواحنا لہ الفداء کی شان مبارک میں ارشاد ہوا۔ وکان
فضل اللہ علیك عظیما۔ اللہ سبحانہ کا فضل آپ پر بہت بڑا ہے" یہ بھی فرمایا
وعلمك مالم تکن تعلم۔ آپ جو نہ جانتے تھے وہ سب کچھ آپ کے علم میں لایا"
جس میں علم ماکان و مایکون سب کچھ داخل ہے۔ چنانچہ آپ نے آفرینش عالم کے
پیشتر سے لیکر قیامت اور اس کے مابعد وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی صراحۃً، کنایۃً
اشارۃً بموجب اقتضائے حال و مقام اطلاع فرمائی۔ جن سے احادیث شریفہ مالامال
ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پیغمبروں کی بعثت امور مغیبہ کی اطلاع دینے کیلئے ہی
ہوتی ہے۔ دوسرے پیغمبران علیہم الصلاۃ والسلام کو اس جنس سے جو بہرہ ملا حضرت
خاتم النبیین سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کو آپ کی منزلت عظمیٰ
کے مطابق اس کے مجموعہ سے کہیں زیادہ ہی بہرۂ وافر حاصل ہوا مگر جو کچھ تھا اللہ سبحانہ تعالیٰ کے

اعلام و اطلاع سے تھا اور علم الٰہی کے بحر ناپیداکنار کے مقابلہ میں جرعہ۔

اولیاء اللہ کا غیب میں حصہ پھر اس علم سے پیغمبروں کے طفیل اور ذریعہ سے یا اللہ سبحانہ کے فضل سے اس کے مخلص بندوں اولیائے کاملین علمائے ربانیین کو بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ حسب استعداد و عنایت ربانی حصہ ملتا ہے جو علوم انبیاء علیہم السلام کے جُرعہ کے مقابلہ میں قطرہ ہوتا ہے۔ یہ علم پیغمبروں کا معجزہ تھا تو اولیاء اللہ کی کرامت ہوتی ہے۔ اور علم عقائد کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ ولی اللہ کی ہر کرامت ان کے مقتدیٰ نبی اللہ و رسول اللہ کا معجزہ ہے۔ اس طرح اولیاء اللہ کی کرامتوں کے ذریعہ ان کے نبی مقتدا کے معجزات ان کے اس جہاں سے پردہ فرمالینے کے بعد بھی ظہور میں آتے رہتے ہیں۔ نیز دوسرا فرق علوم انبیاء و اولیا میں یہ ہے کہ انبیا علیہم السلام کے علوم قطعی اور یقینی ہوتے ہیں اور اولیاء اللہ کے ظنی۔

سابقہ شرائع کی تنسیخ یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اب دوسرے پیغمبران علیہم السلام کی شریعتیں منسوخ ہوچکی ہیں صرف حضور اکرم خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی شریعت مطہرہ کا حکم باقی ہے جو تا قیامت باقی رہیگا۔ لہٰذا آپ کی بعثت شریفہ کے بعد سے جس قدر اولیاء اللہ ہوں گے وہ امتہ مرحومہ ہی سے ہوں گے۔ اور انہیں کے فیوض و برکات تا قیام قیامت جاری رہیں گے۔

ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء واللہ ذوا لفضل العظیم ۔

جنات اور شیاطین جو ملائکہ کرام کی کوئی بات چوری سے سن پاتے اور اس کو کاہنوں تک پہنچا دیا کرتے تھے جس کے بعد کاہن اس میں تک بندی کرکے بات کا بتنگڑ بنا لیا کرتے اور خود کو غیب داں مشہور کر رکھا تھا۔ یہ سلسلہ اب ختم ہو چکا ہے۔ اسی طرح جنات بھی اپنے کو غیب جاننے والا سمجھتے تھے اور کفار ومشرکین کا خیال بھی ان کی نسبت یہی تھا۔ اس کا قلع قمع تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد ہی میں ہو چکا جبکہ آپ عصا پر ٹیک لگائے سامنے کھڑے ہوئے دن رات' بیت المقدس کی تعمیر کا کام جنات سے لیا کرتے تھے اور اسی حالت میں آپ کا وصال ہو گیا۔ اور جسد شریف عصا کے سہارے عرصۂ دراز تک قائم رہا جس سے بظاہر جنات یہی سمجھتے رہے کہ آپ بدستور تعمیر کی نگرانی فرما رہے ہیں تاآں کہ اس عصا کو دیمک کھا گئی اور آپ زمین پر آرہے تب کہیں جنات کا پول کھل گیا کہ اگر یہ غیب داں ہوتے تو اتنے عرصے تک رات دن محنت میں نہ لگے رہتے جو ان کے حق میں ایک ذلت آمیز عذاب تھا۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ نے فرمایا: فلما خر تبینت الجن ان لو کانوا یعلمون الغیب ما لبثوا فی العذاب المھین ۔

استدلال یا تجربہ غیب نہیں رہا استدلال یا تجربہ کی بنا پر کسی امر کی پیشنگوئی

جیسا کہ ابر آنے پر یہ کہہ دینا کہ بارش ہوگی یا اطبا کا یہ کہنا کہ بخار اتنے دن میں اتر جائیگا وغیرہ۔ اول تو یہ یقینی نہیں۔ دوم یہ کہ اس کو غیب دانی سے تعلق نہیں۔ یہ استدلال یا تجربہ ہے۔ دنیا عالم اسباب ہے۔ یہاں کے کام اسباب وعلل سے مربوط ہیں۔ سبب کے ساتھ مسبّب اور علت کے ساتھ معلول کا وجود میں آنا معلوم بات ہے۔ یہ بھی منجانب اللہ ہے۔ اس کو غیب دانی نہیں کہتے۔ وباللہ التوفیق۔

وصلی اللہ تعالی وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد المبعوث الی کافۃ الانس والجن وعلی آلہ واصحابہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ واتباعھم باحسان الی یوم الدین والحمد للہ رب العٰلمین۔

سورہ جن کی تفسیر ختم ہوئی۔ جمعہ ۲۷ صفر المظفر ۱۳۷۸ھ

73 Muzzammil Makky Aayaath 20

سُورَۃ مُزَّمِّل

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔ اس میں (۲۰) آیتیں ہیں
سورت مزمل کو ماقبل سورت جن سے ربط و مناسبت کئی وجوہ سے ہے :۔

۱۔ سورۂ جن میں رسولوں (پیغمبروں) کا ذکر آیا تھا اس سورت شریفہ میں سید الرسل صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کا بیان ہے۔ گویا بیان سابق کا تکملہ فرمایا جارہا ہے۔

۲۔ اس سورۃ شریفہ کے آغاز میں قُمِ الَّیْلَ کا حکم سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہو رہا ہے۔ اور سورۂ جن میں گزر چکا ہے قام عبد اللہ یدعوہ اللہ سبحانہ کے عبد کامل حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء نماز میں قیام فرماتے اور مشغول دعا و مناجات رہتے ہیں۔ مناسبت ظاہر ہے۔

۳۔ سورۂ جن میں یہ بھی ارشاد ہوا تھا :۔ وان المساجد للہ۔ مسجدیں یا ساری زمین یا اعضائے سجود اللہ سبحانہ کے لئے مخصوص ہیں لہذا اللہ کیا تھ اور کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ یہاں اس حکم کی تعمیل و تکمیل کیلئے ہدایت فرمائی جارہی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع ہے اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

یٰۤاَیُّہَا الۡمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصۡفَہٗۤ اَوِ انۡقُصۡ 73-1 73-2
مِنۡہُ قَلِیۡلًا ۙ﴿۳﴾ اَوۡ زِدۡ عَلَیۡہِ وَ رَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلًا ؕ﴿۴﴾ اے کپڑوں میں 73-3 73-4

لپٹنے والے! اٹھا کرو رات کو مگر تھوڑا حصہ آدھی رات، یا اس سے کچھ کم کرو، یا اس پر کچھ بڑھاؤ اور پڑھتے رہو قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر صاف۔

شانِ نزول یہ سورت شریفہ اور اس کے بعد کی سورت کریمہ قرآن کریم کی ابتدائی سورتوں میں شامل ہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئیں۔ غار حرا میں ابتداءً جب آپ پر وحی نازل ہوئی تو جبرئیل علیہ السلام اپنی اصلی صورت میں نمودار ہوئے تھے کہ ان کے چھ سو پر و بازو تھے۔ مشرق سے مغرب، اور شمال سے جنوب اور زمین سے آسمان تک ساری فضا آپ کے وجود سے بھری ہوئی دکھائی دے رہی تھی یکایک اتنی بڑی مخلوق کا مشاہدہ فرماتے ہی آپ پر غیر معمولی رعب طاری ہوا جو اقتضائے بشریت تھا، تفصیلی واقعہ سورۂ اقرأ کی تفسیر میں انشاء اللہ آئیگا۔ آپ وہاں سے فارغ ہو کر ام المومنین سیدتنا خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضاہا عنا کے ہاں تشریف لائے تو آپ کا جسد مبارک کانپ رہا تھا۔ زملونی زملونی فرمانے لگے کہ مجھ پر

کپڑا اڑھا دو، مجھے کپڑا اڑھا دو" چنانچہ کپڑا اڑھا دیا گیا اور آپ اس میں لپٹے رہے۔
یہ صورت حال اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کو بہت پسند آئی۔ چنانچہ اس کے بعد جب جبرئیل علیہ السلام
دوبارہ وحی لیکر آئے تو آپ کی تسکین خاطر اور تسلی کے لئے یوں خطاب فرمایا گیا:۔ یَآاَیُّھَا
الْمُزَّمِّلُ۔ اے چادر میں خود کو لپیٹنے والے! (اے ردائے نبوت وچادر رسالت کے حامل
و لائق!") بلکہ اس کے بعد کی سورۂ کریمہ میں بھی اسی مضمون وصورت حال کو بالفاظ
دیگر یوں فرمایا گیا:۔ یَآاَیُّھَا المُدَّثِّر۔ اے لحاف میں لپٹنے والے!" سبحان اللہ!
کیا مبارک خطاب اور کیسے پیارے القاب ہیں۔ صلوا علیہ وآلہ۔

دوسرا واقعہ مفسرین کرام نے یوں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت جابرؓ نے فرمایا:۔

اجتمعت قریش فی دار الندوۃ فقالت سمّوا ھذا الرجل اسما یصدّ الناس عنہ قالوا کاھن قالوا لیس بکاھن قالوا مجنون قالوا لیس بمجنون قالوا ساحر قالوا لیس بساحرٍ قالوا لیفرّق بین الحبیب وحبیبہ فتفرّق المشرکون علی ذلک فبلغ ذلک النبی صلی اللہ علیہ وسلم فتزمّل فی ثبابہ وتدثّر فیھا فاتاہ جبریل فقال یا ایھا المزّمّل یا ایھا المدّثّر۔ (بزار، طبرانی، ابو نعیم) قریش دار الندوہ میں جمع ہو کر ایک دفعہ کہنے لگے کہ
ان کا کوئی ایسا نام تجویز کرو کہ لوگ ان سے برگشتہ ہو جائیں۔ کسی نے کہا۔ کاھن نام رکھو۔

(اٹکل پر آئندہ کی خبریں سنانے والے) قریش نے کہا یہ کاھن نہیں ہیں۔ ایک نے کہا مجنون کہا کرو (یہ دیوانے ہو گئے ہیں) قریش نے کہا یہ دیوانے بھی نہیں ہیں پھر ایک نے کہا ساحر کہہ کر بلایا کرو۔ (یعنی یہ جادوگر ہیں) سبھوں نے کہا یہ جادوگر بھی نہیں ہیں۔ آخر پر ایک نے کہا یوں شہرت دے دو کہ یہ دوستوں میں پھوٹ ڈالتے ہیں اس پر سب کا اتفاق ہوا اور مجلس برخاست ہوئی۔ جب اس کی خبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوئی تو آپ (رنجیدہ ہو کر) لحاف اوڑھے ہوئے لیٹ گئے۔ اتنے میں حضرت جبرئیلؑ حاضر بارگاہ اقدس ہوئے اور حضور کو یاایّھا المزّمّل اور یاایّھا المدّثّر کے مبارک القاب سے منجانب اللہ مخاطب فرمایا۔"

خطاب شفقت کی ایک مثال یعنی یہ خطاب شفقت و رافت ہے کہ کفار کے ایسے خطابات سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ آپ دوستوں میں پھوٹ نہیں ڈالتے ہیں بلکہ دوستی کے اصول سمجھاتے ہیں کہ دوستی کی بنیاد کن امور پر ہونی چاہیئے۔ کن سے دوستی قائم کیجائے اور کن کن سے قطع تعلق کیا جائے۔ یہ خطاب ایسا ہی ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے فرمایا جبکہ آپ میں اور آپ کے محل عالیہ حضرت خاتونؑ جنت میں کچھ شکر رنجی ہو گئی تھی تو آپ سیدھے مسجد نبوی میں آئے اور فرش زمین پر لیٹ گئے اور مٹی آپ کی پشت مبارک پر لگ گئی اس وقت

حضور اکرم رحمت عالمؐ نے فرمایا:۔ قم یا ابا تراب۔ اے خاک نشیں! اٹھو۔ یہ فرماتے جاتے تھے اور اپنے دست مبارک سے مٹی صاف فرماتے تھے۔ حضرت شیر خداؑ فرمایا کرتے تھے کہ میرے سب القاب میں مجھے ابوتراب بہت پسند ہے۔

ابتدائی آیات کی تفسیر بہرحال ارشاد ہو رہا ہے "اے کپڑوں میں لپٹنے والے! رات کو اٹھو۔ یعنی قیام لیل کرو۔ راتوں کو نمازیں پڑھو تاکہ قرب الٰہی حاصل ہو۔ ظاہر ہے کہ پوری رات کا قیام دشوار تھا اس لئے اس کا ایک حصہ مستثنیٰ قرار دیا گیا اِلّا قلیلا۔ مگر تھوڑا حصہ کہ اپنے آرام کے لئے رکھ چھوڑیے۔ پھر اس قلیل کی وضاحت یوں فرمائی گئی نِصْفَهٗ۔ نصف شب۔ یعنی رات جو غروب آفتاب سے صبح صادق تک ہے اس کو دو حصوں میں تقسیم کیجئے۔ ایک آرام کے لئے تو دوسرا نماز کیلئے۔ پھر یہ تقسیم بھی ٹھیک طور پر دشوار تھی تو اس میں یہ سہولت دی گئی او انقص منه قليلا او زد علیه۔ یا اس میں سے کچھ کم کیجئے یا اس پر کچھ بڑھا دیجئے۔ یعنی کبھی نصف سے کم قیام رہا تو مضائقہ نہیں۔ دوسرے وقت نصف سے کچھ بڑھا دیا کیجئے۔ جس سے اوسط قیام نصف شب کا برقرار رہے۔ نصف سے کچھ کم قیام ہو تو ثلث شب قیام ہوگا اور اگر نصف سے کچھ بڑھ جائے تو دو تہائی رات قیام رہیگا۔ بہرحال ثلث یا نصف یا دو تہائی رات کا قیام باعتبار حالات جاری رکھئے۔

حضور اور صحابہ کا قیام اللیل سعد بن ہشام کہتے ہیں کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضور اکرمؐ کے قیام لیل کی کیفیت دریافت کی تو فرمایا کیا تم نے سورۂ مزمل نہیں پڑھا؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں، میں تو پڑھتا رہتا ہوں۔ اس پر فرمانے لگیں:۔ ان اللہ قد افترض قیام اللیل فی ھذہ السورۃ فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ حولا حتی انتفخت اقدامھم وامسك اللہ خاتمتھا فی السماء عشر شھرا ثم انزل اللہ التخفیف فی آخر ھذہ السورۃ فصار قیام اللیل تطوعا بعد فریضۃ۔ (امام احمدؒ، مسلم، ابوداؤد، نسائی، محمد بن نصر، بیہقی) اللہ سبحانہ نے اس سورت شریفہ میں قیام لیل کو فرض قرار دیا جس کی تعمیل میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ نے سال بھر تک قیام لیل کیا جس کے نتیجہ میں ان کے پاؤں متورم ہو گئے۔ اور اللہ سبحانہ نے اس سورہ کی آخری آیتیں دس مہینے تک روک رکھیں پھر ان آخری آیات کے ذریعہ تخفیف وسہولت نازل فرمائی۔ اب قیام لیل بجائے فرض کے (امت کے حق میں) نفل قرار پایا۔ اور حضور پر بدستور فرض رہا بموجب فتھجد بہ نافلۃ لك۔

قیام لیل اور صحابہ کرام حضرت سعید بن جبیرؓ کی روایت میں دس مہینے کی جگہ دس سال تک اس طرح قیام لیل جاری رہتا آیا ہے جس کو عبد بن حمید، ابن جریر اور

ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے۔ اس کی تائید حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے:۔ نزلت سورۃ المزمّل بمکۃ الا آیتین ان ربک یعلم انک تقوم ادنی۔ (نحاس) سورہ مزمل مکہ مکرمہ میں نازل ہوا مگر (آخری) دو آیتیں ان ربک یعلم انک تقوم ادنی (سے آخر سورہ تک مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں)۔"

صحابہ کرامؓ کا اہتمام

ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:۔ کان الرجل یربط الحبل ویتعلق۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم) قیام لیل جس زمانے میں فرض تھا ایک ایک شخص (مکان کی چھت سے) رسی باندھ لیتا اور اس سے خود کو معلق کر لیتا تھا۔" تاکہ اگر نیند کا غلبہ ہو تو اس کے جھٹکے سے بیدار ہو جائے اور ادائے فرض کا سلسلہ جاری رکھے۔ جیسا شوقین محنتی طلبہ امتحانات کی تیاری میں یہ طریقہ آج بھی اختیار کرتے ہیں۔ یہ بیان تو شب بیداری اور قیام لیل کا ہوا کہ ادائے فرض کا اہتمام سابقین اولین کو کس درجہ محبوب تھا۔ اب ارشاد باری تعالی ورتّل القرآن ترتیلا کی تعمیل کا حال ملاحظہ ہو جس میں امر الٰہی ہو رہا ہے کہ نماز میں کھڑے رہ کر قرآن کریم کو ترتیل کے ساتھ پڑھے جاؤ۔"

ترتیل کی تفسیر

ترتیل کے معنی ہیں سکون و اطمینان کیساتھ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا اس طرح کہ ہر ایک حرف سننے اور سمجھنے میں آئے۔ یہ اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ ہر حرف

اپنے مخرج سے اپنی پوری صفات کیساتھ زبان سے بے تکلف نکلے۔ ایک حرف دوسرے حرف میں مخلوط نہ ہو جس سے سننے والے کو اشتباہ رہ جائے کہ اَ پڑھا یا عَ۔ تَ پڑھا یا طَ۔ ثَ پڑھا یا سَ یا صَ، حَ پڑھا یا ھَ۔ خَ پڑھا یا قَ یا کَ۔ ذَ پڑھا یا زَ یا ضَ یا ظَ ؎

ترتیل کی دوسری تفسیر سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ورتل القرآن ترتیلا کی تفسیر دریافت کی گئی تو ارشاد ہوا:۔ بینہ تبیینا ولا تنثر نثر الدقل ولا تھذہ ھذ الشعر۔ قفوا عند عجائبہ وحرکوا بہ القلوب ولا یکن ھم احدکم آخر السورۃ (عکری)

؎ تجوید ایک مستقل فن ہے جس طرح قرآن کریم کو استاد سے سیکھتے ہیں اسکی قرأت و تجوید کو بھی استاد سے سیکھنا ضروری ہے۔ پورے علم کی تحصیل اور اس میں کمال حاصل کرنا واجب نہیں لیکن قدر ما یجوز بہ الصلاۃ یعنی اتنی مقدار جس سے نماز جائز ہو سکے سیکھنا ضروری ہے! اور ہر بستی میں کم از کم ایک شخص ایسا رہنا چاہیئے جو اس فن کا تحصیل یافتہ ہو۔ جیسے علم دین کا حکم ہے کہ ہر انسان کا عالم دین ہونا واجب نہیں لیکن بقدر ضرورت احکام و مسائل کا سیکھنا واجب ہے۔ نیز اس کے ساتھ ہر بستی میں ایک عالم دین کا موجود رہنا ضروری ہے جو دینی معاملات میں مسلمانوں کی رہبری کر سکے۔

قرآن کریم کو صاف صاف واضح طور پر پڑھا کرو ردی کھجوریں جس طرح پھینک دی جاتی ہیں اس طرح بکھیر دو نہیں۔ اور نہ جس طرح اشعار تیزی سے جلد جلد سنا دئے جاتے ہیں ایسی تیزی اور سرعت سے کام نہ لو اس کے پسندیدہ مستحسن بیانات پر وقف کرتے جاؤ۔ اور اس کے ذریعہ دلوں میں تحریک و تاثیر پیدا کرو۔ اور کسی طرح سورہ ختم کر دینے کی دھن نہ ہو" حضرات عبداللہ بن مسعودؓ اور ابن عباسؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ (بغوی دیلمی)۔

تیسری تفسیر ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی قرأت مبارک کی کیفیت دریافت کی گئی تو ام المومنین نے اوس کا نمونہ پڑھکر بتایا:—

فاذا ھی تنعت قراءۃ مفسرۃ حرفاً حرفاً۔ (ترمذی ابوداؤد نسائی) وہ قرأت ایسی تھی کہ ایک ایک حرف صاف صاف سنائی دیتا اور سمجھ میں آتا تھا" اور یہ بھی فرمایا:— کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقطع قراءته یقول الحمد للہ رب العلمین ثم یقف ثم یقول الرحمٰن الرحیم ثم یقف (ترمذی) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تلاوت فرماتے تو ایک آیت کو دوسری سے جدا فرماتے۔ الحمد للہ رب العلمین پڑھ لیتے تو وقف فرماتے۔ پھر الرحمٰن الرحیم پڑھتے تو وقف فرماتے"۔ اسی طرح ایک ایک آیت کریمہ پر وقف فرماتے جاتے تھے"۔

عرض فقیر | فقیر عرض کرتا ہے کہ قراءت کی یہ کیفیت عموماً تہجد اور نوافل میں ہونی چاہیئے۔ فرائض اور باجماعت نمازوں میں قوم کی توجہ اور رغبت کا لحاظ بھی رکھنا ضروری ہے۔ صحابۂ کرامؓ کا حال شمع پر پروانوں کا سا تھا۔ اب نہ ایسے عاشقین قرآن موجود ہیں نہ وہ دلچسپیاں باقی ہیں، اس لئے توسط بہتر ہے کہ نہ طوالت ہو نہ عجلت۔

چوتھی تفسیر | حضرت انسؓ سے قرامت مبارک کی کیفیت دریافت کی گئی تو فرمایا:

کانت مدّا ثم قرأ بسم الله الرحمن الرحیم یمدّ ببسم الله و یمدّ بالرحمن و یمدّ بالرحیم۔ (بخاری) قراءت مبارک میں مد ہوا کرتے تھے۔ پھر بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر بتایا تو بسم اللہ پر مدّ کیا اور الرحمن پر مد کیا اور الرحیم پر مدّ کیا"۔ یعنی بسم اللہ کے لام کو بقدر الف اور الرحمن کے میم کو بقدر الف اور الرحیم کی یا کو ایک الف، دو الف، تین الف کے برابر کھینچکر پڑھا۔ کیونکہ یہاں وقف ہے اور بحالت وقف قاری کو اختیار ہے کہ ایک الف سے تین الف تک دراز کرکے پڑھے۔ اور اگر وقف کرنا نہ ہو تو بقدر ایک حرکت کے درازی دے جس سے واو، الف، ی، جو حروف مدہ ہیں واضح طور پر سنائی دے سکیں۔

خوش آوازی | ترتیل میں خوش آوازی بھی داخل ہے لیکن گانے والوں کے

طریق پر نہیں بلکہ قراءِ کرام کے اصول پر ہونی چاہیے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ــ ما اذن اللہ ما اذن لنبی حسن الصوت بالقرآن یجھر بہ (بخاری، مسلم) خوش آوازی کی اجازت اللہ سبحانہ نے کسی موقع کے لئے اتنی نہیں دی جتنی کہ اپنے نبی کے لئے قرآن کو خوش آوازی کے ساتھ بالجہر پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔" دوسری روایت میں حسن الصوت کی جگہ یتغنّی آیا ہے۔ تغنّی کے اصلی معنی گانے کے ہیں مگر یہاں خوش آوازی ہی مراد ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے ایک روایت اور آئی ہے جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ــ لیس منّا من لم تیغنّ بالقرآن۔ (بخاری) جو کوئی قرآن کو خوش آوازی کے ساتھ نہ پڑھے وہ ہم سے نہیں ہے۔"

لحن عربی نیز پڑھنے کا لہجہ عربی ہونا چاہیے۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ــ اقرأوا القرآن بلحون العرب واصواتھا وایاکم ولحون اھل العشق ولحون اھل الکتابین وسیجیٔ بعدی قوم یرجّعون بالقرآن ترجیع الغناء والنوح لا یتجاوز حناجرھم مفتونۃ قلوبھم وقلوب الذین یعجبھم شانھم (بیہقی) قرآن کریم کو

عرب کے لہجہ میں پڑھا کرو اور عاشق مزاج لوگوں کے لہجے اور توریت و انجیل پڑھنے والوں کے لہجوں سے دور رہو۔ میرے بعد قومیں آئینگی جو قرآن کو تار تار کر پڑھا کیا تو پڑھینگی، جیسا گانے اور مرثیہ خوانی میں ہوا کرتا ہے۔ قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اتریگا۔ ان کے دل فتنے میں پڑے ہوں گے۔ نیز ان کے بھی دل جن کو ایسی حالت اور کیفیت پسند ہے۔"

ترتیل کی حکمت قرآن کریم کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے کا جو حکم ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ تلفظ درست ہو۔ غلطی نہ ہونے پائے۔ یہ عوام کیلئے ہے، اور اہل علم کو اس کے معانی و مطالب پر غور کرنے اور اس کے انوار و اسرار سے مستفید ہونیکا موقع ملے۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں: صلّیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃ اللیل فمامر بآیۃ فیھا ذکر الجنّۃ الاّ وقف وسأل اللہ الجنّۃ ومامرّ بآیۃ فیھا ذکر النار الا وقف وتعوّذ بالنار (مظہری)
میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رات کی نماز پڑھی تو (قراءت شریفہ کی کیفیت یہ تھی کہ) جو کوئی آیۂ کریمہ جنت کے بیان میں آتی تو آپ اس پر وقف فرماتے اور اللہ سبحانہ سے جنت کی درخواست کرتے۔ (اسی طرح) جب کبھی کسی ایسی آیۂ کریمہ کی نوبت آتی جس میں دوزخ کا بیان ہوتا تو آپ وقف فرماتے اور دوزخ سے پناہ مانگتے"۔ یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ اطمینان و سکون، رغبت و دلچسپی کے ساتھ قراءت ہو۔

قرأت قرآن میں عجلت کی ممانعت

اس کے برخلاف اگر جلدی اور تیزی کارفرما ہے تو نہ تلفظ ہی درست ہوگا اور نہ رغبت و دلچسپی رہیگی۔ صرف یہی دھن رہیگی کہ کسی طرح سورہ ختم ہو جائے۔ حدیث شریف میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے جیسا کہ اوپر گزرا۔ بلکہ ایک حرف کی جگہ دوسرا اور صحیح اعراب کی جگہ غلط، اور قرات خلط ملط ہوگی۔ پھر بعض اغلاط ایسے ہوتے ہیں جن سے نماز ہی فاسد ہو جاتی ہے۔ اس لئے سوچ سمجھ کر اطمینان کے ساتھ صحیح پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ حدیث شریف میں آیا ہے :۔ رُبَّ قارئٍ للقرآن والقرآن یلعنہٗ ایسے کتنے قرآن پڑھنے والے ہیں جو قرآن پڑھتے تو ہیں مگر قرآن ان پر لعنت کرتا ہے" حروف بدل جائیں یا اعراب غلط ہو تو اس کو لحنِ جلی کہتے ہیں۔ اس سے نماز فاسد ہوتی ہے۔ اور اگر اخفا کی جگہ اظہار، تفخیم کی جگہ ترقیق، یا بالعکس کوئی صورت ہو تو یہ لحنِ خفی ہے۔ یہ بھی نہ ہونا چاہیے، مگر اس سے نماز نہیں جاتی۔[1]

---

[1] حضرت مولانا جامیؒ فرماتے ہیں :۔

صرفِ اوکن حواسِ جسمانی — وقفِ اوکن قوائے روحانی
دل بہ معنیٰ، زباں بہ لفظ سپار — چشم بر خط و نقط و عجم، گزار
گوش از و معدن جواہر کن — ہوش از و مخزنِ سرائر کن
در ادایش مکن زباں کج مج — حرفہایش ادا کن از مخرج
دور باش از تہتک و تعجیل — کام گیر از تأمل و ترتیل

اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡکَ قَوۡلًا ثَقِیۡلًا ○ بے شک ہم ڈالنے والے ہیں آپ پر 73-5

بھاری بات "

قرآن کریم کی عظمت یعنی قرآن عظیم کو بذریعہ وحی آپ پر اتارنے والے ہیں۔
قرآن عظیم کی تعبیر چونکہ قول ثقیل کے ذریعہ فرمائی جارہی تھی اس کی مناسبت سے
سَنُوۡحِیۡ اِلَیۡکَ کی جگہ سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡکَ ارشاد ہوا۔
قول ثقیل اس بنا پر فرمایا گیا کہ کلام پاک کا ایک ایک جملہ بلکہ ایک ایک کلمہ اور
ایک ایک حرف نہایت جچا تلا ہے۔ کلمات کی فصاحت اور کلام کی بلاغت، حسن
ترتیب، لطافت اور شیرینی پھر معنی دیکھو تو قوی دلائل جامع احکام دلچسپ مثالیں
دور رس مطالب، گہرائی اتنی جس کی تہ نہیں، رفعت ایسی جس کی حد نہیں، پھیلاؤ ایسا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

لعنت است این کہ بہر لہجہ وصوت — شود از تو حضور خاطر فوت
فکر حسن غنا برد ہوشت — متکلم شود فراموشت
معنی لعن چیست مردودی — بمقامات بُعد خوشنودی
گرچہ ملعون نہ شد ز حق مطلق — ہست ملعون بہ قدر بُعد از حق

ہمارے حضرت شیخ الشیوخ مولانا حافظ میر شجاع الدین حسین قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:—
معنی گر سمجھے تو اس میں دل لگائے — ورنہ سوچے لفظ تا غلطی نہ آئے

جس کی انتہا نہیں، اثر ایسا جس کا ٹھکانا نہیں پھر اس کو ترتیل کے ساتھ آخر شب میں اصلی عربی لہجہ میں، خوش آوازی سے پڑھنا ٹھہر ٹھہر کر غور و تدبر اور تفکر و گداز کیساتھ اس کی مجموعی کیفیت وہی جانے جس پر گزرتی ہے، یا وہ جو سمیع و بصیر اور علیم و خبیر ہے۔ دوسرے سننے والے بھی بے چین اور مضطرب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ شجر و حجر جمادات و نباتات، حیوانات اور انس بلکہ جن و ملک بھی اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ یا

قولاً ثقیلاً کی تفسیر قول ثقیل اس اعتبار سے کہ قرآن کریم کا ایک ایک حکم ایک نئی ذمہ داری عائد کر رہا ہے خود بھی اس کے پابند ہونا ہے اور دوسروں کو بھی اس پر کاربند بنانے کی تدبیر کرنی ہے۔ اور اس سلسلہ میں جس قدر دشواریاں لاحق ہوں گی ان کو برداشت کرنے کے لئے خود کو تیار رکھنا ہے۔ ایک وقت صحابہ کرام نے ریش مبارک میں سپیدی کے آثار دیکھے۔ عرض کیا کہ آپ وقت سے پہلے بوڑھے ہوگئے۔ فرمایا: — شیبتنی هود و اخواتها۔ مجھے سورۂ ہود اور اس کی ہم مثل سورتوں نے بوڑھا بنا دیا۔ سورۂ ہود میں امم سابقہ کے احوال ہیں کہ کس کس طرح ان قوموں نے اپنے رسولوں کی نافرمانی کی اور ان پر کیسے کیسے عذاب آئے پھر آخر میں حکم ہوا:— فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ۔ جیسا آپ کو حکم دیا گیا ہے اس کے مطابق

استقامت سے کام لیجئے"۔ یہ حکم بجائے خود جو اہمیت رکھتا ہے ظاہر ہے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ پر قبل از وقت بڑھاپے کے آثار نمایاں ہوگئے تھے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ یا

دوسری تفسیر قول ثقیل اس جہت سے کہ قرآن کریم قرآن عظیم ہے عرش اعظم سے اترا ہے جس کا اجر و ثواب قیامت کے دن میزان میں سب سے بھاری ہوگا۔ ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں، پھر الٓمٓ ایک حرف نہیں، الف ایک حرف لام ایک حرف اور میم ایک حرف، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: — یقال لصاحب القرآن اقرأ وارتق ورتل کما کنت ترتل فی الدنیا فان منزلتك عند آخر آیة تقرأها۔ (امام احمدؒ، ترمذی، ابوداؤد، نسائی) قرآن کے حافظ یا اس کو پڑھتے رہنے والے سے کہا جائے گا (جب کہ وہ جنت میں داخل ہوگا ایک ایک آیت) پڑھتا جا اور (ایک ایک درجہ جنت کا) چڑھتا جا۔ جیسا کہ تو دنیا میں ترتیل کیسا تھ پڑھا کرتا تھا۔ یقیناً تیرا ٹھکانا آخری آیت کے پاس ہے جس کو تو پڑھتا جائیگا۔ قرآن کریم کی (۶۶۶۶) آیات ہیں، گویا جنت میں اس کو اتنے درجے ترقی کرنیکا موقع دیا جائے گا۔ اللہ اکبر۔ یا

تیسری تفسیر قول ثقیل اس اعتبار سے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے :۔ انّه قرأ بسم الله الرحمن الرحيم قرأها عشرين مرّة وكان له كلّ مرّة فهم وفي كل كلمة علم۔ آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم سے قرأت کا آغاز فرمایا تو اس کو بیس دفعہ پڑھتے رہے۔ ہر دفعہ ایک نیا مفہوم ذہن نشین ہوتا گیا اور ہر ہر کلمہ میں ایک جدید علم حاصل ہوتا رہا" حضرت امام اعظمؒ کے مناقب میں ہے کہ آپ نے تہجد شروع کی تو آیہ کریمہ ان تعذّبهم فانّهم عبادك وان تغفرلهم فانّك انت العزيز الحكيم کو اتنی دفعہ دہراتے رہے کہ صبح ہوگئی۔

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًاؕ یقیناً رات کو اٹھنا سخت روندتا ہے اور سیدھی نکلتی ہے بات"۔ 73-6

قیام لیل کا فائدہ قیام لیل کا اہم ترین فائدہ یہ ہے کہ اس سے نفس خوب کچلا جاتا ہے اور جو بات زبان سے نکلتی ہے دل میں جمتی جاتی ہے جس ریاضت سے نفس پامال ہو اس سے بڑھ کر اور کوئی ریاضت نہیں ہوسکتی اور عبادت کا مقصد ہی ریاضت نفس ہے میٹھی نیند کو چھوڑنا اگرچہ تلخ اور ناگوار ہے لیکن اس میں جو عظیم فائدہ ہے اس کی خاطر گوارا کرنا ہوگا۔ ترک نوم منفی پہلو ہوا۔ اس کا مثبت پہلو یہ ہے کہ جو بات زبان سے جاری ہوگی وہ دل نشیں ہوتی جائیگی۔ کلام ربانی کے معانی و مطالب

کھلتے جائیں گے اور ساتھ ساتھ ذہن نشین ہوتے جائیں گے۔ زبان اور دل میں موافقت و مطابقت پیدا ہوگی۔ ایمان و ایقان پختہ ہوگا۔ یہ پختگی جیسی جیسی ترقی کرتی جائیگی اس کی تاثیر مخاطب کے دل میں زیادہ ہوگی۔ فریضۂ تبلیغ بہتر طریقہ پر انجام پائیگا۔ آدھی رات کے بعد کا خاموش سماں جبکہ عامۃ الناس محوِ خواب اور پرند چرند وغیرہ حیوانات اپنے آشیانوں اور ٹھکانوں میں دم بخود، ساری فضا پُرسکون اور رب العزت جل جلالہ وعم نوالہ کا سماء دنیا پر نزول اجلال اور اس مژدۂ جانفزا کا اعلان کہ "کوئی ہے مانگنے والا جس کو ہم اپنی عطا سے مالا مال کریں" "کوئی ہے توبہ کرنے والا کہ اس کی توبہ قبول فرمائیں"۔ "کوئی ہے گناہوں کی معافی چاہنے والا جس کو ہم بخش دیں"۔ ایسے میں اللہ کا مقبول و محبوب بندہ ہی ہو سکتا ہے کہ ہر صدا و منادی پر لبیک کہتا ہوا تعمیل حکم کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اب اس میں کیا کلام ہے کہ اس کی منہ مانگی مراد پوری ہوگی۔ پھر جس مقدس و مبارک ذات کا کوئی گناہ ہی نہیں، معصوم پیدا ہوئے۔ اگلی پچھلی تمام باتیں اگر کچھ ہوں بھی تو وہ بخش دی جا چکی ہوں تو ان کی کوئی درخواست، خواہ اپنے لئے ہو یا امت مرحومہ کے لئے۔ کیا تصور ہو سکتا ہے کہ یوں ہی رہ جائیگی؟ نیز ایسی ذات گرامی کی زبان فیض ترجمان سے جو کلمہ صادر ہوگا کیا دوسروں پر اس کا اثر نہ ہوگا؟۔

ناشئۃ اللیل کی تفسیر | ناشئۃ اللیل کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں :۔

۱۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ ناشئۃ اللیل اولہ۔ (بیہقی) قیام لیل سے رات کا پہلا حصہ مراد ہے "دوسری روایت آپ سے یوں ہے :۔ اللیل کلہ ناشئۃ (ابن المنذر، ابن المفرس) پوری رات ناشئۃ اللیل ہے " یہ بھی مروی ہے :۔ اتی اللیل قمت فقد انشأت۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر) رات کے جس حصے میں بھی قیام کرو وہ قیام لیل ہے "

۲۔ ابو مجلزؓ فرماتے ہیں :۔ ما کان بعد العشاء الآخرۃ الی الصبح فھو ناشئۃ (عبد حمید، ابن نصر) نماز عشا کے بعد کا جو حصہ بھی ہو صبح صادق کے طلوع ہونے تک وہ قیام لیل ہے " حضرت قتادہؒ، حضرت حسن بصریؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ (عبد بن حمید، ابن نصر، بیہقی)۔

۳۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں :۔ ان ناشئۃ اللیل قال ما بین المغرب والعشاء۔ (ابن ابی شیبہ، ابن نصر، بیہقی) ناشئۃ اللیل مغرب اور عشا کے درمیان کا وقت ہے " حضرت سعید بن جبیر اور حضرت سیدنا امام زین العابدینؓ سید الساجدین سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت سید الشہداء سیدنا امام حسین علیہ السلام کو دیکھا گیا کہ آپ مغرب اور عشا کے درمیان نمازیں ادا فرما رہے ہیں۔ اس باب میں آپ سے

دریافت کیا گیا تو فرمایا: — انھا من الناشئة۔ (ابن المنذر) یہ بھی قیام لیل میں داخل ہے۔"

۴۔حضرت مجاہد فرماتے ہیں: — ان ناشئة اللیل قال ای ساعة تهجدت فیها فتهجد من اللیل۔ (فریابی عبد بن حمید ابن نصر) قیام لیل کیلئے رات کی جس ساعت میں بھی نیند سے بیدار ہو تہجد ادا کیا کرو۔"

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ تہجد کے معنی ترک نوم کے ہیں، یعنی خواب سے بیدار ہو کر اٹھنا۔ افضل و اکمل صورت یہی ہے کہ عشاء کے بعد آرام کریں۔ پھر جب کبھی طلوع صبح صادق سے پہلے آنکھ کھلے اٹھ کر طہارت و وضو کر کے تہجد پڑھ لیں۔ لیکن اگر یہ نہ ہوسکے تو سونے سے پیشتر ہی خواہ مغرب اور عشا کے درمیان یا عشاء کی سنتوں کے بعد صلاۃ اللیل پڑھ لیا کریں۔ اس صورت میں یہ بھی صلاۃ اللیل کہلائیگی کیونکہ رات کو ادا کی جا رہی ہے اگرچہ اس کا نام تہجد نہ ہوگا۔ کیونکہ ترک نوم کی نوبت نہیں آئی۔ یعنی تہجد نہ ہوسکے تو صلاۃ اللیل ہی پڑھ لیں۔ رات کی نمازوں کی بڑی فضیلت ہے اس کو حتی الامکان حاصل کرنا چاہیے۔ اس کے بعد وتر پڑھ لیں۔ وتر کے متعلق فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جس کو بھروسہ ہو کہ وہ رات کو نماز کے لئے بیدار ہو سکیگا۔ افضل یہ ہے کہ وتر عشا کے بعد نہ پڑھے بلکہ

تہجد کے بعد پڑھے اور اگر بیداری پر اعتماد نہ ہو تو عشا کی سنتوں کے ساتھ وتر بھی پڑھ لے ۔
اگر بیدار نہ ہو سکا تو مضائقہ نہیں، وتر تو پڑھ چکا ہے ۔ اور اگر بیدار ہو سکا تو صرف
تہجد پڑھ لے ۔ وتر کے اعادہ کی ضرورت نہیں ۔

تہجد کی رکعتیں اور ان میں قرارت

تہجد یا صلاۃ اللیل کی زیادہ سے زیادہ آٹھ
رکعتیں ہیں اور کم سے کم دو ۔ چار یا چھ رکعتیں اس کا اوسط ہے ۔ مستحب ہے کہ رکعتوں کی
تعداد بڑھانے کے مقابلہ میں قرارت طویل ہو ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے
پوچھا گیا کہ رات کی نماز میں قرارت کم از کم کتنی ہونی چاہیے؟ تو ارشاد ہوا اتنی کہ
ایک بکری کا دودھ دوہا جا سکے ۔ ظاہر ہے کہ بکری عموماً آدھ سیر یا ¾ سیر دودھ دیا
کرتی ہے ۔ اتنا دودھ دوہنے میں دس پانچ منٹ سے زیادہ وقت صرف نہیں ہوتا ۔
یہ قرارت تہجد کی کم سے کم حد ہے ۔ بڑی سورتیں یاد نہ ہوں تو چھوٹی چھوٹی سورتوں کو ہی
مکرر سکرر پڑھا جا سکتا ہے ۔ رہا یہ امر کہ خود حضور اکرم کی قرارت کا کیا حال تھا؟ ۔

تہجد میں حضورؐ کی قرارت

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آپ تہجد کی
چار رکعتیں ادا فرمائیں، فلا تسأل عن طولهن وحسنهن ۔ ان چار رکعتوں کی طوالت
اور خوبی کا حال نہ پوچھو کہ وہ کتنی طویل اور کن خوبیوں کی حامل اور کیسی بھلی ہوتی تھیں
پھر اور چار رکعتیں ادا فرماتے ان کی درازی اور ان کا حسن بھی خارج از بیان ہوتا تھا

پھر جب صبح صادق طلوع ہو جانے کا اندیشہ ہوتا تو تین رکعت وتر ادا فرماتے"۔ دوسری روایات میں ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ، دوسری میں آل عمران، تیسری میں سورۂ نساء اور چوتھی میں مائدہ تلاوت فرماتے۔ وقس علی ہذا۔ حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وتر کی ایک رکعت میں پورا قرآن ختم فرمایا تھا۔

آخری صورت پھر جس کسی سے رات کو اٹھنا ہی نہ ہو سکتا ہو تو عشا اور فجر کی نماز مسجد میں باجماعت ادا کیا کرے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس نے عشا کی نماز باجماعت ادا کی تو گویا وہ نصف شب بیدار رہا۔ پھر اس نے فجر کی نماز بھی باجماعت پڑھ لی تو گویا وہ بقیہ نصف شب بھی بیدار رہا"۔ یہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا مزید کرم ہے کہ رات کو نہ اٹھنے کے باوجود صرف عشا و فجر کی فرض نمازوں کو باجماعت ادا کر کے پوری رات جاگنے اور عبادت کرتے رہنے کا اجر حاصل کر سکتا ہے۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ نماز تہجد کی پابندی کا طریقہ یوں ہے کہ پہلے عشا و فجر کو مسجد میں باجماعت ادا کیا کرے اور ساتھ ساتھ مغرب و عشا کے درمیان یا عشا کے بعد اور وتر سے پہلے دو رکعت یا چار چھ آٹھ رکعتیں پڑھ لیا کرے۔ جب اس کی عادت ہو جائے تو رات کو تھوڑی دیر کے لئے ہی کیوں نہ ہو اٹھ جایا کرے اور کم از کم دو رکعت چھوٹی چھوٹی سورتوں کے ساتھ ہی سہی پڑھ لیا کرے۔ جب اس کی بھی عادت ہو جائے تو

چار، چھ، یا آٹھ رکعتیں پڑھا کرے، پھر قراءت کو طول دیا جائے۔ اس تدریجی طریقہ سے انسان آسانی کے ساتھ، تہجد کا پابند ہو سکتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا ۝ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ 73- 7
وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا ۝ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ 73 -8
فَاتَّخِذْهُ وَكِیْلًا ۝ 73-9

بے شک آپ کو دن میں تو بہت سے کام ہیں، اور کیے جایئے ذکر اپنے رب کے نام کا، اور سب سے ٹوٹ کر چلے آیئے اوسی کی طرف، (وہ) مالک ہے مشرق اور مغرب کا، بس بنایئے اسی کو اپنا کارساز۔"

سبحاً کی تفسیر سبحاً کے معنی از روئے لغت یہ ہیں المرّ السریع فی الماء۔ پانی میں تیز تیز تیرنا۔" پھر مجازاً مطلق روانگی کے معنی لیے جانے لگے۔ خواہ پانی میں ہو یا خشکی پر۔ یا فضا میں۔ اس اعتبار سے آیۂ کریمہ کے معنی یہ ہوئے کہ دن میں آپ کو لمبے لمبے کاموں پر جانا رہتا ہے، یعنی بہت سارے اشغال رہتے ہیں۔ تبلیغ، وعظ نصیحت فصل خصومات، ملاقات، دریافت احوال، اور دیگر حوائج ضروریہ جن کے باعث آپ کو سکون قلب اور یکسوئی کے ساتھ عبادت کا موقع کم ملتا ہے اور رات کا وقت سکون و اطمینان اور خاطر جمعی کا ہے لہٰذا آپ کچھ آرام کر کے راتوں کو اٹھا کیجئے۔ اور بسم اللہ کہہ کر اپنے رب کی یاد میں لگے رہیے۔

سبحا کی دوسری تفسیر سبحاً کے دوسرے معنی لغت میں فراغ کے ہیں چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ السبح الفراغ للحاجة والنوم۔ (عبد بن حمید، ابن نصر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، حاکم) سبح کے معنی ضروریات کی تکمیل اور نیند لینے کا موقع ملنا۔" اس لحاظ سے معنی یوں ہوں گے کہ دن کو ضروریات کی تکمیل کے بعد قیلولہ کا موقع بھی حاصل رہتا ہے جس سے شب خیزی کا تکان دفع کیا جا سکتا ہے لہذا آپ رات کا کچھ حصہ ضرور عبادت میں صرف کیا کیجئے۔ حضرت قتادہ سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ چنانچہ احادیث شریفہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ دن میں دوپہر کے وقت قیلولہ فرماتے تھے۔ اس سے قیام لیل میں مدد ملتی ہے۔ نیز اس میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ رات میں جو کام نہ ہو سکے اس کو دن میں انجام دیا جا سکتا ہے۔ خواہ وہ نیند ہو۔ یا عبادت، یا اور کوئی کام۔ اسی طرح دن میں کوئی کام نہ ہو سکا تو رات کو اس کی تکمیل کیجا سکتی ہے۔ دوسری جگہ اللہ سبحانہ نے بہ صراحت فرمایا ہے:۔ هو الذی جعل اللیل والنهار خلفة لمن اراد ان یذکر او اراد شکورا۔ وہی خدا ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کا خلیفہ بنایا ہے یعنی رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات لاتا رہتا ہے ان کیلئے جو اسکی یاد میں لگے رہنا اور اسکی نعمتوں کی شکر گزاری جاری رکھنا چاہتے ہیں۔"

نوافل ناغہ ہونے کا علاج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

من نام عن حزبه او عن شیئ منه فقرأه فیما بین صلاۃ الفجر وصلاۃ الظهر کتب له کأنه قرأه من اللیل۔ جو کوئی اپنے وظیفے یا اس کے کچھ حصے کو پڑھے بغیر سو گیا پھر اس کو نماز فجر اور نماز ظہر کے درمیان پڑھ لیا تو اس کے نامۂ اعمال میں اس کو اسی طرح لکھ دیا جاتا ہے جیسا کہ اس نے رات ہی کو پڑھا“ اسی بنا پر مشائخ کرام اپنے مریدین صادقین کو ہدایت فرماتے ہیں کہ ان کا کوئی ورد یا وظیفہ اپنے وقت پر چھوٹ جائے تو اس کی تکمیل کسی دوسرے وقت میں کر لیا کریں اگرچہ مہینہ بھر بعد کیوں نہ ہو ضرور وظیفے کی تکمیل کرتے رہیں۔ مقصد یہ ہے کہ مرید اپنے اشغال کی ادائی میں سُست نہ ہونے پائے۔ اس کا مجاہدہ جاری رہے۔

نوافل کی قضا نہیں شیخ ابو طالب مکیؒ قوت القلوب میں فرماتے ہیں: من فاته ورد من الاوراد استحب له فعل مثله متی ذکره لا علی وجه القضاء لانه لا تقضی الا الفرائض ولکن علی سبیل التدارك ورياضة النفس بذلك لياخذ بالعزائم کیلا یعتاد الرخص۔ جس کسی کا کوئی ورد اس کے مقررہ اوراد میں سے چھوٹ جائے اس کے لئے مستحب ہے کہ اس جیسا وظیفہ جب یاد آئے پڑھ لیا کرے۔ یہ وظیفہ کی قضا نہیں ہے کیونکہ فرائض کے سوا (جن میں واجبات بھی داخل ہیں) اور کسی کی قضا نہیں ہے لیکن اس ورد یا وظیفہ کی ادائی نفس کے تدارک

اور اس کی ریاضت کی خاطر ہے تاکہ مرید عمل کے اہم اور اعلیٰ پہلو کو اختیار کیا ہوا رہے سہولتوں کا خوگر نہ بن جائے "۔ البتہ شرع شریف نے جہاں کوئی سہولت دی ہے اس سے بھی مستفید ہوتا رہے لیکن سہل انگاری کا عادی نہ بنے۔

ذکر دوام

نیز وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ میں اشارہ ہے ذکر دوام کی طرف کہ رات اور دن کا کوئی لمحہ یاد الٰہی سے خالی نہ گزاریئے۔ اور ہمیشہ اس پر قائم رہیئے غفلت سے یاد کی طرف آنا مراد نہیں کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب میں غفلت کا کیا گزر ہو سکتا ہے؟ ذکر الٰہی تو جاری ہی تھا۔ بلکہ اس ذکر پر قائم و برقرار رہنے کی تاکید مقصود ہے۔ جیسے ارشاد باری ہے:۔ یا ایھا الذین آمنوا آمنوا۔ "اے ایمان والو! اپنے ایمان پر قائم و برقرار رہو"۔ یہ معنی نہیں کہ ایمان لاؤ۔ کیوں کہ خطاب اُن سے ہے جو ایمان لا چکے ہیں۔ بلکہ یہ مراد ہے کہ ایمان پر قیام و دوام ہونا چاہیئے۔ اسی طرح یہاں بھی واذکر اسم ربك سے ذکر دوام مراد ہے نیز یہ دوام حقیقی مراد نہیں کیونکہ یہ امر محال اور تکلیف مالا یطاق ہے۔ دن رات کے چوبیس گھنٹے ذکر ہی میں گزارنا ناممکن ہے بلکہ دوام عرفی مراد ہے کہ عرف عام میں جس کے غالب واکثر اوقات ذکر میں گزرتے ہیں اس کو کہا جاتا ہے کہ یہ ہمیشہ یاد الٰہی میں رہتے ہیں۔ پھر ذکر لسانی ہی کیساتھ یہ ذکر مخصوص نہیں ہے۔ زبان سے ہو یا دل سے یا

جوارح سے۔ انسان جو بھی کام کرے اللہ سبحانہ کے منشا و مرضی کے مطابق کرے تو اس کا شمار بھی ذاکرین میں ہے۔ اور یہی مومن سے مطلوب ہے۔ اور یہ درجہ حاصل ہوتا ہے شب بیداری اور تہجد گزاری سے۔ واللہ الموفق۔

دنیا سے بے رغبتی | وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا۔ اور چھوٹ کر چلے آیئے اُسکی طرف سب سے الگ ہو کر" یہاں بھی احتباک کارفرما ہے جو حذف کلام کی ایک لطیف قسم ہے۔ دراصل یوں ارشاد ہو رہا ہے :۔ وتبتّل الیہ فیبتّلك تبتیلا۔ یعنی آپ اپنی کوشش اور جدو جہد سے اپنے رب کی طرف چھوٹ کر آیئے تو وہ آپ کو اپنی عنایت سے سب سے چھڑا کر اپنی طرف کھینچ لیگا" بتل کے معنی ہیں انقطاع و تجرید کے۔ حضرت مریمؑ کو بتول اسی لئے کہا جاتا ہے کہ آپ کا کوئی شوہر نہ تھا۔ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کو منظور ہی یہ تھا کہ آپ کو زوجیت سے کوئی تعلق نہ رہے۔ اسی طرح جناب سیدہ فاطمۃ الزہرا بنت رسول علیہ وعلیہا الصلاۃ والسلام کو بتول اس لئے کہتے ہیں کہ ماسوی اللہ سے آپ کا قلب مبارک یکسر خالی تھا۔ دراصل یہ پرتو تھا وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا کا جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خطاب فرمایا گیا تھا۔ "سب سے چھوٹ کر اپنے رب کی طرف آئیں گے تو سارے کام باحسن الوجوہ بنا دئے جائینگے" کیوں کہ آپ کے رب کی شان یہ ہے :۔

ربُ المشرق والمغرب کی تفسیر | رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔ وہ مالک مشرق کا بھی ہے اور مغرب کا بھی ۔ مشرق سے مغرب، شمال سے جنوب، کائنات ارضی وسماوی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو اس کی مِلک اور مُلک سے خارج ہو ۔ اور اس کائنات میں اس کے سوا کسی کی حکومت اور کارفرمائی ہو ۔ سب کچھ اسی کی رکھوالی میں ہے اور وہی تمام کام بناتا ہے ۔ اسی کی ذات سے نظام شمسی، قمری، ارضی، سماوی بالفاظ دیگر سارا نظام عالم قائم ہے تو آپ کا کوئی کام کیوں ناتمام رہیگا ؟ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ۔ بس اسی کو اپنا کارساز بنائیے ۔" لاکھوں، کروڑوں، بے شمار درود وسلام ہوں آپ کی ذات اقدس پر کہ آپ کی ساری زندگی اسی کی جیتی جاگتی تصویر تھی ۔ جناب سیدہ عائشہ صدیقہ رضی نے کیا خوب فرمایا :۔ وکان خلقه القرآن ۔ سارا قرآن کریم آپ کا خلق عظیم تھا ۔ پھر جو کامیابی مختصر سی مدت میں آپ کو حاصل ہوئی وہ اپنی آپ نظیر ہے ۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔

مقامات سلوک | حضرت یعقوب کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔ انّ من اوّل السورة الی هذه الآية اشارة الی مقامات السلوك من الخلوة بالليل والاشتغال بالقرآن وذكر الرحمن ونفی ماسواه والتوكل به ۔ اس سورت شریفہ کے آغاز سے اس آیۂ کریمہ تک مقامات سلوک کی جانب اشارہ فرمایا جاتا ہے

یعنی رات کو خلوت گزینی، قرآن خوانی، خدائے رحمٰن کا ذکر، اور اس کے ماسوا کی نفی، اور توکل علی اللہ۔

وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا ۝ وَذَرْنِیْ 73-10

وَالْمُکَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا ۝ اور سہتے رہیے ان کی 73-11

باتوں کو، اور چھوڑ دیجیے ان کو بھلی طرح کا چھوڑنا، اور مجھ پر چھوڑ دیجیے اور جھٹلانے والوں کو جو آرام میں ہیں اور ڈھیل دیجیے ان کو تھوڑی سی۔

مایقولون کی تفسیر کفار کی زبان بے لگام تھی، ان کی بد زبانی کی کوئی حد نہ تھی اور نہ اس سے کوئی چھوٹ سکا۔ اللہ سبحانہ کے ساتھ یہ شرک کرتے چنانچہ تین سو ساٹھ بُت کعبۃ اللہ شریف میں ان لوگوں نے رکھ چھوڑے تھے۔ اللہ سبحانہ کے لئے خاکم بدہن بیوی اور اولاد تجویز کر رکھی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان مبارک میں کاهن، شاعر، مجنون کے خطابات دیتے تھے۔ قرآن کریم کی نسبت کہا کرتے، اساطیر الاولین۔ یعنی یہ اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ حلقہ بگوشان اسلام کی نسبت سفہاء کا لفظ اختراع کیا تھا۔ اسی طرح نماز، روزہ، زکاۃ، حج وغیرہ کی پھبتیاں اڑاتے۔ ان تمام ہذیانات، اور خرافات کا جواب، صبر و شکیب کیساتھ دینے کی ہدایت فرمائی جا رہی ہے کہ مذکورہ بد زبانی پر الجھنے کی ضرورت نہیں ذرا

صبر سے کام لیجئے۔ع صبر تلخ است ولیکن بر شیریں دارد۔ پھر دیکھئے اس کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ۔ اور ان کو اپنے حال پر اسی طرح بدزبانی کرتے ہوئے چھوڑے رکھئے بھلے طریقے کے ساتھ" یعنی ان کی باتوں اور ان کاموں پر چیں بہ جبیں نہ ہوئیے اور نہ کچھ جواب دینے کی کوشش کیجئے۔ ان کا جواب بقول تحفے ع بدی را بدی سہل باشد جزا۔ ہو سکتا ہے' مگر یہ طریق کوئی اچھا نہیں ہے۔ اچھی صورت وہ ہے جس کی رہنمائی قرآن کریم نے فرمائی ہے :۔ فاصفح عنهم وقل سلام۔ ان کے ساتھ درگزر سے کام لیجئے اور سلام کہہ کر ٹال دیا کیجئے" اسی سے کام بنے گا۔ رہا ان کو اس کی پاداش میں سزا دینا' اس کی نسبت ارشاد ہو رہا ہے :۔ وذرنی والمکذبین اولی النعمة ۔ اور ہم کو ان جھٹلانے والوں کے ساتھ چھوڑ دیجئے جو آرام میں پڑے ہماری نعمتوں سے ناجائز استفادہ کرنے کی سوچ رہے ہیں۔ ان سے ہم نبٹ لیں گے۔ اس میں ذرا سی ڈھیل دینے کی ضرورت ہے۔

کفار کو دنیوی سزا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رض نے اسی ہدایت ربانی پر عمل کیا۔ مکی زندگی کے بارہ تیرہ سال' اسی صبر و شکیب میں گزرے کافروں کی بدزبانی' طعن و تشنیع ہر طرح کی ایذارسانی کا شکار بنے رہے۔ جب

ہجرت کی نوبت آئی اور اس کے بعد بدر و احد اور حنین وغیرہ کے معرکے درپیش ہوئے تو اشقیاء مسلمانوں کے ہاتھ سے تہ تیغ ہوئے۔ یہ تو دنیا کی سزا تھی۔ رہی سزائے آخرت اس کا بیان آگے آرہا ہے۔ اور جنکی قسمتوں میں سعادت لکھی تھی ہزاروں کی تعداد میں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے جو ہجو جمیل کا نتیجہ تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ یہ تو دنیا کی سزا تھی۔ اب سزائے آخرت کا حال سنیئے:-

إِنَّ لَدَيْنَا أَنكَالًا وَجَحِيمًا ۝ وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا 73-12
أَلِيمًا ۝ قف يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا 73-13
73-14
مَّهِيلًا ۝ البتہ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور آگ کا ڈھیر اور کھانا گلے میں اٹکنے والا اور عذاب دردناک۔ جس دن کہ کانپنے لگیگی زمین اور پہاڑ اور ہوجائینگے پہاڑ پھسلتے ریگ کے تودے"

کفار کو اخروی سزا بیڑیاں وغیرہ

اَنکَال جمع ہے نِکل کی جس کے معنی ہیں "بیڑیاں" جو پاؤں میں ڈالی جاتی ہیں اسی کے ضمن میں ہیں، ہتکڑیاں جو ہاتھوں میں پہنائی جاتی ہیں اور طوق جو گلے میں ڈالا جاتا ہے۔ یہ سزا اس بنا پر کہ کفار اپنی تمام عمر جسم اور جسمانیات کی دھن میں لگے رہے۔ پیٹ کے دھندوں میں پھنسے رہے روح کی صفائی اس کی بھوک، پیاس اور اس کے آرام و چین کا کچھ بھی خیال نہ کیا۔

پیغمبروں کی مقدس جماعت نے جب کبھی ان کے روحانی آرام وسکون کی طرف دعوت
دی تو ان کی دوا دوی اور سرگرمی ہمیشہ ان کے خلاف رہی۔ آج اس کی پاداش میں یہ سزا
دی جارہی ہے کہ ان کی تمام سرگرمیاں یک لخت موقوف، اور بیڑیوں، ہتکڑیوں اور
طوق کے بوجھ کے نیچے دبے رہیں گے۔

جحیم کی سزا اور اس کی وجہ جحیم دہکتی آگ کا ڈھیر" یہ کفار کے مال ومتاع
اور اسباب زندگی کی فراوانی کی سزا ہے کہ دنیا میں مال جمع کرتے رہے۔ سونے چاندی،
زیورات کی کثرت تھی یا صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک اسی کو جمع کرنے کی فکر تھی
جس کو یہ میسر تھا وہ اس کو جتن کرکر کے رکھتا تھا اور جس کو میسر نہ ہوا وہ اسی کی فکر میں
رات دن گھلتا تھا۔ کسی فقیر، مسکین، یتیم، بیوہ، نادار، معذور، ضعیف وناتواں شکستہ حال
کی اس کو کب پرواہ تھی۔ خدا پر ہی ایمان نہیں تو راہ خدا میں کسی طالب علم، محتاج،
مسافر اور درماندہ کی کیا خبر لیتا! آج اس کا مال دہکتی ہوئی آگ کے تودے کی شکل میں
نمودار ہوا ہے جس کی تپش اور سوزش تو رہی ایک طرف، اس کی بھانپ اور دھواں بھی
جھلس دینے کے لئے بس ہے۔

اولی النّعمۃ کی تفسیر اولی النّعمۃ، عیش وتنعم والے جو اس کے پیچھے پڑے ہوئے
تھے۔ روزانہ ان کی محفلیں سجائی جارہی تھیں متنعین کو دعوت نامے تقسیم ہو رہے تھے۔

وہ فاخرہ لباس پہنے عمدہ سواریوں میں سوار ہو ہو کر جمع ہوتے تھے' ان کا استقبال شاندار طریق پر ہو رہا تھا۔ کرسیاں بچھائی گئی ہیں۔ تخت رکھے ہوئے ہیں۔ عیش و طرب کا سامان فراہم کیا گیا ہے۔ شراب و کباب بھی ہے۔ گانا' بجانا' راگ' راگنی' رقص و سرود' اور خدا جانے کیا کیا ملاہی و ملاعب مہیا ہیں۔ پھر جب کھانے کا وقت آیا تو دسترخوان پر ایک سے ایک بہتر' پر تکلف' نئے قسم کا کھانا اور لوازمہ' جس کا بیان نہیں ہو سکتا' اللہ سبحانہ کی دی ہوئی دولت اور اس کی اتاری ہوئی نعمتوں سے پوری طرح متمتع ہوتے پھر اللہ سبحانہ ہی کا انکار کئے جاتے تھے۔ آج اس کے بدلے میں طعاماً ذا غصّۃ مل رہا ہے۔ کھانا ایسا کہ منہ میں ڈالا اور وہ حلق میں پھنس گیا۔ نہ نیچے اتر سکتا ہے۔ اور نہ اس کو تھوک دیا جا سکتا ہے' جیسے ہڈی یا کانٹا ہے کہ وہ حلق میں چبھ گیا ہے' نہ فرو حلق ہو سکتا ہے اور نہ باہر نکالا جا سکتا ہے اور یہ دوزخی کا فر اس کی تکلیف سے تڑپ رہے ہیں۔

طعاماً ذا غصّۃ کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ له شوك ویاخذ بالحلق لا یدخل ولا یخرج۔ (عبد بن حمید' ابن ابی الدنیا' عبداللہ بن احمد' ابن جریر' ابن المنذر' حاکم بروایت صحیحہ' بیہقی') اور دوسری روایت میں ہے:۔ شجرۃ الزقوم (حاکم بروایت صحیحہ) دوزخیوں کی غذا' ناگ پھنی (چیل سینڈھ) ہو گی جو حلق میں پھنس جائیگی۔ جو نہ اندر جا سکتی اور نہ خارج ہو سکتی ہے۔" حضرت مجاہد سے بھی اسی طرح مروی ہے (عبد بن حمید)

عذابا الیما کی تفسیر | وَ عَذَابًا اَلِیۡمًا۔ اور بے نہایت رنج دہ عذاب ہے"۔ اس کو نکرہ لانا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ عذاب کی نوعیت، تمام عذابوں سے نرالی اور انوکھی ہوگی جس کا کوئی تصور ہی نہیں کیا جا سکتا پھر اس عذاب سے جو تکلیف پہنچتی ہوگی وہ بھی ایسی جو نہ کہیں دیکھی اور نہ کبھی سنی۔

حضور اکرم کا تاثر | حضرت حمران رضی فرماتے ہیں:۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأ ان لدینا انکالا وجحیما وطعاما ذا غصۃ وعذابا الیما فلما بلغ الیما صعق (امام احمدؒ، ہناد، عبدبن حمید، محمد بن نصر) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیہ کریمہ کی تلاوت فرمائی۔ جب الیماً کے پاس پہنچے تو حضور اکرمؐ بیہوش ہوگئے"۔ اور ابوحرب ابن ابی الاسودؓ فرماتے ہیں:۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سمع رجلا یقرأ ان لدینا انکالا وجحیما فصعق۔ (ابوعبید، امام احمدؒ، ابن ابی الدنیا، ابن جریرؒ، ابن ابی داؤد، ابن عدی، بیہقی) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو اس آیت کریمہ کی تلاوت کرتے سنا تو بیہوش ہوگئے"۔ ممکن ہے کہ یہ دونوں واقعات جدا جدا وقوع پذیر ہوئے ہوں، یا روایات کا اختلاف ہو۔ اللہ اکبر محبوب رب العالمین پر خشیۃ الٰہی کا یہ اثر ع جن کے رتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے۔

آیۂ ترجف الارض کی تفسیر | یَوۡمَ تَرۡجُفُ الۡاَرۡضُ وَ الۡجِبَالُ۔ کفار کو

یہ سزائیں اس دن دیجائینگی جس دن زمین اور اس کے تمام پہاڑ کانپنے لگیں گے۔ زبردست
زلزلہ آئے گا۔ اس زلزلہ کی شدت کا یہ حال ہوگا وَ کَانَتِ الْجِبَالُ کَثِیْبًا مَّهِیْلًا۔
تمام پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ ہوکر پھسلتی ہوئی ریگ کی شکل میں تبدیل ہوجائینگے"
جب ایسے سخت اور زبردست پہاڑوں کا یہ حال ہوگا اور ساری زمین بھونچال میں گرفتار
ہوجائیگی تو زمین پر رہنے والوں کا کیا حال ہوگا اس کا اندازہ کرلیا جائے۔ ایسی
ہیبتناک حالت میں انسان ضعیف البنیان پر کیا گزرے گی خصوصاً اللہ سبحانہ کے
منکرین کا کیا حشر ہوگا اوس کا اندازہ مشکل ہے۔ کثیب کے معنی ہیں" تودۂ ریگ" اور
مھیل کے معنی حضرت ابن عباسؓ نے یوں بیان فرمائے ہیں:۔ المھیل الذی
اذا اخذت منه شیئاً تبعك آخره۔ (حاکم بروایت صحیحہ) مھیل ایسی باریک
ریت کہ اس کی ایک مٹھی اٹھالو تو وہ مٹھی میں ٹھہرتی نہیں اس کا آخری ریزہ بھی پھسل کر مٹھی
میں سے نکل جائے گا" دوسرے موقع پر یوں تفسیر فرمائی:۔ الرمل السائل۔ (ابن جریر
ابن المنذر ابن ابی حاتم) وہ بہتی ہوئی ریت ہے"

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَیْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى 73-15
فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ؕ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِیْلًا 73-16

ہم نے بھیجا تمھاری طرف رسول بتلانے والا تمھاری باتوں کا جیسے بھیجا فرعون کے پاس

رسول، پھر کہا نہ مانا فرعون نے رسول کا، پھر پکڑا ہم نے اس کو وبال کی پکڑ۔"

کفار مکہ سے خطاب اہل مکہ کو مخاطب کیا جارہا ہے کہ ہم نے تمہاری طرف ایک عظیم الشان عالی مرتبت رسول کریم کو بھیجا ہے تمہارا شاہد بنا کر، جو ہمارے ہاں گواہی دیں گے کہ تمہارا ان کے ساتھ کیا معاملہ رہا؟ آیا ان کی دعوت کو قبول کیا یا اس سے انکار کرتے رہے؟ رسول کی بعثت، کوئی نئی بات نہیں، ان سے پیشتر بھی ایک رسول (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کو ہم نے فرعون کے پاس بھیجا تھا۔ ایسی ہی بعثت ان رسول (حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تمہاری طرف عمل میں آئی ہے۔ فرعون نے اُن رسول کا حکم نہ مانا تو ہم نے اس کو سختی کے ساتھ گرفتار کر لیا۔ ایسی گرفت کہ اس سے پھر وہ کسی طرح چھوٹ نہ سکے۔

نام کی جگہ رسول کہنے کی وجہ یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے اسمائے گرامی کے ساتھ یاد نہ کرکے ان کے منصب جلیل (رسول) کے ساتھ یاد کرنے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ فرعون نے موسیٰ کی نافرمانی نہیں کی بلکہ آپ جب تک اس کے محل میں تیس سال تک پرورش پا رہے تھے آپ کی ہر فرمائش کی بہ دل وجان اور بہ صدر غبت وشوق تکمیل کی جاتی رہی لیکن جب آپ منصب رسالت پر فائز ہوئے اور بحکم الٰہی اللہ سبحانہ کا پیغام سنانے کے لئے تشریف لائے تو فرعون نے

آپ کی ایک نہ سنی۔ لہذا یہ نافرمانی موسیٰ کی نہیں بلکہ درحقیقت رسول کی نافرمانی تھی۔
ٹھیک اسی طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی عمر شریف کے چالیس سال مکہ مکرمہ
میں گزارے تو ساری قوم نے آپ کی صداقت وامانت کو عام طور پر مان لیا تھا۔ اور
آپ کو یہ لوگ جب کبھی یاد کرتے تو **محمد الصادق الامین** کے لقب سے یاد کیا کرتے
تھے مگر چالیس سال ختم ہونے پر حکم الٰہی سے جب آپ نے اعلان نبوت ورسالت فرمایا
اور خدائے واحد اور قرآن کریم کی طرف بلانے لگے تو قوم نے آپ کی نافرمانی شروع کی تو
یہ عصیان بھی حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نہ ہوا بلکہ در اصل رسول اللہ (صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم) کا ہوا۔ ابوجہل صاف طور پر کہتا تھا کہ انا لا نکذبك ولکن نکذب
بما جئت بہ محمدؐ! ہم آپ کی تکذیب نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ آپ جو ہم کو سنایا کرتے ہیں
اس کو نہیں مانتے " اللہ سبحانہ نے بھی اس واقعہ کی خبر دی۔ ارشاد ہوا:۔ فانھم
لا یکذبونك ولکن الظلمین بآیات اللہ یجحدون۔ کفار آپ کو نہیں جھٹلاتے
لیکن یہ ظالم اللہ کی آیات کو جھٹلا رہے ہیں " ولا یحزنك قولھم۔ انکی یہ باتیں
آپ کو غمگین نہ کریں " وہ آپ کی شان میں کچھ نہیں کہتے۔ وہ ہم کو کہہ رہے ہیں۔ ہم ہی
ان کی خبر لیں گے۔ آپ ذرا صبر سے کام لیجئے۔ نتیجہ آپ خود دیکھ لیں گے کہ ان کا انجام
کیا ہوگا؟ ۔

حضرت موسیٰ کے ساتھ تشبیہ کی وجہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیشتر بہت سارے انبیاء علیہم السلام تشریف لا چکے تھے مگر ان سب حضرات کے منجملہ صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے ساتھ یہاں تشبیہ اس بنا پر دیجارہی ہے کہ حضور کی بعثت شریفہ کے وقت قریش جیسے خوش حال تھے اور اس خوش حالی کا پتہ رحلۃ الشتآء والصیف سے ملتا ہے کہ جاڑوں کے موسم میں وہ "یمن" جیسے گرم ملک کو چلے جاتے۔ اور موسم گرما ملک شام جیسے سرد مقام میں بسر کرتے تھے۔ نیز اس ضمن میں انکی تجارت کو فروغ ہوتا تھا۔ مکہ مکرمہ کا مال شام و یمن کو لیجاتے اور وہاں اسکو فروخت کرکے نفع کماتے۔ پھر وہاں کا مال مکہ معظمہ کو لاکر یہاں فروخت کرلیتے اور اس میں بھی ان کا نفع ہوتا تھا۔ اسی لیے اللہ سبحانہ نے یہاں ان کو اولی النعمۃ کی صفت سے یاد فرمایا ہے۔ قوم فرعون کا بھی یہی حال تھا کہ بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا کر اس قوم نے بھی فرعون کی چہار صد سالہ حکومت میں خوب مزے اُڑائے۔ فرعونیوں کے اس عیش و تنعم پر اترا کر فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا اور انا ربکم الاعلیٰ کا نعرہ لگانے لگا اللہ سبحانہ نے فرعون اور اس کی قوم کی ہدایت کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا کہ
۱ اگر یہ قوم اپنے خیالات کی اصلاح کرلے اور خداوند تعالیٰ شانہ کے احکام کو مانے تو اس سے زیادہ لطف کی زندگی بسر کرتے رہیں لیکن فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی

ہدایات قبول کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔ اس نافرمانی کا نتیجہ یہ نکلا کہ فرعون اور اس کی
فوج غرقِ آب کردی گئی۔ یہی نہیں پھر آخرت کی نسبت فرمایا گیا:۔ ویوم القیامۃ
ادخلوا آل فرعون اشد العذاب۔ اور قیامت کے روز فرعون اور اس کے
ساتھیوں کو سخت تر عذاب میں داخل کیا جائے۔" ٹھیک اسی طرح قریش میں حضرت
محمد عربی فداہ امی وابی تشریف فرما ہیں جو صرف رسول بنا کر ہی نہیں بھیجے گئے بلکہ
رسولاً شاھداً علیکم ایسے پیغامبر جو تمہارے گواہ بن کر مبعوث ہوئے ہیں
اگر ان کی اطاعت کروگے تو شاھد الکم ثابت ہوں گے' ان کی شہادت سے
تم کو نفع ہوگا۔ اور جو نافرمانی کروگے تو شاھد علیکم کی شان میں جلوہ گر ہوں گے
ان کی گواہی تمہارے خلاف ہوگی جس سے تم کو دنیا اور آخرت دونوں میں ضرر پہنچیگا
اور جو ابدالآباد کا خسارہ ہے۔ اور یہ گرفت فرعون اور فرعونیوں کی گرفت سے
بھی سخت تر ہوگی کیونکہ ان کی گرفت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی بنا پر تھی اور تمہاری
گرفت حضرت خاتم الانبیا علیہ الصلاۃ والسلام کی نافرمانی پر مبنی ہوگی۔ ظاہر ہے کہ
خاتم الانبیاء افضل الرسل ہیں۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین۔

فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ۝ۖ

السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ۭ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ۝ پھر کیونکر بچوگے اگر منکر ہوگئے 73-17
73-18

اس دن سے، جو کر ڈالے بچوں کو بوڑھا آسمان پھٹ جائیگا اس دن میں اس کا وعدہ ہونے والا ہے۔"

کفارِ مکہ سے خطاب کفارِ مکہ سے خطاب ہو رہا ہے کہ فرعون اور اس کی قوم کو دنیا میں جو سزا دی گئی فرض کرو کہ تم کو ایسی فوری سزا نہ بھی دی گئی تو ایک ہیبتناک دن آنے والا ہے جس کی شدت کا یہ حال ہو گا کہ اس دن نومولود بچے بوڑھے ہو جائیں گے، آسمان جو تمام مخلوقات میں سب سے بڑا اور مستحکم تر نظر آتا ہے وہ اس دن کی ہولناکی اور شدت کے باعث پھٹ جائیگا تو اس دن کے عذاب سے تم اپنے آپ کو کسی طرح بچا سکو گے اگر تم اپنے کفر پر اڑے رہو گے۔ اپنے رسولؐ کی ہدایات کو نہ مانو گے درحالیکہ اس عذاب سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ اپنے رسولؐ پر ایمان لاؤ۔ اور ان کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل پیرا ہو۔ نیز تم قیامت کے بھی منکر ہو۔ حالانکہ اللہ سبحانہ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ کا ہر وعدہ اپنے وقت پر ہو کر رہتا ہے۔ لہٰذا اپنی جگہ خوب سوچو کہ تمہارے بچاؤ کی کیا صورت ہو گی؟

جنتیوں اور دوزخیوں کا تناسب حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ یقول اللّٰہ تعالیٰ یا ادم فیقول لبیك وسعدیك والخیر فی یدیك قال اخرج بعث النار

قال وما بعث النار قال من کلّ الف تسعمائة وتسعة وتسعون فعنده یشیب الصغیر وتضع کل ذات حمل حملها وتری الناس سکاری وماهم بسکاری ولکن عذاب اللّٰه شدید ۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا: ۔ اے آدم! وہ فرمائیں گے ۔ حاضر ہوں اور ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں اور ساری بھلائیاں آپ ہی کے ہاتھ ہیں ۔“ ارشاد ہوگا: ۔ دوزخ میں بھیجا جانیوالوں کو پیش کیجئے ۔ حضرت آدم عرض کریں گے کہ دوزخ میں جانے والے کس حساب سے پیش کروں؟ حکم ہوگا کہ ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے ۔ بس اس دہشت سے بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حاملہ کا وضع حمل ہو جائے گا اور لوگ نشیلے دکھائی دیں گے ۔ درحالیکہ (درحقیقت) وہ نشہ پیے ہوئے نہ ہوں گے ۔ لیکن (دراصل) یہ اللہ کے عذاب کی سختی ہوگی ۔“

مسلمانوں اور یاجوج ماجوج میں تناسب

قالوا یا رسول اللّٰه وایّنا ذلك الواحد قال ابشروا فان منکم رجلا ومن یاجوج وماجوج الف ثم قال والذی نفسی بیده ارجوان تکونوا ربع اهل الجنّة فکبّرنا فقال ارجوان تکونوا ثلث اهل الجنّة فکبّرنا فقال ارجوان تکونوا نصف اهل الجنّة فکبّرنا فقال ما انتم فی الناس الا کالشعرة السوداء فی جلد

ثوراً ابیض او کشعرۃ بیضاء فی جلد ثور اسود (بخاری مسلم) صحابہؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! (ہزار میں سے نجات پانے والا) وہ ایک ہم میں سے کون ہوگا؟ فرمایا۔ خوش ہوجاؤ کہ تم میں کا ایک تو (اس کے مقابل) یاجوج ماجوج ایک ہزار ہوں گے۔ پھر فرمایا:۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ مجھے امید ہے کہ چوتھائی حصہ اہل جنت کا تم ہی ہوگے۔ (یہ سنتے ہی) ہم نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ پھر فرمایا:۔ مجھے یہ بھی امید ہے کہ اہل جنت کی ایک تہائی تعداد تمھاری ہی ہوگی پھر ہم نے نعرۂ تکبیر لگایا۔ پھر ارشاد فرمایا:۔ مجھے یہاں تک آس لگی ہوئی ہے کہ آدھے اہل جنت تم ہی ہوگے۔ پھر ہم نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ سب سے لوگوں میں تمھارا تناسب ایسا ہی ہے جیسے سفید بیل کی جلد میں کوئی سیاہ بال ہوتا ہے یا کسی سیاہ بیل کی جلد میں کوئی سفید بال ہوتا ہے۔"

محض اکثریت موجب نجات نہیں یہاں مدعیان اکثریت کے لئے ایک سبق ہے جو اقلیتوں کو خاطر میں نہیں لاتے۔ انسان کی نجات اور کامیابی اقلیت و اکثریت پر نہیں بلکہ اس کے لئے خداترسی اور تقوی کی ضرورت ہے۔ اکثریت وہاں دوزخ کا ایندھن بنیگی۔ اور دنیا میں بھی ایسا ہوا ہے:۔ وکم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ۔ ایسی کتنی مثالیں گزرچکی ہیں کہ مٹھی بھر جماعت نے خدا کے حکم سے

بڑی سے بڑی افواج کے قدم اکھاڑ دیئے“۔

یجعل الولدان کی تفسیر بچوں کا بوڑھا ہو جانا یا آسمان کا پھٹ جانا جو یہاں ارشاد ہوا ہے اسکو بعض مفسرین کرام نے بطور فرض و تقدیر یا تشبیہ و تمثیل قرار دیا ہے۔ مطلب یہ کہ قیامت کا دن ایسا دہشتناک ہو گا کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ اس دن کوئی بچہ پیدا ہوتا تو دہشت کے مارے بوڑھا ہو جاتا۔ اور بعض حضرات نے یوں تاویل کی ہے کہ قیامت کا دن چونکہ پچاس ہزار برس کے برابر ہو گا اسلئے اسکی درازی لازمی طور پر بچوں کو بوڑھا بنا دیگی لیکن باقی مفسرین عظام نے اس کو حقیقت قرار دیا ہے اور ہمارے نزدیک یہی قول مرجح ہے۔ جس کی تائید شیوخ المحدثین بخاری و مسلم کی حدیث سے بھی ہوتی ہے جو ابھی مذکور ہوئی۔

جوان کا ایک آن میں بوڑھا ہو جانا علامہ زمخشری نے تفسیر کشاف میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک جوان شخص رات کو سو رہا تو اسکے بال نہایت سیاہ تھے صبح اٹھا تو تمام بال سفید ہو چکے تھے سبب دریافت کیا گیا تو اس نے بیان کیا:۔ أریت القیامة والجنة والنار ورأیت الناس یقادون فی السلاسل الی النار فمن هول ذلك اصبحت کما ترونی۔ مجھے خواب میں قیامت کا دن اور جنت و دوزخ دکھائی گئی اور میں نے اس حالت میں لوگوں کو دیکھا کہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے دوزخ کی سمت انکو لیجایا جا رہا ہے۔ بس اس ہولناک منظر سے میرا یہ حال ہو گیا جس کو آپ سب دیکھ رہے ہیں“۔

جوان میت کا بوڑھا ہو جانا احمد دورقی کا ایک خواب لکھا ہے کہ ہمارے پڑوس میں ایک نوجوان شخص کا انتقال ہو گیا تھا اسکو میں نے ایک رات دیکھا کہ وہ بالکل بوڑھا ہو گیا ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ تیرا یہ کیا حال ہو گیا؟ اس نے جواب دیا کہ ایک بدعقیدہ شخص جو خلق قرآن کا قائل تھا اور اس بداعتقادی میں بہتوں کو اپنا شکار بنا چکا تھا مر گیا اور ہمارے قبرستان میں اسکو دفن کر دیا گیا اسکے دفن کے ساتھ ہی دوزخ نے ایک سانس لی جسکے اثر سے اس مقبرے کے تمام لوگوں کا یہی حال ہو گیا ہے۔ اللّٰھم احفظنا۔

بہر حال بچے بوڑھے بن جاتا ثابت ہے تو آسمان کا پھٹ جانا بھی حقیقت ہے
کسی تاویل کی حاجت نہیں۔ اور جب قیامت کی ہولناکی اس درجہ ہے کہ آسمان جیسی
بڑی اور قوی و مستحکم مخلوق پارہ پارہ ہوجائیگی تو دوسری چیزوں کا کیا ذکر؟ رضینا باللہ
ربا و بالاسلام دینا و بالقرآن اماما و بسیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نبیا ورسولا و بالکعبۃ قبلۃ و بالمومنین کلھم اخوانا۔

إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ع 73-19

"یہ تو نصیحت ہے، پھر جو کوئی چاہے بنالے اپنے رب کی طرف راہ"

قرآن کریم یاددہانی فرماتا ہے ارشاد باری إِنَّ لَدَيْنَا أَنكَالًا سے یہاں تک
جس قدر بیان ہوا وہ یاددہانی، نصیحت اور محض خیرخواہی کے طور پر ہے۔ نصیحت تھی جو مخلصانہ
طور پر سنادی گئی۔ نصیحت لینا اور اس کو مان کر اس کی بموجب عمل کرنا ہر شخص کا اختیاری
ہے۔ اللہ سبحانہ کی طرف سے کسی پر کوئی جبر نہیں ہے۔ سوچو اور غور کرو۔ اگر ہزار درجے
ہماری نصیحت بھلی اور سودمند معلوم ہوتی ہے تو اس پر عمل کرو :۔

من نہ گویم کہ ایں مکن آں کن
مصلحت بیں و کار آساں کن

انسان کی خود مختاری اللہ سبحانہ سے ملنے کی راہ کھلی ہوئی ہے۔ فمن شآء فلیؤمن ومن شآء فلیکفر۔ جو چاہے راہِ ایمان و اسلام اختیار کرے جو امن و سلامتی کی راہ ہے۔ اور جو چاہے طریق کفر اختیار کرلے مگر یاد رہے کہ اس میں تباہی و بربادی کے سوا اور کچھ نہیں۔ چونکہ ہم نے انسان کو اشرف المخلوقات اور خلیفۃ اللہ فی الارض بنایا ہے اختیار و اقتدار تفویض کردینے کے بعد پھر اس کو واپس نہیں لیا جائیگا۔ مگر اختیار و اقتدار رکھنے والے کو غور کرنا ہوگا کہ اس اختیار و اقتدار کا استعمال کس طرح کیا جائے؟ کیا تخلقوا باخلاق اللہ کے طریق پر یا اس کے برخلاف۔ مرضیات الٰہی پر چل کر یا اس سے منحرف ہوکر۔ جو صورت بھی پسند ہو اپنی پسند اور اپنی مرضی اور چاہت سے اختیار کرلو۔ اپنی عقل و خرد اور اپنے علم و تجربہ سے کام لو۔ اگر راہ حق پسند آئے اور وہ ہر طرح پسند آنے کے قابل ہے بھی اس لئے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ بہ نسبت دوسری تمام چیزوں کے ہم سے قریب تر ہے۔ اتنا قریب کہ رگ جان سے بھی قریب تر ہے۔ ونحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ لیکن ہم ہیں کہ اس کی اس قدر نزدیکی کے باوجود اس سے دور اور دور تر ہیں۔

یار نزدیک من ہست از من ‖ ویں عجب تر کہ من از وے دورم

حجاب اللہ یہ دوری کس بنا پر ہے؟ یا تو غفلت کے باعث ہے اور یہی غفلت

حجاب بنی ہوئی ہے یا اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا حجاب ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ان اللہ تعالی بینفا وسبعین الف حجاب من نور وظلمة لو کشفت لاحرقت سبحات وجهه ما انتهى اليه بصره اور مسلم شریف میں حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے۔ حجابه النور لو کشفه لاحرقت سبحات وجهه ما انتهى اليه بصره من خلقه۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت ہے:۔ للہ دون العرش سبعون حجابا لو دنونا من احدها لاحرقتنا سبحات وجه ربنا۔ اللہ سبحانہ کے حجابات نور اور ظلمت کے ستر ہزار سے زائد ہیں اگر وہ اٹھا دیے جائیں تو اس کے انوار ذات سے سارا عالم جل جائے"۔ مسلم شریف کی روایت میں صرف حجاب نور کا بیان ہے کہ اگر وہ اٹھ جائے تو تمام مخلوقات اس کے نور کی تیزی سے جل اٹھیں" اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں عرش اعظم کے ستر حجابات کا بیان ہے کہ اگر ہم ان میں سے کسی ایک حجاب سے بھی نزدیک ہو جائیں تو رب العزت جل جلالہ کے انوار ذات ہم کو جلا کر خاکستر کر دیں"۔ ان احادیث شریفہ سے معلوم ہوا کہ یہ حجابات بھی ہمارے لئے نعمت اور آیۂ رحمت ہیں۔ ورنہ ان کے آگے مخلوقات کے ضعف کا یہ عالم ہے کہ کوئی بھی اس کے آگے ٹھہر نہیں سکتا۔ الا من شاء اللہ۔ مگر جس کو خدا یا ہے" حضرت موسیٰ کلیم علیہ التحیۃ والتسلیم ایک ہی تجلی میں

بے ہوش ہو گئے۔ باایں ہمہ اس ایک دید کی وہ شان تھی کہ اندھیری سے اندھیری راتوں میں میلوں دُور سیاہ پہاڑوں پر سے سیاہ چیونٹی کو چلتی ہوئی آپ دیکھ لیتے تھے۔ یہ حصہ تو صرف حضرت ختم المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کا تھا کہ مازاغ البصر وماطغیٰ لقد رأی من آیات ربہ الکبریٰ۔

موسیٰ زہوش رفت بہ یک پرتو صفات تو عینِ ذات می نگری در تبسمے

اولیائے کاملین حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ میں بعض اولیائے کاملین کو بھی یہ درجہ حاصل تھا کہ انوار جلال الٰہی ان کے روشن چہروں سے نمایاں تھے اور کوئی انکو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ شفقت علیٰ خلق اللہ کے مدنظر یہ محبوبان خدا اپنے نورانی چہروں پر نقاب ڈال لیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز ابوالفتح سید محمد حسینی شاہ گلبرگہ قدس سرہ العزیز کے احوال شریف میں ہے کہ آپ بھی از راہ شفقت علی الخلق نقاب ڈالے رہتے تھے۔

استاد جلیل لکھتے ہیں :-

نگاہ برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

بہر حال یہ ثمرات تقرب الی اللہ کے ہیں جس کا زینہ تہجد ہے' جو قرب نوافل کی صورت ہے یا نماز باجماعت جو قرب فرائض کی دولت ہے۔ اب سالک کی ہمت پر موقوف ہے فمن شآء اتخذ الی ربہ سبیلا کہ جو کوئی چاہے اپنے رب کی راہ اختیار کرے"۔

خواہ قرب نوافل ہو یا قرب فرائض، یا دونوں۔ واللہ الموفق۔

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ 73-20
وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ ۚ وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ عَلِمَ أَن لَّن
تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۖ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۚ عَلِمَ أَن سَيَكُونُ
مِنكُم مَّرْضَىٰ ۙ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِن فَضْلِ اللَّهِ ۙ
وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۚ وَأَقِيمُوا
الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا
لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا ۚ
وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿ع﴾ بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ ع ۲ ۱۴

آپ کھڑے رہتے ہیں نزدیک دو تہائی رات کے اور آدھی رات کے اور تہائی رات کے
اور کتنے لوگ آپ کے ساتھ کے اور اللہ ناپتا ہے رات کو اور دن کو اس نے جانا کہ تم
اس کو پورا نہ کر سکو گے لہٰذا تم پر معافی بھیجدی اب پڑھا کرو جتنا آسان ہو تم کو قرآن
جانا کہ کتنے ہوں گے تم میں بیمار اور کتنے اور لوگ جو پھرتے رہتے ہیں ملک میں ڈھونڈتے
اللہ کے فضل کو اور کتنے لوگ لڑتے ہوں گے اللہ کی راہ میں لہٰذا پڑھ لیا کرو جتنا آسان ہو
اس میں سے اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکاۃ اور قرض دو اللہ کو اچھی طرح پر قرض دینا

اور جو کچھ آگے بھیجو گے اپنے واسطے کوئی نیکی اس کو پاؤ گے اللہ کے پاس بہتر اور ثواب میں زیادہ اور معافی مانگتے رہو اللہ سے بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

رہنمایان امت قیام لیل کا حکم عزورو دلایا تو آغاز سورۂ ہذا میں عرض کیا گیا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کمالِ ذوق وشوق اور حددرجہ اہتمام و دلچسپی کے ساتھ اس میں حصہ لیا۔ تہائی رات نصف شب بلکہ تقریباً دو تہائی رات عبادت میں گزارتے رہے۔ اللہ سبحانہ کو منظور تھا کہ قیامت تک آنے والی نسلوں کی قیادت جن مبارک ہاتھوں میں دی جانے والی ہے ان کا ربط وضبط اللہ سبحانہ کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ بعض اصحاب نے یہاں تک اہتمام شان اس امر الہٰی کا ملحوظ رکھا کہ اپنے سر اور سر کے بال رسی سے باندھ لئے کہ قیام لیل کی جو مدت بتائی گئی ہے اس میں کسی طرح کمی نہ آنے پائے اور بعض اصحاب ساری ساری رات عبادت ہی میں مشغول و موظف رہے۔ اس میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ امۃ مرحومہ کے قائدین آئندہ بھی وہی ہو سکتے ہیں جو سلف صالحین کی اس سنت سنیہ پر عامل ہوں۔ اور اسی صبغۃ اللہ کے بہترین رنگ میں رنگے ہوئے ہوں۔

حضور اکرمؐ اور جماعت صحابہؓ کے قیام لیل کا اعتراف یہاں بارگاہ رب العزت جل جلالہٗ وعم نوالہٗ سے امتثال امر الہٰی کی اس اعلیٰ مثال کا اعتراف فرمایا

جارہا ہے کہ (اے نبی کریم!) بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ کھڑے رہتے ہیں نزدیک دو تہائی رات کے، اور آدھی رات کے اور تہائی رات کے" حکم بھی اسی صراحت کیساتھ ہوا تھا۔ قم اللیل الا قلیلا نصفہ او انقص منہ قلیلا او زد علیہ۔ رات کو قیام کیا کیجئے مگر کسی رات۔ آدھی رات، یا اس سے کچھ کم، یا اس پر کچھ زیادہ " امتثال حکم بھی بے کم وکاست اسی شان کے ساتھ ہوتا رہا۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ حکم ہوا تھا صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو۔ مگر اس کی تعمیل اس حسن وخوبی کے ساتھ کہ نہ صرف آپ نے اپنے وجود باجود سے کی بلکہ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ۔ اور کتنے لوگ آپ کے ساتھ کے" وہ بھی اس امر خاص کی بجاآوری میں لگے رہے۔

واللہ یقدر اللیل والنہار کی تفسیر

رات دن کی ساعات کا یہ حال ہے کہ وہ بڑھتی گھٹتی رہتی ہیں کبھی دونوں کی ساعتیں برابر برابر رہتی ہیں اور کبھی رات کی ساعتیں بڑھ جاتی ہیں تو ساعات نہار کم ہوجاتے ہیں، اور کبھی ساعات نہار بڑھ جاتے ہیں تو رات کی ساعتیں گھٹ جاتی ہیں۔ ان حالات میں لازمی ہے کہ ثلث لیل نصف لیل اور دو ثلث لیل کی تعیین بھی ایک حال پر نہیں رہ سکتی۔ پھر اس کی پابندی اور وہ بھی ایسے عہد میں جبکہ گھڑیالوں اور گھنٹوں کا وجود نہ تھا اور بھی دشوار تر تھا۔ مگر آفریں اُن عالی ہمت افراد پر کہ ان تمام دشواریوں پر نظر کئے بغیر امتثال امر میں لگے رہے۔

چنانچہ اس امر کا بھی اعتراف کھلے طور پر فرمایا جارہا ہے۔ وَاللّٰہُ یُقَدِّرُ اللَّیْلَ وَالنَّہَارَ اور اللہ ناپتا ہے رات کو اور دن کو" کہ رات دن کی ساعات کن ایام میں کتنی ہوتی ہیں؟ اس کو اللہ ہی جانتا ہے۔ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْہُ اللہ سبحانہ کو یہ بھی معلوم ہے کہ تم اس کا حقیقی شمار کر ہی نہیں سکتے" علمائے ہیئت نے اوقات طلوع وغروب اپنے دیرینہ تجربات و مشاہدات سے معلوم کئے ہیں اور اس پر کتابیں لکھی ہیں جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نقطۂ طلوع وغروب ہمیشہ بدلتا رہتا ہے اور اس کا اثر اوقات طلوع وغروب پر پڑتا رہتا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ تہائی نصف اور دو تہائی رات کا وقت بھی یکساں نہیں رہیگا۔ پھر طول بلد اور عرض بلد کے بدل جانے سے ایک مقام کا طلوع و غروب دوسرے مقام کے طلوع وغروب کے مطابق نہ ہوگا۔

علم ہیئت ناقص ہے پھر علمائے ہیئت نے جو کچھ دریافت کیا ہے وہ حقیقی اوقات نہیں بلکہ تقریبی ہیں۔ لہذا یہ دریافت یقینی نہیں بلکہ ظنی و تخمینی ہے کیونکہ رات دن کے ساعات میں کچھ کسرات بھی ہیں جن کو ثلث نصف اور دو ثلث میں بھی ملحوظ رکھنا ہوگا۔ کوئی میزان یا معیار نہیں جس سے ان کسور کو متعین کیا جاسکے اور الفاظ نہیں جن کے ذریعہ اس کو بیان کیا جاسکے۔ نیز یہ علم ابھی پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکا۔ نہ معلوم تکمیل تک کتنا زمانہ گزریگا۔ اس سے انسان کی بےبسی اور عاجزی کا

پتہ چلتا ہے اور اسی سے خداوند تعالیٰ شانہ کا علم اور اس کی قدرت کاملہ ظاہر ہوتی ہے۔ فسبحان من علیم قدیر۔

حقیقی علم اللہ کو ہے تقریر بالا سے ثابت ہوا کہ حقیقی علم نہ صرف ان اوقات کا بلکہ ہر چیز کا اللہ سبحانہ کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں۔ اسی لئے ارشاد ہو رہا ہے:—

عَلِمَ اَنۡ لَّنۡ تُحۡصُوۡهُ۔ وہ جانتا ہے کہ تم اس کا شمار کر ہی نہیں سکتے" یہی سبب تھا کہ ثلث، نصف اور دو ثلث لیل کے قیام کے لئے اور اس حکم کی تعمیل سے یقیناً عہدہ برآ ہونے کے لئے، سابقین اولین کو یہ اہتمام کرنا پڑا کہ حقیقی ثلث کی تکمیل کی خاطر ثلث سے کچھ زیادہ ہی قیام کرنے لگے جو نصف شب کے قریب آن پہنچا۔ پھر نصف شب کے قیام کے مدنظر، اس سے کچھ زائد قیام کرتے رہے جو دو ثلث کے قریب ہو گیا۔ پھر دو تہائی رات کا قیام یقینی ہونے کے لئے اس سے کچھ زیادہ قیام کیا جاتا رہا جس کے باعث ساری ساری رات قیام ہی قیام میں بسر ہونے لگی۔ وسعت و طاقت انسانی میں جہاں تک تھا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔ حکمت الٰہی اسکی مقتضی تھی کہ ان کا امتحان کیا جائے۔ یہ نفوس قدسیہ اس میں پورے اترے۔ اور ریاضات شاقہ میں درجۂ کمال کو پہنچانا تھا۔ یہ پہنچ گئے۔ بارگاہ ایزدی سے ان کے اس کمال کا اعتراف و اعلان فرمایا گیا۔ اور اس کی سند عطا ہوئی۔ اس کے بعد ارشاد ہوا:—

قیام لیل میں تخفیف فَتَابَ عَلَیْکُمْ۔ لہٰذا تم پر معافی بھیجدی" یعنی قیام لیل کی اس شدت میں تخفیف کردی گئی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں بھی اور آپ کے طفیل میں ان سابقین اولین کے حق میں بھی تاکہ اس تخفیف سے نہ صرف یہ نفوسِ قدسیہ متمتع ہوں بلکہ جو نسلیں قیامت تک آنے والی ہیں ان پر بھی حضور اکرمؐ کی اس سنتِ سنیہ اور اسوۂ حسنہ پر عمل آوری آسان ہو جائے۔ چنانچہ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔

فالحمد للّٰہ الذی جعلہ تطوعا بعد فریضۃ ولا بد من قیام اللیل

(عبد بن حمید) ساری تعریف اللہ سبحانہ کے لئے مختص ہے جس نے قیام لیل کو فریضہ مقرر کرنے کے بعد اس کو نفل گردانا" تاہم رات کو اٹھنا اگرچہ تھوڑی دیر کے لئے ہو ضروری ہے" مطلب یہ کہ قیام لیل منسوخ نہیں ہوا۔ بلکہ اس کی فرضیت اور طوالت باقی نہیں رہی۔ نفس قیام لیل کچھ نہ کچھ مطلوب و محبوب ہے۔

نمازِ تہجد میں تخفیف ارشاد ہو رہا ہے:۔ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ اب پڑھا کرو جس قدر قرآن کا پڑھنا تم کو آسان ہو" مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں قراءت قرآن سے نماز مراد ہے۔ یعنی جتنی نماز تم کو آسان معلوم ہو اتنی ہی پڑھا کرو۔ تہجد کی آٹھ رکعتیں ہیں۔عہ ان میں سے جتنی ہو سکے دو، چار، چھ، آٹھ پڑھ لیا کرو۔ قراءت قرآن بھی نماز کا ایک جزو اور رکنِ اعظم ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جزو کہہ کر کل مراد

عہ بعض روایات میں بارہ رکعتیں بھی آئی ہیں مگر یہ روایات ضعیف ہیں۔

لیا جاتا ہے۔ یہاں بھی جزو نماز یعنی قراءت قرآن کہہ کر کُل یعنی نماز مراد ہے جیسے دوسری جگہ ارکعوا' اسجدوا' کہہ کر نماز مراد لی گئی ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ رکوع و سجود جزو نماز ہیں۔ آگے اسباب تخفیف پر روشنی ڈالی جارہی ہے۔

اسباب تخفیف ارشاد ہے: عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ اس کو معلوم ہے کہ کتنے تم میں بیمار ہوں گے (جو بستر مرض پر پڑے ہوں گے قیام لیل ان سے نہیں ہو سکتا) اور کتنے اور لوگ ہوں گے جو پھرتے رہتے ہیں زمین میں (ملک میں یا بیرون ملک دور دراز سفر پر) ڈھونڈتے اللہ کے فضل کو (علم دین کی طلب میں نکلے ہوئے ہوں گے یا طلب معاش کی خاطر سفر کر رہے ہوں گے۔ دنیوی علوم کے طلبگار یا کسی ہنر کو حاصل کرنے کے لئے نکلنے والے بھی اس میں داخل ہیں کہ اس علم و ہنر کے ذریعۂ انسان روزی کمانے کے قابل ہوتا ہے) ان حالات میں ظاہر ہے کہ راتوں کو اٹھنا اور عبادت میں مشغول رہنا' آسان نہیں۔ اس سے مرض بڑھیگا' سفر کھوٹا ہوگا' اور تحصیل علم یا کسب معیشت اور ہنر سیکھنے میں رکاوٹ ہوگی اور یہ بھی حق سبحانہ کو معلوم ہے کہ کتنے اور لوگ ہیں جو لڑتے ہوں گے راہ خدا میں۔ (یعنی مجاہدین فی سبیل اللہ)۔ ان تمام حالات کے مدنظر پوری امت مرحومہ پر قیام لیل کے

باب میں تخفیف کردی گئی۔ اور اس درجہ سہولت بخشی گئی کہ معمولی طور پر قیام لیل جو محض رسمی رہ گیا ہے وہ ایک بیمار کے لئے بھی آسان ہے۔ مسافر طالب علم یا تاجر کے لئے بھی اور مجاہد فی سبیل اللہ کے لئے بھی بلکہ ساری امت مرحومہ کے لئے بھی۔ کوئی ضعیف و ناتواں ہو یا کمزور اور عورت ہو۔

قرأت میں تخفیف فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ۔ لہذا پڑھ لیا کرو جتنا آسان ہو اس میں سے" یعنی قرآن کریم کا جس قدر حصہ پڑھنا آسان ہو اسیقدر پڑھ لیا کرو۔ اس سے فاقرء وا ما تیسر من القرآن کا حکم جو اوپر گزرا اس کی تکرار و تاکید منظور نہیں کیونکہ حکم بالا میں قرارت سے نماز مراد تھی۔ البتہ یہاں فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ سے قرارت ہی مراد ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ نماز جس قدر آسان ہو دوگانہ دو دو گانے یا تین یا چار دوگانے پڑھ لیا کریں پھر اس نماز میں قرارت کی بھی کوئی تحدید نہیں جتنی قرارت آسان دکھائی دے۔ ترتیل اور توجہ حضور قلب اور دلچسپی کیساتھ اسیقدر قرات کافی ہے۔ مخصوص سورتوں یا طویل سورتوں کی تخصیص نہیں۔

امام اعظمؒ کا استنباط حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے یہیں سے یہ مسئلہ استنباط فرمایا کہ نماز میں قرارت کی مقدار فرض اتنی ہی ہے جس پر از روئے لغت قرارت کا اطلاق ہوتا ہے یعنی ایک آیت یا اس کی مقدار اس کا کوئی حصہ۔ سورہ فاتحہ اور ضم سورہ کی

فرضیت اس آیۂ کریمہ سے ثابت نہیں ہوتی۔ البتہ احادیث شریفہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل مبارک سے وجوب نکلتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص ایک ایک رکعت میں صرف ایک ہی آیت پڑھ لے تو فریضۂ قراءت ادا ہو جائے گا۔ البتہ سورۂ فاتحہ یا ضم سورہ جو واجب ہے اس کے ترک کی وجہ سے اس کی نماز ناقص رہیگی۔ اور اگر فاتحہ و ضم سورہ کے ساتھ نماز ادا ہو تو ادائے کامل متصور ہوگی۔ واللہ اعلم۔

ایک نکتہ اسبابِ تخفیف جو اوپر بتائے گئے اس میں یہ رہنمائی بھی مقصود ہے کہ مسلمانوں کو بحالت تندرستی، طلب علم، تحصیل اسباب معاش، کسب ہنر اور جہاد فی سبیل اللہ کیلئے خود کو تیار رکھنا چاہیئے۔ اگر جاہل رہیں گے تو کسی کام کے نہیں رہیں گے۔ اپنی روزی آپ کمانے کی فکر کرنی ہوگی۔ کوئی ہنر سیکھنا ہوگا۔ اب آسمان سے من وسلویٰ یا مائدہ نہیں اتریگا۔ اگر زندگی چاہتے ہیں تو راہ خدا میں اپنے مال اور جان کی بازی لگانے کے لئے ہر وقت تیار رہنا ہوگا۔ یہی اسباب حیات ہیں اور اسی کی خاطر یہ تخفیف عمل میں آئی ہے۔

تلاوت خارج نماز یہاں ایک مسئلہ اور یاد رکھنے کے قابل ہے۔ وہ یہ کہ مسلمان کو ہر رات میں ایک سو آیات کریمہ کی تلاوت کرنی چاہیئے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:۔ من قرأ فی لیلة مائة آیة لم یحاجه القرآن۔ جو کوئی شخص

رات کو سو آیات پڑھ لیا کرے تو قرآن کریم کو اس سے کوئی شکوہ نہ ہوگا۔" علامہ طیبی طاب اللہ ثراہ اس حدیث شریف کی شرح میں فرماتے ہیں :۔ ان قراءتہ لازمۃ لکل انسان واجبۃ علیہ فاذا لم یقرأ یخاصمہ اللہ و یغلبہ بالحجۃ۔ سو آیات کی تلاوت ہر انسان کے لئے لازم ہے اور یہ مقدار تلاوت اس پر واجب ہے اگر کوئی نہ پڑھیگا تو اللہ سبحانہ تعالیٰ اس سے مطالبہ فرمائیگا اور باز پرس ہوگی پھر اللہ سبحانہ کی حجت ہی اس پر غالب آئے گی "۔ یہ قرأت خارج نماز ہے ۔ جن کو پڑھنا آتا ہے وہ پڑھا کریں ۔ اور جو پڑھنا نہیں جانتے وہ دوسروں سے سنا کریں ۔ اس کیلئے رات کو تھوڑا سا وقت روزانہ نکالنا چاہیئے ۔ روزانہ رات میں سو آیات کریمہ کی تلاوت کرنا یہ اعلیٰ درجہ ہے ۔ اور جن سے یہ نہو سکے ان کا بیان آگے آرہا ہے ۔

سو آیات کی تلاوت نماز میں ہو یا خارج نماز

اسی طرح تہجد میں بھی یہی مقدار قرأت کی ہونی چاہیئے چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیہ کریمہ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ کی تفسیر میں فرمایا :۔ مائۃ آیۃ (ابن ابی حاتم طبرانی ابن مردویہ عن ابن عباس) ما تیسر سے سو آیات مراد ہیں "۔ اب اختیار ہے کہ سو آیات کی تلاوت نماز میں ہوا کرے یا خارج نماز ۔ قرآن کریم کو اس شخص سے شکوہ نہو گا ۔

تلاوت نہ جاننے والوں کیلئے سہولت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

یہ بھی ارشاد مبارک ہے :۔ من قرأ بالآیتین من سورۃ البقرۃ فی لیلۃ کفتاہ ۔ جس کسی نے سورۂ بقر کی دو آیتیں بھی رات کو پڑھ لیں تو وہ اس کے لئے کافی ہیں" دو آیتوں سے سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں آمن الرسول سے آخر سورت تک مراد ہیں۔ نیز آپؐ نے یہ بھی فرمایا :۔ ایعجز احد کم ان یقرأ فی لیلۃ ثلث القرآن قالوا وکیف یقرأ ثلث القرآن قال قل ھواللہ احد تعدل ثلث القرآن ۔ کیا تم میں کا کوئی شخص رات میں ایک تہائی قرآن پڑھنے سے بھی عاجز ہے ؟ یہ سن کر صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا کہ روزانہ ایک تہائی قرآن کی تلاوت کوئی کیسے کرسکیگا ؟ اس پر ارشاد ہوا کہ قل ھواللہ احد (کی سورت یعنی سورۂ اخلاص) ایک تہائی قرآن کا ہم پلہ ہے" جو لوگ پڑھ نہیں سکتے کم ازکم اسی پر عمل پیرا ہوں ۔

اقامتہ صلاۃ وایتائے زکاۃ | وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ۔ اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوۃ " قیام لیل کے مدارج اوپر بتائے جاچکے ہیں۔ اگر کسی سے کسی درجہ کی تکمیل بھی نہ ہوسکے تو کم ازکم اس کو نماز با جماعت کا پابند رہنا چاہیے خصوصاً نماز عشا اور نماز فجر کی جماعت نہ چھوڑیں کہ یہ دو نمازیں منافقین پر گراں گزرتی ہیں عشا کی جماعت میں شریک ہوجائیں تو نصف شب کے قیام کا ثواب ملتا ہے اور جماعت

فجر بھی مل جائے تو گویا وہ ساری رات قیام میں رہا۔ اور جو لوگ غنی، مالدار صاحب نصاب ہیں وہ سالانہ زکاۃ اپنے مال کی شریعت کے حکم کے مطابق دیتے رہیں کہ نماز کی طرح، زکاۃ بھی مسلمانوں پر فرض ہے۔ فرائض کی بروقت ادائی ہوتی رہے تو یہی نجات کے لئے کافی ہے۔ پنجگانہ نمازوں کے فرض ہونیکے بعد تہجد کی فرضیت باقی نہیں رہی اب تہجد نفل ہے۔

قرض حسن کی تفسیر وَاَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا۔ اور قرض دیا کرو اللہ کو اچھی طرح پر قرض دینا۔ یعنی نماز فرض اور زکاۃ مفروضہ کے علاوہ، دوسرے کارہائے خیر میں بھی جس قدر ہوسکے حصہ لیا کرو۔ کار خیر میں حصہ لینے کی تعبیر قرض کیساتھ کرنے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح حاصل کیا ہوا قرض، پائی پائی، رتی رتی، ادا کیا جاتا ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ بھی تمھاری ہر نیکی، ہر خیرات اور صدقہ کی بہترین جزا تم کو آخرت میں یا دنیا و آخرت دونوں میں دیگا۔ مگر جو کچھ ہو بطیب خاطر خالصاً لوجہ اللہ ہو۔ نام و نمود کے لئے کروگے تو یہ ریاکاری ہوگی اور ریاکاری سے عمل کا ثواب جاتا رہتا ہے۔

قرض حسن کیا ہے امام قشیری فرماتے ہیں:۔ ویتوجّہ الخطاب بھذا علی الاغنیاء فی بذل اموالھم علی الفقراء فی عن مراخلاقھم اوقاتھم عن مراد الحق ومراقبتہ علی مراد انفسھم فالغنی یقال لہ آثر حکمی علی مرادك فی مالك وغیرہ والفقیر یقال لہ آثر حکمی فی نفسك وقلبك ووقتك۔

(حاشیۂ جمل علی الجلالین) اقرضوا اللہ کا خطاب اغنیاء سے اس طرح ہے کہ وہ اپنا مال راہِ خدا میں خرچ کرتے رہیں۔ اور یہ خطاب فقراء ناداروں سے بایں طور ہے کہ وہ اپنے نقد وقت کو مرضی الٰہی کے سوا اور کسی طرف اپنی مرضی سے صرف نہ کیا کریں ہمیشہ اسکی نگرانی رکھیں۔ غنی اور مالدار سے یوں کہا جا رہا ہے کہ اپنے مال وغیرہ میں اپنے ارادے پر میرے حکم کو ترجیح دیا کرو۔ اور فقیر سے یوں کہا جا رہا ہے کہ اپنی ذات اور اپنے دل اور اپنے نقد وقت میں میرے ہی حکم کو ترجیح دیتے رہو۔"

قرض حسن کی اہمیت حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ یقول اللہ استقرضت عبدی فلم یقرضنی وشتمنی عبدی وھو لا یدری یقول وادھراہ وادھراہ وانا الدھر۔ (حاکم بروایت صحیحہ) اللہ سبحانہ کا ارشاد ہوگا کہ ہم نے اپنے بندے سے صرف قرض طلب کیا تو اس نے ہم کو قرض تک نہ دیا۔ اس نے تو ہم کو گالی دی اور اس کو خبر تک نہیں کہ یہ گالی تھی۔ وہ کہتا رہا ہائے زمانہ ہائے زمانہ۔ درحالیکہ ہم خود زمانہ ہیں۔ (سارے زمانے کو چلانے والے)"

قرض حسن کی سہل تر صورت ایک بزرگ کی عادت تھی کہ جب وہ کسی سائل سے یہ سن پاتے:۔ من یقرض اللہ قرضا حسنا۔ کوئی ہے جو اللہ سبحانہ کو بطیب خاطر قرض دے تو کہتے:۔ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔

هذا القرض الحسن۔ (عبد بن حمید) یعنی تسبیح مذکور پڑھ دیا کرتے اور فرماتے کہ یہی قرضہ حسنہ ہے" مطلب یہ کہ اگر کسی سے کچھ نہ ہو سکے تو یہی پڑھ دیا کرے۔

کوئی نیکی ضائع نہیں جاتی وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا۔ اور جو کچھ آگے بھیجو گے اپنے واسطے کوئی نیکی اس کو پاؤ گے اللہ کے پاس بہتر اور ثواب میں زیادہ" یعنی انسان کو چاہئے کہ دنیا میں اس سے جو نیکی ہو سکے چھوٹی یا بڑی اس کو کر گزرے۔ یہ نیکی ضائع نہ ہوگی۔ بلکہ وہ اللہ سبحانہ کے ہاں بہتر صورت میں محفوظ رہیگی اور اس کا بہت زیادہ ثواب اس کو ملیگا جو عین حاجت اور ضرورت کے وقت کام آئیگا۔ نفل عبادت ہے تو وہ کام آئیگی اور نفل خیرات و صدقہ ہو تو وہ کام آئیگا۔

اپنا مال کونسا ہے اور وارثوں کا کونسا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن دریافت فرمایا:۔ ایکم ماله احبّ اليه من مال وارثه قالوا ما منّا احد الا ماله احبّ اليه من مال وارثه قال اعلموا ما تقولون قالوا ما نعلم الّا ذالك يا رسول الله قال ما منكم رجل الا مال وارثه احب اليه من ماله قالوا كيف يا رسول الله قال انّما مال احدكم ما قدّم ومال وارثه ما اخّر (بغوی) تم میں وہ کون

شخص ہے جس کے نزدیک اس کا اپنا مال اپنے وارث کے مال کے مقابلہ میں زیادہ تر پسند ہو؟ اس پر صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا ہم میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کو اپنا مال اپنے وارث کے مال سے محبوب تر نہ ہو۔ (ہر شخص اپنے مال کو زیادہ محبوب جانتا ہے۔ اپنے وارث کے مال سے اس کو اتنی محبت نہیں ہوتی) ارشاد ہوا کہ ذرا سمجھ کر جواب دو کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ صحابۂ کرامؓ نے پھر یہی کہا کہ جو جواب ہم نے عرض کیا ہے واقعہ یہی ہے اس کے سوا ہم کو یا رسول اللہ! اور کچھ نہیں معلوم۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں ایک بھی ایسا نہیں ہے جس کو اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب نہ ہو۔ (تم سب اپنے وارث کے مال سے جتنی زیادہ محبت رکھتے ہو۔ اپنے مال سے اتنی محبت نہیں رکھتے) صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ اس پر ارشاد ہوا کہ تمہارا مال تو وہی ہے جس کو تم نے اپنے سامنے اللہ سبحانہ کے پاس بھیجدیا۔ اور جس کو جمع کر رکھے ہو وہ وارث کا مال ہے۔" تمہارا مال نہیں مطلب یہ کہ راہ خدا میں خرچ کرنے کے بدلے تم مال اٹھا رکھنا چاہتے ہو تو یہ مال وارث کا ہوا تمہارا نہ ہوا۔

استغفار کی ضرورت واہمیت | وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ اور معافی مانگو اللہ سے بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔" یہاں یہ تعلیم مقصود ہے کہ انسان اپنے اعمال صالحہ کو خاطر میں نہ لائے اور نہ ان پر بھروسہ

کرے کیونکہ ہمارا کوئی کام خواہ کتنے ہی احتیاط سے کیا جائے اس میں کوتاہیاں رہجاتی ہیں پھر بندہ جو عمل بھی کرے اگرچہ وہ کیسا ہی عظیم الشان ہو اللہ سبحانہ کی عظمت و جلال کے آگے وہ کچھ بھی قدر و قیمت نہیں رکھتا اس لئے بہتر یہی ہے کہ انسان کام سے فارغ ہوتے ہی اپنے عجز و قصور اور ذلت و افتقار کو پیش نظر رکھ کر اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرے اور اللہ سے معافی کا خواستگار ہو۔ اللہ سبحانہ کی ذات ازلاً ابداً غفور رحیم ہے معافی مانگنے والوں کو نہ صرف معاف فرماتا بلکہ ان پر مہربان ہوتا ہے۔ اسی لئے حکم ہو رہا ہے کہ اللہ سے معافی مانگو بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

دعاو مناجات یا اللہ، یا رحمٰن، یا رحیم، یا غفور، یا کریم، یا ذا الجلال والاکرام! آپ کا یہ بندہ ذلیل و عاصی آپ کے کرم و جود پر کامل بھروسہ رکھتے ہوئے آپ کی عظیم الشان جلیل المرتبت کتاب قرآن کریم کی تفسیر عام فہم طریق پر برادران اسلام اور ہر ذوق سلیم رکھنے والے کے لئے پیش کرنے کا ارادہ کیا ہے اس کی تکمیل آپ کے حیطۂ قدرت میں ہے۔ آپ ہی اسکے ہر طرح وکیل و کفیل ہیں نیز اس میں جو جو کوتاہیاں ہوئی ہیں ان کو میرے مالک آپ اپنے فضل و کرم اور عفو و مرحمت سے معاف فرمادیں اور ہم سب کو توفیق دیجئے کہ اس کتاب حمید و فرقان حمید کی صحیح خدمت ہی ہمارا مقصد زیست بنا رہے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین سیدنا محمد وآلہ الکرام واصحابہ العظام صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم دائمین متلازمین الی یوم القیام۔

تہجد حضور اکرم کے حق میں یہاں ایک بحث یہ ہے کہ تہجد یا صلاۃ اللیل امت مرحومہ کے حق میں تو اسکی فرضیت منسوخ ہو چکی اور اس پر تمام علماء کا اتفاق بلکہ اجماع ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حق میں اسکی حیثیت کیا تھی ایا تخفیف رکعات اور تخفیف قراءت کے بعد اسکی فرضیت آپ پر باقی تھی یا ذات اقدس سے بھی اسکی فرضیت منسوخ ہو چکی تھی؟ اسمیں اختلاف ہے بعض حضرات کا قول ہے کہ تہجد حضور اکرم پر فرض تھی جیساکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے :—
ومن اللیل فتہجّد بہ نافلۃ لک۔ اور کچھ رات جاگتے رہیے (قرآن کے ساتھ) اس میں اضافہ ہے آپ کیلئے " مگر دوسرے اصحاب کا یہ قول ہے کہ تہجد کی فرضیت آپ پر بھی باقی نہیں رہی تھی۔ انکی دلیل یہ ہے کہ اگر تہجد کی فرضیت باقی رکھنا منظور ہوتا تو نافلۃ علیک ارشاد ہوتا۔ کیونکہ وجوب کیلئے کلمہ علیٰ آتا ہے۔ یہاں نافلۃ لک ارشاد ہوا ہے اور لام وجوب کیلئے نہیں آتا۔ نیز یہ کہ جب صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا کہ اللہ سبحانہ نے لیغفر لک اللہ ما تقدّم من ذنبک وما تأخّر فرمادیا ہے تو حضور اتنی مشقت کیوں برداشت فرماتے ہیں؟ تو اسکے جواب میں ارشاد ہوا۔ افلا اکون عبدا شکورا۔ کیا میں شکرگزار بندہ نہ بنوں" اس سے بھی یہی پایا جاتا ہے کہ تہجد آپ کے حق میں نفل ہی رہ گئی تھی۔ اسکے علاوہ احادیث شریفہ میں ہے کہ آپ بحالت سفر تہجد یا صلاۃ اللیل سواری ہی پر ادا فرماتے تھے اور فرائض کے متعلق یہ دستور تھا کہ سواری سے اتر جاتے۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ تہجد

سید عالمؐ کے حق میں بھی نفل ہی تھی۔

ایک سوال اور اس کا جواب یہاں ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ تہجد امت مرحومہ کی طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں بھی نفل ہی تھی تو فتھجد بہ نافلۃ لک کے ارشاد کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نفل نفل میں فرق ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں نفل موجب ترقی درجات ہے۔ چنانچہ اس کے بعد ارشاد ہوا: عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا۔ قریب ہے کہ آپ کا پروردگار آپ کو مقام محمود میں اٹھائے" اور امت مرحومہ کے حق میں تہجد تکفیر سیئات (برائیوں اور گناہوں کا کفارہ ہونے) کے لئے تھی۔ اسی وجہ سے ارشاد ہوا: وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ اور اللہ سے معافی مانگتے رہو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے" اس سے معلوم ہوا کہ تہجد یا صلاۃ اللیل گناہوں کو بخشوانے کے لئے امت کے حق میں اکسیر ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اس میں سستی نہ کریں۔ موقع میسر ہے وقت کی قدر کریں۔

اب تہجد کا حکم تہجد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں نفل ہی سہی جب آپ نے ہمیشہ اسکی پابندی فرمائی خواہ یہ پابندی شکر گزاری کیلئے ہو یا ترقی درجات یا اور کسی وجہ سے تو امت مرحومہ کے حق میں اس کا اتباع سنت ہوگا اسکی تائید احادیث شریفہ سے بھی ہوتی ہے۔
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔ ذکر عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجل فقیل له

مازال نائما حتی اصبح ما قام الی الصلاۃ قال ذلک رجل بال الشیطان فی اذنیہ۔ (بخاری و مسلم) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں ایک شخص کا ذکر یوں آیا کہ وہ تمام رات سوتا ہی رہا۔ (رات کی) نماز کو اٹھا تک نہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا وہ ایسا شخص ہے جس کے کانوں میں شیطان نے پیشاب کر دیا ہے۔" تارک تہجد کی نسبت ایسا عتاب اس امر کی دلیل ہے کہ تہجد سنت موکدہ ہے۔ ایک حدیث شریف یوں ہے:۔ ان اللہ لیبغض کل جعظری جواظ سخاب بالاسواق جیفۃ باللیل حمار بالنھار عالم بامر الدنیا جاھل بامر الآخرۃ۔ یقیناً اللہ سبحانہ کو ہر ایسا شخص ناپسند ہے جو موٹا بیٹلا ہو، بازاروں میں نعرے لگانیوالا، رات کو مردے کی طرح پڑا رہنے والا اور دن کو گدھے کی طرح پھرنے والا، دنیوی معاملات سے خوب واقف، مگر آخرت سے ناواقف محض" اللہ سبحانہ ہم کو اور تمام برادران اسلام کو توفیق دے کہ ہم وہ کام کریں جس سے حق سبحانہ تعالیٰ راضی و خوشنود رہے اور اس کے خلاف سے محفوظ و مامون رکھے آمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔

سورۂ مزمل کی تفسیر ختم ہوئی بتوفیق اللہ و حسن تائیدہ فللہ الحمد۔

74 Muddas's'ir Makky Verses 56

سُورَۂ مُدَّثِّر

(مکیہ ہے اور اس میں (۵٦) آیتیں ہیں)

ماقبل سے ربط سورۂ مدثر کا سورت ماقبل سے ربط اور وجہ مناسبت کی تفصیل سورۂ مزمل میں گزرچکی ہے۔ یہ دونوں سورتیں سورۂ اقرأ کی ابتدائی آیات کے بعد یکے بعد دیگرے نازل ہوئی ہیں جس کا بیان اوپر گزرچکا ہے۔ فرق صرف اسقدر ہے کہ سورۂ مزمل میں قیام لیل اور عبادت گزاری کی تاکید فرمائی گئی تھی۔ اور سورۂ مدثر میں اِنذار یعنی نافرمان لوگوں کو عذاب سے ڈرانے کا حکم دیا جارہا ہے۔ قیام لیل اور عبادت گزاری سے تقرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔

شانِ نزول اسی طرح شان نزول بھی ان دونوں سورتوں کا ایک ہی ہے۔ یعنی سورۂ مدثر کا شان نزول بھی وہی ہے جو سورۂ مزمل میں بیان ہوا۔ اب اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ بریں ہم صحیحین کی ایک حدیث نقل کی جاتی ہے جس سے سورۂ مدثر کے شان نزول پر روشنی پڑتی ہے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ انھوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے توقف وحی کے باب میں سنا آپ فرماتے تھے: بینما انا امشی اذ سمعت صوتا

من السماء فرفعت بصری فاذا الملك الذی جاءنی بحراء جالس علی
کرسی بین السماء والارض فرعبت منه فرجعت فقلت دثرونی فانزل
اللہ تعالی یا ایھا المدثر قم فانذر ..... فحمی الوحی وتتابع ۔ میں چل رہا تھا
اتنے میں اوپر سے ایک آواز سنائی دی۔ میں نے نظر اٹھائی تو دیکھا کہ وہی فرشتہ
جو میرے پاس حراء میں آیا تھا آسمان وزمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔
میں اس سے مرعوب ہوگیا اور گھر واپس آکر کہنے لگا کہ مجھ پر کچھ اڑھادو (چنانچہ
اڑھادیا گیا) اس وقت اللہ تعالیٰ نے یا ایھا المدثر کی ابتدائی آیات اتاریں۔
پھر وحی کی گرم بازاری رہی اور وحی کا سلسلہ قائم ہوگیا۔" صحیحین کی اس روایت سے
مضمون بالا کی تائید ہوتی ہے کہ سورۂ اقراء کے بعد مزمل شریف اور سورت ہذا
نازل ہوئی ۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع ہے اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ 74-1
74-2
فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ وَلَا تَمْنُن تَسْتَكْثِرُ ۝ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝ 74-3
74-4
74-5
اے لحاف میں لپٹنے والے! اٹھئے پھر ڈرسنائیے اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے 74-6
74-7

اور اپنے کپڑے پاک رکھیے، اور گندگی سے دور رہیے، اور ایسا نہ کیجیے کہ احسان کریں، اور بدلہ بہت چاہیں، اور اپنے رب کی راہ دیکھیے"۔

یاایھاالمدثر کی تفسیر یَاۤاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ۔ اے لحاف میں لپٹنے والے! اے خلعت نبوت و رسالت کو زینت بخشنے والے!! سبحان اللہ! کیا پیارا اور کیا محبت بھرا خطاب ہے اور کس لطف و عنایت سے مخاطبت فرمائی جارہی ہے؟ انبیائے سابقین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کو بھی مخاطب فرمایا گیا مگر ارشاد ہوا:۔ یا آدمؑ، یا نوحؑ، یا یوسفؑ، یا موسیٰؑ، یا داؤدؑ، یا زکریاؑ، یا یحییٰؑ، یا عیسیٰؑ وغیرہ اور حضور تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی مخاطب فرمایا جارہا ہے لیکن یہ نوعِ خطاب ہی جداگانہ ہے:۔ یَاۤاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ، یَاۤاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ، یَاۤاَیُّھَا النَّبِیُّ، یَاۤاَیُّھَا الرَّسُوْلُ، طٰہٰ، یٰسٓ وغیرہ۔ اسی سے آپ کی منزلت اور مرتبت کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔

مدّثّر کے معنی مدّثّر، دراصل متدثّر تھا۔ تاء اور دال قریب المخرج ہونے سے تاء کو دال سے بدل دیا گیا پھر ایک دال کا دوسری میں ادغام کردیا گیا۔ یہ کلمہ ماخوذ ہے دثار سے۔ جس کے معنی ہیں اوپر کا لباس۔ ایک لباس اندرونی ہوتا ہے اسکو شعار کہتے ہیں جو شَعَر یعنی رونگٹوں سے لگا ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک دفعہ حضور انور نے ارشاد

فرمایا:۔ الانصار شعار المؤمنین ۔انصار اہل ایمان کی اندرونی زینت ہیں" جس کے لازم معنی یہ ہوئے:۔ والمہاجرون دثارھم ۔اور مہاجرین اہل ایمان کی بیرونی رونق ہیں" حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جوہر ذاتی اور فطری اعلیٰ صلاحیت واستعداد آپ کا شعار تھا ہی اس پر خلعت نبوت ورسالت کا دثار نور علیٰ نور کہ تمام کائنات آپ پر صدقہ و نثار ۔یہ اشارہ ہے اس جانب کہ آپ کا منصب عالی پوری کائنات پر ظاہر ہو کر رہیگا۔

قم فانذر کی تفسیر قُمْ فَاَنْذِرْ۔ اٹھئے پھر ڈراتے جایئے" یعنی جب آپ کی ذات بابرکات انوار باطنی اور انوار ظاہری سے آراستہ پیراستہ ہے تو جو لوگ باطل پرستی اور غلط کاری کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہیں ان کو جگایئے اور ظلمت سے نور کی طرف نکال لایئے ۔اگر وہ موجودہ حالتِ تیرہ و تار میں پڑے رہیں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ مبتلائے عذاب ہو جائیں۔

رسالت عامہ سے سرفرازی مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ سورۂ اقرأ کی آیات اور مزمل شریف کے ذریعہ آپ کو منصب نبوت تو سرفراز ہو ہی چکا تھا۔ اب مدثر شریف کی آیۂ کریمہ قُمْ فَاَنْذِرْ سے آپ کو رسالت کاملہ عامہ سے بھی سرافراز فرمایا گیا۔ منصب نبوت و رسالت اگرچہ اور مقدس ہستیوں کو بھی سرفراز ہوا تھا جیسا کہ ارشاد باری

ہے :۔ انا ارسلنا نوحا الی قومه ان انذر قومك ۔ ہم نے نوح کو رسول بناکر بھیجا ان کی قوم کی طرف اس حکم کے ساتھ کہ اپنی قوم کو ڈرائیں" یا یہ ارشاد ہوا :۔ ورسولاً الی بنی اسرآئیل اور (عیسیٰ بھی) رسول تھے جو بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے" مگر حضور اکرم سے ارشاد ہو رہا ہے :۔ قُمْ فَاَنْذِرْ ۔ آپ اُٹھئے اور بلا تخصیص کسی قوم یا خاندان یا زمان ومکان کے سب کو ڈر سناتے جائیے" یقین ہے کہ آپ کے تابعین کے ذریعہ یہ سلسلہ تا قیامت قائم رہیگا ۔ انشاء اللہ المستعان ۔

حضور نذیر بھی ہیں اور بشیر بھی حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طرح "نذیر" تھے "بشیر" بھی تھے ۔ ڈر سنانے والے بھی اور خوش خبری سنانے والے بھی مگر آغاز کار میں چونکہ غفلت اور تاریکی ہی کا دور دورہ تھا اس لئے یہاں بشارت کا ذکر قبل از وقت تھا ۔ انذار ہی پر اکتفا کی گئی ۔

وربك فكبر کی تفسیر وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۔ اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیا کیجئے" مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں فاء معنی شرط کا فائدہ دے رہا ہے ۔ اصل کلام یوں ہے :۔ اما ربك فكبر یعنی مهما یکن من شیئ وکنت علی ای حال فکبر ربك ۔ یعنی جو صورت بھی نمودار ہو اور آپ جس حال میں بھی رہیں اپنے رب کی بزرگی اور بڑائی بیان کیا کیجئے"

ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اصل کلام یوں قرار دیا جائے :۔ کبر ربک فکبر اپنے رب کی بڑائی ہی بیان کئے جائیے ۔ پھر بڑائی ہی بیان کئے جائیے ۔" کبر کی تکرار سے دوام و استمرار مراد ہے کہ ہر حال میں اور ہر صورت میں آپ کا مشغلہ ہی یہ رہنا چاہیئے کہ اللہ سبحانہ کی بڑائی، بزرگی، برتری کا اظہار و اعلان فرماتے رہیں ۔ تاکہ اللہ سبحانہ کی کبریائی اور عظمت، ان گم گشتگان راہ ہدایت کے ذہن نشیں ہو جائے اور ساری کائنات اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ہیچ نظر آنے لگے ۔

ایک لطیفہ کلام پاک کے کمال لطائف میں سے یہاں ایک لطیفہ یہ ہے کہ آیۂ کریمہ رَبَّكَ فَكَبِّرْ میں تجنیس قلب ہے جو محسنات لفظیہ کی ایک خاص قسم ہے، نثر و نظم دونوں میں اس کا استعمال ہوتا ہے ۔ اس کے بھی اقسام ہیں ۔ ایک شاعر لکھتا ہے :۔

لوٹتا ہوں درد سر سے کس سے بولوں درد ہے
یہ ہے حرف درد جس پہلو سے الٹو درد ہے

اگر اس آیۂ کریمہ کو اخیر سے اول تک پڑھتے آئیں تو اس صورت میں بھی ربک فکبر ہی برآمد ہوگا ۔ خواہ اس کو سیدھا پڑھیں یا الٹا ۔ ہر دو صورتوں میں وہی ربک فکبر پڑھا جائیگا ۔ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ہر حال میں آپ کو اپنے پروردگار کی بڑائی کے اظہار و اعلان ہی میں مشغول رہنا چاہیئے ۔

تکبیر کے معنی اب یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ تکبیر کے معنی کیا ہیں جس پر اس قدر

زور دیا جا رہا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں:۔ ومعنی کبّرعظّمہ عن الحدوث وعن سمات النقص والزوال وعن التشریك فی وجوب الوجود والالوھیة والتشریك فی العبادة والتشبیه بشئ من الممکنات فی شئ من الذات والصفات والافعال وصفه باوصاف الکمال مالا یتصف به غیره (مظہری) ارشاد باری تعالیٰ کبّر کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سبحانہ کی برتری بیان کیجئے کہ وہ حادث و نو پیدا نہیں، اس میں کسی نوع کا نقص نہیں اور نہ اس کو کبھی زوال ہے۔ اور واجب الوجود ہونے میں نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ خدائی میں اس کا کوئی سہیم۔ اور نہ اس کی عبادت میں کسی کو شریک ٹھہرایا جا سکتا ہے، اور نہ ممکنات میں سے کوئی چیز اس کے مشابہ ہو سکتی ہے۔ نہ ذات میں نہ صفات میں نہ افعال میں، (یہ صفات سلبیہ ہوئے اور صفات ایجابیہ یہ ہیں:۔) اور اس کو جملہ صفات کمال سے اس طرح موصوف کیجئے کہ کائنات کی کوئی چیز، ان اوصاف کمال سے موصوف نہ ہو سکے۔"

تکبیر کی اہمیت وھذا اول مایجب علی الانسان، واھم من جمیع الواجبات ولایحتمل العفو والسقوط ویحکم به العقل قبل النقل لکن العقل غیر کاف فی درکه کما ینبغی۔ تکبیر کے ان معنی کو جاننا، انسان پر

انسان پر سب سے پہلے واجب ہے اور تمام واجبات کے مقابلہ میں اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اس میں معافی کی گنجائش نہیں یعنی جو صفات سلبی اور ایجابی اوپر بیان کی گئیں ان کی خلاف ورزی قابل معافی نہیں اور اس کا وجوب کسی حال انسان پر سے ساقط نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی کتاب آسمانی نہ بھی ہو اور کوئی رسول مبعوث نہ ہوئے ہوں تب بھی اس کا جاننا ضروری ہے کیونکہ فی الجملہ عقل اس کا حکم دیتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ محض عقل ان تمام امور کو کما حقہٗ دریافت نہیں کر سکتی ۔"

تکبیر کی اشاعت واقعات شاہد ہیں اور تاریخ گواہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ سبحانہ کی عظمت و کبریائی کا نقش اہل عالم کے قلوب پر ایسا جمایا کہ آپ کی بعثت شریفہ پر ساڑھے چودہ سو سال گزرنے پر بھی آج تک کسی نے خدائی کا دعویٰ نہ کیا۔ الوہیت کے مسئلہ کی آپ نے ایسی تفہیم فرمائی کہ انبیائے سابقین سلام اللہ علیہم اجمعین کی تعلیمات میں اس کی نظیر نہیں۔ عہد ابراہیمیؑ میں نمرود کا دعویٰ خدائی اور عہد موسوی میں فرعون کا نعرۂ انا ربکم الاعلیٰ قرآن کریم میں مذکور ہے اور نہ معلوم کس کس عہد میں کن کن سرپھرے متکبرین نے کیا کیا دعوے کئے مگر الوہیت اور کبریائی کے دعوے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی ؎

مرا و را رسد کبریا و منی ۔۔۔ کہ ملکش قدیم است و ذاتش غنی

تکبیر کے چند مواقع سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ مسلمانوں کے گھر جب ولادت ہو تو مولود کے داہنے کان میں اذاں اور بائیں میں اقامت کہی جائے یعنی نومولود کے اس جہان میں آنے کے بعد سب سے پہلا کلمہ جو اس کے گوش زد کیا جائے وہ اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، کی صدا ہو۔ مشرق، مغرب، شمال اور جنوب چاروں سمتوں میں اللہ سبحانہ ہی کی ذات والا صفات کی کبریائی قائم ہے۔ وہی سب سے بڑا اور سب سے بلند و بالا ہے۔ اس کے آگے ساری بڑائیاں، سرنگوں اور پست ہیں۔ پھر اذاں و اقامت کے آخر میں یہی کلمہ اللہ اکبر، اللہ اکبر دو دفعہ آتا ہے جو اشارہ ہے اس جانب کہ مذکورہ چار سمتوں کے علاوہ، تحت و فوق میں بھی اسکی کبریائی احاطہ کی ہوئی ہے۔ اس طرح پورے شش جہات میں اسی کی کبریائی کا ڈنکہ بجتا رہیگا اور یہی نعرہ بلند ہوتا رہیگا۔ اسی طرح پانچ وقت کی نمازوں اور ان کی اقامتوں میں یہی اذاں و اقامت کہی جائے۔ یہ اعلان ہے اس امر کا کہ مسلمان کی عبادت، اسی خدائے اکبر کی ہے جس سے بڑی اور باعظمت ذات سوائے خدائے بلند و برتر کے اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ پھر نماز شروع ہوتی ہے تو تکبیر تحریمہ یہی اللہ اکبر ہے پھر مصلی قیام سے رکوع میں اور رکوع سے سجود میں منتقل ہوتا ہے یا سجدے سے سر اٹھاتا اور دوسرا سجدہ کرتا ہے۔ یا سجدے سے پھر قیام کی طرف عود کر آتا ہے تو ہر ہر انتقال پر تکبیر انتقالی بھی یہی اللہ اکبر ہے۔

مسلمان کسی حلال وطیب جانور کو اپنی غذا بناتا ہے تو اس پر واجب ہے کہ بسم اللہ واللہ اکبر کہہ کر اس کو ذبح کرے اس کے بعد اس کو اپنی غذا بنائے۔ بغیر اس کے اس جانور کے گوشت کا استعمال مسلمان کے لئے روا نہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ جانور کی جان اللہ سبحانہٗ کی پیدا کی ہوئی ہے۔ کسی کی جان اگر کبھی لی جا سکتی ہے تو وہ اللہ سبحانہٗ کے حکم ہی سے اور اسی کے نام پر لی جا سکتی ہے۔ اس کے سوا کسی کی جان لینے کی کوئی صورت جواز ہی نہیں۔ جہاد میں نعرۂ تکبیر اسی حکم کے تحت بلند کیا جاتا ہے۔ اُمورِ عظام کے موقع پر بے ساختہ اللہ اکبر کی صدائے دلوں سے زبانوں پر اور زبانوں سے فضائے عالم میں گونجنے لگتی ہے۔ جیسا کہ سورۂ مزمل کی آیۂ کریمہ یوماً یجعل الولدان شیبا کی تفسیر میں گزرا کہ حضورِ انور نے جب یہ مژدہ دیا ارجوان تکونوا ربع اھل الجنۃ ثلث اھل الجنۃ نصف اھل الجنۃ مجھے امید ہے کہ پورے اہلِ جنت میں تم (اُمتِ مرحومہ) ربع کے مالک ہو گے، ثلث جنت کے مالک ہو گے۔ آدھی جنت کے مالک ہو گے تو ہر ہر موقع پر صحابۂ کرامؓ نے فرطِ مسرت سے نعرۂ تکبیر اللہ اکبر بلند کیا تھا۔ عیدین کے موقع یا مسلمان حج کو جاتا ہے تو احرام کی نوبت پر تلبیہ کے موقع پر اور بیت اللہ شریف پر نظر پڑتے ہی اللہ اکبر کہتا ہے۔ منیٰ میں کنکریاں مارتا ہے تو ہر کنکری پر اللہ اکبر کہتا جاتا ہے۔ یہ تو احوالِ زندگی تھے۔ کوئی مسلمان وفات پاتا ہے تو اس کی نمازِ جنازہ میں بھی یہی تکبیرات چار دفعہ کہی جاتی ہیں اور ہر تکبیر قائمقام ایک رکعت کے شمار کی جاتی ہے۔

ائمہ کا استنباط یہیں سے فقہائے کرام نے تکبیر تحریمہ اور اس کی فرضیت کا مسئلہ استنباط فرمایا۔ چنانچہ امام مالکؒ اور ہمارے امام سیدنا امام احمدؒ حنبل کے پاس اللہ اکبر کے بغیر تحریمہ ادا نہیں ہوتی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک کچھ وسعت ہے اللہ اکبر کہو یا اللہ الاکبر ہر دو صورتوں میں نماز ہو جائیگی۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اللہ الکبیر سے بھی نماز کی ابتدا ہو سکتی ہے۔ اور حضرت امام اعظمؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہر ایسا کلمہ جس سے اللہ سبحانہ تعالیٰ کی عظمت شان کا اظہار ہوتا ہے اس سے نماز کی ابتدا ہو سکتی ہے۔ اللہ اکبر، اللہ الاکبر، اللہ الکبیر، اللہ اجل، اللہ اعظم، لا الٰہ الا اللہ الرحمٰن اکبر وغیرہ۔ یہ جواز فقہی ہے ورنہ اللہ اکبر پر سب کا اتفاق ہے اور یہی علی سلف سے خلف تک معمول یہ و متوارث ہے۔

آغاز نماز کا طریقہ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:۔ قلنا یا رسول اللہ کیف ندخل فی الصلاۃ فانزل اللہ تعالیٰ وربك فکبر فامرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نفتتح الصلاۃ بالتکبیر۔ (ابن مردویہ) ہم نے حضرت سرور دو جہاں علیہ صلوات الرحمان سے عرض کیا کہ ہم نماز میں شریک ہونا چاہیں تو کیا کہنا چاہیے۔ اللہ سبحانہ نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی:۔ وربك فکبر۔ اس پر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو حکم دیا کہ ہم نماز کا آغاز اللہ اکبر سے

کیا کریں"

کبّر کا جواب لما نزل قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اللّٰہ اکبر، فکبرت خدیجۃ وفرحت وایقنت انہ الوحی۔ جب آیہ کریمہ وربک فکبّر نازل ہوئی تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللّٰہ اکبر فرمایا۔ یہ سُن کر حضرت ام المومنین سیدتنا خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اللّٰہ اکبر کہا اور بہت خوش ہوئیں۔ نیز ان کو یقین ہوگیا کہ یہ وحی الٰہی ہے" یقین کا سبب یہ ہے کہ اس میں پروردگار عالم کی بڑائی اور بزرگی بیان کرنے کا حکم ہے۔ اگر کوئی شیطانی بات ہوتی تو شیطان اپنی بڑائی جتاتا ہے اور اس میں پروردگار عالم کی بڑائی اور بزرگی کا حکم دیا گیا ہے لہذا ظاہر ہے کہ یہ وحی ربانی ہے۔

وثیابک فطھر کی تفسیر وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ۔ اور اپنے کپڑے پاک رکھئے" ہوسکتا ہے کہ یہاں "ثیاب" سے یہی لباس مراد ہو جس کو بدن پر پہنا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت محمد بن سیرین اور حضرت عبداللہ بن زید فرماتے ہیں:- امر بتطھیر الثیاب من النجاسات التی لا تجوز الصلاۃ معھا وذلک لان المشرکین لا یتطھرون ثیابھم۔ نجاستوں سے کپڑے پاک رکھنے کا حکم ہو رہا ہے جن کے لگی رہنے سے نماز جائز نہیں ہوسکتی۔ یہ حکم اس لئے دیا گیا کہ مشرکین اپنے کپڑے پاک نہیں

رکھتے تھے۔" اور طاؤسؒ فرماتے ہیں: وثیابك فقصر لان تقصیر الثیاب تطهیر لها۔ اور اپنے کپڑوں کو دھولو کیونکہ کپڑے دھو لینا ہی ان کو پاک رکھتا ہے۔" یزید بن مرثدؒ فرماتے ہیں: القی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلا شاۃ (ابن المنذر) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بکری کی اوجھ ڈال دی گئی تھی۔" گویا اس وقت یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی اور حکم ہوا کہ آپ اپنے کپڑے صاف کر لیجیے۔"

طہارت جامہ وجسم وقلب گویا شرع شریف میں نمازی کو طہارت جامہ کا جو حکم دیا گیا ہے وہ اسی آیۂ کریمہ سے مستنبط ہوا اور جب عبارۃ النص سے طہارت جامہ صحت نماز کی شرط قرار پائی ہے تو طہارت بدن دلالۃ النص سے بدرجہ اولیٰ شرط نماز ہوگی۔ اس لئے کہ لباس جو بدن سے خارج ہے اس کی طہارت کا حکم بصراحت صادر ہوا ہے تو بدن جو انسان کے وجود میں داخل ہے بدیہی بات ہے کہ اس کی طہارت بھی مطلوب ہوگی۔ یہ اس وجہ سے بھی کہ اللہ سبحانہ کی ایک صفت قدوس ہے۔ اس صفت کا اقتضاء یہ ہے کہ نجاست اس کو پسند نہیں اور جب یہ لباس میں ناپسند ہے تو بدن پر اس کا رہنا کیونکر پسند ہوگا؟ نیز شرع شریف میں نماز کے لئے دوسری جگہ وضو اور غسل یا تیمم کا حکم دیا گیا ہے اور وضو، غسل صرف حدث (نجاست حکمی) کی بنا پر کیا جاتا ہے تو خبث (نجاست حقیقی) سے پاک ہونا بدرجۂ اولیٰ محبوب ومرغوب ہوگا۔

جس طرح انسان کا حدث اور خبث سے پاک ہونا ضروری ہے اللہ سبحانہ کو یہ بھی منظور ہے کہ انسان کفر و شرک اور معصیت سے بھی پاک رہے۔ یہ نجاسات باطنی ہیں۔ آیۂ کریمہ ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین میں اسی جانب اشارہ ہے۔ یعنی اللہ سبحانہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے بھی محبت فرماتا ہے اور پاک رہنے والوں کو بھی محبوب رکھتا ہے" بہرحال نجاست اعتقادی ہو یا حقیقی یا حکمی سب سے پاک رہنا مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

تفسیر ابن عباسؓ اسی معنی کے نظر کرتے مفسرین کرام نے آیۂ کریمہ وَثِیَابَکَ فَطَهِّرْ کے دوسرے معانی بھی لکھے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ لا تکن ثیابک التی تلبس من مکسب باطل (ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ) جو لباس آپ زیب تن فرماتے ہیں (یہ ملحوظ خاطر رہے کہ) وہ غلط طریقہ کی کمائی کا نہ ہوا کرے" من الاثم قال وھی فی کلام العرب نقی الثیاب۔ (فریابی، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، حاکم بروایت صحیحہ) اے حبیب آپ کا دامن پاک ہمیشہ پاک ہی رہے۔ محاورۂ عرب میں ایسے ہی اصحاب کو نقی الثیاب یعنی "پاک دامن" کہتے ہیں" جن کا عمل اچھا ہو۔

دیگر تفاسیر سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں:۔ کان الرجل فی الجاھلیۃ اذا کان

غدرا قالوا فلان دنس الثیاب۔ (ابن ابی شیبہ ابن المنذر) زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی شخص بدعہدی کا مرتکب ہوتا تو اس کی نسبت کہا کرتے کہ فلاں شخص کلاً من آلودہ ہے۔" ابورزینؓ فرماتے ہیں:۔ عملك اصلحہ کان اھل الجاھلیۃ اذا کان الرجل حسن العمل قالوا فلان طاھر الثیاب۔ (ابن ابی شیبہ عبد بن حمید ابن المنذر) اپنے عمل کو درست رکھے۔ جاہلیت والوں کا محاورہ تھا کہ کسی انسان کا عمل نیک ہوتا تو وہ کہا کرتے کہ فلاں شخص پاک دامن ہے۔" مجاہدؒ فرماتے ہیں:۔ وعملك فاصلح۔ (سعید بن منصور عبد بن حمید ابن المنذر) آپ جس حال میں بھی ہوں ہمیشہ اپنا عمل درست رکھیے۔" یہ بھی فرمایا:۔ لیس ثیابہ الذی یلبس۔ (عبد بن حمید) جو لباس پہنا کرتے ہیں (فقط) وہی مراد نہیں۔"

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ ان تفاسیر میں باہم اختلاف نہیں ہے۔ فرق حقیقتً مجاز کا ہے۔ کسی نے ثیاب کو حقیقی معنی لباس کی بنا پر اس کو دھونے اور صاف ستھرا رکھنے محمول کیا۔ اور اس سے یہ معنی بھی نکالے کہ حلال کمائی سے لباس تیار کرنا چاہیے۔ اور کسی نے ثیاب سے دامن مراد لیا یعنی اپنے آپ کو پاک دامن رکھنا چاہیے۔ گناہوں سے اس کو آلودہ نہ کرلے۔ سب کا مآل ایک ہی ہے کہ مسلمان کوئی برہنہ سادھو نہیں ہے۔ وہ لباس زیب تن کریگا۔ حلال کمائی سے ستر پوش رہیگا۔ اس کا لباس نجس میلا کچیلا نہ ہوگا۔ پاک صاف رہیگا۔ اگر پھٹا پرانا ہو تو اس کو پیوند وغیرہ لگا کر درست کرلیگا مگر ہمیشہ طہارت اور

ستھرائی کا لحاظ رکھیگا۔ اور نہ صرف یہی بلکہ جیسا اس کا لباس ظاہری نجاست سے دور ہوگا اسی طرح اس کا باطن بھی گناہ، شرک اور کفر کی آلودگیوں سے پاک رہیگا۔ نہ وہ دانستہ کوئی گناہ کریگا اور نہ بداعتقادی کا شکار بنا رہیگا۔ مومن خود پاک ہے۔ المومن لا ینجس۔ اس کا بدن بھی پاک اس کا جامہ بھی پاک، اس کا دل بھی پاک، اس کی جگہ بھی پاک، وہ کھاتا بھی پاک چیزیں، پاک کمائی سے، پاک طریقہ سے۔ بولتا بھی ہے پاکیزہ باتیں۔ کرتا بھی ہے پاکیزہ کام ارشاد باری ہے:۔ یٰاَیّھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا اے گروہ پیغمبران! پاکیزہ چیزیں کھایا کیجیے اور پاکیزہ و نیک عمل کیا کیجیے"۔

سبحان اللہ! قرآن کریم کی کیا بلاغت اور کیسا ایجاز و اختصار ہے کہ یہ سارا مضمون صرف دو کلمات وثیابك فطھر میں مندرج و مدغم ہے۔

والرجز فاھجر کی تفسیر وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ۔ اور گندگی سے دور رہیے"۔

محیط المحیط میں ہے:۔ الرِّجز والرُّجز القذر و عبادۃ الاوثان والعذاب والشرك۔ رجز کسر راء کے ساتھ ہو یا ضم راء کے ساتھ۔ اس کے معنی ہیں پلیدی، بت پرستی، عذاب اور شرک"۔ مشہور قرأت بہ ضم راء ہے۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الرُّجز بہ ضم راء پڑھتے ہوئے سنا ہے"۔ (حاکم بروایت صحیحہ ابن مردویہ) اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

حضور میں بکسر راء بھی پڑھا ہے۔ (حاکم بروایت صحیحہ ابن مردویہ) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں :۔ ھی الاوثان ۔ (حاکم بروایت صحیحہ ابن مردویہ) یہاں رجز سے بت مراد ہیں۔" مطلب یہ ہوا کہ آپ جس حال میں بھی ہوں بت پرستی سے اپنے آپ کو دور رکھئے"۔ تاریخ شاہد ہے کہ بت پرستی سے آپ کو طبعاً نفرت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اعلان نبوت ورسالت سے قبل بھی آپ کبھی اس جانب مائل نہ ہوئے۔ پھر عقل سلیم کب اجازت دیتی ہے کہ بت جو درحقیقت ایک پتھر ہے۔ انسان اس کو اپنے ہاتھ سے تراشتا اور اس کی صورت گری کرتا ہے۔ خود ہی اس کو بنائے اور خود ہی اس کی پوجا کرے۔ وہ بت جو نہ کسی قسم کا کسی کو نفع پہنچا سکے اور نہ اس کی کسی مضرت کو دفع کر سکے پھر اس کی پوجا کی جائے آخر کس بناپر؟ وہ تو اپنے اوپر سے مکھی تک نہیں اڑا سکتا وہ دوسروں کے نفع و ضرر میں کیا ہاتھ بٹا سکتا ہے؟۔ خدائی صفات سبعہ پر ایمان لانا ضروری ہے وہ یہ ہیں :۔ حی سمیع بصیر علیم متکلم قدیر فعال لمایرید۔ وہ زندہ ہے سنتا ہے دیکھتا ہے جانتا ہے کلام فرماتا ہے قدرت والا ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے"۔ بت میں ان میں کی ایک صفت بھی نہیں تو ایسا مردہ بہرا اندھا بے خبر گونگا عاجز بے ارادہ کسی کے کیا کام آئے۔ اور کوئی اس کو لیکر کیا کرے؟ اسی لئے حکم ہوا کہ بت پرستی سے دور رہیے۔

دوسری تفسیر | بعض مفسرین نے یہاں رُجز سے پلیدی کے معنی مراد لئے ہیں تو گویا

یہ آیۂ کریمہ آیت سابقہ کا تتمہ ہے جس سے حکم سابق کی تاکید مطلوب ہے۔ وثیابك فطھر اس کا ایجابی پہلو تھا اور والرجز فاھجر اس کا سلبی پہلو ہے۔ معنی یوں ہوں گے کہ اپنے کپڑوں کو یا اپنے دامن کو یا اپنے آپ کو ہمیشہ طاہر مطہر رکھیئے، کبھی بھول کر بھی گندگی کے پاس تک نہ جایئے۔ ہمیشہ اس سے دور رہیے۔ دوسری جگہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:۔ فاجتنبوا الرجس من الاوثان۔ پلیدی بتوں ہی کی ہے اس سے دور رہو۔" اس اعتبار سے ہر دو معنی کا ایک ہی مفہوم ہوا۔ رجز کے معنی پلیدی کے ہوں یا بت کے، لہٰذا اس سے دور رہیے۔ اس صورت میں تاکید نہیں بلکہ تاسیس مراد ہوگی یعنی وثیابك فطھر کے ذریعہ جو حکم سنایا گیا تھا وہی حکم والرجز فاھجر کے ذریعہ سنانا مراد نہ ہوگا بلکہ ایک نیا حکم سنانا مقصود ہوگا کہ اپنا دامن بھی پاک رکھو اور بت پرستی کے پاس بھی نہ جاؤ"

ولا تمنن تستکثر کی تفسیر

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ۔ اور احسان نہ کیجئے تاکہ اس سے زیادہ طلب کرو۔" جمہور مفسرین کرام کے نزدیک اس آیۂ کریمہ کے معنی یہ ہیں:۔ لا تعط مالك لتعطی اکثر منه۔ اپنا مال نہ دیجئے اس نیت سے کہ آپ کو اس سے زیادہ دیا جائے۔" چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ لا تعطہ صا نعة رجاء افضل منه من الثواب۔ (ابن مردویہ) تدبیر اور چال کے طور پر نہ دیجئے اس توقع پر کہ اس کا بدلہ اس سے بہتر اس کے پاس سے ملے۔" جیسا کہ بعض لوگ کسی دولت مند

اور غنی کے ساتھ ابتداءً کچھ سلوک کرتے ہیں اور اس پر خرچ کر دیتے ہیں تاکہ وہ اپنی حیثیت کو پیش نظر رکھ کر اس سے زیادہ اس پر خرچ کرے۔ گویہ ناجائز نہیں مگر نبوت و رسالت کے اخلاق فاضلہ کے مطابق نہیں۔ چنانچہ حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں:۔ وانما نزل هذا فی النبی صلی الله علیه وسلم (عبد بن حمید ابن المنذر) یہ حکم حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان مبارک میں نازل ہوا۔ گویا یہ آپ کی خصوصیات میں داخل ہے۔ امت اس کی مخاطب نہیں۔ اور ضحاکؓ فرماتے ہیں:۔ وهی للنبی صلی الله علیه وسلم خاصة والناس وسّع علیهم۔ (عبد بن حمید) یہ ممانعت خصوصیت کے ساتھ حضرت تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہے۔ دوسروں کے لئے اس میں وسعت و گنجائش ہے۔" فقیر عرض کرتا ہے کہ علمائے ملت و مشائخ کرام جو ورثۃ الانبیاء ہیں ان کو بھی اس سے دور رہنا چاہیے۔

دوسری تفسیر حضرت قتادہ فرماتے ہیں:۔ لا تعط شیئا طمعا لمجازاة الدنیا فی الدنیا ولکن اعط لوجه الله خالصا۔ اور نہ دیجئے کوئی چیز اس نیت سے کہ اس کا بدلہ دنیا ہی میں مل جائے بلکہ جس کسی کو جو بھی دیجئے خالصاً لوجہ اللہ دیا کیجئے۔" تبلیغ احکام کا صلہ تو انبیائے سابقین سلام اللہ علیہم اجمعین کی طرح آپ بھی کسی سے کچھ نہیں چاہتے تھے۔ لا اسئلکم علیه اجرا عام عمل در آمد تھا۔ اس پر مستزاد آپ کا عمل شریف یہ تھا کہ دوسرے لوگ اگر

کوئی ہدایا و تحائف پیش کرتے تو آپؐ ان کو خوشی سے قبول فرماتے ۔ پھر اس کا بدلہ بطور احسن فرمادیتے ۔ مگر جو تحفہ آپ کسی کو عنایت فرماتے اس کا بدلہ کسی سے نہ چاہتے ۔

دیگر تفاسیر بعض مفسرین کرام نے اس آیۂ کریمہ کے اور معانی بھی لکھے ہیں ۔ منجملہ ان کے ایک معنی یہ ہیں :۔ لا تمنن علی الفقیر اذا اعطیتہ مستکثرا اعطائک کسی محتاج کو جب کبھی آپ کچھ عنایت فرمائیں تو اپنی داد و دہش کو زیادہ خیال کرکے اس پر کوئی احسان نہ جتائیے ۔ چنانچہ ایک موقع پر ایک اعرابی کو بکریوں کا ایک ریوڑ ہی عنایت فرما دیا ۔ وہ اتنی زیادہ بکریاں تھیں کہ دو پہاڑوں کے درمیان کا سارا میدان بکریوں سے بھر گیا تھا ۔ چنانچہ ایک شاعر لکھتا ہے :۔

قد جاء اعرابیٌ التمس الندیٰ اعطاہ شآءً ضمّھا الجبلان

وعظ و نصیحت ، تبلیغ و دعوت بھی داد و دہش میں داخل ہے ۔ اس کا بھی کچھ صلہ قوم سے طلب نہیں کیا جا سکتا ۔ صرف اللہ سبحانہ کے دئے ہوئے پر شاکر و صابر رہنا چاہیئے ۔ چنانچہ ارشاد ہے

ولربک فاصبر کی تفسیر وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۔ اور صرف اپنے پروردگار کی راہ دیکھتے رہیئے یعنی انجام کار کامیابی آپ کے ہاتھ ہے ۔ اس کا حصول اپنے وقت پر ہوگا ۔ اس وقت تک آپ کا کام صرف یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کی طاعات و عبادات کی بجاآوری میں سرگرم رہیں اوامر پر خود بھی عمل پیرا ہوں اور دوسروں تک پہنچاتے ہیں ۔ نواہی سے نہ صرف خود

باز رہیں بلکہ اوروں کے بھی باز رہنے کی سعی بلیغ فرماتے رہیں۔ آپ کو دین کی راہ میں رکاوٹیں
پیش آئینگی ایذائیں پہنچائی جائینگی۔ استہزا کیا جائیگا دل آزار خطابات و القاب
تراشے جائینگے۔ اہل باطل کے ساتھ آپ کے محاربات رہیں گے۔ جو صورت بھی درپیش ہو
کمال پامردی اور استقامت سے ان سب کا جواب ایک ہی ہے صبر یعنی حکم الٰہی کا انتظار۔
اللہ اکبر! لفظ "صبر" ایک ہی کلمہ ہے مگر اپنے اندر کتنی جامعیت اور کیسی بے پایاں وسعت
رکھتا ہے کہ زندگی کے سارے مراحل اس میں شامل ہیں۔ سیرت مبارک پڑھے جائیے
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ذات اقدس اس کا نمونہ اور بے مثل مثال تھی۔ ارواحنا فداہ۔

فَاِذَا نُقِرَ عہ فِی النَّاقُوْرِ ۙ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۙ عَلَى 74-8
74-9
الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ۝ پھر جب بجنے لگے وہ کھوکھری چیز پھر وہ دن مشکل 74-10
دن ہے منکروں پر نہیں آسان "یعنی اے نبی کریم! آپ ان کی ایذاؤں پر صبر فرمائیے

عہ النقر ضرب الرحی والحجر وغیرہ بالمنقار ...... ونقر البیضۃ عن الفرخ ینقرھا
نقرا نقبھا وقولہ تعالی فاذا نقر فی الناقور ای الصور الذی ینقر فیہ الملک ای ینفخ
فیہ للحشر ونقر فیہ ای نفخ وھو مجاز وقیل فی التفسیر انہ یعنی بہ النفخۃ الاولی
وقال الفراء یقال انھا اول نفختین۔ (تاج العروس) نقر کے معنی لوہے کے آلہ سے چکی پتھر وغیرہ کو

ان کو ایک ایسا خوفناک دن درپیش ہونے والا ہے جس میں ان کو ان ایذاؤں کی سزا ملیگی اور وہی دن آپ کو اپنے صبر کی جزا ملنے کا بھی ہوگا۔ یہ وہ دن ہے جبکہ صور پھونکا جائے گا اور سب لوگ قبروں سے اٹھیں گے وہ دن بڑا ہی کٹھن ہوگا۔ جو کافروں کے حق میں کچھ بھی سہولت کا موجب نہ ہوگا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو اہل ایمان ہوں گے ان کا حکم جدا ہے یعنی ان کے حق میں اس روز کچھ بھی دشواری نہ ہوگی۔

احادیث صحیحہ میں صور کے متعلق جو ذکر آیا ہے اس پر ہمیں اعتقاد رکھنا چاہئے۔

خشیت ایمانی ہر چند کہ اس آیہ کریمہ میں اس دن کی سختی و ہولناکی کافروں کے حق میں آئی ہے۔ اہل ایمان کا اس میں ذکر نہیں ہے۔ بلکہ ان کا ذکر نہ ہونا علامت اس امر کی ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) "ٹاکنا" اور مرغ کے چوزے کا انڈے میں سوراخ ڈالنا" اور ارشاد باری فاذا نقر فی الناقور سے فرشتہ کا صور پھونکنا مراد ہے تاکہ سب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں۔ یہ مجازی معنی ہیں اسکی تفسیر میں کہتے ہیں کہ پہلا صور مراد ہے اور فراء امام نحو نے بھی یہی فرمایا ہے کہ یہ پہلا صور ہی بیان کیا جاتا ہے" المنقر وع الشئ المصی الی النقب المنقار ما ینقر بہ کمنقار الطائر الحدیدۃ التی ینقر بہا الرحی ... والناقور الصور قال فاذا نقر فی الناقور (مفردات) نقر کے معنی کسی چیز کو ٹاکنا جس سے سوراخ پڑجائے منقار ٹاکنے کا آلہ جیسے پرندے کی چونچ یا لوہے کا آلہ جس سے چکی کو ٹاکا جاتا ہے۔ اور ناقور سے صور مراد ہے۔ ارشاد باری ہے۔ فاذا نقر فی الناقور ای نفخ فی الصور۔ واللہ اعلم۔

اہل ایمان کے حق میں اس دن ایسی دشواری اور کوئی خوف وہراس حائل نہ ہوگا۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرام کی خشیت کا اندازہ حدیث ذیل سے کیا جاسکتا ہے۔ حضور انور فرماتے ہیں کیف انعم ۔ میں خوش عیش کیسے ہوسکتا ہوں ؟ اور صحابۂ کرام پر بڑا گرانی گزر رہی ہے تو ان کو یہ دعا تلقین فرمائی جارہی ہے کہ حسبنا اللہ و نعم الوکیل علی اللہ توکلنا پڑھا کرو۔ اگرچہ اہل ایمان کو خوف نہیں ۔ مگر خشیت رفع نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ حضرت زرارہ بن ابی اوفیٰؒ کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت بہز بن حکیم فرماتے ہیں :۔ امّنا زرارۃ بن ابی اوفی فقرأ المدثر فلما بلغ فاذا نقر فی الناقور خرّ میتا فکنت فیمن حملہ ۔ (ابن سعد، حاکم) زرارہ بن ابی اوفیٰؒ نے ہماری امامت کی اور سورۂ مدثر شروع کیا۔ جب فاذا نقر فی الناقور کے پاس پہنچے تو غش کھا کر گرے اور جاں بحق ہوگئے۔ چنانچہ ان کو اٹھا لانے والوں میں میں خود بھی تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

یہ حدیث ترمذی شریف میں بھی ہے۔

74-11
ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ۙ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۙ وَّ 74-12
74-13
بَنِیْنَ شُهُوْدًا ۙ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ۙ ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ ۙ كَلَّا 74-14
74-15
چھوڑ دیجیے مجھ کو اور اس کو جس کو پیدا کیا میں نے اکیلا، اور دیا اس کو میں نے مال پھیلا کر 74-16p
اور بیٹے مجلس میں بیٹھنے والے اور تیاری کر دی اس کے لئے خوب تیاری پھر لالچ رکھتا ہے کہ

اور کبھی دوں ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔"

شانِ نزول ولید کی تقریر امام بغوی فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد حرام میں نماز ادا فرما رہے تھے اس میں سورۂ غافر کی ابتدائی آیت تلاوت فرمائی تو ولید بن مغیرہ مخزومی سن رہا تھا جس سے وہ بہت متاثر ہوا۔ جب وہ بنی مخزوم میں آیا تو کہنے لگا:۔ واللہ لقد سمعت من محمدؐ آنفا کلاما ما ھو من کلام الانس ولا ھو من کلام الجن ان له لحلاوة وان علیه لطلاوة وان اعلاہ لمثمر وان اسفله لمغدق وان یعلوو لا یعلٰی۔ خدا کی قسم! ابھی ابھی محمدؐ سے میں نے ایک کلام سنا ہے جو نہ کسی انسان کا کلام ہوسکتا ہے اور نہ کسی جن کا، اس کی ایک عجیب شیرینی ہے اور عجیب چاشنی، اس کی انتہا پُرثمر اور اس کا آغاز شاخ ہائے بارآور، اس کی شان بلند سے بلند تر، اور کسی دوسرے کلام کے تفوق سے بالاتر۔"

ولید کی تقریر کا اثر اور ابوجہل کا مکر اس تقریر سے تمام قریش میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ کہنے والوں نے کہہ دیا کہ ولید اپنے آبائی دین سے پھر گیا۔ اب قریش کی خیر نہیں وہ بھی سب اپنا آبائی دین چھوڑ دیں گے۔ کیونکہ تمام لوگ اس کو ریحانۃ قریش کہا کرتے تھے یعنی قریش کا پھول۔ ابوجہل کو خبر ہوئی تو کہا کہ اس مہم کو میں سر کرلوں گا چنانچہ وہ آیا اور ولید کے پاس غمزدہ ہوکر بیٹھ گیا۔ ولید نے پوچھا۔ بھتیجے! تو متفکر کیوں ہے؟

ابو جہل نے کہا کیوں فکر نہ کروں۔ تمام قریش تیرے لئے چندہ جمع کر رہے ہیں تاکہ بڑھاپے میں تیری مدد کریں۔ سب کہہ رہے ہیں کہ تو اپنے بڑھاپے کے مارے روزانہ ابن ابی کبشہ اور ابن ابی تحافہ کے ہاں پہنچتا اور ان کے دسترخوان کا بچا کچھا کھا لیا کرتا ہے

ولید کی برافروختگی یہ سن کر ولید غضبناک ہو گیا اور نہایت برافروختہ ہو کر کہنے لگا الم یعلم قریش انی من اکثرھم مالا و ولدا' وھل شبع محمد و اصحابہ من الطعام فیکون لھم فضل۔ کیا قریش کو معلوم نہیں کہ ان سب میں مال اور اولاد کے اعتبار سے میں بڑھا ہوا ہوں۔ (پھر میں کسی کے گھر بچا کچھا کھانے کیوں جانے لگا) کیا محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کو اتنا کھانا نصیب بھی ہے کہ ان کے کھالینے کے بعد کچھ بچ رہے (پھر کس بنا پر وہ کہتے ہیں کہ میں کسی کا پس خوردہ کھانے کیلئے جایا کرتا ہوں) اسی غصہ میں وہ اٹھا اور اپنی قومی مجلس میں آکر بیٹھ گیا۔ اور ایک ایک سے دریافت کرتا گیا:۔

ولید کا قریش سے خطاب تزعمون ان محمدا مجنون فھل رأیتموہ ینطق قط قالوا اللھم لا۔ قال تزعمون انہ کاھن فھل رأیتموہ قط یکھن۔ قالوا اللھم لا۔ تزعمون انہ شاعر فھل رأیتموہ ینطق بشعر قالوا اللھم لا۔ قال تزعمون انہ کذاب فھل جربتم علیہ من الکذب۔ قالوا اللھم لا۔ وکان رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم یسمی الامین قبل النبوۃ لصدقہ۔ کیا تمہارا زعم ہے کہ محمدؐ دیوانے ہیں۔ کیا کبھی ان کو تم نے دیکھا ہے کہ کوئی مجنونانہ کلام کبھی بھی انہوں نے کیا ہے؟ سب نے متفق اللفظ کہا، خدا شاہد ہے کہ وہ دیوانے نہیں ہیں۔ ولید نے کہا کیا تمہارا ادعا ہے کہ وہ کاہن ہیں؟ کیا کبھی کاہنوں کی سی باتیں کرتے ہوئے ان کو دیکھا ہے؟ سبھوں نے کہا۔ خدا کی قسم نہیں دیکھا۔ پھر کہا کیا تمہارا یہ دعوی ہے کہ وہ شاعر ہیں؟ کیا کبھی اشعار سناتے ہوئے ان کو دیکھا ہے؟ سب کہنے لگے کہ ایسا بھی نہیں دیکھا خدا شاہد ہے۔ آخر پر کہا کیا تمہارا خیال ہے کہ وہ جھوٹے ہیں؟ کیا کسی امر میں تم نے ان کو آزمایا ہے اور ان کے جھوٹ کا امتحان و تجربہ کیا ہے؟ سب کے سب کہنے لگے اللہ کی قسم! ان کو کبھی ایسا بھی نہیں دیکھا۔ واقعہ تو یہ ہے کہ نبوت سے پہلے بھی آپ کی صداقت و راستبازی کی بنا پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو امین کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔"

قریش کا سوال اور ولید کا جواب

ولید کی یہ تقریر سنتے ہی قوم کو موقع مل گیا۔ قوم نے ولید سے دریافت کیا: فما ھو۔ آخر تمہاری رائے میں وہ ہیں کیا جب کہ وہ مجنون نہیں، شاعر نہیں، کاہن نہیں، کذاب نہیں۔ یہ سن کر آپ سوچ میں پڑ گیا، پھر اِدھر اُدھر دیکھا (تو قوم پر نظر پڑی اور قوم کا خیال غالب آگیا) پھر ترش رو ہو

منہ بنا کر کہنے لگا۔ ھل ھوالا ساحر من رأیتموہ یفرق بین الرجل و اھلہ و ولدہ وموالیہ' وہ کچھ نہیں مگر جادوگر ہیں۔ اور جن جن ساحروں کو تم نے دیکھا ہے ان سب سے ان کا جادو بڑھا ہوا ہے۔ وہ انسان اور اس کی بی بی بچوں میں پھوٹ ڈال دیتے ہیں۔ اور باندی غلاموں میں تک تفریق کا باعث بن جاتے ہیں"۔ حالانکہ سورۂ نون کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ آپ کے ساحر ہونے کی بھی ولید نے نفی کی تھی۔ مگر اب کی دفعہ قوم کی خاطر غالب آئی تو ان کو راضی کرنے کے لئے بات بدل دی اور ساحر قرار دیا جس سے قوم خوش ہو گئی کہ ولید نے اپنا دین بدلا نہیں۔ آبائی دین پر قائم ہے۔

ولید پر عتاب الٰہی اس کے جواب میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہو رہا ہے ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا۔ مجھے چھوڑ دیجئے اس کے ساتھ جس کو میں نے یکہ و تنہا پیدا کیا۔ یعنی اکلوتا بیٹا۔ کیونکہ اس کا کوئی بھائی بہن نہ تھے۔ یا اس اعتبار سے یکہ کہ وہ ولد الزنا تھا۔ مغیرہ جو اس کا باپ کہلاتا تھا وہ دراصل عنین تھا۔ ولید کے پیدا ہونے سے اس کو خوشی نہیں ہوئی۔ ولید اٹھارہ سال کا ہوا تو کب کہیں اس نے اپنی فرزندی کا اقرار کیا تھا۔ یا یکہ شرارت و فساد میں۔ یا یہ کہ وہ جب پیدا ہوا تو خالی ہاتھ تھا۔ کوئی مال و اسباب اپنے ساتھ لایا نہ تھا جیسے ہر کوئی شخص پیدا ہوتا ہے تو وہ اسی طرح ہاتھ خالی پیدا ہوتا ہے۔

وحیداً کی تفسیر بعض مفسرین کرام نے وحیداً کو حال قرار دیا ہے ذرنی کی ضمیر متکلم کا۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے ذرنی وحیداً۔ یعنی اس کو سزا دینے کے لئے مجھے تنہا چھوڑ دیجئے۔ میں اکیلا اس کو سزا دوں گا۔ یا خلقت کی ضمیر سے حال قرار دیا ہے۔ اس وقت یہ معنی ہوں گے۔ خلقت وحیداً تنہا میں نے اس کو پیدا کیا۔" ان صورتوں میں بھی معنی درست ہو جاتے ہیں مگر اکثر مفسرین نے وحیداً کو مَنْ کا حال قرار دیا ہے جس کی تفسیر اوپر گزری۔ اور اسی اعتبار سے ہم نے آیۂ کریمہ کا ترجمہ پیش کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

مالاً ممدوداً کی تفسیر وَجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا۔ اور دیا اس کو میں نے مال پھیلا کر۔" یعنی وافر دولت ومال، نفع آور کاموں میں لگا ہوا۔ ولید کی تجارت بہت بڑی تھی۔ کھیتیاں اور باغات بھی خوب تھے، مویشی وغیرہ بھی بکثرت تھے۔ باندی غلاموں کی بھی کمی نہ تھی۔ یہ تمام چیزیں ایسی تھیں کہ ان میں ترقی ہی ترقی ہوتی رہتی تھی۔ نقد مال کی مقدار حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ اور سعید بن جبیر کی روایات میں الف دینار اور حضرت قتادہ کی روایت میں الف الف ہے یعنی ہزار اشرفی، یا دس لاکھ اشرفی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں مزید تصریح یہ ہے:۔ غلّۃ شھر بشھر یعنی یہ آمدنی ماہ بماہ ہوتی تھی۔"

بنین شھوداً کی تفسیر وَبَنِیْنَ شُهُوْدًا۔ اور بیٹے مجلس میں بیٹھنے والے۔"

ان کی تعداد کے بارے میں بھی روایات مختلف ہیں۔ کسی میں سات، کسی میں دس اور کسی میں تیرہ۔ لفظ بَنِیْنَ جمع کثرت کا صیغہ ہے جس کا اطلاق دس اور اس سے زیادہ پر ہوتا ہے۔ اسی طرح لفظ شھود بھی جمع کثرت کا صیغہ ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ دس یا تیرہ کی تعداد ہی صحیح ہے۔ سات کی روایت اس اعتبار سے ہے کہ ان کے نام کتابوں میں ملتے ہیں۔ پھر یہ سب کے سب جوان، بی بی بچوں والے۔ ہر ایک کا ٹھکانہ مستقل۔ بڑے ٹھاٹھ سے رہنے والے۔ ولید جس مجلس میں رہتا تو یہ سب اس کے ساتھ رہتے۔ سارے تجارتی، زراعتی کاروبار غلام اور ملازمین انجام دیتے اور تمام بیٹے باپ کے ساتھ ساتھ رہتے۔

مھّدت لہ تمھیداً کی تفسیر وَمَهَّدتُّ لَهُ تَمْهِيدًا۔ اور تیاری کر دی اس کے لئے خوب تیاری "یعنی ایک طرف سے ذرائع آمدنی وسیع، دوسری طرف کثرت اولاد، اس خوش حالی و رفاقت کے ساتھ، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ سارا قریش اس کو اپنا سردار اور مقتدی مانتا، اور گردش چشم اور اشارہ ابرو پر اپنا سب کچھ فدا کرنے کے لئے تیار رہتے۔ قوم میں اس کی بات سنی جاتی۔ اور اس کی رائے پر سب کو اعتماد حاصل تھا۔ ہر کوئی اس کی ہاں میں ہاں ملاتا۔ غور کیجئے کہ یا تو وہ تہی دست یکہ و تنہا پیدا ہوا یا اب یہ صورت ہے کہ سب کچھ اس کو میسر ہے۔ اس طرح تمام خوش آیند چیزوں کا ایک جگہ جمع ہونا بہت ہی شاذ و نادر ہوتا ہے۔ اسی بنا پر کسی نے اس کو ریحانہ قریش کا خطاب

دے رکھا تھا۔ کوئی اس کو وحید قریش کہتا کہ ایسا قسمت والا پورے قبیلۂ قریش میں یہی ایک ہے۔

یطمع ان ازید کی تفسیر ثُمَّ یَطۡمَعُ اَنۡ اَزِیۡدَ۔ پھر لالچ رکھتا ہے کہ اور بھی دوں" بات یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو ایمان لانے اور دین اسلام قبول کرنے کی ترغیب دیتے اور خلد بریں کی دائمی نعمتوں اور وہاں کے پائدار لطف کا ذکر فرماتے تو کہتا:۔ ان کان محمد صادقا فما خلقت الجنۃ الا لی۔ جو تقریریں محمدؐ کیا کرتے ہیں اگر ان میں وہ سچے ہیں تو جنت صرف میرے لئے ہی پیدا کی گئی ہے۔ میرے سوا اور کوئی اس کا مستحق نہیں ہو سکتا" یعنی جو نوازش دنیا میں مجھ پر ہے کہ انسانی تمناؤں کو میرے لئے جمع کر دیا گیا ہے۔ تو آخر کوئی امتیاز سب میں مجھ کو حاصل ہے؟ یہی امتیاز وہاں بھی میرے ساتھ قائم و برقرار رہیگا۔

کلا کی تفسیر کَلَّا ارشاد باری ہو رہا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا" کیوں نہیں ہو سکتا اس کی وجہ آگے آ رہی ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے ولید کا ادبار شروع ہوا۔ مال و دولت میں گھاٹا آنے لگا۔ شدہ شدہ اس کی تمام دولت تباہ و تاراج ہو گئی۔

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں:۔ فلما نزلت لم یزل فی ادبار من الدنیا فی نفسہ ومالہ وولدہ حتی اخرجہ من الدنیا۔ (سعید بن منصور، ابن المنذر، ابن ابی حاتم)

جب یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی تو دنیا ہی میں اس کا ادبار شروع ہو گیا۔ اس کی ذات میں بھی اس کے مال میں بھی اور اس کی اولاد میں بھی' یہاں تک کہ اس کو دنیا سے باہر نکال پھینکا" ابو مالک فرماتے ہیں:۔ فلم یولد له بعد یومئذ ولم یزدد له من المال الا ما کان۔ (عبد بن حمید' ابن المنذر) اس کے نزول کے بعد اس کے پھر کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اور نہ اس کے مال میں کوئی ترقی ہونے پائی۔ ہاں جو کچھ تھا بس وہی رہ گیا" آخر وہ کب تک رہتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہایت افلاس کے عالم میں ایڑیاں گھس گھس کر بڑی ذلت و خواری کے ساتھ مرا۔ اس کا سبب یہ تھا:۔

إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ۝ سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا ۝ وہ ہے ہماری 74-16 74-17
آیتوں کا مخالف' اب اسی سے چڑھواؤں گا بڑی چڑھائی"

عنیداً کی تفسیر

خدا تعصب اور عناد کا ناس کرے کہ یہ بیماری جہاں پھیلتی ہے انسان کو اندھا' بہرا' گونگا' بنا دیتی ہے۔ حقیقت سے اس کی آنکھ بند ہو جاتی ہے اب حقیقت حال اس کو نظر نہیں آتی۔ کان بہرے ہو جاتے ہیں۔ کتنی ہی نصیحت کی جائے اور کیسی ہی فہمایش کیجیے' کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ حقیقت کا اقرار علی الاعلان کرنے کے بعد انسان پھر اس سے منکر ہو جاتا ہے۔ سچی بات جو حقیقت کی آئینہ دار ہو اب اسکی زبان سے نہیں نکلتی۔ سورۂ غافر کی ابتدائی آیات جس وقت ولید نے تازہ تازہ سنی تھیں

اس دم اس کا جو تاثر تھا وہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ اس کے بعد ابوجہل کے ورغلانے اور قومی تعصب غالب آتے ہی اس کا جو رنگ بدلا وہ بھی آپ نے دیکھ لیا۔ اسلئے ارشادِ باری ہو رہا ہے کہ وہ تو ہماری آیات کا مخالف ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ چاہتا ہے کہ دنیا میں جو دولت اور نعمتیں ہم نے اس کو دی ہیں اس کے علاوہ آخرت میں نعیم جنت سے بھی سرفراز کریں؟ ایسا کبھی نہ ہوگا۔ حصول جنت کی جو راہ ہے یہ اس کو اختیار کرنا ہی نہیں چاہتا پھر اس کو یہ خبط سمایا ہوا ہے کہ جنت اس کے سوا کسی کو نہیں مل سکتی : ع

این خیال است ومحال است وجنوں :

ہر آنکہ تخم بدی کشت وچشم نیکی داشت دماغ بیہدہ پخت وخیال باطل است

صعوداً کی تفسیر یہ جا ترقی کا جنون اور خبط اس کے سر پر سوار ہی ہے تو اس کی سزا کی ایک صورت ہم نے تجویز کر رکھی ہے وہ یہ کہ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا۔ اب اسی سے چڑھاؤں گا بڑی چڑھائی" حضرت ابوسعید خدری رضؓ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:۔ الصعود جبل فی النار یصعد فیہ الکافر سبعین خریفا ثم یھوی وھو کذلک فیہ ابدا (امام احمدؒ ابن المنذر ترمذی ابن ابی الدنیا ابن جریر ابن ابی حاتم ابن حبان حاکم بروایت صحیحہ بیہقی) دوزخ میں ایک پہاڑ ہے جس کا نام صعود ہے۔ کافر اس پر ستر برس تک چڑھتا رہیگا۔ پھر نیچے پھسل آئیگا۔ اور وہ اسی اُتار

چڑھاؤ میں ابدالآباد رہیگا" اور انہیں سے دوسری روایت یوں ہے :۔ ان صعودا صخرۃ فی جھنم اذا وضعوا ایدیھم علیھا ذابت فاذا رفعوھا عادت واقتحامھا فك رقبۃ واطعام فی یوم ذی مسغبۃ یتیما ذا مقربۃ او مسکینا ذا متربۃ ۔ (عبدالرزاق، سعید بن منصور، فریابی، عبد بن حمید، ابن ابی الدنیا، ابن المنذر، طبرانی، ابن مردویہ، بیہقی) صعود نامی دوزخ میں ایک چٹان ہے ۔ (جہنمی لوگوں کو اس پر چڑھنے کا حکم ہوگا) جب وہ اس پر ہاتھ رکھیں گے تو وہ پگھل جائیگی ۔ پھر جب ہاتھ اٹھائینگے تو اصلی حالت پر آجائیگی ۔ اس میں گھسنے اور چڑھ جانے کی تدبیر یہ ہے کہ (دنیا میں) کسی غلام کو آزاد کیا جائے ۔ یا بھوک کی حالت یا قحط کے زمانے میں کھانا کھلایا جائے کسی یتیم کو جو اپنے اہل قرابت کا ہو ۔ یا کسی مسکین کو جو بھوک سے نڈھال ہو کر زمین پر پڑا ہوا ہو"

ناشکری کی سزا

ولید کو اللہ سبحانہ نے اتنی دولت اور اس کے سارے لوازم دے تھے مگر کلمۂ شکر کبھی اس کی زبان سے نہ نکلا، کبھی خدا کو یاد تک نہ کیا ۔ رات دن اپنی تعلّی اور تفاخر میں گزارتا تھا ۔ وہ کسی غلام کو کیا آزاد کرتا ۔ دن بھر رات بھر ان سے کام لیتا رہتا بیٹوں کو اپنے پاس بٹھا رکھتا اور کام کا سارا بوجھ غلاموں پر ڈال رکھا تھا ۔ کسی یتیم اور مسکین کو کیا کھلاتا ۔ بلکہ اپنے اہل قرابت کے ایک یتیم کا مال دبا رکھا ۔ جب وہ جوان ہو کر اپنے باپ کا مال طلب کرنے آیا تو اس کو دھکے دلا کر نکال دیا ۔ یدع الیتیم ولا

ولا یحض علی طعام المسکین کی آیات بھی اسی خبیث کے باب میں نازل ہوئی ہیں،
یہی وجہ تھی کہ اس کا ادبار یہیں سے شروع ہوا اور وقت آخر تہیدست ہو کر ذلت کی
موت مرا۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے :۔ لئن شکرتم لازیدنکم وان کفرتم
ان عذابی لشدید۔ اگر تم شکر گزار بنے رہو تو ہم نعمتوں میں اور اضافہ کریں گے
اور جو ناشکری کی تو ہمارا عذاب سخت ہے" اسی کا مزید بیان آگے آرہا ہے :۔

اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۙ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۙ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ 74-18
74-19
قَدَّرَ ۙ ثُمَّ نَظَرَ ۙ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۙ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۙ 74-20
74-21
فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۙ 74-22
74-23
74-24
74-25

اس نے فکر کیا اور دل میں ٹھہرالیا لہذا اس پر مار پڑے کیسا ٹھہرایا، پھر اس پر
مار پڑے کیسا ٹھہرایا، پھر نگاہ کی، پھر تیوری چڑھائی اور منہ بنایا، پھر پیٹھ پھیری اور
غرور کیا، پھر بولا اور کچھ نہیں، یہ جادو ہے چلا آتا، اور کچھ نہیں یہ کہا ہوا ہے آدمی کا"

ولید کا تلون ولید نے اقرار کرلیا تھا کہ قرآن کریم سحر نہیں، شعر نہیں، کاہن کا
کلام نہیں، نہ کسی انسان کا نہ کسی جن کا۔ مگر جب قوم کی ناراضی کا حال معلوم ہوا تو سوچ میں
پڑ گیا اب اس کو کیا کہوں ؟ دل میں ٹھہرالیا کہ بات بدلنی چاہیے۔ اسی پر عتاب الٰہی ہو رہا
ہے کہ بات بدلنے کی اس کو کیسے سوجھی۔ مثل مشہور ہے :۔ قولِ مرداں جان دارد۔

ایسا دولتمند، ایسا ذی وجاہت، رئیسِ قوم ہر طرح سکھ چین سے گزارنے والا اپنی بات سے پھر جانے کا خیال اس کو کیسے ہوا۔ مقام تعجب و تاسف ہے۔ اسی لئے بار بار یہ جملہ دُہرایا جارہا ہے فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ، ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ۔ اس پر مار پڑے کہ بات بدلنے کی تجویز کیسی ٹھان لی۔ پھر غضب کی مار پڑے کہ بات پلٹنے کی تدبیر پہ مستحکم ہو گیا۔ اتنا سب کچھ کرلے پر بھی کچھ بن نہ پڑا تو قرآن کریم پر حضورِ انور پر اور اپنی قوم پر نگاہ کی۔ تیوری چڑھانا، ترش رو ہونا، منہ بنانا اور منہ چڑانا شروع کردیا۔ پھر نہایت غرور کیا تھا ان کی طرف پیٹھ پھیر دی۔ اس سے یہ بتانا مقصود تھا کہ قرآن کریم اور رسول کریم اس کی نظر میں کچھ نہیں۔ اور اپنی قوم کو منہ بتانے کی بھی کوئی صورت نہیں اس پر بھی بات نہ بنی تو اپنے اقرار کو انکار سے بدل دیا کہ یہ کلام جادو ہے، جو دوسروں سے منتقل ہوتا آیا ہے۔ اس وقت اہل بابل کا جادو مشہور تھا۔ گویا درپردہ یوں کہہ رہا ہے کہ حضور اکرمؐ نے بابل والوں سے جادو سیکھا ہے اور اسی جادو کے زور سے آپ میاں بی بی، باپ بیٹے، بھائی بھائی اور قرابت داروں اور احباب میں پھوٹ ڈال رہے ہیں۔ لہذا یہ انسانی کلام کے سوا اور کچھ نہیں۔

بشر کی تفسیر کہتے ہیں:۔ اراد بالبشر یسارا وجبرا وابا فکیھۃ، اما الاولان فکانا عبدین من بلاد فارس وکانا بمکۃ وکان النبی علیہ الصلاۃ والسلام

یجلس عندھما واما ابو فکیھۃ فکان غلاما رومیا یتردد الی مکۃ من
طرف مسیلمۃ الکذاب فی الیمامۃ (روح البیان) "بشر" سے ولید کی مراد تین
اشخاص یسار، جبر اور ابو فکیہہ تھے۔ یسار اور جبر تو ایرانی غلام تھے جو مکہ میں رہتے تھے اور
حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہاں آیا جایا کرتے تھے۔ اور ابو فکیہہ رومی غلام تھا جو
یمامہ (یمن) والے مسیلمہ کذاب کے پاس سے مکہ کو آیا کرتا تھا۔ ولید کا ادعا تھا کہ
حضور اکرمؐ ان ہی لوگوں میں سے کسی سے (نعوذ باللہ) قرآن کریم سیکھتے اور اسکو کلام اللہ
کے نام سے پیش کرتے ہیں۔ اللہ سبحانہ نے اس کی تردید سورہ نحل میں فرمائی :۔۔۔۔
لسان الذی یلحدون الیہ اعجمی وھذا لسان عربی مبین۔ قرآن کریم کو یہ
کفار جس کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ تو فارسی النسل ایرانی ہے جس کی زبان عجمی ہے۔
اور یہ کلام پاک صاف طور پر خالص عربی زبان میں ہے۔ عجمی کو خالص فصیح و بلیغ عربی
سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ بہرحال معترض کو اس سے کیا غرض کہ بات سمجھے نہ سمجھے۔ جاہل
ساتھیوں کی ہاں میں ہاں ملا دینا منظور تھا۔ اس طرح کی بے تکی، بے سروپا بات کرکے قوم کو خوش
کر دیا۔ اب اس کی پاداش ملاحظہ ہو۔

سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ ○ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ○ لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ ○ 74-26
74-27
لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ○ عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ○ اب ڈالوں گا اس کو آگ میں اور آپ نے 74-28
74-29
74-30

کیا سمجھا کیسی ہے وہ آگ، نہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے، دکھائی دیتی ہے بدن پر اس پر

مقرر ہیں انیس ۱۹

ولید کو آخرت کی سزا ولید کو ادبار کی سزا اس کی ناشکری کی بنا پر دنیا میں جو کچھ ملی وہ رہی ایک طرف، اس کے علاوہ آخرت کی سزا جو اس کے لئے تجویز کی گئی ہے اس کے بات بدلنے، اور آیات اللہ کا جان بوجھ کر از راہ عناد انکار کرنے کی بنا پر وہ اس دنیوی سزا سے کہیں زیادہ دردناک ہے۔ وہ ہے آگ کی سزا، کیا آپ سمجھتے ہیں کہ دوزخ کی آگ، دنیا کی آگ کی طرح ہے؟ نہیں نہیں۔ اس کی نوعیت اور کیفیت ہی جداگانہ ہے، دنیا اور آخرت کی آگ کا فرق، اس سے بیشتر کئی آیات کریمہ کی تفسیر میں واضح کیا جا چکا ہے۔ اب چند امتیازات یہاں بھی بتا دئے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ لَا تُبۡقِیۡ جو چیز اس میں ڈالی جائے اس کو باقی نہیں رکھتی۔ اس کا حال ہی دگرگوں ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ لَا تَذَرُ جب کسی کو وہ آگ لگتی ہے تو اس کو پھر کبھی چھوڑتی نہیں۔ ابدالآباد کے لئے بس لگ گئی اور اس کے ساتھ لگی رہی تیسرے یہ کہ لَوَّاحَةٌ لِّلۡبَشَرِ۔ وہ آگ بدن پر علانیہ دکھائی دیتی ہوگی۔ جیسے لوہا آگ میں ڈال دیا جائے تو اس پر آگ جس طرح غالب آجاتی ہے کہ پورا لوہا آگ ہی آگ دکھائی دیتا ہے۔ اور آگ اس کے ہر حصہ اور ہر جزو میں سرایت کی ہوئی نظر آتی ہے اسی طرح دوزخی

آگ میں ڈالا جائے گا تو وہ بھی آگ کا ایک مجسمہ نظر آتا ہوگا۔ الامان والحفیظ۔

سقر کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ سقر اسفل الجحیم نار فیھا شجرۃ الزقوم۔ (ابن المنذر) دوزخ کے سب سے نچلے حصے کا نام سقر ہے۔ جہاں آگ ہی آگ ہے۔ اس میں سینڈھ کا درخت پیدا ہوتا ہے" دوزخ میں زقوم کا درخت پیدا ہونا' ایسا ہی ہے جیسا کہ دنیا کے آتشکدوں میں سالہا سال سے آگ مسلسل سلگی ہوئی رہنے سے آگ کا کیڑا پیدا ہوتا ہے جس کو "سمندر" کہتے ہیں۔ یہ سمندر کیا ہے خالص آگ۔ جس چیز پر بیٹھا اس کو آگ کی طرح جلا کر خاکستر بنا دیا۔ نار دوزخ کو اس پر قیاس کر لیا جائے۔ یہ سقر کی تفسیر تھی۔ البتہ یہ یاد رہے کہ دنیا کی آگ کا رنگ سرخ ہوتا ہے اور نار دوزخ کا سیاہ۔ جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔

لاتبقی ولاتذر کی تفسیر لاتبقی ولاتذر کی تفسیر میں فرماتے ہیں :۔

اذا اخذت فیھم لم تبق منھم شیئا واذا بدلوا جلدا لم تذر ان تبادرھم سبیل العذاب الاول۔ (ابن المنذر) سقر کی آگ جب دوزخیوں کو لگتی ہے تو دوزخی کے کسی حصہ اور جزو کو باقی نہیں رکھتی۔ اور جب ان کی جلد تبدیل کی جاتی ہے اور از سر نو بنا کر ان کو کھڑا کیا جاتا ہے تو فوراً اس کو پہلے کی طرح لپٹ پڑتی ہے" ضحاک فرماتے ہیں :۔ تاکلہ کلہ فاذا تبدی خلقہ لم تذرہ حتی تقوم علیہ

(ابن المنذر) دوزخی کو وہ آگ پورا کھا جاتی ہے ۔ پھر جب اس کا جثہ از سر نو تیار ہوتا ہے تو اس کو لپیٹ پڑتی ہے تا آنکہ اس پر غالب آجاتی ہے ۔" حضرت ابن بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :۔ تأکل اللحم والعظم والعرق والمخ ولا تذرہ علی ذلک (ابن المنذر) سقر کی آگ دوزخی کا گوشت، ہڈی، رگیں، مغز، سب کچھ بھسم کر جاتی ہے پھر بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی ۔" **فقیر** عرض کرتا ہے کہ ان تینوں تفاسیر کا نتیجہ تقریباً ایک ہی ہے ۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں :۔ لا تحیی ولا تمیت ۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر) نہ وہ زندہ چھوڑتی ہے اور نہ مار ڈالتی ہے ۔" اور اسی مخمصہ میں ابد الآباد تک اسکی یہی حالت رہتی ہے ۔ گویا یہ تفسیر تفاسیر بالا کا خلاصہ ہے ۔ لاتبقی ولا تذر کی یہ تفسیر ہوئی ۔

لواحۃ للبشر کی تفسیر

لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :۔ تلوح الجلد فتحرقه فیتغیر لونه فیصیر اسود من اللیل ۔ (عبد بن حمید) سقر کی آگ، دوزخی کی پوری جلد پر نمایاں ہونے لگتی ہے تا آنکہ اس کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے جس سے اس کا رنگ ہی بدل جاتا ہے ۔ اس کا رنگ اندھیری رات سے بھی زیادہ کالا ہو جاتا ہے ۔" حضرت ابو رزین رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح منقول ہے جس کی روایت ہمارے امام حضرت سیدنا امام احمد حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن ابی شیبہ نے فرمائی ہے ۔

تسعۃ عشر کی تفسیر

عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۔ اس پر انیس ۱۹ مقرر ہیں ۔" یعنی

دوزخ کی نگرانی کرنے والے نقباء اور روساء کی تعداد انیس ۱۹ ہے جو دوزخ اور اسکے درکات کے انتظامات کے نگراں ہیں۔ دوزخ کے جملہ کاروبار ان ہی کی قیادت اور ذمہ داری پر انجام پاتے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ کے آگے یہی جوابدہ ہوتے ہیں مطلب یہ ہوا کہ سقر خود جہنم کا سب سے نچلا حصہ ہے۔ اس سے نکلنا مشکل۔ پھر صعود جو آگ کا پہاڑ ہے اس کا عبور دشوار گزار پھر آگ کی یہ صفت کہ لگی تو چھوٹتی نہیں۔ پھر اس پر (۱۹) نگراں کارکہ ان سے بچنا محال۔ یہ ہیں دار دوزخ کے انتظامات۔ مگر کفار اور وہ بھی جاہل کفار جو نبوت ورسالت اور وحی والہام جنت دوزخ بلکہ پورے عالم آخرت کے منکر ہیں وہ اس کو کیا سمجھیں۔

شان نزول حضرت براء ابن عازبؓ فرماتے ہیں :- ان رهطا من اليهود سألوا رجلا من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم عن خزنة جهنم فقال الله ورسوله اعلم فجاء فاخبر النبي صلى الله عليه وسلم فنزل عليه ساعتئذ عليها تسعة عشر۔ (ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، بیہقی) یہود کی ایک جماعت نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی سے پوچھا کہ دوزخ کے خازن کتنے ہیں۔ صحابی موصوف نے کہا اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ پھر انھوں نے آکر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسکی اطلاع دی

اس وقت یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی: علیھا تسعة عشر۔ اس پر انیس ۱۹ مقرر ہیں"
اور حضرت جابرؓ سے بھی ایک روایت اسی طرح آئی ہے جو ترمذی' اور ابن مردویہ نے
روایت کی ہے۔

۱۹ کی تعداد پر ابو جہل کا استہزا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: لما سمع
ابو جھل علیھا تسعة عشر قال لقریش ثکلتکم امھاتکم اسمع ابن ابی
کبشة یخبرکم ان خزنة النار تسعة عشر وانکم الدھم افیعجز کل عشرة
منکم ان یبطشوا برجل من خزنة جھنم۔ (ابن جریر) جب ابو جہل نے سنا کہ
دوزخ پر (۱۹) خازن متعین ہیں تو قریش سے کہنے لگا تمھاری مائیں تم پر روتی ہیں (یہ کلمہ
زجر ہے قریش کو جوش دلانے کے لئے کہہ رہا ہے کہ تمھاری ایسی زندگی سے موت
بہتر ہے) ابو کبشہ کے بیٹے کا کہنا ہے (اس سے حضور اکرم مراد ہیں) کہ دوزخ کے خازن صرف
(۱۹) ہیں۔ اور تم تو ایک لشکر عظیم ہو۔ کیا تم میں کے دس دس مل کر ایک ایک خازن جہنم کو
گرفتار نہیں کرسکتے"۔ دیگر روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ ابو جہل نے
ایسا کہہ کر قریش کو ابھارا۔

پہلوان قریش کی لاف زنی یہ سن کر ابو الاشدین پہلوان قریش کہنے لگا۔
انا اکفیکم منھم سبعة عشر، عشرة علی ظھری وسبعة علی بطنی وکفونی انتم

اثنین (بغوی، بیہقی) ان میں سے سترہ کے لئے میں اکیلا بس ہوں۔ دس کو اپنی پیٹھ پر ڈال لوں گا۔ اور سات کو پیٹ پر۔ اور تم سب مل کر دو کو روک لو" اور دوسری روایت میں ہے کہ اس نے یوں کہا: خلّوا بینی وبین خزنة جهنم انا اکفیکم مؤنتهم۔ (ابن مردویہ) دوزخ کے خازنین کے لئے مجھے اکیلے کو چھوڑ دو۔ تمھاری اس مہم کو سر کرنے کے لئے میں تن تنہا کافی ہوں" گویا ابوجہل نے اپنے کمال جہل سے دوزخ کے ان اعلیٰ عہدہ داروں اور افسروں کو انسان سمجھا اور اسی زعم کی بنا پر قریش کے پہلوان نے یہ لاف زنی کی۔ اس پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی:-

وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا 74-31
فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ
فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ
يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ
ع ۱ ۳ ۱۵ اِلَّا هُوَ ۭ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ۝ اور جو رکھے ہیں ہم نے دوزخ پر داروغہ
وہ فرشتے ہی ہیں' اور جو ان کی گنتی رکھی ہے ہم نے وہ منکروں کو جانچنے ہی کے لئے" تاکہ یقین
کرلیں وہ لوگ جن کو ملی ہے کتاب' اور بڑھے ایمان داروں کا ایمان' اور دھوکا نہ کھائیں
جن کو ملی ہے کتاب' اور مسلمان' اور تاکہ کہیں وہ لوگ جن کے دل میں روگ ہے اور منکر'
کیا غرض تھی اللہ کو اس مثال سے' یوں بچلاتا ہے اللہ جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے جس کو
چاہے اور کوئی نہیں جانتا آپ کے پروردگار کے لشکر کو مگر وہ خود ہی' اور وہ تو سمجھانا ہے
لوگوں کو"

زبانیہ ملائکہ ہیں اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ابوجہل اور کفار قریش کی اس خام خیالی کو کہ دوزخ کے نگراں عہدہ دار انسان ہیں' اس آیۂ کریمہ کے ذریعہ رد فرمادیا کہ زبانیہ (دوزخ کے عہدہ دار اور کارکن) انسان نہیں ہیں جن کا مقابلہ تم کرسکو' وہ تو سب کے سب فرشتے ہیں۔ رہی انکی

گنتی جو (۱۹) بتائی گئی جس کو تم معمولی اور حقیر سمجھ رہے ہو اور ان کے مقابلہ کے لئے لوگوں کو
اُبھار رہے ہو۔ کبھی تو ان میں سے ایک ایک کے مقابلہ کے لئے اپنے دس دس کو لاکھڑا کرنا چاہتے ہو
اور کبھی تمہارا ایک ہی شخص تنہا ان سب کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنی آمادگی ظاہر کر رہا ہے
اس میں کئی حکمتیں اور مصالح ہیں منجملہ ان کے ایک[1] یہ ہے کہ یہ گنتی تمہارے امتحان اور
جانچ کے لئے ہے کہ تم اس کا کوئی صحیح حل پیش کر سکتے ہو یا ہمیشہ کے مطابق اپنی اسی جاہلانہ
بکواس میں لگے رہتے ہو۔ دوسری[2] حکمت اس میں یہ ہے کہ جن کو پیشتر زمانے میں آسمانی
کتاب (توریت، انجیل، زبور وغیرہ) دی گئی اور اس میں بھی یہی تعداد ان خازنین کی بتائی
گئی تھی ان کو یقین ہو جائے کہ اس آخری کتاب (قرآن کریم) میں بھی وہی بتائی گئی ہے لہذا
یہ کتاب بھی از اں قبیل ہے اور کتب سابقہ کی تصدیق کرنے والی، اور ان کی محافظ ہے۔ اور
اسی مقصد کے مد نظر جماعت یہود نے صحابۂ کرامؓ سے ان کی تعداد دریافت کی تھی۔ اور یہ
جواب سن کر ان کو ساکت ہونا پڑا۔ تیسری[3] حکمت اس میں یہ ہے کہ اب تک قرآن کریم جس قدر
نازل ہوا تھا اور اس میں جن چیزوں کا بیان ہوا تھا اہل ایمان کا ایمان ان ہی چیزوں کی
حد تک محدود تھا۔ اب اس آیۂ کریمہ کے ذریعہ خازنین نار کی تعداد بھی تبلائی گئی تو ان کے
ایمان میں اس کا بھی اضافہ ہو۔ چنانچہ اس کے مطابق معلومات میں اس تعداد کا اضافہ ہوا۔
چوتھی[4] حکمت اس میں یہ ہے کہ کتب سابقہ میں یہ تعداد لکھی ہوئی تھی پھر ان کتابوں میں اُن

لوگوں نے تحریف کردی تھی جس سے اہل کتاب خوب واقف تھے۔ اگر قرآن کریم میں اس کی وضاحت نہ کی جاتی تو اس مسئلہ کی حد تک اہل کتاب کو تردد اور شک ہوتا کہ جو تعداد ان کی کتابوں میں درج ہے آیا اصلی تعداد ہے یا تحریف کی ہوئی اور بنائی ہوئی گنتی ہے۔ جب قرآن کریم میں بھی اس کی صراحت فرمادی گئی تو اب کسی شک اور ریب کی گنجائش نہ رہی۔ اسی طرح مسلمانوں کے لئے بھی کسی قسم کا دھوکہ ہونے کا کوئی موقع نہ رہا۔ پانچویں حکمت یہ ہے کہ منافقین جن کے قلوب اندھے ہیں اور جن سے آئندہ مسلمانوں کو سابقہ رہیگا وہ اور منکرین کتاب، دونوں گروہ کے لئے ہمیشہ یہ سوال دامنگیر رہے کہ دوزخ کے خازنین (۱۹) کیوں ہیں اس سے کم یا زیادہ کیوں نہیں؟ بس وہ اسی فکر میں گھلتے رہیں۔ فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضاً۔ ان کے دلوں میں روگ ہے، اللہ پاک نے بھی ان کے روگ میں اور اضافہ فرمادیا۔ چنانچہ اب تک یہ کہے جارہے ہیں:۔ ماذا اراد اللہ بھذا مثلا۔ اس مثال سے اللہ کا کیا مقصد ہے؟۔

مومن و کافر کا فرق کفار و منافقین کو خدا و رسول کی بتائی ہوئی باتوں پر ایمان نہیں اسی وجہ سے وہ ہر ہر بات میں موشگافیاں کرتے رہتے ہیں یہ کیوں اور وہ کیوں؟ اللہ سبحانہ نے بھی یہی چاہا کہ وہ اس گورکھ دھندے میں پھنسے رہیں کبھی اس سے نکلنے نہ پائیں اہل ایمان کا حال اس سے بالکل جداگانہ ہے۔ مومن کو جہاں یہ معلوم ہوا کہ اللہ سبحانہ کا

یہ حکم ہے اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے تو چون وچرا سے انکو کوئی غرض نہیں وہ بلا توقف اور بغیر کسی پس وپیش کے آمنّا وصدّقنا کہتے ہیں۔
چھٹی حکمت اس میں یہ ہے کہ کفار ومنافقین چون وچرا کرتے ہوئے راہ حق سے بھٹکتے پھریں اور مخلص مومن کسی تردد کو اپنے دل میں جگہ دئے بغیر خدا اور رسول کی بتائی ہوئی راہ پر یقین کرکے صراط مستقیم پر گامزن ہیں اور سیدھے منزل مقصود پر جا پہنچیں۔ اور بھولے سے بھی ادھر ادھر نہ دیکھیں کہ اس سے منزل کھوٹی ہونے کے سوا اور کچھ حاصل نہیں۔ ولا یلتفت منکم احد وامضوا حیث تؤمرون۔

۱۹ فرشتے عہدہ دار ہیں یہاں یہ بھی یاد رہے کہ جو تعداد اوپر بتائی گئی وہ افسروں اور اعلیٰ عہدہ داروں کی ہے ورنہ ان انگنت دوزخیوں کی سزادہی کے لئے جو عملہ مقرر ہے ان کی تعداد کون جان سکتا ہے؟ چنانچہ ارشاد الٰہی ہو رہا ہے: ــ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ۔ اللہ سبحانہ کی فوجوں کو اس کے سوا اور کوئی جانتا تک نہیں" کہ ان کی تعداد کیا ہے۔ نہ فرشتوں کی تعداد کوئی بتا سکتا ہے اور نہ صرف دوزخ پر کتنے فرشتے متعین ہیں ان کی گنتی کوئی بتا سکتا۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسے بیشمار لشکر ہیں چیونٹیوں کی ایک فوج ہے۔ پروانوں کا ایک لشکر ہے۔ ایسی کتنی افواج اور کتنے لشکر ہیں کوئی کیا جانے؟ اور ہر لشکر اور فوج میں کتنے افراد ہیں ان کی گنتی

کون معلوم کرے۔ اگر کسی کی تعداد بتائی جائے بھی تواس سے ہمارا کیا مفاد وابستہ ہے؟ اور اگر نہ بتائیں تو اس میں ہمارا کیا نقصان ہے؟ مومن کو اپنے فرض سے غرض ہے۔ باقی دوسری غیر متعلق چیزیں سد راہ بننے کے سوا اور کچھ نہیں۔ بس ہمارا کام یہی ہے:۔ آمنّا وصدّقنا۔

ذکرٰی للبشر کی تفسیر | وَمَاهِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ۔ اور یہ آیات کریمہ تو صرف انسان کو اس کے مقصد کی یاد دہانی اور اس کے مطلوب کی یاد تازہ کرنے کیلئے ہی اتاری گئی ہیں۔" اپنے مقصود اصلی سے ہٹ جانا گمراہی ہے۔ حضرت مقاتل فرماتے ہیں:۔ هذا جواب ابی جهل حين قال مالمحمد اعوان الا تسعة عشر۔ اس آیہ کریمہ میں ابوجہل کو جواب دیا گیا ہے جبکہ اس نے کہا تھا کہ محمدؐ کی اعانت کرنے والے صرف (۱۹) ہیں۔" حضرت عطاء آیہ کریمہ وما يعلم جنود ربك الاهو کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ یعنی الملائكة الذين خلقهم لتعذيب اهل النار لايعلم عدّتهم الا الله ۔ مراد یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے اہل دوزخ کو عذاب دینے کیلئے جن فرشتوں کو پیدا کیا ہے ان کی گنتی اللہ کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں۔" (۱۹) تو صرف عہدہ دار ہیں۔

جنود اللہ کا بیان | جنود اللہ کے اقسام اور ہر ایک قسم کے تحت افراد کتنے ہیں یہ تو معلوم ہو چکا کہ اس کی تفصیلی تعداد اللہ سبحانہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ البتہ

اجمالی طور پر علمائے کرام کی تحقیقات حسب ذیل ہیں:۔

ایک قول یہ ہے کہ تمام جنود اللہ میں ملائکہ کرام کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔

یہ اس حدیث شریف پر مبنی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اطّت السمآء وحقّ لھا ان تئط مافیھا موضع قدم الا وفیہ ملک قائم او راکع او ساجد۔ آسمان دب کر جھک پڑا اور اس کو جھک جانا ہی چاہیئے۔ اس میں ہر قدم پر ایک ایک فرشتہ ہے' کوئی کھڑا ہوا ہے' کوئی رکوع کرتا ہوا ہے اور کوئی سجدہ کرتا ہوا ہے"۔ پھر کام پر لگے ہوئے جو فرشتے ہیں وہ ان کے علاوہ ہی ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملائکہ کرام کی تعداد' دیگر مخلوقات سے بڑھی ہوئی ہے۔

دوسرا قول بعض احادیث شریفہ میں ہے:۔ انّ مخلوقات البرّ عشر مخلوقات البحرٖ والمجموع عشر مخلوقات الجوّ والمجموع عشر ملائکۃ السماء الدنیاؕ والمجموع عشر ملائکۃ السماء الثانیۃ وھکذا الی السماء السابعۃ والمجموع عشر ملائکۃ الکرسی والمجموع عشر الملائکۃ الحافین بالعرش والمجموع اقلّ قلیل بالنسبۃ الی مالا یعلمہ الا اللہ (روح المعانی) خشکی کے مخلوقات' سمندر کے مخلوقات کا دسواں حصہ ہیں۔ اور ان دونوں کا مجموعہ' فضا کے مخلوقات کا دسواں حصہ ہے۔ اور سب کا مجموعہ سماء دنیا کے فرشتوں کا دسواں حصہ ہے۔ اور ان کا مجموعہ دوسرے آسمان کے

فرشتوں کا عُشر ہے۔ اسی طرح یہ سلسلہ سات آسمانوں تک ہے۔ پھر ان سب کا مجموعہ ملائکہ کرسی کا دسواں حصہ پھر ان تماموں کا مجموعہ عرش اعظم کو گھیرے ہوئے فرشتوں کا دسواں حصہ ہے اور ان سبھوں کا مجموعہ جنود اللہ کے مقابلہ میں جن کا علم اللہ سبحانہ کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں۔ اقل قلیل یعنی کم سے کمتر ہے"

عدد (۱۹) کی توجیہ رہا یہ امر کہ زبانیہ کی تعداد (۱۹) کیوں ہے؟ اس باب میں کوئی حدیث مرفوع نہیں ملی۔ مفسرین کرام نے مختلف توجیہات فرمائی ہیں۔ ازاں جملہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی قدس سرہٗ نے اپنی تفسیر فتح العزیز میں جو توجیہ فرمائی ہے اس کو علمائے کرام نے پسند کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دوزخ غضب الٰہی کا مظہر ہے جیسا کہ جنت رحمت الٰہی کا مظہر ہے۔ اگر تجلی رحمت ہوتی ہے تو تمام مخلوقات کے روحانیین سامان رحمت کی فراہمی میں مشغول ہو جاتے ہیں اور جو غضب کی تجلی ہو تو سب کے سب غضب کے اسباب فراہم کرنے لگتے ہیں۔ روحانیین کا تعلق امور ذیل سے ہے:—

عرش اعظم، کرسی، فلک ہفتم، ششم، پنجم، چہارم، سوم، دوم، اول، کرۂ نار، کرۂ ہوا، کرۂ آب، کرۂ خاک، معدنیات، حیوانات، نباتات، طبیعت، قلب، عقل، یہ (۱۹) ہوئے۔

غضب الٰہی کے موقع پر یہ جملہ روحانیین جو اس عالم کے رؤسا ہیں اپنے بیشمار اصحاب ملائکہ کرام کے ساتھ

سامان غضب کی فراہمی میں لگ جاتے ہیں تو پورا دوزخ غضب الٰہی کا مظہر بن جاتا ہے جس سے دوزخیوں کا چھوٹنا محال ہے۔ پھر حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے ہر شعبہ کی تفصیل ایک دلچسپ انداز میں فرمائی ہے جو قابل دید ہے یہاں اس کی گنجائش نہیں۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ (۱۹) کے عدد سے انسان کے اعضاء و جوارح کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے جن سے کفر و معاصی سرزد ہوتے ہیں جن کی بنا پر سزا دی جاتی ہے۔ قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں صراحت ہے کہ کن اعضاء و جوارح سے کیا کیا جرائم سرزد ہوتے ہیں اور ہر جرم کی کیا سزا مقرر ہے۔ یہاں اس کی تفصیل موجب طوالت ہوگی۔ وہ اعضاء و جوارح حسب ذیل ہیں:—

چہرہ، ابرو، کان، آنکھ، ناک، رخسار، ہونٹ، زبان، گردن، سر
دماغ، پیٹ، سینہ، دل، پیٹھ، فرج، دبر، ہاتھ، پاؤں، یہ بھی (۱۹) ہوئے۔

جس طرح محابس اور جیل خانوں میں جرائم کی نوعیت کے اعتبار سے ایک ایک نوع کے مجرمین کے لئے علیحدہ علیحدہ سزائیں تجویز کی جاتی ہیں یا دواخانوں میں نوعیت مرض کے لحاظ سے جداگانہ دوائیں رکھی ہوتی ہیں اور ہر مرض کا طریقہ علاج علیحدہ مقرر ہے۔ اور ان کے معالجین خصوصی الگ الگ ہیں۔ اسی طرح کفار و مجرمین کی سزائیں بھی جرم کی نوعیت کے مطابق جدا اور ان کو سزا دینے والے جدا اور اس کے نگران بھی جدا جدا سمجھ لینا چاہیے۔ حضرت

شاہ صاحبؒ نے بھی دوسرے طریقہ سے ایسا ایما فرمایا ہے۔

فقہائے کرام کا ارشاد فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ عموماً اعداد جو قرآن کریم یا احادیث شریفہ میں بیان فرمائے گئے ہیں ان کا حقیقی راز عقل انسانی دریافت نہیں کر سکتی مثلاً سات آسمان، یا ستۃ ایام میں کائنات کی تخلیق، سبع سیارہ، طبقات الارض، ہفتہ اور مہینہ کے ایام، سال کے بارہ مہینے، نصاب زکاۃ مثلاً دو سو درم چاندی یا بیس مثقال سونے پر پانچ درم یا نصف مثقال زکاۃ کی ادائی، کفارۂ قسم میں تین دن کے روزے یا دس محتاجوں کو کھانا کھلانا یا ان کو لباس دیدینا، اور کفارۂ ظہار یا صوم میں متواتر دو مہینے تک روزہ رکھنا، یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا، پانچ وقت کی نمازیں اور ہر نماز ان کی رکعتوں کی تعداد، رمضان کے روزے، زانیہ وزانی کو (۱۰۰) تازیانوں کی اور تہمت لگانے والوں کو (۸۰) تازیانوں کی سزا وغیرہ وغیرہ کہ یہ اعداد کیوں اور کس بنا پر ہیں؟ چونکہ عقل انسانی اس کا راز دریافت نہیں کر سکتی لہٰذا انسان اس کا مکلف بھی نہیں ہے۔ اور نہ فقیہ کو اس سے بحث ہے۔ جیسے آیات متشابہات، مومن کا کام صرف اسی حد تک ہے کہ بتلائے ہوئے عدد پر ایمان رکھے اور اس کے اسرار کو خدا اور رسول کے تفویض کرے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

متکلمین یعنی ماہرین علم کلام اور حکما و فلاسفۂ اسلام وغیرہم کے بھی اقوال ہیں۔

اور ہر گروہ نے اپنے اپنے نقطۂ نظر سے توجیہات کی ہیں مگر بقول فقہائے کرام ہم اس کے مکلف ہی نہیں تو اسی حد پر اکتفا کی جاتی ہے۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ۙ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ۙ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ۙ اِنَّهَا 74-32 74-33
لَاِحْدَى الْكُبَرِ ۙ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ۙ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ 74-34 74-35
اَوْ يَتَاَخَّرَ ۙ 74-36 74-37

کچھ نہیں قسم ہے چاند کی اور رات کی جب پیٹھ پھیرے اور صبح کی جب روشن ہووے، وہ ایک ہے بڑی چیزوں میں کی ڈرانے والی ہے لوگوں کو، جو کوئی چاہے تم میں سے آگے بڑھے یا پیچھے رہے ؏

کلا والقمر کی تفسیر کفار کا یہ استہزاء کہ دوزخ پر متعین کئے ہوئے یہ انیس ۱۹ داروغے ہم سینکڑوں، ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں کا کیا بگاڑ سکیں گے۔ یا ابوجہل لعین اور اس کے ساتھیوں کا یہ زعم کہ ایک ایک داروغہ کو، ہمارے دس دس آدمی گرفتار کرلیں گے یا اس کے ساتھی پہلوان کی یہ بکواس کہ وہ اکیلا سترہ کا یا سب کا مقابلہ کرلے گا، ان میں سے ایک بات بھی لائق التفات نہیں۔ یہ جاہلیت کی تاریکی میں پھنسے ہوئے گمراہوں کی باتیں ہیں جو حقیقت سے ناآشنا اور علم صحیح سے کوسوں دور رہنے کی بنا پر ان کی زبان پر جاری ہو رہی ہیں۔ چاند کی قسم ہے جو رات کی تاریکی کو حکم خدا سے اپنے مقررہ بڑھاؤ کے اعتبار سے یوماً فیوماً دور کرتا اور اپنے مقررہ گھٹاؤ سے ان کو

غور و فکر کا موقع دیتا رہتا ہے۔ ایک حال پر چاند کو قیام نہیں۔ ہمیشہ اس کا بڑھاؤ گھٹاؤ مقررہ حد پر جاری ہے۔ اسی طرح کفار کتنی ہی بڑی تعداد میں ہوں اور کیسے ہی مال دار اور قوی ہوں، اللہ سبحانہ کی قدرت کاملہ کے آگے ان کا کوئی وزن نہیں۔ وقت آنے پر ان کی ایک نہ چلیگی۔ سب ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔

واللیل اذ ادبر کی تفسیر نیز قسم ہے رات کی جبکہ وہ اپنی پوری تاریکی دکھانے کے بعد پیٹھ پھیر کر چلی جائے۔ رات کا یہ عمل بھی روزانہ جاری ہے کہ وقت مقرر پر رات اپنی تاریکیوں کے ساتھ آتی اور مقررہ ساعات ختم ہونے پر وہ چلی جاتی ہے جس طرح کوئی مہمان رات آتا اور صبح چلا جاتا ہے۔ اس میں بھی یہ بتانا منظور ہے کہ کفر و معصیت کی تاریکی یا جہل و ضلالت کی ظلمت کو قیام نہیں۔ وقت آرہا ہے کہ یہ ساری ظلمت کافور ہو۔ پھر اس کے ساتھ ہی کفر اور اس کے یہ بلند بانگ دعوے ختم ہوں۔

حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے آیۂ کریمہ واللیل اذ ادبر کی تفسیر پوچھی کہ رات پیٹھ پھیر کر کب جاتی ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے اس وقت تو کوئی جواب نہ دیا۔ حتی اذا کان من آخر اللیل وسمع الاذان الاول نادانی یا مجاھد ھذا حین دبر اللیل۔ (مسند عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) تاآنکہ رات کی آخری ساعت آگئی اور پہلی اذان سُنی۔ (حرمین شریفین میں

دستور ہے کہ فجر کی دو اذانیں ہوتی ہیں۔ پہلی صبح صادق سے کچھ پیشتر۔ اس کو اذان تہجد یا اذان فجر اول کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی حرم شریف نبوی کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور لوگ جو پیشتر سے دروازوں پر منتظر رہتے ہیں مسجد شریف نبوی میں حاضر ہو کر اذکار و نوافل میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ پھر صبح صادق نمودار ہوتے ہی دوسری اذان کہی جاتی ہے اس پر لوگ سنتوں سے فارغ ہو کر فریضۂ فجر باجماعت ادا کرتے ہیں۔ جب حضرت ابن عباسؓ نے اذان اول سنی) تو مجھے آواز دی کہ مجاہد! رات کے پیٹھ پلٹا کر چلی جانے کا وقت یہی ہے"۔

والصبح اذا اسفر کی تفسیر | نیز قسم ہے صبح سویرے کی جب وہ روشن ہو جائے"۔

اور لوگ نماز فجر سے فراغت پا کر اپنے کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ گویا عالم دنیا اور عالم آخرت کا یہی حال ہے کہ عالم دنیا کی آفرینش اور اس کا نشو و نما نیز اس کے تغیرات و فنا کا عالم، چاند کے بڑھتے گھٹتے بدر اور ہلال بنتے رہنے کے مشابہ ہے۔ دنیا داروں کی غفلت اور جہالت، رات کی تاریکی کے مانند ہے کہ وہ کتنا ہی اپنا زور دکھائے مگر اس کو پائداری نصیب نہیں۔ اس کو پیٹھ پلٹانا ہی پڑے گا۔ ساری تاریکیاں اور غفلتیں چھٹ جائینگی اور روز روشن نمودار ہوگا۔ اسی طرح روز قیامت کا ہوگا تو اس دن ہر چھپی ہوئی چیز ظاہر ہو کر رہیگی۔ ع روز محشر ہر نہاں پیدا شود۔ اس وقت

کفار کی آنکھیں کھلیں گی کہ انبیاء علیہم السلام نے جو کچھ فرمایا تھا وہی حق ہے۔ لیکن آج یہ بیداری ان کے کچھ کام نہ آئیگی۔

کفر کے اقسام قیامت کا دن کیا ہے؟ ہولناک واقعات اور امور عظام کے ظہور کا دن ہوگا۔ از انجملہ ایک سقر یعنی دوزخ بھی ہے وانھا لاحدی الکبر وہ دوزخ بھی امور عظیمہ میں سے ایک بڑی ہی مصیبت گاہ ہے جو اشد کافروں کیلئے ہمیشہ ہمیشہ سزایاب ہونے کی جگہ بتائی گئی ہے۔ جس میں سخت ترین عذاب مقرر کئے گئے ہیں۔ گناہوں کے جیسے اقسام ہیں۔ کفر کی بھی چار قسمیں ہیں۔ ایک کفر شک جو اس شک میں پڑے ہوئے تھے کہ قرآن کریم درحقیقت اللہ کی کتاب ہے اور حضور اکرم فی الواقع نبی مرسل ہیں یا کیا؟ چنانچہ قرآن کریم میں ہے:۔ بل ھم فی شك من ذکری۔ اور کچھ نہیں، یہ لوگ ہماری کتاب سے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔" دوسرا کفر جہل، جو حق کو ناحق اور ناحق کو حق سمجھتے تھے۔ ان کی نسبت قرآن کریم میں فرمایا گیا:۔ اکثرھم لا یعقلون، اکثر الناس لا یعلمون۔ بل ھم قوم یجھلون، ان میں کے اکثر عقل ہی نہیں رکھتے، اکثر لوگ نہیں جانتے، بلکہ یہ قوم ہی جاہل ہے۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں جو لوگ مکہ میں تھے عموماً وہ ان ہی دو قسموں میں بٹے ہوئے تھے کسی کو شک اور تردد تھا

اور کوئی جہل و نادانی میں مبتلا تھا۔ چنانچہ جب ان کا شک رفع ہوگیا اور حضور انور
کی صداقت کا ان کو علم ہوگیا تو وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ تیسرا کفر جحود؛ یہود و
نصاریٰ جو اہل کتاب تھے اور ان کو اپنی کتابوں سے اچھی طرح معلوم تھا کہ نبی آخرالزماں
علیہ صلوات الرحمان؛ مکہ مکرمہ میں ظہور پذیر ہوں گے۔ جن کی یہ یہ نشانیاں ہونگی۔
ان پر بھی ایمان لانا ضروری ہے بغیر اس کے نجات نہیں۔ اتنا سب کچھ دل سے
جانتے بوجھتے ہوئے دیدہ و دانستہ؛ زبان سے اقرار نہیں کرتے تھے اور حق کو چھپاتے
تھے۔ ان کی نسبت ارشاد الٰہی ہوا:۔ الذین آتیناھم الکتاب یعرفونه
کما یعرفون ابناءھم وان فریقا منھم لیکتمون الحق وھم یعلمون۔
جن کو ہم نے کتاب دی وہ حضور انور کو پہچانتے ہوئے ہیں جیسا وہ اپنے بچوں کو
پہچانتے ہیں۔ اور ان میں کا ایک گروہ یقیناً حق کو چھپاتا ہے درحالیکہ وہ سب
جانتے ہیں۔" نیز فرعون اور فرعونیوں کے حق میں فرمایا:۔ وجحدوا بھا
واستیقنتھا انفسھم ظلما وعلوا۔ ان لوگوں نے (ہماری آیات کا) انکار
کیا درحالیکہ ان کے نفوس ان کا یقین کر چکے تھے اور یہ انکار صرف ہٹ دھرمی
اور شان بتانے کی خاطر تھا۔" چوتھا کفر عناد؛ کہ حق کی شناخت اچھی طرح ہو جانے
کے بعد بھی اس کے رد و ابطال کے درپے ہیں۔ اور دلائل حق کے مقابلہ میں اپنے

رکیک شبہات اور توہمات واہیات کو پیش کئے جائیں۔ ولید بن مغیرہ اور ابو جہل وغیرہ کا کفر اسی نوعیت کا تھا جیسا کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے ولید پلید کی نسبت فرمایا انّہ کان لاٰیاتنا عنیدا۔ یقیناً وہ ہماری آیات کے ساتھ (بے وجہ) سرکشی کر رہا ہے "اسی عناد کے باعث ایسے لوگ اخیر تک کفر ہی پر اڑے رہے۔ اور مرتے دم تک ان کو ایمان نصیب نہ ہوا۔ خسر الدنیا والآخرۃ۔ ایسے ہی معاندین کے لئے سقر کا عذاب ہے۔ اور اسی کی نسبت فرمایا گیا ہے :— وانّھا لاحدی الکبر۔ اور یہ سقر قیامت کی دوسری ہولناک مصیبتوں میں سے ایک بہت ہی بڑی مصیبت ہے "

نذیرا للبشر کی تفسیر نَذِیْرًا لِّلْبَشَرِ۔ جو نوع بشر کو ڈرانے کیلئے (پیش از پیش) سنادی جا رہی ہے" وقت آنے سے پیشتر ایسے مہمات سے آگاہ کر دینا یہ بھی بڑی عنایت اور مہربانی ہے خدائے رحمان و رحیم کی کہ اس کے بعد مجرم کے لئے کوئی حجت باقی نہیں رہتی۔ اور نہ کسی قسم کی عذر تراشی کا موقع باقی رہتا ہے۔ بعض مفسرین کرام نے نذیرا للبشر کو قم فانذر کا مفعول لہٗ قرار دیا ہے۔ گویا یوں ارشاد ہو رہا ہے :— یاایّھا المدّثّر قم نذیرا للبشر فانذر۔ اے لحاف میں لپٹنے والے! تمام نوع بشر کو ڈر سنانے کے لئے اٹھئے اور ان سب کو

ڈرسنایئے" اس صورت میں بھی معنی درست ہو جاتے ہیں مگر فعل اور مفعول لہ میں فاصلہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہم نے یہ معنی اختیار نہیں کئے۔ واللہ اعلم۔

یتقدم و یتاخر کی تفسیر | لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ۔

یعنی بنی نوع بشر کو آگاہ کرنے کے لئے جو طریقہ اختیار کرنا تھا کیا گیا۔ اب اسکے بعد سننے والے کے اختیار اور پسند کی بات ہے کہ وہ نورِ ایمان حاصل کر کے سعادت اور جنت کی طرف آگے بڑھے یا کفر و معصیت کی تاریکی اور دلدل میں پھنسکر پیچھے رہ جائے" یہ آیۂ کریمہ ٹھیک اس آیۂ شریفہ کے ہم مضمون ہے:۔ فمن شآء فلیؤمن ومن شآء فلیکفر۔ اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے" حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ من شآء اتبع طاعة الله ومن شآء تاخر عنها۔ (ابن جریر) جو چاہے اللہ سبحانہ کی طاعت کی راہ اختیار کرے اور جو چاہے اس سے پیچھے رہ جائے" حضرت قتادہؓ سے بھی اسیطرح مروی ہے (عبد بن حمید) حضرت حذیفہؓ نے فرمایا:۔ ما من صباح ولا مساء الا ومناد ینادی ایها الناس الرحیل الرحیل وتصدیق ذلك فی کتاب الله انها لاحدی الکبر الی یتاخر۔ (ابن ابی الدنیا) ہر صبح و شام کو منادی فرشتہ ندا کرتا رہتا ہے کہ لوگو! چل کوچ کے لئے تیار رہو۔ اور بڑھے جاؤ

اس کی سند کتاب اللہ میں موجود ہے۔ چنانچہ آپ نے یہی آیات احدی الکبر سے
یتاخر تک پڑھ کر سنا دیں۔"

كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ۝ إِلَّآ أَصْحَٰبَ ٱلْيَمِينِ ۝ 74-38 74-39
فِى جَنَّٰتٍ يَتَسَآءَلُونَ ۝ عَنِ ٱلْمُجْرِمِينَ ۝ مَا سَلَكَكُمْ فِى سَقَرَ ۝ 74-40 74-41 74-42

ہر ایک جی اپنے کیے ہوئے کاموں میں پھنسا ہوا ہے مگر داہنی طرف والے باغوں میں
ہیں مل کر پوچھتے ہیں گنہگاروں کا حال تم کاہے سے جا پڑے دوزخ میں؟"

رھینۃ کی تفسیر آیت سابقہ میں ہر شخص کو اختیار دیا گیا تھا کہ جو چاہے نیکی کی
راہ اختیار کر کے جنت کی طرف آگے بڑھتا چلا جائے یا بُری راہ لے کر پیچھے رہ جائے۔
لیکن یہ یاد رہے کہ جو قویٰ اور صلاحیتیں دی گئی ہیں وہ امانات الٰہیہ ہیں ان کا
حساب لیا جائے گا اگر ان کو خالق کائنات کی مرضی کے خلاف استعمال کیا گیا تو اسکی
پا بجائی کرائی جائے گی۔ جس طرح کوئی کسی سے قرض لیتا ہے تو اس کی پا بجائی کیلئے
کوئی چیز قرض کے بدلے میں رہن لی جاتی ہے تاکہ قرض ادا نہ کرنے کی صورت میں
اس رہن سے قرضے کی پا بجائی کی جائے۔ اسی طرح ہر مکلف کو جو قویٰ اور صلاحیتیں
دی گئی ہیں وہ اس کی ملک نہیں بلکہ مالک الملک کی ملکیت ہے اور اسکی ذمہ داری
مکلف کی ذات پر ہے۔ مکلف کی ذات رہن ہے۔ وہ اپنی ذمہ داری سے

سبکدوش نہیں ہو سکتا تا آنکہ لیا ہوا قرض یا حاصل کی ہوئی امانت مالک الملک کو صحیح و سالم نہ پہنچادی جائے۔ اگر اس امانت کو ضائع کر دیا جائے یا اس میں کوئی نقص رہ جائے تو اس کی ذات سے پابجائی کرائی جائیگی۔ یہ حکم ہر انسان اور جنّ سے متعلق ہے۔ کلّ نفس بما کسبت رھینۃ کی یہ تفسیر ہوئی۔

اصحاب الیمین کی تفسیر | اِلَّآ اَصۡحٰبَ الۡیَمِیۡنِ۔ مگر داہنی طرف والے " وہ اس حکم سے مستثنےٰ ہوں گے۔ یہ اصحاب الیمین کون ہیں؟ اس باب میں اقوال ہیں:-

۱۔ مقاتلؒ جو ائمۂ تفسیر سے ہیں فرماتے ہیں:- ھم اھل الجنّۃ الذین کانوا علی یمین آدم یوم المیثاق قال لھم اللہ ھٰؤلآء الی الجنۃ ولا ابالی۔ اصحاب الیمین (داہنے ہاتھ کی طرف والے) جنتی لوگ ہیں جو روز میثاق میں حضرت آدم علیہ السلام کی داہنی جانب تھے جن کی شان میں اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ یہ سب جنت کی راہ لینے والے ہیں۔ (ہر چند کہ ان کی تعداد از آدم تا ایں دم بہت کثیر ہے لیکن ان سب کو داخل جنت کرنے میں) مجھے کچھ پرواہ نہیں "

۲۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:- الذین یعطون کتبھم بایمانھم۔ اصحاب الیمین وہ لوگ ہیں جن کے نامہ ہائے اعمال (قیامت کے دن) ان کے داہنے ہاتھوں میں دئے جائیں گے "۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعب احبار سے فرمائش کی کہ آخرت کی

حدیث سنا ؤ تو انھوں نے بیان کیا:۔ یا امیر المؤمنین اذا کان یوم القیامة وضع اللوح المحفوظ فلم یبق احد من الخلائق الا ھو ینظر الی عمله ثم یؤتی بالصحف التی فیھا اعمال العباد فتنشر من حول العرش ثم یدعی المؤمن فیعطی کتابه بیمینه فینظر فیه۔ امیر المؤمنین! جس دن قیامت ہوگی تو لوحِ محفوظ لوگوں کے سامنے رکھدی جائیگی۔ پھر مخلوقات میں سے ہر کوئی اس میں اپنا عمل دیکھ لیگا۔ پھر صحیفے لائے جائیں گے جن میں بندوں کے اعمال لکھے ہوں گے۔ ان کو عرش اعظم کے اطراف رکھ کر کھولا جائیگا۔ پھر ایک ایک مومن کو بلا کر اس کا اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا جس کو وہ دیکھتا جائے گا۔"

۳۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔ ھم المؤمنون المخلصون۔ اصحاب الیمین سے یہاں مراد مومنین مخلصین ہیں۔" یعنی مومنین کاملین (اولیائے کرام اور علمائے ربانیین) جن کے کارنامے روشن ہیں جو بلا حساب وکتاب جنت میں داخل ہوں گے۔ قدس اللہ اسرارہم وافاض علینا من فیوضھم و برکاتھم۔

۴۔ حضرت قاسمؒ فرماتے ہیں:۔ کل نفس ماخوذة بکسبھا من خیر او شر الا من اعتمد علی الفضل فان کل من اعتمد علی الکسب رھین ومن اعتمد علی الفضل فھو غیر ماخوذ۔ ہر کوئی اپنے کمائے ہوئے کاموں میں گرفتار رہیگا، کمائی اچھی ہو یا بُری

مگر جس کا اعتماد فضل پر ہو وہ اس سے مستثنیٰ ہوگا۔ کیونکہ جس کا اعتماد اپنی کمائی پر ہوگا وہ (اس کے محاسبہ میں پھنسا رہیگا۔ نیک کام کیا ہے تو اس کا اجر و ثواب حساب کرکے لینے کے لئے۔ اور اگر برا کام کیا ہے تو اس کی جواب دہی کے لئے۔) اور جس کا اعتماد فضل پر ہوگا وہ گرفتار ہی نہ ہوگا۔"

۵۔ حضرت مولائے کائنات سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا:۔
انّھم اطفال المسلمین لم یکسبوا فیرھنوا بکسبھم۔ اصحاب الیمین، مسلمانوں کے بچے ہیں (جن کا لڑکپن ہی میں انتقال ہوا) ان کو عمل کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی تو عمل کے سلسلہ میں ظاہر ہے کہ وہ کیوں ماخوذ ہوں گے؟

فقیر عرض کرتا ہے کہ یہ بطور تمثیل ہے آیۂ کریمہ کے مفہوم کو قریب الی الفہم کرنے کے لئے اطفال مسلمین کی مثال بیان فرمائی گئی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ اصحاب الیمین کا انحصار اطفال مسلمین میں نہیں ہے۔

فی جنّٰت کی تفسیر | فِیْ جَنّٰتٍ۔ اصحاب الیمین باغوں میں ہوں گے۔" یہاں جنّات کو نکرہ لانے سے اس امر کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ ان میں جنتیوں کیلئے جو تیاری کی گئی ہے اور جو جو نعمتیں مہیا ہیں اور خود وہ باغات کیسے دلکش، خوشنما، آرام دہ اور سہانے ہیں اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ کسی تقریر یا تحریر کے ذریعہ

اس کی تفصیلات بتائی جاسکتی ہیں۔ اس کا تعلق تو کچھ دیکھنے ہی سے ہے۔

یتساءلون کی تفسیر یَتَسَآءَلُونَ عَنِ الْمُجْرِمِینَ مَا سَلَکَکُمْ فِی سَقَرَ - مل کر پوچھتے ہیں گنہگاروں کا حال، تم کاہے سے جاپڑے دوزخ میں؟ یہ سوال و استفسار بظاہر اس بنا پر ہے کہ دنیا میں مومن اور کافر ایک ساتھ رہتے تھے۔ اور سب کی بود و باش زمین پر تھی۔ وقت آخر آن پہنچا تو دونوں فریق زیر زمین دفن کیے گئے قیامت میں سب اپنی قبروں سے ایک ساتھ اٹھے۔ پھر حساب، میزان وغیرہ کے مراحل درپیش ہوئے تو وہاں بھی ساتھ ساتھ تھے۔ صدور فیصلہ کے بعد مومنین جنت میں بھیج دیے گئے اور کفار دوزخ میں جھونکے گئے۔ تو اس دیرینہ معیت اور ساتھ رہنے کا تقاضا ہے کہ ہر ایک فریق، دوسرے کا حال دریافت کرے۔ کیونکہ یہ گروہ عرصہ سے نظر نہیں آرہا ہے۔

مجرمین کی خبر گیری منجانب اہل جنت اس بنا پر ابتداءً مومنین آپس میں ایک دوسرے سے پوچھتے رہیں گے کہ فلاں فلاں جو ہمارے ساتھ رہتے تھے وہ کیا ہوئے کہاں گئے۔ ظاہر ہے کہ ایک مومن دوسرے مومن کو کیا جواب دے سکیگا۔ اس لئے وہ سب لاعلمی ظاہر کریں گے۔ پھر وہ فرشتوں سے دریافت کریں گے۔ یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کافروں کو دوزخ میں لیجانے کا فیصلہ چونکہ اہل ایمان سن چکے تھے تو

قدیم مصاحبت کی بنا پر کبھی ان کی یاد آجائے اور دریافت حال کرنے کا شوق پیدا ہو
اور اللہ سبحانہ ان کے شوق کی تکمیل فرمائے۔ چنانچہ ایک روایت یوں ہے :—

ان اللہ یطلع اھل الجنۃ وھم فی الجنّۃ حتّٰی یروا اھل النار وھم فی النار فیسئالوھم۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ اہل جنت کو جنت ہی میں رکھ کر اور دوزخ والوں کو دوزخ ہی میں پڑے رکھ کر دوزخیوں کے احوال پر اہل جنت کو مطلع کرنے کا انتظام فرمادیگا اور وہ دوزخیوں سے ان کا حال دریافت کریں گے" جیسا کہ دنیا میں بھی ایک مقام کے لوگ دوسرے دور دراز مقامات پر رہنے والوں کا حال خط، تار، ٹیلیفون لاسلکی وغیرہ ذرائع سے دریافت کرتے ہیں۔ فی زمانناٹیلی ویزن کی ایجاد نے تو مزید سہولت پیدا کردی ہے کہ اس میں متکلم اور مخاطب کی تصاویر تک ایک دوسرے کے سامنے آجاتی ہیں۔ یہ تو ٹیلیفون، لاسلکی، ٹیلی ویزن کے موجدین کی ایجادات ہیں۔ع اللہ سبحانہ جو

ع۔ فی زماننا جس قدر ایجادات ہو رہی ہیں انکی حقیقت یہ ہے کہ ان کے اجزائے ترکیبی اللہ سبحانہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ موجدین صرف ان کو جوڑتے ہیں۔ جوڑنے کا طریقہ بھی اللہ پاک نے ان کو سمجھا دیا۔ کیوں کہ دل، دماغ، حواس خمسہ ظاہری اور حواس خمسہ باطنی تجربہ۔ مشاہدہ یہ بھی اللہ پاک کے بنائے اور پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اب اگر کسی انسان نے ان قویٰ و استعدادات و ملکات کو کام میں لا کر کوئی نئی ایجاد کی تو وہ بھی اللہ سبحانہ کی رہنمائی ہوئی۔ ان کی صرف محنت و توجہ ہے وہ بھی منجانب اللہ۔ ارشاد ہے :—

واللہ خلقکم وما تفعلون۔ اور اللہ ہی نے تم کو پیدا کیا اور جو اعمال تم کرتے ہو وہ بھی اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں"

تمام موجدین کا خالق حقیقی ہے اس کا انتظام واہتمام اس سے بھی زیادہ موثر و کامیاب ہے کہ
جنت میں بیٹھکر دوزخیوں کا حال بالمشافہ، بغیر کسی آلہ اور ذریعے کی وساطت کے راست دریافت
کرلو۔ جیساکہ روایت بالا سے معلوم ہوا۔ لہذا جنتی لوگ، دوزخیوں سے پوچھیں گے کہ تم یہاں
کیوں آئے۔ آنے کا سبب گو پیشتر سے معلوم ہے مگر یہاں ان کی زبان سے اقرار کراتا ہے
اس سے اہل جنت کے لطف میں اور اہل دوزخ کے رنج میں اور اضافہ ہوگا۔ دوزخیوں کیلئے
انکار یا کسی تاویل کی گنجائش تو نہیں رہیگی ان کو صاف صاف جواب دینا اور اپنے قصور کا
اعتراف کرنا ہوگا۔ چنانچہ وہ یوں جواب دیں گے:۔

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۙ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۙ 74-43 74-44
وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ۙ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۙ حَتّٰى 74-45 74-46
اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ؕ وہ بولے ہم نہ تھے نماز پڑھنے والوں میں اور نہ ہم کھانا کھلاتے 74-47
تھے محتاج کو، اور ہم گھستے تھے بحث میں گھسنے والوں کے ساتھ، اور ہم جھٹلاتے تھے
انصاف کے دن کو، یہاں تک کہ آن پہنچی ہم پر وہ یقینی بات "۔

کفار کا حسرت بھرا جواب کفار کہیں گے۔ بھائی! کیا پوچھتے ہو کہ ہم یہاں
کیوں آئے اور کس بنا پر لائے گئے؟ ایک دو سبب تھوڑے ہیں۔ یہاں آنے کے
بے شمار اسباب ہیں۔ کہاں تک ان کو گن بتائیں۔ مختصراً یہ سن لیجئے:۔

۱۔ لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۔ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے بلکہ ہمارا شمار تک نماز پڑھنے والوں میں نہ تھا" نماز نہ پڑھنا فسق ہے اور جو شخص مسلمان ہے مگر نماز نہیں پڑھتا وہ شرعاً فاسق ہے۔ اس کا شمار نماز پڑھنے والوں میں ہے مگر غفلت اور کم بختی اس پر سوار ہے جس کے باعث وہ ادائے فرض کی جانب متوجہ نہیں ہے ایسا شخص سزا کا مستحق ہے۔ مگر دائمی سزا نہیں بلکہ بقدر گناہ۔ دوسرا وہ ہے جو نماز ہی کا منکر ہے ایسا شخص شرع شریف کی اصطلاح میں کافر ہے۔ (العیاذ باللہ) یہ دائمی سزا کا مستوجب ہے۔ اور یہاں ایسے ہی لوگوں کا بیان ہو رہا ہے کہ ان کا شمار نماز پڑھنے والوں میں نہ تھا۔ چہ جائیکہ وہ نماز پڑھتے۔ نماز عبادت بدنی ہے اور یہ اللہ سبحانہ کا حق ہے، جو حق اللہ کی ادائی کا منکر ہو تو اس کی نجات کیونکر ہو۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سب سے پہلے نماز ہی کا سوال ہوگا :۔

روزِ محشر کہ جاں گداز بود اولیں پرسش نماز بود

اگر یہ پہلی منزل سہولت سے طے ہوئی تو دوسرے منازل بھی بہ سہولت طے ہونے کی امید کیجا سکتی ہے مسلمانوں کو اس سے سبق لینا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ پہلی منزل ہی کھوٹی رہ جائے۔ واللہ الموفق۔

۲۔ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۔ اور نہ ہم کھانا کھلاتے تھے مسکین کو"

یعنی نماز پڑھنے والے تو اپنے مال کی زکاۃ بھی دیتے ہیں مگر ہمارا حال یہ تھا کہ زکاۃ دینا تو رہا درکنار، مسکین و محتاج کو کھانا تک نہیں کھلاتے تھے۔ نہ نماز پڑھکر اللہ سبحانہ کا حق ادا کرتے تھے اور نہ محتاج کو کھلا کر لوگوں کا حق ادا کرتے تھے۔ حقوق اللہ اور حقوق الناس دونوں کے منکر بنے ہوئے تھے بلکہ خود سے کھلانا نہ ہو سکا تو کم از کم اوروں کو توجہ دلانا تو ممکن تھا مگر انھوں نے یہ بھی نہ کیا۔ اور اگر کسی نے ان کو توجہ دلائی تو کہدیتے۔ انطعم من لو یشآء اللہ اطعمہ۔ کیا ہم اس کو کھانا کھلائیں جس کو اللہ کھلانا چاہتا تو وہ خود کھلا سکتا تھا۔ مطلب یہ کہ مسکین کو کھلانا، اللہ سبحانہ کی مرضی کے مطابق نہیں ہے اگر اس کو منظور ہوتا تو جس طرح ہم کو فارغ البال بنایا ہے ایسا ہی اسکو بھی بناتا۔

۳۔ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ۔ اور ہم مخالفانہ مباحث میں گھسے رہتے تھے ان میں گھسے رہنے والوں کے ساتھ۔ یعنی خدا اور رسول کی باتیں، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے اصحابؓ کرام سے سُن کر ان کا اتباع کرنیکی بجائے مخالفانہ گفتگو کیا کرتے تھے۔ اور جو لوگ ایسی مخالفانہ باتیں کیا کرتے، ہم ان کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ ہمارا غور و خوض بس ایسے ہی باطل خیالات میں رہا کرتا تھا۔ حدیث شریف میں آیا ہے:۔ اکثر الناس ذنوبا یوم القیامۃ اکثرھم خوضا فی معصیۃ اللہ قیامت کے دن، سب لوگوں سے گناہوں میں بڑا ہوا وہ ہوگا جو اللہ سبحانہ کی نافرمانی کی

باتیں زیادہ سوچتا رہتا تھا۔" روح المعانی میں ہے: ۔ونقل الحروب التی جرت بین الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم لغیر غرض شرعیّ بل لمجرّد ان یتوصّل بہ الی طعن وتنقیص ۔صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان جو محاربات اور مشاجرات ہوئے ان کو بیان کرتے رہنا بھی اس میں داخل ہے جو کسی مقصد شرعی کے لئے نہ ہو بلکہ ان واقعات کو محض ان بزرگوں پر طعن و تشنیع اور ان کی کسرِ شان کا ذریعہ بنایا جائے۔"

۴۔ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ۔ "اور ہم جھٹلاتے تھے انصاف کے دن کو، یہاں تک کہ آن پہنچی ہم پر وہ یقینی بات۔" قیامت یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنا، میدان حشر میں سب کا جمع ہونا سوال و جواب اعمال، اور ان کا حساب کیا جانا، اعمال کا وزن کیا جانا، اور انکی جزا و سزا کا تجویز ہونا، ان تمام امور کی ہم تکذیب کرتے اور جھٹلاتے تھے تا آنکہ وہ یقینی بات، ہم پر آپہنچی ۔یعنی موت جو قیامت صغریٰ ہے یا ساعت قیامت جو یقیناً آنی تھی مگر ہم اس کو جھٹلاتے تھے۔

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ۝ "پھر کام نہ آئے گی ان کے سفارش، سفارش کرنے والوں کی۔" 74-48

کفار کے لئے شفاعت نہ ہوگی مجاہدؒ فرماتے ہیں: ۔ لا تنالهم شفاعة من يشفع۔ (عبد بن حمیدؒ ابن المنذرؒ) مذکورہ بالا چاروں خرابیاں جن میں موجود ہوں یعنی کفارؔ ان کو کسی شفاعت کرنے والے کی شفاعت نصیب نہ ہوگی۔" مطلب یہ کہ ان کفار کی سفارش کرنے والا ہی کوئی نہ ہوگا اور اگر بالفرض کسی نے سفارش کی بھی تو وہ قبول و منظور نہ ہوگی۔ اس لئے کہ سفارش اول تو اذن الٰہی پر موقوف ہے۔ لا يشفع عنده الا باذنه۔ کوئی سفارش کرنے والا اس کی اجازت کے بغیر سفارش نہ کرسکیگا۔" پھر جس کی نسبت سفارش کی جاتی ہو وہ اس کا اہل بھی ہونا چاہیے۔ کافر نے اپنے کفر کی شامت سے اسکی اہلیت ہی کھودی۔ پھر اسکی نسبت سفارش کیونکر قبول ہوگی؟

معتزلہ و خوارج کا انکار شفاعت بعض سست عقیدہ، معتزلہ و خوارج وغیرہ اس آیۂ کریمہ یا اور بعض اس کے ہم مضمون آیات کے ظاہر معنی کے پیش نظر شفاعت ہی کے منکر ہوگئے ہیں۔ حالانکہ سیاق سے بالکل ظاہر ہے کہ یہاں اوپر سے کفار کا بیان آرہا ہے۔ لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ اور كُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ سے صاف صاف معلوم ہو رہا ہے کہ کفار مراد ہیں۔ نماز نہ پڑھنے والوں میں شمار کفار کا ہے نہ کہ اہل ایمان کا اور یوم الدین کی تکذیب کفار کیا کرتے ہیں نہ کہ مومنین اور فما تنفعهم میں هُمْ کی ضمیر مکذبین کی طرف ہی رجوع ہو رہی ہے کیونکہ اوپر سے اسی گروہ کا بیان

آرہا ہے۔ اہل ایمان کا بیان نہ ان آیات کریمہ میں آیا اور نہ ھُم کی ضمیر انکی طرف رجوع ہو سکتی ہے با اینہمہ اس آیۂ کریمہ کو جو کفار کے ساتھ مخصوص ہے اہل ایمان کیلئے عام قرار دینا دیدہ و دانستہ گمراہی میں پڑنا اور دوسروں کو گمراہی میں ڈالنا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ شفاعت کے باب میں قرآن کریم کے متعدد آیات ایسے ہیں جن سے شفاعت ثابت ہے۔ لا یشفع عندہ الا باذنہ۔ الا کا استثناء خود بتلاتا ہے کہ اذن ہونے کے بعد شفاعت ہوگی۔ اور اسی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اذن الٰہی سے شفاعت ہوگی تو قبول بھی ہوگی۔ ورنہ استثناء اور اذن کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اذن کے بعد شفاعت ہونا کئی آیات میں مذکور و مصرح ہے۔ ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ۔ اور عنقریب آپ کو آپ کا پروردگار اتنا دیگا کہ آپ خوشنود ہو جائیں گے "جب یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا:۔ لا یرضیٰ محمد واحد من امتہ فی النار۔ (خطیب) محمدؐ کبھی خوشنود نہ ہوگا درحالیکہ اس کا ایک امتی بھی دوزخ میں ہو" روحی فداہ۔

آیت شفاعت کے متعلق مولائے کائناتؑ کا ارشاد

حضرت شاہ ولایت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا:۔ انکم تقولون یا معشر اھل العراق ان ارجی آیۃ فی کتاب اللہ یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا..... فکلنا

اھل البیت نقول ان ارجی آیۃ فی کتاب اللہ ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ وھی الشفاعۃ (ابن المنذر، ابن مردویہ، ابونعیم)۔ اے گروہ عراقیین! تم کہتے ہو کہ قرآن کریم میں وہ آیت جو سب سے زیادہ امیدوار رحمت بناتی ہے وہ آیہ لاتقنطوا ہے! اور ہم اہل بیتؑ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی یہ آیۂ کریمہ ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ سب سے زیادہ امیدوار رحمت بنا رہی ہے۔ اور یہ شفاعت کی آیت ہے۔"

ثبوت شفاعت عقیدۂ اہل سنت

شفاعت کے باب میں جو احادیث شریفہ وارد ہیں وہ اتنی کثرت کے ساتھ وارد ہوئی ہیں جو کہ تواتر معنوی کی حد تک پہنچتی ہیں اسی وجہ سے ہم اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے:۔ الشفاعۃ لاھل الکبائر حق "کبائر یعنی بڑے بڑے گناہ کئے ہوئے لوگوں کے لئے بھی حق ہے۔" گو ان کا انتقال اس دنیا سے بغیر توبہ کئے ہوا ہو۔ ان تمام احادیث شریفہ کا بیان یہاں موجب طوالت ہوگا اس لئے ہم مختصراً چند ہی احادیث شریف پر اکتفا کرتے ہیں:۔

شفاعت حضور اکرم کے حسب مرضی

حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اشفع لامتی حتّٰی ینادی ربّی ارضیت یا محمّد فاقول ای ربّی رضیت (بزار، طبرانی، ابونعیم) میں اپنی امت کے حق میں اس وقت تک شفاعت کرتا رہوں گا تا آنکہ میرا پروردگار

منادی فرمائیگا کہ محمدؐ! کیا آپ خوشنود ہوگئے؟ تب میں عرض کروں گا کہ ہاں اے میرے پروردگار! میں راضی اور خوش ہوگیا۔"

شفاعت اہل کبائر کے حق میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ شفاعتی لاهل الکبائر من امتی۔ (ترمذی، ابن حبان، حاکم، امام احمدؒ، ابوداؤد) میری شفاعت میری امت کے مرتکبین کبائر کیلئے بھی ہوگی۔" یعنی جن لوگوں نے بڑے بڑے گناہ کئے اور بغیر توبہ کئے یہاں سے چل بسے ان کیلئے بھی میری شفاعت ہوگی۔ اس حدیث شریف کی حضرات جابرؓ ابن عباسؓ ابن عمرؓ اور کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے بھی روایت فرمائی ہے جن کی روایتیں ترمذی، ابن حبان، حاکم، ابن ماجہ، طبرانی اور خطیب بغدادی نے اپنی کتابوں میں تحریر فرمائی ہیں۔

علماء کرام کا شفاعت کرنا حضرت امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ یجاء بالعالم والعابد فیقال للعابد ادخل الجنۃ ویقال للعالم قف حتی تشفع (اصبہانی) ایک عالم اور عابد کو لایا جائے گا۔ پھر عابد سے کہا جائے گا کہ تم جنت میں چلے جاؤ۔ اور عالم کے لئے کہا جائے گا کہ ٹھہرو تاکہ شفاعت کرتے رہو۔" یعنی جن تلامذہ اور

شاگردوں کو تم نے تعلیم دی اور جن جن لوگوں کو مسائل واحکام بتائے اور جن کو وعظ و نصیحت کرتے رہے ان سب کی شفاعت کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل علم کے تصانیف و تالیفات سے جو لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں وہ بھی ان علمائے کرام کے بالواسطہ شاگرد ہیں۔

ایک اور حدیث کی حضرت ابن عمرؓ روایت فرماتے ہیں: یقال للعالم اشفع فی تلامذتك ولو بلغت عدد نجوم السماء۔ (دیلمی) ایک ایک عالم سے کہا جائیگا کہ اپنے جملہ تلامذہ اور شاگردوں کے حق میں شفاعت کرو اگرچہ ان کی تعداد آسمان کے ستاروں کی حد تک پہنچتی ہو"

شہداء کا شفاعت کرنا حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الشهيد يشفع فی سبعين من اهل بيته۔ (ابوداؤد) ایک ایک شہید اپنے گھرانے کے ستر ستر آدمیوں کے حق میں شفاعت کریگا" یہ اس بنا پر ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ہر شخص کو تیار رہنا چاہیئے۔ جہاد فی سبیل اللہ فرض کفایہ ہے اگر چند افراد نے یہ فرض انجام دیا تو دوسروں کے ذمہ سے یہ فریضہ ساقط ہو جاتا ہے۔ چونکہ شہید نے اپنی جان کی بازی لگا دی۔ اگر اس کے دیگر افراد خاندان کی باری آتی تو وہ بھی اس فریضہ کی ادائی کے لئے کمربستہ تھے' یا ان میں بعض افراد ایسے تھے جن پر جہاد فرض نہ تھا۔ جیسے عورتیں' بچے' بوڑھے' معذور وغیرہ۔ اس لئے ان کی شفاعت ہوگی۔

صالحین کی شفاعت اپنے خادمین کے لئے

حضرت انسؓ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ یصف الناس یوم القیامۃ صفوفا ثم یمر الرجل من اھل الجنۃ علی الرجل من اھل النار فیقول یا فلان اما تذکر یوم استسقیتنی فاسقیتک شربۃ فیشفع لہ فیمر الرجل علی الرجل فیقول اما تذکر یوم ناولتک طھورا فیشفع لہ ویمر الرجل علی الرجل فیقول یا فلان اما تذکر یوم تمشی لحاجۃ کذا وکذا فذھبت لک فیشفع لہ ۔ قیامت کے دن لوگوں کی صفیں بنائی جائینگی پھر جنتیوں کا ایک ایک شخص دوزخیوں کے ایک ایک شخص کے پاس سے گزریگا تو یہ اس کو پکار کر کہے گا، اے جناب! کیا آپ کو وہ دن یاد نہیں کہ آپ نے مجھ سے پانی پلادینے کی فرمائش کی تھی اور میں نے آپ کو پانی پلایا تھا۔ یہ سن کر وہ اس کے لئے شفاعت کرینگے پھر ایک اور جنتی کا گزر ایک اور دوزخی پر ہوگا وہ کہیگا۔ (عالی جناب!) آپ کو وہ دن یاد نہیں کہ میں نے وضو کے لئے آپ کو لوٹا بھر کر پانی پیش کیا تھا۔ وہ بھی اس کیلئے شفاعت کرینگے۔ پھر ایک تیسرے جنتی کا ایک اور دوزخی پر گزر ہوگا۔ وہ کہیگا حضرت! کیا آپ کو وہ دن یاد نہیں کہ آپ اپنے اپنے فلاں فلاں کام پر تشریف لیجارہے تھے تو میں بھی آپکی مدد کیلئے روانہ ہوا تھا، یہ سن کر وہ بھی اس کے حق میں شفاعت کریں گے "

اسی طرح ایک ایک شخص ادنیٰ جنتی کم از کم ایک ایک دوزخی کے لئے شفاعت کرتا جائیگا جو کسی نہ کسی وقت اس کا کچھ نہ کچھ کام کیا ہو اور وقت پر کام آیا ہو۔ اس حدیث شریف سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عوام کو چاہئے کہ وہ تا امکان صالحین کی خدمت کرتے رہیں تاکہ اس کا ثمرہ قیامت میں بصورت شفاعت مل سکے خواہ وہ معمولی ادنیٰ خدمت کیوں نہ ہو۔

خردسال بچوں کا اپنے والدین کی شفاعت کرنا

ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ اور ام المومنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں:۔ کنا فی بیت عائشۃ فدخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال مامن مسلم یموت لہ ثلاثۃ من الولد اطفال لم یبلغوا الحلم الا جیٔ بھم حتی یوقفوا علی باب الجنۃ فیقال لھم ادخلوا الجنۃ فیقولون ان دخل ابوانا فیقال فی الثانیۃ والثالثۃ ادخلوا الجنۃ وآباؤکم فذلک قولہ فما تنفعھم شفاعۃ الشافعین۔ ہم حجرۂ عائشہؓ میں تھے اتنے میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رونق افروز ہوئے اور فرمایا کہ جس کسی مسلمان کے تین بچے قبل بلوغ انتقال کرجائیں تو ان بچوں کو جنت کے دروازے پر لاکر ٹھیرایا جائے گا پھر ان سے کہا جائیگا کہ جنت میں جاو داخل ہوجاؤ۔ وہ کہیں گے (ہم جنت میں اسی وقت جائیں گے) جبکہ ہمارے ماں باپ بھی (ہمارے ساتھ) داخل ہوں یہی گفتگو دو دو تین تین وقت ہوتی رہیگی تا آنکہ ان سے کہا جائے گا اچھا تم اور تمہارے

ماں باپ سب جنت میں چلے جاؤ۔ ارشاد باری تعالیٰ فما تنفعھم شفاعۃ الشافعین سے
یہ مضمون نکلتا ہے یعنی کافروں کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سود مند نہ ہوگی، مگر
مسلمانوں کے حق میں ان کے نابالغ بچوں کی شفاعت تک سود مند اور کارآمد ہوگی۔

مضمون بالا کی توضیح اس سے زیادہ صراحت ایک اور حدیث شریف سے ہوتی
ہے کہ ایک دوسرے موقع پر بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی ارشاد فرمایا کہ جس
مسلمان کے تین بچے نابالغی کے زمانے میں انتقال کر جاتے ہیں تو وہ بچے اپنے ماں باپ کو
ساتھ لے کر جنت میں جائیں گے۔ اس پر سامعین میں سے ایک نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ!
اگر کسی کے دو ہی بچے داغ جدائی دئے ہوں تو کیا ہوگا؟ حضور انورؐ نے فرمایا کہ وہ بھی ماں باپ کو
ساتھ لئے جنت میں جائیں گے۔ اس پر ایک نے عرض کیا اگر کسی کا ایک ہی بچہ انتقال
کیا ہو؟ تو حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ وہ بھی ماں باپ کو ساتھ لے جائیگا۔ پھر ایک
صاحب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر کسی کا ایک بچہ بھی انتقال نہ کیا ہو تو
اس پر ارشاد مبارک ہوا۔ من لم یکن لہ فرط فانا فرطہ جس کا کوئی بچہ بھی
ماں باپ کو جدائی کا داغ نہ دیا ہو تو خود میں اس کا فرطہ ہوں یعنی پیش کیا ہوا تحفہ
جو رفیق اعلیٰ سے جاملا۔" اور ظاہر ہے کہ حضور اکرمؐ کی مفارقت کسی مسلمان کو گوارا
نہیں۔ قربان جائیے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کہ اس اعتبار سے بھی مسلمانوں

شفاعت فرمائیں گے :۔

طاعت کے بھروسے نہ عبادت کے بھروسے ہم جیتے ہیں حضرت کی شفاعت کے بھروسے

فرشتوں، پیغمبروں، شہداء و صالحین کا شفاعت کرنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: یشفع الملائکۃ والنبیون والشھدآء والصالحون وجمیع المومنین فلا یبقی فی النار الا اربعۃ ثم تلا قالوا لم نک من المصلین الی قولہ بیوم الدین۔ فرشتگان گرام اور انبیاء علیہم السلام نیز شہداء و صالحین اور تمام مومنین (گنہگاروں کی) شفاعت کریں گے۔ (اور ان کی یہ سفارش مقبول ہوگی) پھر دوزخ میں ان چار گروہ کے سوا کوئی باقی نہ رہیگا۔ اس کے بعد آپ نے بطور استدلال یہ آیات کریمہ تلاوت فرمائیں (جن کا ترجمہ یہ ہے) دوزخی کہیں گے، ہم ١ نماز نہیں پڑھتے تھے اور ٢ محتاج کو کھانا تک نہیں کھلاتے تھے اور ٣ اسلام کے خلاف بحثیں کرنے والوں کے ساتھ ہو کر ہم بھی بحث کیا کرتے تھے اور ٤ روز جزا کی تکذیب کرتے رہتے تھے۔ حضرت عمران بن حصینؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

کس کس کی شفاعت نہ ہوگی مطلب یہ کہ ان چار گروہوں کی شفاعت نہ ہوگی۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ جو کوئی مسلمان رہ کر بھی نماز نہیں پڑھتا تھا اور مسکین کو کھانا تک نہ کھلاتا تھا۔ اس کی شفاعت نہ ہوگی اور وہ بقدر گناہ سزا پائے بغیر جنت میں نہ جاسکیگا۔

اس سے نماز پڑھنے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی اہمیت ظاہر ہو رہی ہے۔ رہا وہ جس کا شمار ہی
ان دو گروہ میں نہ ہو یعنی کافر ہی بنا رہا تو ظاہر ہے کہ اس کا کوئی شفیع نہ ہوگا اور نہ اس کے
حق میں کسی کی شفاعت قبول ہوگی اور مخالف اسلام بحثیں کرنے والا اور روزِ جزا کی
تکذیب کرنے والا گروہ یہ اسلام ہی سے خارج ہے اس کی بھی شفاعت نہ ہوگی۔ یا یوں
سمجھئے کہ یہ چاروں باتیں جس میں جمع ہوں اس کی شفاعت نہ ہوگی یہ مضمون صاف ظاہر
ہے۔ ان کے علاوہ اہل اسلام کے جن گروہوں کی شفاعت نہ ہوگی اس کا بیان بھی اسی
سلسلے میں یاد رکھنا مفید ہوگا تاکہ مسلمان اس سے محترز رہیں۔

منکرِ شفاعت کی شفاعت سے محرومی

۱۔ حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ من کذّب بالشفاعۃ فلا
نصیب له ومن کذب بالحوض فلیس له فیه نصیب (سعید بن منصور) جو کوئی
منکرِ شفاعت ہو شفاعت کا اس کو کوئی حصہ نہ ملیگا۔ اسی طرح جس نے حوض (کوثر) کا
انکار کیا اور اس کو جھٹلایا اس کا حوض کوثر میں کوئی حصہ نہیں۔" نیز حضرت زید بن ارقم رضؓ
فرماتے ہیں کہ حضرت شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ شفاعتی
یوم القیامة حقّ فمن لم یؤمن بها لم یکن من اهلها (ابن منیع) میری
شفاعت قیامت کے دن ضرور ہوگی۔ پھر جو کوئی اس پر یقین نہ رکھے اور اس پر ایمان

نہ لائے وہ اس کا مستحق نہ ہوگا" (العیاذ باللہ) اس حدیث شریف کو صحابۂ کرامؓ کی ایک جماعت نے بیان فرمایا ہے جن کی تعداد دس سے زیادہ تک پہنچتی ہے۔

سبّ صحابہؓ و اہل بیت موجب حرمان شفاعت

۲۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ شفاعتی مباحۃ الّا لمن سبّ اصحابی۔ (ابونعیم) میری تمام امت مرحومہ کے لئے شفاعت کی اجازت دی جا چکی ہے مگر اس کے لئے جو میرے اصحابؓ کو برائی سے یاد کرتا ہو اجازت شفاعت نہیں ہے" اہل بیت کرامؓ اور امہات المومنینؓ ہر اعتبار سے اس میں داخل ہیں۔ کیونکہ درجہ صحابیت کے علاوہ ان کا تعلق خاندان رسالت و نبوت سے ہے علیہم الصلوٰۃ والتسلیم۔ ان حضرات کی شان میں گستاخی کرنے والا بھی اس حدیث شریف کی رو سے محروم شفاعت رہیگا۔ اللہ سبحانہ ایسے گستاخوں سے پناہ میں رکھے۔ آمین۔

بدعقیدہ اشخاص کی شفاعت سے محرومی

۳۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا:۔ صنفان من امّتی لا تنالھما شفاعتی یوم القیامۃ المرجئۃ والقدریۃ۔ (ابونعیم) میری امت کے دو گروہ ایسے ہیں جن کو بروز قیامت میری شفاعت نصیب نہ ہوگی۔ ایک مرجئہ اور دوسرا قدریہ" مرجئہ وہ فرقہ ہے جو کہتا ہے کہ ایمان ہو تو کوئی گناہ و معصیت سے

کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچ سکتا جیسا کہ کفر کے ساتھ کوئی طاعت کار آمد نہیں ہو سکتی " اور قدریہ وہ گروہ ہے جن کا زعم یہ ہے کہ ہر بندہ اپنے افعال کا خالق ہے۔ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ کفر اور معاصی کا تقدیر الٰہی سے کوئی تعلق نہیں " ہم اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ گناہ و معصیت سے نور ایمان کمزور ہو جاتا ہے نیز جزائے اعمال حق ہے گناہوں سے انسان سزا کا مستحق و مستوجب ہوتا ہے اللہ سبحانہ کا اختیار ہے کہ سزا دے یا اپنے فضل یا کسی محبوب کی شفاعت سے چھوڑ دے۔ اور بندہ اپنے افعال کا خالق نہیں بلکہ اللہ سبحانہ بندوں کے تمام افعال کا خالق ہے۔ ارشاد باری ہے :۔ واللہ خلقکم وما تعملون۔ اللہ سبحانہ ہی نے تم کو پیدا کیا ہے اور تمہارے افعال کا خالق بھی وہی ہے۔ بندہ کاسب ہے افعال کو کماتا ہے۔ خالق نہیں ہے اور تمام افعال تقدیر الٰہی سے ہیں۔

قوم عرب کے ساتھ فریب موجب حرمان شفاعت

۴۔ حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :۔ من غش العرب لم ینلہ شفاعتی (بیہقی) جس نے عرب کے ساتھ دھوکہ و فریب کیا اس کو میری شفاعت نصیب نہ ہوگی " (اللہ اکبر) عرب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم ہے ان کے ساتھ مکر و فریب اس نسبت عالیہ کی

وجہ سے بہت دور رس ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔

ظالم کی محرومیٔ شفاعت ۵۔ حضرت معقل بن یسار فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ رجلان لا تنالھما شفاعتی یوم القیامة امام ظلوم غشوم عسوف وآخر غال فی الدین مارق منه (بیہقی طبرانی) دو قسم کے لوگ ہیں جن کو قیامت کے دن میری شفاعت نصیب نہ ہوگی۔ امام وقت جو ظالم جابر ناحق ستاتا ہو اور دوسرا دین میں غلو کرنے والا (اور حقیقت میں) اس سے نکلا ہوا ہو"

جھوٹی بحث کرنے والوں کی محرومی ۶۔ حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ذروا المراء فان المماری لا اشفع له یوم القیامة (طبرانی) ریب وشک کی حالت میں بحث چھوڑ دو کیونکہ قیامت کے دن میں ایسے لاطائل مباحث کرنے والوں کی شفاعت نہیں کروں گا" بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ خود ان کو کسی مسئلہ کی تحقیق یا کسی امر کا علم حاصل نہیں ہوتا مگر افتاد طبع یہ ہے کہ خواہ مخواہ بحث کرتے اور دخل در معقولات کے عادی ہوتے ہیں' مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کو بڑا عالم سمجھا جائے یہ عادت اچھی نہیں اس کے نتائج برے نکلتے ہیں۔ لہٰذا ایسی عادت قابل ترک ہے۔ اور ایسے ہی لوگوں کیلئے یہ وعید

آئی ہے۔ اللہم احفظنا۔

خلاصۂ مرام اس تقریر سے ظاہر ہوا کہ شفاعت احادیث صحیحہ صریحہ مشہورہ متواترہ بتواتر معنوی اور نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔ احادیث شریفہ میں یہ بھی آیا ہے کہ باب شفاعت کا افتتاح سب سے پہلے اذن الٰہی سے حضور رحمۃ للعالمین سید الانبیاء والمرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین فرمائیں گے۔ پھر تمام انبیاء و مرسلین اور ملائکہ مقربین، پھر صدیقین و شہداء و صالحین، علمائے عاملین، مشائخ کبار شفاعت فرماتے جائیں گے۔ یہاں تک کہ نوبت ایک ایک مسلمان کی اور مسلمانوں کے خورد سال بچے کی شفاعت کی آئے گی۔ پھر رب العزت جل جلالہ وعم نوالہ اپنے بے کیف ہاتھوں سے دو تین لپ (لپو) بھر بھر کر دوزخ سے نکال جنت میں ڈال دیں گے۔ اس طرح فضل لا متناہی اور شان لا ابالی کا ظہور ہوگا۔ اب نہیں کہا جا سکتا کہ کوئی ذرہ برابر ایمان بھی رکھتا ہو تو وہ دوزخ میں باقی رہیگا۔ بہرحال شفاعت حق ہے۔ ہاں کفار کے حق میں کوئی شفاعت نہ ہوگی۔ اگر بالفرض تمام شفعاء مل کر بھی شفاعت کریں تو مفید نہ ہوگی۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ۙ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ ۙ 74-49 74-50

فَرَّتْ مِن قَسْوَرَةٍ ۗ پھر کیا ہوا ان کو کہ نصیحت سے منہ موڑتے ہیں، گویا کہ وہ 74-51

عہ قَسْوَرَةٌ فَعْوَلَةٌ من القسر بمعنی القهر قال ابوهريرة هی الاسود وهو

گدھے ہیں بدکنے والے، بھاگے ہیں شیر سے۔"

کفار کا نصیحت سے اعراض اور اس پر تعجب

جب صورت حال یہ ہے کہ کفار آخرت میں خود ہی اپنی تباہی اور بربادی اور محرومی شفاعت کے اسباب (ترک نماز، منع زکوٰۃ، بیجا مباحث، اور یوم جزا کی تکذیب) کو قرار دیں گے اور اس کے معترف ہوں گے تو پھر ان کو کیا ہو گیا ہے کہ قرآن عظیم اور رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی نصیحتوں سے منہ موڑتے ہیں درحالیکہ ان کو اس جانب شوق و رغبت سے پوری طرح متوجہ ہو جانا چاہیے تھا۔ ان کی مثال وحشی گدھوں کی سی ہے جو کسی شیر یا شکاری یا اس کے پھندے اور جال کو دیکھ کر یا کوئی معمولی حرکت، آہٹ کو سن کر فوراً ہی بھاگ جانے کی تیاری میں لگتے بلکہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

قول العطاء والکلبی وقال مجاہد وقتادۃ والضحاک القسورۃ الرماۃ ولا واحد لها من لفظها وهی روایۃ عن عطاء عن ابن عباسؓ وقال زید ابن اسلم عن رجال اقویاء وکل ضخم شدید عند العرب قسورۃ وعن ابی المتوکل لغط القوم واصواتهم وروی عکرمۃ عن ابن عباسؓ قال هی حبال الصیادین وقال سعید بن جبیر هی القناص (مظہری)

قسورۃ بروزن فعولۃ قَسْرٌ سے مشتق ہے جس کے معنی قہر و غلبہ کے ہیں حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ شیر مراد ہے۔ عطا اور کلبی کا بھی یہی قول ہے اور مجاہد، قتادہ اور ضحاک نے فرمایا کہ تیر انداز مراد ہیں، اس لفظ سے اس کا واحد نہیں آتا۔ عطا کی ایک روایت جو حضرت ابن عباس سے ہے یہی ہے۔ اور زید بن اسلم نے کہا کہ قوی مرد مراد ہیں۔ عرب لوگ ہر موٹے تازے قوی آدمی کو قسورہ کہتے ہیں۔ ابو المتوکل نے کہا کہ لوگوں کا شور اور غوغا مراد ہے۔ اور عکرمہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ شکاریوں کی رسیاں اور جال مراد ہیں۔ اور سعید بن جبیر نے فرمایا کہ شکاریوں کے پھندے مراد ہیں۔" واللہ اعلم۔

بھاگتے جاتے ہیں۔ ان کا قرآنی نصیحت اور ہمارے رسُول کی پند و موعظت سے اعراض کرنا حد درجہ تعجب خیز ہے کہ اپنے سود و بہبود کا ان کو کوئی خیال نہیں آتا۔

کفار کی احمقی غور کرنے کا مقام ہے کہ کسی ہوش و حواس اور عقل و شعور رکھنے والے انسان پر کبھی ایسی بھی حالت طاری ہوتی ہے کہ اس سے جانوروں کے سے حرکات سرزد ہونے لگتے ہیں جانور بھی وحشی اور پرلے درجہ کا احمق اور بے وقوف کہ دوسرے جانور بھی ایسے نہیں ہوا کرتے۔ اس کو بلایا جارہا ہے اسی کی منفعت اور بھلائی کے لئے مگر یہ ہے کہ اس کو اپنی مضرت اور نقصان کا سبب قرار دے رہا ہے اور اس سے بھاگ جانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس سے بڑھکر احمقی اور بے وقوفی کی بات اور کیا ہوگی؟ جو اپنے محسن کو دشمن تصور کرے اور نجات دلانے والے کو اپنا قاتل سمجھے۔ اس قماش کے لوگوں کو راہ راست پر لانا کیونکر ہو سکتا ہے؟

علمائے یہود اور کفار کی حالت علمائے یہود جو اللہ سبحانہ کی کتاب توریت کے حامل تو تھے مگر اس پر عامل نہ تھے انکی نسبت ارشاد ہوا تھا: مثل الذین حملوا التوراۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفارا۔ ان لوگوں کی مثال جو حامل توراۃ تھے پھر اس پر عمل نہ کیا اس گدھے کی سی ہے جو دفاتر علم و حکمت خود پر لادے ہوئے پھرتا ہے" مگر اس کو خبر نہیں کہ اس کی پیٹھ پر کیسے انمول جواہر کے خزانے ہیں۔ یہ احمق ان سے بھی بدتر ہیں کہ

ایسی لاقیمت اور لازوال دولت سے جو مفت ہاتھ آرہی ہے بے وجہ بھاگ رہے ہیں۔
اور اسی میں اپنی نجات تصور کر رہے ہیں۔ برایں عقل و دانش بباید گریست۔ یہی وجہ ہے کہ
احبار یہود کو حمار اہلی سے تشبیہ دیگئی تھی۔ اور حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق انکو جنگلی
گدھے کے ساتھ تشبیہ دیجا رہی ہے۔ اس سے بڑھ کر بُری مثال اور کیا ہو سکتی ہے؟ عارف رومیؒ
فرماتے ہیں :۔

از کجا ایں قوم و پیغام از کجا — از جمادے جاں کجا باشد رجا
فہم ہائے کج مج کوتہ نظر — صد خیال بد درآرد در نگر
راز جز با رازداں انباز نیست — راز اندر گوشِ منکر راز نیست

ایک لطیفہ کہتے ہیں کہ ایک شخص کا گدھا گُم ہو گیا۔ وہ جامع مسجد میں آیا جہاں ایک
مولوی صاحب کا وعظ ہو رہا تھا اور بہت سارے لوگ جمع تھے۔ اس نے مولوی صاحب کو
مخاطب کر کے کہا۔ مولانا! میرا گدھا گم ہو گیا ہے۔ آپ کے پاس اتنے آدمی جمع ہیں۔ براہ کرم
ان سے دریافت فرمائیے کہ کیا کسی نے اس کو دیکھا ہے؟ مولانا نے فرمایا۔ تم بیٹھ جاؤ۔ ہم ابھی
بتائے دیتے ہیں۔ وہ بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد مجلس وعظ سے ایک شخص اٹھ کر جانے لگا۔ مولانا نے
فرمایا۔ دیکھو شاید تمہارا گدھا یہی ہو اس کو لے جاؤ۔" قصہ ختم ہوا۔ بس یہی حال ان کفار کا ہے کہ
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس مبارک سے بھاگتے ہیں۔ وعظ و نصیحت سے جی چرانے والا

پرلے درجے کا احمق اور گدھا نہیں تو کیا ہے؟۔

بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ۙ كَلَّا ۭ 74-52
بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۭ 74-53
بلکہ چاہتا ہے ہر ایک شخص ان میں کا کہ ملیں اس کو ورق کھلے ہوئے، ہرگز نہیں، پر وہ ڈرتے نہیں آخرۃ سے"

کفار کی فرمائشات کفار کی احمقی اور نادانی کا یہ حال اس پر طرفہ یہ کہ ان میں کا ایک ایک شخص یہ فرمائش کرتا کہ حضرت! اللہ کی کتاب صرف آپ پر کیوں نازل ہوتی ہے۔ ہم پر بھی اترے تو ہم اس کو پڑھیں گے اور اس پر ایمان لائیں گے۔ مطلب یہ کہ منصب رسالت آپ کے ساتھ مخصوص کیوں ہو۔ ہم کو بھی رسول کیوں نہیں بنایا جاتا۔ اس کا جواب اللہ سبحانہ نے دوسری جگہ یوں دیا:۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔ اللہ کو خوب معلوم ہے کہ اس کی رسالت کا اہل کون ہے"۔ جس میں اس کی لیاقت ہوتی ہے اسی کو یہ عہدۂ جلیلہ عنایت ہوتا ہے۔ بعض یوں کہتے کہ جس طرح آپ کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے ایسا ہی ہمارے نام بھی احکام آنے چاہئیں کہ تم ان کی اطاعت کرو۔

چنانچہ حضرت ابو صالح فرماتے ہیں:۔ قالوا ان کان محمد صادقا فلیصبح تحت رأس کل رجل منا صحیفۃ فیہا براءتہ وامنتہ من النار۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر) کافروں نے کہنا شروع کیا کہ اگر محمدؐ سچے ہیں تو صبح تک

ہمارے سرہانے ایک ایک صحیفہ آموجود ہونا چاہیے جسمیں وضاحت سے ہماری برأت اور امان کا نوشتہ موجود ہو"
حضرت مجاہد کی روایت میں اس پر اور اتنا اضافہ ہے:۔ الیٰ فلان بن فلان من رب العالمین
(عبد بن حمید، ابن المنذر) نیز یہ بھی لکھا ہو کہ یہ فرمان رب العالمین کے پاس سے فلاں بن فلاں کے نام آیا ہے"

کفار کو جواب اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان تمام باتوں کا صرف ایک جواب دیا ہے:۔ کَلَّا بَلْ لَّا یَخَافُوْنَ الْاٰخِرَۃَ ۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا بلکہ ان کو آخرت کا خوف ہی نہیں ہے"۔ یعنی انکی یہ تمام فرمائشیں ازراہ عناد و سرکشی ہیں۔ انکو آخرت کا یقین ہے اور نہ خوف۔ جو اس درجہ نڈر ہو اگر ایسی کوئی تحریر اسکے ہاں وصول بھی ہو تو وہ کب مانتا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔ ھذا الذی فضحھم۔ (ابن ابی شیبہ) یہی وہ آیت کریمہ ہے جس نے کافروں کی خوب فضیحت کی"۔ یعنی ان کے اندرونی کیفیات اور دل میں چھپائے ہوئے حالات کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ بخلاف اس کے اگر کسی کے دل میں آخرت کا خوف ہو تو وہ ایسی کوئی فرمائش نہیں کرتا بلکہ جو حکم سنایا جاتا ہے اسکی تعمیل کرتا ہے۔ یہ کہیں کا قاعدہ نہیں اور نہ کسی حکومت کا دستور ہے کہ سرکاری احکام ہر ہر شخص کے ہاں نام بنام پہنچائے جائیں بلکہ ایک فرمان صادر ہوتا ہے اور اس کو شائع کر دیا جاتا ہے۔ اس سے واقف ہونا ہر شخص کا فرض ہے وبس چنانچہ ارشاد ہو رہا ہے:۔

کَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ؕ کوئی نہیں، یہ تو نصیحت ہے 74-54
پھر جو کوئی چاہے اس کو یاد کرے"۔ 74-55

قرآن کریم تذکرہ ہے یعنی ہر ہر شخص کو جدا جدا کتاب نہیں دی جا سکتی اور نہ نام بنام احکام ہر ایک کو پہنچائے جا سکتے ہیں۔ ایک کتاب سارے جہاں کی ہدایت کیلئے کافی ہے لوگوں کا فرض ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوتے رہیں اور جو وعظ و نصیحت آپ فرمائیں اس کو حرز جاں بنائیں۔ نیز جو احکام صادر فرمائیں ان کو بجالاتے رہیں۔ قلوب صاف ہوں تو ایک کتاب سب کے لئے بس ہے۔ اور اگر دلوں میں کدورت ہو یا اللہ پر ایمان ہی نہ ہو تو ایک کتاب کیا اگر دفاتر بھی ہوں تو وہ کارآمد نہیں ہو سکتے۔ یہی صورت حال زمانۂ مابعد کے لوگوں اور آنیوالی نسلوں کی ہے۔ ان کا فرض ہے کہ وہ حضرات علماء و مشائخین سے ربط رکھیں اور انکی ہدایات پر کاربند رہیں۔ یہی سیدھا صاف سہل الحصول طریقہ ہے۔

وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ۚ هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ 74-56
الْمَغْفِرَةِ ع اور وہ یاد بھی کریں کہ چاہے اللہ وہی ہے جس سے ڈرنا چاہیئے اور وہی بخشنے کے لائق ہے۔ ع ۲ ۲۵ ۱۶

ہر کام مشیت پر موقوف ہے یعنی قرآن کریم اللہ سبحانہ کی یاد دلانے والی کتاب ہے۔ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مُذَكِّر (یاد دہانی فرمانے والے) ہیں۔ انما انت مذکر۔ اور آپ رات دن یاد الٰہی دلایا کرتے ہیں۔

آپ کی یاد دہانی عام ہے ۔ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۔ جو چاہے اس کی یاد میں لگا رہے"
با ایں ہمہ اگر حقیقت حال پوچھو تو کسی کا یاد کرنا اور نصیحت لینا موقوف ہے اللہ سبحانہ کی
مشیت پر ۔ اُدھر سے توفیق ہو تو کوئی یاد کرے ۔ کافروں نے توفیق کے راستے اپنے
کفر و عناد کے باعث خود پر بند کر لئے ہیں ۔ جب صورت حال یہ ہے تو نہ ان کیلئے تذکرہ
(کتاب اللہ) مفید ہے اور نہ مذکر (ذات اقدس حضور سرور کائنات علیہ التحیۃ
والتسلیمات سے کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے ۔ اس لئے کہ کفر و عناد کے باعث ہدایت کے
تمام راستے مسدود ہو چکے ہیں اب ہدایت ان کے دلوں میں داخل ہو تو کیسے ؟ انکی
نسبت مشیئۃ اللہ جاری ہی نہیں ہوئی اور اس کے بغیر کچھ ہو نہیں سکتا کیونکہ سارے کام
مشیئت پر موقوف ہیں ۔

مشیئۃ اللہ اللہ سبحانہ کی مشیئت یعنی اس کا چاہنا یا نہ چاہنا حکمت پر مبنی ہے
جس کا کوئی اندازہ یا احاطہ نہیں کر سکتا ۔ بندوں میں کون کتنی استعداد و لیاقت
رکھتا ہے اور کس میں کیا صلاحیت و اہلیت ہے وہی جانتا اور اس کے مطابق معاملہ
فرماتا ہے ۔ لہذا مشیئت الٰہی کے متعلق کسی کو زبان ہلانے اور دم مارنے کی گنجائش نہیں کہ
ایسا کیوں چاہا اور ایسا کیوں نہ چاہا ۔ کیونکہ حکمت الٰہی جس امر کی مقتضی ہوئی اس کو چاہا
اور جس کی مقتضی نہ ہوئی اس کو نہ چاہا ۔ اللہ سبحانہ حکیم ہے اور فعل الحکیم لا یخلوا

عن الحکمۃ حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا لیکن اس قدر معلوم کرا دیا گیا ہے کہ وہ نیکی سے خوش ہوتا ہے اور برائی اُسے نہیں بھاتی۔

تخییر مکنت و تخییر امضاء قدرت عین المعانی میں ہے:۔ قولہ فمن شاء الخ تخییر باعطاء المکنۃ لتحقیق العبودیۃ وقولہ الا ان یشاء اللہ تخییر امضاء القدرۃ لتحقیق الالوھیۃ۔ ارشاد باری تعالیٰ فمن شاء ذکرہٗ میں بندے کو کسی کام کے کرنے نہ کرنے کا جو اختیار دیا گیا ہے اس کا بیان ہے کہ بندہ اپنے اختیاری کاموں میں سے ہر کام کو کرے یا نہ کرے اس کا اختیار تو اسکو حاصل ہے مگر وہ کرتا ہے مرضی حق کی نسبت مشیت اللہ جاری ہوئی اسی سے اسکی بندگی ثابت و متحقق ہوتی ہے۔ اور ارشاد باری الا ان یشاء اللہ میں اس امر کا بیان ہے کہ اللہ سبحانہ کو ہر کام کا پورا پورا اختیار حاصل ہے اور اپنی قدرت کاملہ سے اس کے اجراء پر بھی اس کو پورا پورا اقتدار ہے اسی سے اللہ سبحانہ کی الوہیت ثابت و متحقق ہے۔ وہ تخییر مکنت تھی یہ تخییر امضاء قدرت ہے لہٰذا دونوں کا فرق ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔

ضرورت تقویٰ جب واقعہ یہ ہے تو راہ تقویٰ اختیار کرنے کے سوا چارہ نہیں یعنی جن کاموں کا حکم دیا گیا ہے ان کو بجا لائیں اور جن جن چیزوں سے منع فرمایا گیا ہے ان سے باز رہیں۔ اسی سے ہدایت کی راہیں کھلیں گی اور منزل مقصود تک پہنچ سکیں گے۔ اور اللہ سبحانہ تعالیٰ ہر آئینہ اس لائق ہے کہ اسکے جلال و جبروت کو پیش نظر رکھکر اس سے ڈرتے رہیں۔ جب تقویٰ نصیب ہوا تو

مغفرت (سابقہ گناہوں کی بخشش) بھی اس کے ساتھ ہے، تم تقوی کی راہ اختیار کرکے اس سے ڈرتے رہو وہ تمہارے گناہوں کو بخشتا رہیگا۔

تقوی کا نتیجہ مغفرت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیۂ کریمہ کی تلاوت کے بعد ارشاد فرمایا:۔ قد قال ربکم انا اهل ان اتقى فمن لم يجعل معى الها فانا اهل ان اغفر له (امام احمدؒ دارمیؒ ترمذیؒ نسائیؒ ابن ماجہ، بزار، ابو یعلی، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن عدی، حاکم، بروایت صحیحہ، ابن مردویہ) تمہارے پروردگار کا ارشاد ہو رہا ہے میں اس کا سزاوار ہوں کہ میرا احترام کیا جائے۔ جس کسی نے میرے ساتھ کسی کو معبود نہ ٹھہرایا تو مجھے زیب دیتا ہے کہ میں اس کو بخش دوں"۔ نیز حضرات ابوہریرہ، ابن عمر، اور ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیۂ کریمہ هو اهل التقوى واهل المغفرة کی تفسیر دریافت کی گئی تو ارشاد مبارک ہوا:۔ يقول الله انا اهل ان اتقى فلا يجعل معى شريك فاذا اتقيت ولم يجعل معى شريك فانا اهل ان اغفر ما سوى ذلك (ابن مردویہ) اللہ سبحانہ کا ارشاد ہو رہا ہے کہ میں ہر طرح لائق احترام ہوں لہذا میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ پھر جب میرا احترام کیا گیا اور میرے ساتھ

کسی کو شریک نہ ٹھہرایا گیا تو میں اس لائق بھی ہوں یعنی میری شان رحمت کا یہ تقاضہ ہے کہ شرک کے ماسوا جو بھی گناہ ہو اس کو بخش دوں "

شانِ ستاری کی ایک جھلک

ایک روایت حضرت حسن بصریؓ سے اس طرح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:۔

قال اللہ انا اکرم و انا اعظم عفوا من ان استر علی عبد لی فی الدنیا ثم افضحہ بعد ان سترتہ ولا ازال اغفر لعبدی ما استغفرنی۔ اللہ سبحانہ نے فرمایا کہ میں سب سے زیادہ باعزت ہوں اور معافی دینے کے اعتبار سے سب سے زیادہ باعظمت ہوں (مجھ سے یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ) میں دنیا میں اپنے کسی بندے کی پردہ پوشی کروں پھر ایک دفعہ ستاری کرنے کے بعد (آخرت میں) اس کو رسوا کردوں۔ اور میں اپنے بندے کے گناہوں کو بخشتا جاؤں گا جب تک کہ وہ مجھ سے بخشش کی درخواست کرتا رہے گا۔

استجابتِ دعا کی ایک شان

حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:۔ یقول اللہ تعالیٰ انی لاجدنی استحیی من عبدی یرفع یدیہ الیّ ثم اردھما قالت

الملائکۃ الھنا لیس لذلک باھل قال اللہ لکنی اھل التقوی واھل المغفرۃ اشھد کم انی قد غفرت لہ ۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا فرمان قدسی نشان ہے کہ میں اپنے بندے سے شرماتا ہوں کہ وہ اپنے دونوں ہاتھ میرے آگے پھیلائے پھر میں ان کو یوں ہی پھیر دوں ۔ فرشتے اس موقع پر عرض کرتے ہیں کہ ہمارے معبود برحق سے ایسا ہو ہی نہیں سکتا ۔ ارشاد الٰہی ہوتا ہے لیکن میں اہل تقویٰ و اہل مغفرت ہوں تم سب کو گواہ رکھتا ہوں کہ میں نے اس کو بخش دیا ۔"

بوڑھوں پر اللہ سبحانہ کی خاص عنایت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا :۔ ویقول اللہ انی لاستحیی من عبدی وامتی یشیبان فی الاسلام ثم اعذبھما بعد ذلک فی النار ۔ (حکیم ترمذی) اور اللہ سبحانہ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ میں اپنے ایک ایک بندے اور اپنی ایک ایک بندی سے بھی شرماتا ہوں جو بحالت اسلام بڑھاپے کو پہنچ چکے پھر اس کے بعد میں ان کو دوزخ کا عذاب دوں ؟" ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا :۔

کرم ہیں ولطف خداوندگار گنہ بندہ کردہ ست واو شرمسار

دعا اللہ سبحانہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم کو اور تمام مسلمان بھائیوں کو راہ تقویٰ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے گناہوں کی مغفرت فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین وآلہ الطیبین الطاہرین۔

بحمد اللہ کہ سورۂ مدثر کی تفسیر ختم ہوئی۔ جمعہ ۱۱ رجب المرجب ۱۳۰۷ھ

75 Qiyaamah Makky Verses 40

سُورۂ قیامَۃ

(مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔ اس میں (۴۰) آیات ہیں)

ماقبل سے ربط سورۂ مدثر میں جو اس کے ماقبل کی سورت ہے جنت و دوزخ کے بیان کے علاوہ آخر میں ارشاد ہوا تھا۔ لا یخافون الآخرۃ۔ یعنی ان کفار کو آخرت کا کچھ بھی ڈر نہیں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی چیز کا انسان کو خوف اسی وقت نہیں ہوتا جب کہ اس کو اس چیز کا یقین نہ ہو۔ کفار بھی منکر قیامت تھے۔ اس لئے اس سورت شریفہ میں قیامت ہی کا بیان فرمایا گیا اور اس کا نام بھی "سورۂ قیامت" رکھا گیا تا معلوم ہو کہ قیامت برحق اور وہ آنیوالی ہے۔ اس تقریر سے دونوں سورتوں کی مناسبت اور باہمی ربط ظاہر ہے۔ اس سورت کا دوسرا نام سورۂ لآاقسم بھی ہے۔ یعنی وہ سورت جسکی ابتداء اس کلمہ سے ہوئی ہے۔ اس سے سورۂ قیامۃ کی فضیلت نکلتی ہے، کیونکہ ناموں کی کثرت اسکی فضیلت کی دلیل ہے۔ چنانچہ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔ من سأل عن یوم القیامۃ فلیقرأ ھذہ السورۃ (عبد بن حمید، ابن المنذر) جو کوئی قیامت کے باب میں سوال کرے تو جواب میں یہ سورت شریفہ پڑھ سنا دینی چاہیئے" کیونکہ اس میں قیامت کی پوری وضاحت ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع ہے اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝ 75-1 75-2

قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور قسم کھاتا ہوں (اوس) نفس کی جو ملامت کرے (برائی پر)۔

لَآ اُقْسِمُ کی تفسیر | لَآ اُقْسِمُ میں حرف لَا کی نسبت مفسرین کرام کے حسب ذیل اقوال ہیں:۔

۱۔ لَا یہاں تاکید قسم کے صلہ کے طور پر لایا گیا ہے اور یہ جب بطور صلہ لایا جائے تو اس کے معنی نفی کے نہ ہوں گے گو یہ کلمہ نفی کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ گویا یہاں لا زاید ہے اور زاید کے کوئی معنی نہیں۔ قاضی بیضاویؒ لکھتے ہیں:۔ ادخال لا النافیۃ علی فعل القسم للتاکید شائع فی کلام العرب۔ فعل قسم پر لائے نفی کو تاکید کے لئے لانا عام طور پر کلام عرب میں مروج و مستعمل ہے۔ اس کے ثبوت میں شعرا جاہلیت کے کئی اشعار دلیل و استشہاد کے طور پر پیش کئے گئے ہیں۔ اور اسی کی بنا پر ہم نے تفسیر یہی معنی لکھے ہیں یعنی لَآ اُقْسِمُ بمعنی اُقْسِمُ۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ بعض قراء نے لَاُقْسِمُ پڑھا ہے یعنی میں ضرور قسم

کھاتا ہوں" مطلب یہ ہوا کہ یہ لام تاکید ہے جو ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے اور اس کے فتحہ کی محافظت کے لئے اس کے بعد الف لکھا جانا صرف رسم الخط ہے یہ الف لکھا جائیگا مگر پڑھا نہ جائیگا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ لَاۡاِلَی اللّٰہِ تُحۡشَرُوۡنَ وغیرہ مقامات میں لام تاکید کے بعد الف محض فتحہ کی محافظت کے لئے لکھا گیا ہے جو صرف رسمًا لکھا جاتا ہے مگر پڑھنے میں نہیں آتا یعنی یہ بتانا منظور ہے کہ یہ لام لامِ تاکید مفتوح ہے۔ لام کی مکسور نہیں ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ لام ابتدا ہے۔ لام تاکید نہیں۔

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ لَآ اُقۡسِمُ میں جو لَا ہے وہ لائے نافیہ ہے لیکن نفی قسم کی نہیں بلکہ اس امر کی وضاحت کے لئے ہے کہ مقسم بہ یعنی جس کی قسم کھائی جارہی ہے اسکی عظمت و رفعت شان کے لئے قسم نہیں کھا رہا ہوں۔ مقسم بہ بجائے خود ایسا با عظمت اور رفیع الشان ہے کہ اس کے لئے قسم کھانا اور نہ کھانا دونوں برابر ہیں۔ بلکہ نفس الامر کی وضاحت کے لئے قسم کھائی جارہی ہے۔ اور بعضوں نے یوں فرمایا ہے کہ مخاطب کے قول کی نفی کے لئے لائے نافیہ لایا گیا۔ چنانچہ کفار جو قیامت کے منکر ہیں ان سے کہا جارہا ہے کہ تمہارا یہ انکار صحیح نہیں۔ میں حلفاً کہتا ہوں کہ قیامت آنے والی ہے اس کا آنا برحق ہے۔ وہ اپنے وقت پر آکر رہیگی۔ تمہارا یہ انکار اسوقت مفید نہ ہوگا۔

غیر اللہ کی قسم کھانا رہا یہ امر کہ قسم اللہ سبحانہ کے نام کی کھائی جاتی، غیر اللہ یعنی

مخلوقات کی نہیں کھائی جا سکتی۔ اسکی نسبت یہ معلوم کرنا چاہئے کہ یہ حکم ہم بندوں کیلئے ہے۔ اللہ سبحانہ کو اختیار ہے کہ وہ جس چیز کی قسم کھانی چاہے کھا سکتا ہے۔ کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ اس پر اعتراض کرے۔ لا یسئال عما یفعل وھم یسئلون۔ افعال الٰہیہ کی نسبت سوال کہ ایسا کیوں کیا اور ایسا کیوں نہ کیا؟ اس کا کسی کو حق نہیں۔ برخلاف اسکے بندوں سے سوال ہو سکتا ہے کہ خلاف حکم کیوں کیا گیا؟ ؎

مرا در ارسد کبریا و منی که ملکش قدیم است و ذاتش غنی

اللہ سبحانہ جسکی چاہے قسم کھا سکتا ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں یقسم ربك بما شآء من خلقه۔ (ابن جریر، ابن المنذر، حاکم بروایت صحیح) تمہارا پروردگار اپنی مخلوقات میں سے جس چیز کی قسم چاہے کھا سکتا ہے۔" یہ اس بنا پر ہے کہ قسم بمنزلہ گواہی و شہادت ہے۔ اگر بندہ غیر اللہ کی قسم کھائے تو بندے کو اس پر کسی قسم کا اقتدار نہیں۔ اور اللہ سبحانہ قادر ہے کہ جس چیز سے چاہے اپنی بات کی تصدیق کرا دے۔ کیونکہ کائنات کا ہر ہر ذرہ اسکی الوہیت کا شاہد ہے۔ واللہ اعلم۔

نفس لوامہ کی قسم

اسی طرح وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ کی تفسیر ذہن نشین کر لی جائے۔ یعنی اور میں قسم کھاتا ہوں نفس کی جو بُری باتوں اور بُرے کاموں پر خود کو ملامت کرتا رہتا ہے۔" یاد رہے کہ کسی چیز کی قسم کھانا اس امر کو بتلاتا ہے کہ وہ چیز باعظمت ہے

یا اس میں اللہ سبحانہ کی عظیم صنعت اور عظیم نعمت کو دخل ہے۔ پھر قسم کی تکرار اس امر کو بتلاتی ہے کہ جن دو چیزوں کی قسم کھائی جا رہی ہے ان میں سے ہر ایک بجائے خود مستقل نعمت اور مستقل صنعت عظیمہ کی حامل ہے۔ لہٰذا یہاں یوم قیامت' اور نفس لوامہ ان میں سے ہر ایک باعظمت' اور مستقل نعمت ہے جس میں عظیم صنعت الٰہی کارفرما ہے۔

نفس امارہ | صوفیۂ کرام نفس کی سات اقسام بیان فرماتے ہیں مگر مشہور اقسام تین ہیں نفس امارہ، نفس لوامہ، نفس مطمئنہ۔ قرآن کریم میں ان تینوں اقسام کا بیان بصراحت اسماء وارد ہوا ہے۔ سورۂ یوسفؑ میں ہے :۔ ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی۔ یقیناً نفس برائی کا حکم دیتا رہتا ہے مگر میرا پروردگار جس پر رحم فرمائے وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔" چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا حضورؐ کا بھی نفس ہے؟ تو ارشاد مبارک ہوا کہ ہاں میرے ساتھ بھی لگا ہوا ہے الا ان اللہ اعاننی علیہا فلا تامرنی الا بخیر۔ مگر اللہ سبحانہ نے اس کے مقابلے میں میری اعانت فرمائی ہے اب وہ سوائے خیر کے اور کسی چیز کا مجھے حکم نہیں دے سکتا۔"

نفس لوامہ | دوسرا نفس لوامہ ملامت کرنے والا۔ جس کا بیان یہاں فرمایا جا رہا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں :۔ التی تلوم علی الخیر والشر تقول لو فعلت کذا وکذا۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر) نفس لوامہ وہ ہے جو خیر اور شر

دونوں پر ملامت کرتا رہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ کاش میں ایسا کرتا ایسا کرتا۔" یعنی امر خیر کی نسبت اس کی ملامت یہ رہتی ہے کہ خیر میں اتنا تھوڑا سا حصہ کیوں لیا۔ اگر اس سے زیادہ حصہ لیا ہوتا تو اس سے زیادہ اچھی جزا کا مستحق ہوتا۔ اور امر شر کی نسبت ملامت اس طرح کہ فلاں برا کام کاش نہ کیا ہوتا جس کی پاداش میں آج پکڑا جا رہا ہوں۔ چنانچہ اگلی صراحت آگے آ رہی ہے۔

ملامت نفس کی تفسیر حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: ان المؤمن لاتراہ الا یلوم نفسہ ما اردت بکلمتی ما اردت باکلتی ما اردت بحدیثی نفسی وما اراہ الا یعاتبھا وان الفاجر یمضی قدما لا یعاتب نفسہ

(عبد بن حمید، ابن ابی الدنیا) جو مومن ہے اس کو جب کبھی دیکھو وہ اپنے نفس کو ملامت کرتا ہوا پاؤ گے کہ میں نے جو بات اپنی زبان سے نکالی اوس سے میرا منشا کیا تھا؟ میں نے جو کھانا کھایا اس سے میرا مقصد کیا تھا؟ حدیث نفس یعنی وہ بات جو میں نے اپنے آپ کی اس سے میرا مطلب کیا تھا؟ (اگر یہ سب خالصاً لوجہ اللہ ہوتا تو کیا اچھا ہوتا مگر میرا منشا و مقصد اور مطلب ہی کچھ اور تھا) بہر حال مومن کو جب دیکھو وہ اپنے آپ پر عتاب ہی کرتا ہوا پاؤ گے۔ اور جو کافر فاجر ہے وہ (کسی حد پر رکتا ہی نہیں) اپنا قدم (کفر اور فجور کی طرف) بڑھائے جاتا ہے اور کبھی اپنے نفس پر عتاب نہیں کرتا۔" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس لوامہ مومن ہی کا

نفس ہوتا ہے۔ کافر فاجر کا نفس، نفس لوامہ نہیں ہوتا۔

ہر نفس لوامہ ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: لیس من نفس برۃ ولا فاجرۃ الا و تلوم نفسھا یوم القیامۃ ان عملت خیرا قالت کیف لم ازدد منہ وان عملت شرا لیتنی قصرت۔ کوئی نفس خواہ وہ نیک ہو (جیسے نفس مومن) خواہ وہ بد ہو (جیسے نفس کافر) قیامت کے دن اپنے آپ کو ملامت کرتا رہیگا۔ اگر اچھے کام کئے (ایمان لایا اور عمل صالح میں لگا رہا) تو اس کو یہ پچھتاوا اور حسرت رہیگی کہ عمل صالح میں اس سے زیادہ حصہ کیوں نہ لیا؟ اور اگر بُرا کام کیا (ایمان تو لایا مگر اعمالِ صالحہ سے قاصر رہا۔ یا ایمان ہی نہ لایا) تو اس کو یہ حسرت رہیگی کہ یہ قصور و کوتاہی مجھ سے کیوں ہوئی؟ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کا قول اس حدیث شریف کے منافی نہیں ہے۔ خواجۂ خواجگاں نے جو کچھ فرمایا ہے اس کا تعلق حیات دنیا سے ہے۔ اور حدیث شریف میں جو ارشاد ہوا ہے وہ روز قیامت وقوع میں آئیگا۔ اس اعتبار سے ہر دو تصریحات بجائے خود درست ہیں۔ واللہ اعلم۔

نفس مطمئنہ تیسرا نفس مطمئنہ۔ جس کا بیان سورۂ والفجر میں انشاء اللہ آئیگا۔ نفس مطمئنہ وہ ہے جس کو صوفیۂ کرامؒ کی اصطلاح میں فنا فی اللہ اور بقاء باللہ حاصل ہو۔ یعنی اپنی طرف سے کوئی قول و فعل صادر نہ ہو بلکہ جو کچھ بھی ہو وہ حکم الٰہی اور اسکی مرضی کے مطابق ہو۔ ما سوی اللہ سے

اس کا دل خالی ہو۔ اور ہر حال درہر آن اسی مالک الملک جل جلالہ وعم نوالہ کی دُھن لگی ہو! انسان جب اس مرتبہ میں آتا ہے تو اللہ سبحانہ کے کلام اور اس کے ذکر سے ایسی لذت پاتا ہے کہ دوسری چیزوں کی طرف اس کا قلب مائل ہی نہیں ہوتا! ایسے نفس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔ اسی سے کہا جائیگا، ۔ یاَ اَیتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربك راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنّتی۔ اے اطمینان والی جان! اپنے پروردگار کی سمت خوشی خوشی چلی جا۔ درحالیکہ تجھے بھی خوشنود کیا جائیگا۔ پھر میرے عباد صالحین میں شامل ہو اور ان سب کے ساتھ میری جنت میں جا داخل ہو۔"

نفس کی تفسیر اصطلاحِ صوفیہ میں

صوفیۂ کرام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم فرماتے ہیں نفس امارہ وہ ہے جس کا میلان تن پروری کی طرف لگا رہتا ہے اور جسمانی لذات اور نفسانی خواہشات وشہوات کی تکمیل سے اس کو واسطہ رہتا ہے۔ اس کا سبب علم الہٰی اقتضائے عقل اور تحصیل کمال سے دوری ہے۔ تہذیب نفس اور اخلاق فاضلہ سے اس کو دور کا تعلق بھی نہیں گویا ظلمت جہل اور اس کی تاریکی میں کھویا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے اشخاص سے جو اقوال وافعال صادر ہوں گے ظلمات بعضہا فوق بعض کا مصداق ہوں گے یعنی کئی طرح کی تاریکیاں ہیں اور ہر سمت سے اندھیری چھائی ہوئی ہے جو ایک دوسری سے بڑھی چڑھی ہے آئینۂ عقل پر زنگ سا چڑھا ہوا ہے اس میں کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ اس پھندے میں پھنسے

رہنے کے باعث وہ ہمیشہ پستی میں پڑا رہتا ہے، ترقی کی راہ اس کو نصیب نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے نفس امارہ کو شر و فساد کا منبع اور اخلاق ذمیمہ کا ماوی کہا جاتا ہے۔ اور نفس لوامہ وہ ہے کہ اس کو علم صحیح سے کچھ سابقہ رہا۔ اور نفس امارہ کے خواب غفلت سے کسی قدر چونکا۔ اس علم کی بدولت، اس کا آئینۂ عقل زنگ سے صاف ہوا۔ اب اس میں ہر چیز اپنی اصلی صورت میں دکھائی دینے لگی۔ اپنے اقوال و افعال کا جائزہ لیتا گیا تو بعض اقوال و افعال ایسے پائے جو حکم عقل کے خلاف تھے، مگر نفس امارہ کے غلبہ سے وقوع میں آئے۔ اور بعض اقوال و افعال ایسے بھی پائے جو حکم عقل کے مطابق تھے۔ گویا آئینۂ عقل میں اچھی صورت نظر آئی تو اس سے خوش ہوا، اور بری دکھائی دکھائی دی تو اس پر نادم و پشیمان ہوا۔ ایسے اشخاص کا معاملہ خلطوا عملا صالحا وآخر سیئا کا مصداق ہے۔ یہاں اچھے برے سبھی قسم کے اقوال و افعال موجود ہیں۔ لہذا جس کو جسقدر خواب غفلت اور ظلمت جہل سے نجات ملی اسی قدر وہ خود کو برے بھلے کاموں کا مجموعہ قرار دیتا رہا۔ اس حالت میں اس کا بھی امکان ہے کہ بعض اچھے کاموں کو برا اور برے کاموں کو اچھا سمجھتا ہو کیونکہ اس کا علم درجۂ کمال کو نہیں پہنچا ہے۔ اور نفس مطمئنہ وہ ہے جس کا دل پوری طرح نورانی ہو چکا اور آئینۂ عقل نہ صرف جہل کے زنگ سے صاف ہوا بلکہ غبار غفلت تک کی وہاں رسائی نہیں۔ اس کا وجود کیا ہے، اخلاق حمیدہ اور ملکات فاضلہ کا مجموعہ ہے اس کا ہر قول و فعل ماسوی اللہ سے خالی اور مرضی الٰہی کے مطابق ہے اور ہر ساعت

ہردم اللہ سبحانہ سے اس کی لولگی ہوئی ہے وہ اس ظلمانی دنیا میں رہ کر بھی ملک و ملکوت کی سیر کرتا رہتا ہے اور اس کے لطف میں ایسا مستغرق ہے کہ دوسری طرف اس کا خیال تک نہیں جاتا۔

نفس لوامہ کا مقام درمیانی ہے

اس اعتبار سے نفس لوامہ کا درجہ نفس امارہ سے بالاتر اور نفس مطمئنہ سے کمتر سمجھنا چاہئے۔ گویا نفس لوامہ کا تعلق و میلان دونوں طرف ہے اور اس کا مقام اسفل و اعلیٰ کے درمیان ہے۔ نفس امارہ کی طرف رخ کرتا ہے تو اس سے گناہ و معصیت سرزد ہوتی ہے اور جب نفس مطمئنہ کی جانب اس کی توجہ ہوتی ہے تو اپنے ان افعال ذمیمہ پر نادم و پشیمان ہو کر خود کو ملامت کرتا ہے۔ جب اس کی حقیقت معلوم ہو چکی تو یوم قیامت کے ساتھ نفس لوامہ کی قسم اس لئے کھائی جا رہی ہے کہ قیامت کو برحق جاننے اور اس کو ماننے کی توقع اسی نفس لوامہ سے کیجا سکتی ہے رہا نفس امارہ وہ تو منکر قیامت ہے وہ قیامت کو کیا جانے؟ رہا نفس مطمئنہ اس کا کیا پوچھنا۔ اس کا مقام سب سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ اسی تعلق و مناسبت سے یہاں نفس لوامہ کی قسم کھائی جا رہی ہے۔

أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَلَّن نَّجْمَعَ عِظَامَهُ ۝ بَلَىٰ قَادِرِينَ عَلَىٰ 75-3
أَن نُّسَوِّيَ بَنَانَهُ ۝ کیا خیال رکھتا ہے آدمی کہ جمع نہ کریں گے ہم اس کی ہڈیاں 75-4
کیوں نہیں، ہم ٹھیک کر سکتے ہیں اس کی پوریاں"

الانسان کی تفسیر

الانسان کی تفسیر دو طرح سے کی گئی ہے۔ ایک یہ کہ عام انسان

بلا تخصیص احدے مراد لیا جائے اس اعتبار سے ہر کافر منکر قیامت مراد ہوگا یعنی کفار کیا یہ خیال رکھتے ہیں کہ ہم ان کے مرنے اور ان کی ہڈیاں سڑ جانے اور گل جانے کے بعد دوبارہ ان کی ہڈیوں کو جمع کرکے ان پر گوشت پوست چڑھا کر زندہ نہ کھڑا کریں گے؟ نہیں نہیں بلکہ ہماری قدرت کا یہ حال ہے کہ ان کی انگلیاں بلکہ ان کی ایک ایک پوری کو بھی حسب سابق بنا کر کھڑا کر سکتے ہیں۔ پھر ان کی بڑی بڑی ہڈیوں کو جمع کرنا ہمارے لئے کیا مشکل ہے؟

دوسری تفسیر دوسری تفسیر یہ ہے کہ الانسان سے کفار کا شخص خاص مراد لیا جائے۔ چنانچہ امام بغوی روایت کرتے ہیں کہ عدی بن ربیعہ جو اخنس بن شریق کا داماد تھا اور یہ دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پڑوسی تھے اور آپ ان دونوں خبیثوں سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے۔ وہ مراد ہے، کہتے ہیں :- انه جاء الیه علیه الصلاة والسلام فقال یا محمد حدثنی عن یوم القیامة متی یکون وکیف یکون امرہ فاخبرہ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقال لو عاینت ذالک الیوم لم اصدقک یا محمد ولم او من به او یجمع اللہ تعالی هذہ العظام فنزلت عدی بن ربیعه ایک وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ محمد! قیامت کے بارے میں بیان کیجئے کہ وہ کب آئیگی ہے اور اس دن کیا حال ہوگا؟ تو آپ نے اس کی خبر دی۔ یہ سن کر کہنے لگا محمد! اگر میں اس دن کا مشاہد بھی کرلوں تو نہ میں اس کی تصدیق کروں گا اور نہ اس پر ایمان لاؤں گا تا آنکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ ان متفرق ہڈیوں کو جمع کرکے

نہ بتلائے۔ اس وقت یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی "

تیسری تفسیر | تیسری تفسیر یہ ہے کہ انسان سے یہاں ابوجہل مراد ہے: ۔ انہ کان یقول ایزعم محمد ان یجمع اللہ تعالی ھذہ العظام بعد بلائھا وتفرقھا فیعیدھا خلقا جدیدا فنزلت۔ وہ کہا کرتا تھا کیا محمدؐ کا یہ دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان ہڈیوں کو ان کے بوسیدہ اور پراگندہ ہو جانے کے بعد پھر ان کو جمع فرمائیگا۔ اور ان کو اکٹھا کرکے از سر نو دوبارہ جسم دیگا؟ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی "

فقیر عرض کرتا ہے کہ یہ واقعات اگر وقوع میں آئے بھی ہوں تو آیہ کریمہ میں الانسان سے عام انسان مراد لینے میں کوئی امر مانع نہیں ہے کیونکہ یہ مسلمہ اصول ہے کہ العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب۔ اعتبار لفظ کے عموم کا ہے سبب خاص کا اعتبار نہیں" آیت کسی خاص موقع پر نازل ہوتی ہے مگر اس کا حکم عام ہوتا ہے۔ اسی لئے تفسیر میں ہم نے معنی عام لکھے ہیں۔ واللہ اعلم۔

بہر حال ارشاد ہو رہا ہے، کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو (بوسیدہ اور پراگندہ ہو جانے کے بعد) ہرگز جمع نہ کر سکیں گے؟ بات ایسی نہیں ہے ہم کو پوری طرح قدرت ہے کہ اس کی انگلیاں بلکہ ان کی پوریاں بھی ایک ایک کر کے سب کو اکٹھا کر بنا دینگے۔ جب ہم اتنی چھوٹی چھوٹی پوریاں تک جمع کر سکتے ہیں تو ہڈیاں جمع کر دکھانا کونسی بڑی بات ہے؟ انگلیاں اور پوریاں ایک طرح زینت ہیں، اور زینت و خوبصورتی امور زائدہ ہیں۔ غور کیجئے کہ جب اللہ سبحانہ کے لئے زینت و آرائش کا سامان پیدا کرنا موجب دشواری نہیں تو محض انسانی ڈھانچے کو زندہ کر کے اٹھا کھڑا کرنے میں کونسی دشواری حائل ہے۔

قادرین کی تفسیر | بلیٰ قادرین کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔

لو شآء لجعله كخف البعير او كحافر الحمار، ولكن جعله الله خلقا سويا حسنا جميلا تقبض به وتبسط به يا ابن آدم! (عبدالرزاق، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) اے فرزند آدم! (تجھے اللہ سبحانہ کی قدرت میں کلام ہے) اگر وہ چاہتا تو تیرے ہاتھ کو (جس میں انگلیاں اور پوریاں لگی ہوئی ہیں) اونٹ کے ناخن یا گدھے کے سُم کی طرح بنا دیتا لیکن اللہ سبحانہ کا فضل و کرم ہے کہ تیرے معتدل حسین جمیل ہاتھ بنائے۔ ایسے کہ تو مٹھی بنا کر اس سے قبضہ بھی کر سکتا ہے اور اسکو کھول بھی سکتا ہے۔"

انگلیاں اور پوریاں بھی نعمت ہیں حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں :۔ ان اللہ اعف مطعم ابن آدم ولم یجعلہ خفا ولا حافرا فھو یأکل بیدیہ فیتقی بھا وسائر الدواب انما یتقی الارض بفمہ (عبد بن حمید، ابن المنذر) یقین جانو کہ اللہ سبحانہ نے ابن آدم کے غذا حاصل کرنے کا ذریعہ پاکیزہ ستھرا یا عزت بنایا (کہ اس کے کھانے کے لئے ہاتھ دئے) ہاتھوں کی جگہ اونٹ کے ناخن یا گدھے کے سم نہیں بنائے ۔ چنانچہ وہ اپنے ہاتھوں سے کھاتا ہے اور ہاتھوں ہی کے ذریعہ اپنا بچاؤ کرتا رہتا ہے ۔ دوسرے جانوروں کو دیکھو کہ وہ ہاتھوں کا کام اپنے منہ سے لیتے ہیں ۔ اور اپنا منہ زمین پر رگڑتے رہتے ہیں "۔ اب یہی ابن آدم ہماری قدرت میں کلام کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع تک نہیں کرسکتے ۔ حیف صد حیف وہ کیسی باتیں کررہا ہے ؟

بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۚ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ؕ 75-5 75-6

بلکہ چاہتا ہے آدمی کہ ڈھٹائی کرے اس کے سامنے، پوچھتا ہے کہ کب ہوگا دن قیامت کا"

لیفجر امامہ کی تفسیر ارشاد ہو رہا ہے کہ انسان اگر قیامت کا قائل ہوتا اور حساب و کتاب، سوال و جواب اور ثواب و عقاب کو مانتا تو اس کی آئندہ زندگی کی اصلاح ہو جاتی ۔ سابقہ غلط کاری اور بے راہ روی کو چھوڑ دیتا، مگر افسوس ہے کہ وہ

قیامت کو تسلیم ہی نہیں کرتا اور اس کی حقانیت کے جو دلائل و براہین بتلائے گئے ہیں ان کو سننا ہی نہیں چاہتا اور نہ ان پر غور و فکر کرنے کے لئے آمادہ ہوتا ہے۔ بلکہ اس کا ارادہ تو یہ ہے کہ جس گمراہی میں وہ اب تک پھنسا ہوا ہے آئندہ بھی اسی میں پڑا رہے۔ فسق و فجور اور کفر و عناد کا دروازہ جیسا کہ وہ شروع سے اپنے اوپر کھلا رکھا ہے آئندہ بھی اسی حالت میں پڑا رہکر فسق و فجور اور کفر و عناد میں لگا رہے۔ بھولے سے اگر قیامت کا نام یا اس کا بیان کبھی سن لے بھی تو استہزا اور مذاق کے لہجے میں پوچھتا ہے کہ حضرت! وہ قیامت کب آتی ہے اور وہ اب ہے کہاں؟ ذرا اس کا پتہ تو دیجئے اور نشان تو بتلائیے۔

تفسیر سلف اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔ یمشی قدما فی معاصی اللہ۔ (عبد بن حمید، ابن جریر) اللہ سبحانہ کی نافرمانیوں میں قدم بڑھاتا ہی رہتا ہے۔" حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ یقدّم الذنب و یؤخّر التوبۃ۔ (ابن ابی الدنیا، بیہقی) گناہ کی سمت پیش قدمی جاری رکھتا اور توبہ کو پیچھے ڈالتا جاتا ہے" حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں:۔ لا تلقی ابن آدم الا تنزع نفسہ الی معصیۃ اللہ قدما الا من عصم اللہ۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر) تم جب کسی ابن آدم سے ملو اس کو اسی حالت میں پاؤ گے کہ اس کا نفس

اس کو اللہ سبحانہ کے احکام کی نافرمانی کی سمت قدم قدم کھینچتا ہی رہتا ہے، مگر وہی مستثنیٰ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ایسی حالت سے محفوظ رکھا ہو۔" حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں: ـ لایجهل ابن آدم ان ربه قادر علی جمع عظامه لکنه یرید ان یکفر امامه ـ کوئی فرزند آدم بھی اس سے ناواقف نہیں ہے، یعنی ہر شخص جانتا ہے کہ اس کا پروردگار اس کی ہڈیوں کو جمع کرنے پر پوری طرح قادر ہے لیکن اس کا ارادہ یہ ہے کہ (جس طرح ماضی وحال میں کفر پر اڑا ہوا ہے) مستقبل میں بھی کفر پر اڑا ہوا و جما ہوا رہے۔" حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں: ـ یقول سوف اتقرب سوف اعمل حتی یاتیه الموت علی شر حاله ـ انسان کہتا رہتا ہے کہ میں عنقریب تقرب الی اللہ کی راہ اختیار کروں گا اور قریب میں نیک اعمال شروع کردوں گا۔ تاآنکہ ایسا کہتے کہتے ہی اس کا آخری وقت آن پہنچتا ہے اور وہ اسی بدحالی کا شکار بنا رہ کر دنیا سے چل بستا ہے۔" کسی نے کیا خوب کہا: ؎

چند گوئی کہ پیری رسم و توبہ کنم ہیچ دانی کہ بہ پیری رسی یا نہ رسی

بہرحال کفار نے کہا تھا اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ ـ قیامت کب اور کہاں ہے؟ اس کا جواب ارشاد ہورہا ہے: ـ

فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۙ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۙ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۙ 75-7 75-8 75-9

75-10

یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ اَیْنَ الْمَفَرُّ ۝ پھر جب چندھیانے لگے آنکھ، اور گہن میں آجائے چاند، اور اکٹھے ہوں سورج اور چاند کہے گا آدمی اس دن کہاں ہے موقع بھاگ جانے کا؟"

تفسیر حضرت ابن عباسؓ مفسرین کرام میں سے حضرت ابن عباسؓ اور قتادہ رضی اللہ عنہم نے یہاں حالت موت مراد لی ہے یعنی عالم نزع میں جب آخرت کا عالم انسان پر کھل جائے تو اس کی آنکھیں چندھیانے لگیں گی اور عقل ماند پڑ جائیگی، حواس مختل ہو جائیں گے تو انسان گھبرا کر کہنے لگتا ہے کہ اس نازک حالت میں کہاں بھاگ جاؤں۔ فرار کا وقت اور کوئی اس کا محل ہوتا تو بھاگ جاتا۔ مگر اس صورت میں چاند، سورج، خسوف، وغیرہ کے حقیقی معانی چھوڑ کر مجازی کی طرف جانا پڑتا ہے۔ گو آیات کریمہ کے معنی درست ہو جاتے ہیں لیکن مجازی معنی اس صورت میں لئے جاتے ہیں جبکہ حقیقی معنی مراد لینا ممکن نہ ہو یا اس میں کوئی دشواری حائل ہو۔

دیگر مفسرین حضرت ابن جریج مجاہدؒ اور عطاء بن یسار وغیرہم ان واقعات کو روز قیامت سے متعلق فرمایا ہے۔ یعنی اس دن اللہ سبحانہ کے قہر کی تجلی ہو گی تو انسان کی آنکھیں چندھیانے لگیں گی۔ آفتاب سر کے قریب آجائیگا تو گرمی کی شدت سے لوگ پسینے میں شرابور ہو جائیں گے، پھر چاند بے نور ہو جائے گا جیسے گہن کی حالت میں ہوتا ہے۔

پھر سورج اور چاند لپیٹ دیئے جائیں گے۔ چنانچہ حضرت عطا ابن یسارؓ جمع الشمس والقمر کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ یجمعان یوم القیامۃ ثم یقذفان فی البحر فیکون نار اللہ الکبریٰ۔ (ابن جریر، ابن المنذر) سورج اور چاند کو قیامت کے دن اکٹھا کیا جائیگا پھر ان کو سمندر میں ڈال دیا جائیگا جس سے اللہ سبحانہ کی آگ جو بڑی ہی زبردست ہوگی بھڑک اٹھیگی۔" اور حضرت مجاہد و ابن جریج سے مروی ہے:۔ کوّرا یوم القیامۃ۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر) چاند اور سورج دونوں قیامت کے دن لپیٹ دیئے جائیں گے" انکی یہ جسامت اور پھیلاؤ باقی نہیں رہیگا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اس روایت کی نسبت بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ سورج کا حجم سمندر سے کئی گنا بڑا ہے، ان دونوں کا باہمی تناسب مچھر اور ہاتھی کے تناسب سے بھی زائد ہے۔ جب اکیلا سورج، سمندر سے اتنا بڑا ہے تو جس صورت میں سورج کے ساتھ چاند کو بھی اکٹھا کیا جائے ان کا تناسب سمندر کے مقابلہ میں اور بھی بڑھ جائے گا، پھر یہ دونوں سمندر میں کیونکر ڈال دیئے جاسکیں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چاند اور سورج کا لپیٹ دیا جانا بھی روایات بالا میں آیا ہے۔ لہذا ہوسکتا ہے کہ لپیٹ دیئے جانے کے بعد ان کا پھیلاؤ کم ہوجائے جیسا کہ کپڑے کا کوئی تھان اگر کھول دیا جائے تو اس کا پھیلاؤ بہت زیادہ ہوجاتا ہے لیکن اگر اس کو لپیٹ

لیا جائے اور رٹے کر دیا جائے تو وہ ایک آدمی کے ہاتھ میں آجاتا ہے اس کے لئے زیادہ جگہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ اسی طرح چاند سورج اور سمندر کا تقابل کر لیا جائے۔ اور دوسرا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ "بحر" (سمندر) سے دنیا کا سمندر مراد لیا جائے تو بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر آخرت کا کوئی گوشہ مراد ہو تو کوئی اشکال نہیں رہتا۔ بہرحال قیامت مراد ہو یا حالت نزع اور موت کیونکہ وہ بھی قیامت صغریٰ ہے اس دن انسان پریشان و حیران ہو کر گھبرایا گھبرایا ہوا ہوگا اور کہیگا اَیْنَ الْمَفَرُّ بھاگ جانے کی مہلت اور جگہ کہاں ہے؟ ارشاد باری ہو رہا ہے:—

كَلَّا لَا وَزَرَ ۞ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمُسْتَقَرُّ ۞ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ 75-11
يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ۞ کوئی نہیں کہیں نہیں ہے بچاؤ تیرے رب تک 75-12 75-13
ہے اس دن جا ٹھہرنا جتلا دیں گے انسان کو اس دن جو اس نے آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا۔"

لَا وَزَرَ کی تفسیر | حضرت ابن عباسؓ نے آیۂ کریمہ کَلَّا لَا وَزَرَ کی تفسیر میں فرمایا:— لاحصن ولاملجأ ولاحرز ولاجبل۔ (عبد بن حمید، ابن ابی الدنیا، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) کوئی قلعہ نہیں ہے اور نہ کوئی پناہ کی جگہ، یا یہ کہ نہ کوئی بچاؤ ہے اور نہ کوئی پہاڑ۔" اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: کان الرجل

یکون فی ما شیتہ فتأتیہ الخیل بغتۃ فیقول لہ صاحبہ الوزر الوزر ای
اقصد الجبل فتحصن بہ (ابن جریر، ابن المنذر) انسان اپنے مویشی کو (جنگل میں) چراتا
رہتا۔ اتنے میں یکایک سوار نظر آتے (کہ حملہ آور ہوتا چاہتے ہیں) تو اس کا ساتھی کہتا
الوزر الوزر یعنی پہاڑ کی راہ لے اور وہاں اپنے مویشی کی حفاظت کا سامان کرلے"
یہ بھی فرمایا:۔ کانت العرب اذا نزل بھم الامر الشدید قالوا الوزر الوزر
فلما ان جاء اللہ بالاسلام قال کلا لا وزر قال لا جبل۔ (عبد بن حمید) جاہلیت
میں عربوں کا دستور تھا کہ جب ان پر کوئی شدید حادثہ (حملہ وغیرہ کا) درپیش ہوتا تو کہتے
الوزر الوزر۔ کسی پناہ گاہ میں پناہ ڈھونڈھو۔ جب اللہ سبحانہ نے اسلام کو غلبہ
دیا تو فرمایا کہ اب تمھارے لئے کوئی جائے پناہ پہاڑ وغیرہ نہیں ہے"۔ بہرحال یہ بتانا
منظور ہے کہ تمھارا محاورہ الوزر الوزر اب کارآمد نہیں۔ اللہ سبحانہ کے حکم کے آگے
کوئی جائے پناہ نہیں ہو سکتی۔ پناہ گاہ ہو یا قلعہ یا پہاڑ یا بچاؤ کی کوئی اور تدبیر
کچھ بھی مفید نہیں ہو سکتی۔

جائے پناہ اللہ ہی ہے | اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَئِذِ نِ الْمُسْتَقَرُّ ۔ اے انسان! اس دن
تیرے رب کے پاس ہی تیری جائے قرار ہے"۔ لہٰذا اپنا بچاؤ چاہتا ہے تو تجھے حفاظت الٰہی
میں ہی آجانا چاہیئے۔ اور اس کی ایک ہی صورت ہے کہ اس کا دین قبول کرلے جو دین اسلام ہے

اس کے بھیجے ہوئے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کر اور اس کی اتاری ہوئی مقدس کتاب قرآن کریم پر ایمان لا اور اس کے بتائے ہوئے احکام پر چلتا رہ۔ یہی راہ نجات ہے۔ اگر تو اس کو قبول کریگا تو تمام آفات و بلیات سے تجھکو نجات ملیگی۔ اور اگر اس کا خلاف کریگا تو پھر کہیں کا نہ رہیگا۔ اور کہیں پناہ نہ ملیگی۔ یہ آیہ کریمہ گویا فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ کے ہم مضمون ہے۔

ینبّؤ کی تفسیر | یُنَبَّؤُ الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ۔ اس دن انسان کو باخبر کیا جائے گا ان تمام کاموں سے جن کو اس نے آگے بھیجا اور جن کو پیچھے چھوڑا۔ انسان دنیا میں جو کچھ کرتا ہے اچھا ہو یا بُرا سب کچھ اس کے نامۂ اعمال میں لکھا ہے۔ اعمال نامہ اس دن ہر شخص کو دیا جائے گا اور اس کو اس ذریعہ سے اپنے کیئے کی خبر ہو جائیگی۔ نیز جن کاموں کو نہ کیا بلکہ پس پشت ڈال دیا انکی بھی خبر ہوگی۔ اگر اچھے کام کیئے اور بُرے کام پیچھے ڈال دئے تو اس کے مطابق اس کو ہر ہر عمل کی اچھی جزا ملیگی اور اگر اچھے کاموں کو پیچھے ڈال دیا اور بُرے کاموں میں لگا رہا تو اسی کے بموجب اس پر ذمہ داری رہیگی اور سزا کا مستحق ٹھہریگا۔

تفسیر حضرت ابن مسعودؓ | حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: ینبأ الانسان بما قدم من عمله وما اخر من سنة عمل بها من بعده من خير او شر

(عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر) انسان کو خبردار کیا جائے گا اُس کے اُن اعمال سے جو اُس نے کئے۔ اور اس طریقہ سے جس کو اس نے اپنے بعد والوں کے لئے چھوڑا اور وہ اس کے چھوڑے ہوئے طریقہ کے مطابق عمل کرتے رہے۔ اس کا کیا ہوا عمل اور چھوڑا ہوا طریقہ اچھا ہو یا بُرا۔" اس میں یہ اشارہ ہے کہ انسان کو اچھا عمل کرنا اور اچھا نمونہ چھوڑ جانا چاہیئے تاکہ اس کو اپنے عمل اور اپنے چھوڑے ہوئے نمونے کے مطابق ثواب ملتا رہے۔ اور اگر کوئی بُرا کریگا اور بُرا نمونہ چھوڑ جائے گا تو اس کی تمام ذمہ داری خود پر رہیگی۔ اور اس بُرے نمونہ پر عمل کرنے والے بھی اپنی ذمہ داریوں سے بچ نہ سکیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

عالم نزع کا حال حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔ ینزل ملك الموت علیہ مع حفظة فیعرض علیہ الخیر والشر فاذا رأی حسنة ھش واشرق واذا رأی سیئة غض وقطب (ابن ابی الدنیا) انسان کا وقت اخیر آپہنچتا ہے تو موت کا فرشتہ محافظ جماعت کے ساتھ اترتا اور اس انسان پر اس کے خیر و شر کو پیش کرتا ہے۔ جب وہ اپنی نیکیوں کو دیکھتا ہے تو خوش ہوتا اور اس کا چہرہ مارے خوشی کے چمکنے لگتا ہے۔ اور اگر وہ بُرائی دیکھتا ہے تو شرم کے مارے آنکھیں نیچی کر لیتا ہے اور اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے۔"

پیش کشی اعمال حضرت مجاہد فرماتے ہیں :— بلغنا ان نفس المؤمن لا تخرج حتیٰ یعرض علیہ عملہ خیرہ وشرہ ۔ (ابن ابی الدنیا) ہم کو یہ حدیث شریف پہنچی ہے کہ انسان کی جان نکلنے نہیں پاتی تا آنکہ وہ اپنے عمل کو نہ دیکھ لے ۔ خواہ اس کا عمل اچھا ہو یا برا ۔"

بَلِ الۡاِنۡسَانُ عَلٰی نَفۡسِہٖ بَصِیۡرَۃٌ ۙ وَّ لَوۡ اَلۡقٰی مَعَاذِیۡرَہٗ ؕ 75-14 75-15

"بلکہ آدمی اپنی ذات کو خوب دیکھتا ہے اگرچہ پیش کرتا ہوا اپنے بہانے ۔"

انسان کو اپنی ذات کا علم حضوری عالم نزع ہو یا روز قیامت' انسان کو اپنے کئے ہوئے افعال اور کہے ہوئے اقوال' اور تیار کئے ہوئے اعمال' سب کچھ یاد ہوں گے ۔ اس لئے کہ انسان کو اپنا علم حضوری ہے' دوسروں سے دریافت کرنے اور ان سے حاصل کرنے کی مطلقاً ضرورت نہ ہوگی ۔ جب یہ حالت ہے تو اعمال نامہ' یا شہادت پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی ۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی ڈھٹائی کرکے جانتا بوجھتا ہوا بھی عذر تراشی سے کام لینا چاہے ۔ یا انکار کرے ۔ یا ذمہ داری دوسروں کے سر ڈالنے کی کوشش کرے ۔ جیسا کہ دنیا میں مجرمین کیا کرتے ہیں لیکن ہر مجرم اپنے جرم کے احوال سے خوب واقف ہوتا ہے ۔ خواہ وہ کتنی ہی ڈھٹائی سے کام لے ۔

انسان اپنا آپ گواہ ہے حضرت قتادہ فرماتے ہیں: ۔ شاهد علیها بعملها لو اعتذر یومئذ بباطل لم یقبل الله ذلك منه یوم القیامة ۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن المنذر) انسان اپنے نفس کے کئے ہوئے اعمال کا خود ہی گواہ ہے گو اس دن باطل عذرات پیش بھی کرے تو اللہ سبحانہٗ بروز قیامت اس کے ان عذرات کو قبول نہ فرمائے گا" نیز آپ نے یہ بھی فرمایا: ۔ اذا شئت رأیته بصیرا بعیوب الناس غافلا عن عیبه قال وکان یقال فی الانجیل مکتوب یا ابن آدم اتبصر القذاة فی عین اخیك ولا تبصر الجذل المعترض فی عینك ۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر) انسان اپنے نفس کے اعمال کا خود ہی گواہ ہے، اس کی تصدیق چاہتے ہو تو بسا اوقات انسان کو تم دیکھتے ہو کہ وہ لوگوں کے عیوب کو تو خوب دیکھتا رہتا ہے اور اپنے عیوب سے غافل رہتا ہے ۔ نیز یوں کہا جاتا تھا کہ انجیل مقدس میں لکھا ہے: ۔ اے فرزند آدم! کیا تو اپنے بھائی کی آنکھ میں کا تنکہ تو دیکھ لیتا ہے اور شہتیر جو تیری آنکھ میں ہے اس کو نہیں دیکھتا" حضرت سعدی فرماتے ہیں: ؎

مرا پیر دانائے فرخ شہاب — دو اندرز فرمود بر روئے آب

یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش — دوم آنکہ بر غیر بد بیں مباش

اعضاء وجوارح گواہی دینگے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ سمعه وبصره ويده ورجليه وجوارحه ولو تجرّد من ثيابه ۔ (ابن جریرؒ ابن المنذرؒ ابن ابی حاتم) انسان کے کان' آنکھ' ہاتھ' دونوں پاؤں' اور سارے اعضا گواہ ہیں اگرچہ وہ (نہ پہچانا جانے کے لئے) اپنے تمام کپڑے اتار دے" تب بھی قیامت میں اس کا ایک ایک عضو گواہی دیگا کہ میں نے یہ یہ کام کئے ہیں۔

معاذیرہ کی دوسری تفسیر حضرت ضحاک اور سُدّی فرماتے ہیں :۔ معناه ولو ارخى الستور واغلق الابواب عند فعل المعصية ليخفى ما يعمل فلا ينفع فان نفسه عليه شاهد وكذا الموكّل به والله على كل شيئ شهيد واهل اليمن يسمّون الستر معذارا وجمعه معاذيرة ۔ ارشاد باری تعالی ولو القى معاذيره کے معنی یہ ہیں کہ اگرچہ انسان معصیت کرتے وقت پردے چھوڑ دے اور دروازے بند کرلے تاکہ اس کا عمل چھپا رہے تو یہ ساری تدبیریں کچھ بھی مفید نہ ہونگی کیونکہ انسان خود اپنی ذات پر آپ گواہ ہے۔ نیز جو فرشتے انسان پر مقرر ہیں' وہ بھی گواہ ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر اللہ سبحانہ کی ذات قدسی صفات ہے جو ہر چیز پر پوری پوری گواہ ہے۔ اہل یمن پردے کو مِعذار کہتے ہیں' جس کی جمع معاذیرۃ آتی ہے"

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ 75-16
وَ قُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا 75-17
بَيَانَهٗ ۝ نہ ہلاتے جائیے اپنی زبان (اس کے پڑھنے پر) تاکہ جلدی سیکھ لیں اس کو 75-18
یقیناً ہمارا ذمہ ہے اس کو جمع رکھنا (آپ کے سینہ میں) اور پڑھنا (آپ کی زبان سے) 75-19
پھر جب ہم پڑھنے لگیں (فرشتے کی زبانی) تو آپ ساتھ رہیں اس کے پڑھنے کے، پھر مقرر
ہمارا ذمہ ہے اس کو کھول کر بتانا۔"

شانِ نزول حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:- کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعالج من التنزیل شدۃ وکان یحرّک بہ لسانہ وشفتیہ مخافۃ ان یتفلّت منہ یرید ان یحفظہ فانزل اللہ لا تحرّک بہ لسانک لتعجل بہ انّ علینا جمعہ وقرآنہ قال یقول انّ علینا ان نجمعہ فی صدرك ثم تقرؤہ فاذا قرأناہ یقول اذا انزلناہ علیك فاتبع قرآنہ فاستمع لہ وانصت ثمّ انّ علینا بیانہ بیّنہ بلسانك وفی لفظ علینا ان نقرأہ فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد ذلك اذا اتاہ جبرئیل اطرق وفی لفظ استمع فاذا ذھب قرأہما وعدہ اللہ عزّ وجلّ (طیالسی، امام احمد، عبد بن حمید، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن الدنیا، طبرانی،

ابن مردویہ، ابونعیم، بیہقی) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نزول قرآن کریم کے موقع پر شدت محسوس فرماتے اور اپنی زبان مبارک اور ہونٹھ ہلاتے رہتے اس اندیشے سے کہ کچھ حصہ وحی کا حافظہ سے چھوٹ نہ جائے۔ اس پر اللہ سبحانہ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی جس کا مضمون یہ ہے کہ جلدی کے خیال سے اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کیجئے اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے یعنی یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ اس کتاب کو آپ کے سینۂ مبارک میں ہم محفوظ کرادیں گے اس طرح کہ آپ بے تکلف پڑھ سکیں، پھر جب (فرشتے کی زبانی) ہماری کتاب کی پڑھائی ختم ہو جائے تو آپ اس کا اتباع کئے جائیے یعنی اپنی پڑھائی جاری رکھئے۔ پھر اس کی وضاحت اور بیان بھی ہمارے ذمہ ہے یعنی آپ اپنی زبان مبارک سے اس کی تفسیر و توضیح بیان کیا کیجئے یا یہ کہ ہم ہی اس کی وضاحت کیا کریں گے۔ چنانچہ ان آیات کریمہ کے نزول کے بعد جب کبھی حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لاتے تو آپ گردن جھکائے ہوئے ہمہ تن گوش ہو کر اس کی سماعت فرماتے اور جب وہ چلے جاتے تو آپ پوری وحی اللہ سبحانہ کے وعدے کے مطابق پڑھ سناتے تھے۔"

طلب علم کے آداب ارشاد ہو رہا ہے کہ جبرئیلؑ جب تک آپ کو قرآن کریم سُناتے رہیں، خاموش سنتے رہئے اپنی زبان مبارک کو حرکت نہ دیجئے اس کے چھوٹ جانے کا اندیشہ کر کے جلدی نہ کیجئے۔ وحی کو آپ کے سینۂ مبارک میں محفوظ کرنا کہ اسکے الفاظ و معانی

پوری طرح آپ کے ذہن نشیں ہو جائیں ہمارے ذمہ ہے۔ جب وحی کا القاء جو جبریلؑ کے ذریعہ ہوتا ہے تکمیل پا چکے۔ تو اس کے مطابق آپ پڑھا کیجئے۔ اس پوری وحی کو آپ کی زبان مبارک سے پڑھوا دینا ہمارا کام ہے کہ اس میں ذرا سی کمی یا تغیر نہ آنے پائے۔ پھر اس کے معانی و مطالب یا احکام وغیرہ میں کچھ ابہام یا اشکال ہو تو ہم ہی اس کی وضاحت بھی کر دیں گے۔

اس آیۂ کریمہ سے کئی امور پر روشنی پڑتی ہے :

۱۔ طالب علم کا فرض ہے کہ سلسلۂ خطاب جب تک جاری رہے سکوت اختیار کرے۔

۲۔ تحصیل علم میں عجلت کارفرما نہ ہو۔ بلکہ علم کو پختگی اور مضبوطی کے ساتھ حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اور ہمہ تن گوش ہو کر تقریر سنتے رہیں۔ تقریر ختم ہونے پر اس کا اعادہ کیا جائے۔

۳۔ جو کچھ القاء ہوا ہے اس میں کوئی ابہام یا اشکال پایا جائے تو اس کی وضاحت بعد کو ہو سکتی ہے۔ اسی وجہ سے ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ ارشاد ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ کلمۂ ثُمَّ تعقیب و تاخیر کے لئے ہے۔ یعنی مبہم کی تفسیر وقت خطاب کے بعد بھی ہو سکتی ہے۔ مگر وقت حاجت کے بعد نہیں ہو سکتی۔ یعنی عمل کا وقت آنے سے پہلے ابہام رفع کر دیا جائے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ عمل کا وقت آجائے اور طریقۂ عمل نہ بتایا جائے۔

بعض لوگوں نے وقت خطاب اور وقت حاجت میں فرق نہ کرکے اصول فقہ کے اس مسلمہ مسئلہ کو پیچیدہ بنا دیا ہے دراصل کوئی پیچیدگی نہیں۔ یعنی مبہم کی تفسیر میں اتنی تاخیر نہیں ہو سکتی کہ اس پر عمل کرنے کا وقت نکل جائے۔

كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ۝ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ ۝ کوئی نہیں 75-20 75-21

بلکہ تم چاہتے ہو جو جلد ملے اور چھوڑتے ہو جو دیر میں آئے"

عجلت پسندی انسان کی فطرت ہے

حضرت قتادہ فرماتے ہیں:۔ اختار اکثر الناس العاجلۃ الا من رحم اللہ وعصم۔ (عبد بن حمید) اکثر لوگوں نے جلد ملنے والی چیزوں کو پسند کرنا شروع کر دیا ہے۔ بجز ایسی ہستیوں کے جن پر اللہ سبحانہ نے مہربانی فرمائی اور ان کو ایسی جلد بازی سے محفوظ رکھا" وہ مستثنیٰ ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

عجلت لھم الدنیا سناھا وخیرھا وغیبت عنھم الآخرۃ۔ (عبداللہ بن احمد) دنیا کی چمک دمک اور اس کی بھلائی ان کو نقد و حاضر دکھائی دیتی ہے اور آخرت کی خوبی ان کی آنکھوں سے چھپا دی گئی ہے"

اہل اللہ کا امتیاز

مطلب یہ کہ انسان جلد باز واقع ہوا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا:۔ خلق الانسان من عجل۔ لیکن فرق اتنا ہے کہ اچھے لوگ آخرت کے کاموں کی طرف

سبقت کرتے ہیں۔ جیسا کہ ابھی معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی الٰہی کو یاد کرلینے کے لئے سبقت فرمایا کرتے تھے۔ اور دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو متاعِ دنیا کو نقد سمجھ کر اس کے پیچھے دوڑتے رہتے ہیں اور آخرت کو ادھار سمجھ کر اسکو پس پشت ڈالتے اور اس سے تغافل برتتے ہیں۔ اور اسی کے منجملہ آخرت کا انکار ہے جو کفار کیا کرتے ہیں۔ اگر ان کو ذرا بھی عقل و فہم ہوتی تو ہر کام کے انجام پر نظر رکھتے۔ جلد بازی سے کام نہ لیتے مگر اپنی حمق سے دنیا کی لذتوں کے دلدادہ بنے ہوئے ہیں اور لذات دنیوی کے انہماک نے ان کی آنکھوں کو نعیم آخرت سے بند کر دیا ہے۔ اور دلوں پر دنیا کی چاشنی کا وہ اثر ہے کہ آخرت کی طرف ان کے قلوب مائل ہی نہیں ہوتے۔ جیسا کہ شاعر خود اعتراف کرتا ہے:

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زُہد پر طبیعت اِدھر نہیں آتی

تفسیر طیبیؒ علامہ طیبی طاب ثراہ فرماتے ہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ کلا بل تحبون العاجلۃ کا تعلق قولہ تعالیٰ ولو القیٰ معاذیرہ سے ہے۔ مطلب یہ کہ انسان جب آخرت میں بہانے پیش کرے گا اور عذر تراشی سے کام لیگا تو اس کو یہ جواب دیا جائے گا کہ تمہارا کوئی عذر لائق سماعت نہیں کیونکہ تم وہ ہو جو فسق و فجور میں مبتلا رہے اور تمہارا خیال یہ تھا کہ اسی فسق و فجور میں تم ہمیشہ پڑے ہوئے دنیا کے

مزے لوٹتے رہو گے۔ نہ موت ہے۔ نہ مرکر اٹھنا ہے۔ نہ حساب ہے نہ کتاب۔ نہ سزا و جزا۔
جبھی تو جلد ملنے والی چیزوں سے تم کو محبت تھی اور دیر سے آنیوالی چیزوں کا انکار تھا۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ مفسرین کرام کے اِن اقوال میں کوئی تضاد نہیں ہے
ہر ایک قول اپنی جگہ درست ہے۔ مقصود اصلی جلد بازی سے منع کرنا ہے۔ کیونکہ حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب وحی الٰہی کو یاد کر لیتے اور ذہن شریف میں محفوظ کر لیتے میں
سبقت فرمانا چاہتے تھے اور یہ صورت تحصیل علم کی تھی کہ علم سے بہتر اور کوئی چیز
نہیں ہو سکتی۔ بایں ہمہ حضور انور کو ایسی عجلت سے منع فرمایا گیا تو کفار دنیا کی
جن جلد بازیوں میں گرفتار ہیں اور آخرت سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں ان کی
برائی کا کیا ٹھکانہ ہوگا؟ غور کر لیجئے۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ وَوُجُوْهٌ 75-22 75-23
يَّوْمَئِذٍۢ بَاسِرَةٌ ۙ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۗ کتنے منہ اس دن 75-24 75-25

تازہ ہوں گے' اپنے رب کی طرف دیکھنے والے' اور کتنے منہ اس دن اُداس
ہوں گے' خیال کرتے ہوں گے کہ کیا کیا جائے گا ان کے ساتھ (وہ سلوک)
جو کمر کے منکے توڑنے والا ہے۔"

دیدار الٰہی آخرت میں جو امور در پیش ہوں گے از انجملہ سب سے اہم اور اعلیٰ وارفع نعمت

دیدار الٰہی ہے کہ دنیا و آخرت کی کوئی نعمت اس کی ہمسری نہیں کر سکتی۔ مگر اس نعمت عظمیٰ سے کفار محروم رہیں گے اس لئے کہ یہ رویت دار آخرت میں میسر ہوسکیگی اور کفار قیامت اور آخرت کے منکر ہیں۔ نیز وہ لوگ بھی اس سے بے بہرہ رہیں گے جو دیدار کے قائل نہیں۔

رویت باریٔ تعالیٰ حق ہے دیدار الٰہی ہم اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کا ایک مستقل مسئلہ ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ وجوۂ یومئذ ناضرۃ الی ربّھا ناظرۃ برویۃ البصر بلا کیف ولا جھۃ ولا ثبوت مسافۃ ولا بقیاس الغائب علی الشاھد۔ یعنی کتنے چہرے تروتازہ بارونق ہوں گے جو اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے ان کی یہ رویت بصری ہوگی رہا یہ بیان کہ وہ کیسی ہوگی، اس کی کیفیت نہیں بتائی جاسکتی۔ اور نہ اس کی جہت بتائی جاسکتی ہے کہ وہ سمت مشرق، مغرب، شمال یا جنوب میں ہے۔ نہ اس کا تحت و فوق ہے۔ اور اگر کہیں لفظ فوق اس کی شان میں استعمال کیا گیا ہے تو فوقیت حقیقی مراد نہیں جس سے سمت فوق سمجھی جائے بلکہ برتری و عظمت مراد ہے۔ اور نہ بندے اور اللہ سبحانہ کے درمیان مسافت ثابت کیجاسکتی ہے کہ اللہ سبحانہ کو اتنے فاصلے پر سے دیکھا۔ اس لئے کہ یہ تمام اوصاف (کیف، جہت، مسافت)

عالم اجسام کے لئے ضروری ہیں۔ اللہ سبحانہ کی ذات جسم و جسمانیات سے منزہ ہے اور نہ کسی محسوس و مشاہد پر اس کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ یعنی جو اشیاء ہم کو محسوس ہو رہی ہیں اور ہم جن کا مشاہدہ کر رہے ہیں ان پر اللہ سبحانہ کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہ کی ذات ہے۔ لیس کمثلہ شیئ۔ "کوئی چیز اس کی مانند نہیں ہو سکتی" اللہ سبحانہ کی ذات ساری کائنات سے منزہ ہے۔ بہر حال رویت باری تعالیٰ حق ہے جس کی تفصیل اوپر گزری۔ اللھم ارزقنا رؤیۃ جمالک لیس فوقہ نعمۃ۔ الٰہی! ہم کو اپنے جمال بے کیف و بے چون و بے چگوں کا دیدار نصیب فرمائے کہ جس سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں ہو سکتی۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین سیدنا محمد وآلہ و اصحابہ اجمعین و برحمتک یا ارحم الراحمین۔

ناضرۃ و ناظرۃ کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:— وجوہ یومئذ ناضرۃ قال حسنۃ الی ربہا ناظرۃ نظرۃ الی الخالق۔ (آجری، بیہقی) اس دن کتنے تروتازہ، بارونق، خوبصورت چہرے ہوں گے جو اپنے خالق پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے" حضرت حسن بصریؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

ادنیٰ جنتی کا اعزاز حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:— ان ادنی اھل الجنۃ منزلۃ من ینظر الی جنانہ و

ازواجه ونعیمه وخدمه وسرره مسیرۃ الف سنة واکرمهم علی اللہ من ینظر الی وجهه غدوۃ وعشیة ثم قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وجوہ یومئذ ناضرۃ ۔ (امام احمدؒ، ترمذیؒ، دارقطنیؒ، لالکائیؒ، آجریؒ)
ادنی جنتی کا یہ حال ہوگا کہ وہ اپنے باغات، بیگمات، نعمات، خدام، اور تخت وغیرہا کا مشاہدہ ایک ہزار سال کی مسافت تک کرتا ہوگا۔ (گویا یہ اس کی ریاست ہوگی) اور اللہ سبحانہ کے نزدیک سب سے باعزت وہ جنتی ہوگا جو اپنے رب کو روزانہ صبح شام دو دفعہ یا یہ کہ صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک دیکھتا رہیگا (اور اسی رویت میں مستغرق ہوگا) پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی آیت وجوہ یومئذ ناضرۃ آخر تک اس کے ثبوت میں تلاوت فرمائی "

ایک روایت یوں ہے :۔ ادنی اهل الجنة منزلة من ینظر فی ملکه مسیرۃ الفی عام یری اقصاہ کما یری ادناہ ۔ (آجری) ادنی ترین درجہ کا جنتی وہ ہوگا جس کی سلطنت دو ہزار سال کی مسافت تک پھیلی ہوئی ہوگی اور وہ اس کے انتہائی حصہ کو بھی اسی طرح دیکھتا ہوگا جیسا کہ وہ اس کے نزدیک تر حصہ کو دیکھتا ہوگا"

روزِ جمعہ کی فضیلت حضرت انسؓ کی روایت میں یہ بھی ہے :—

یوم الجمعۃ یزداد فیھا نظرا الی وجھہ تعالی ولذلک دعی یوم المزید (بزار، طبرانی، بیہقی، ابویعلی) جمعہ کے دن رویت باری تعالیٰ کا زیادہ موقع نصیب ہوگا۔ اسی وجہ سے جمعہ کو یوم المزید سے یاد کیا جاتا ہے" حضرت ابن عباسؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ ان اھل الجنّۃ یرون ربھم کل جمعۃ (یحیی بن سلام) جنتی لوگ اپنے پروردگار تعالیٰ کی رویت سے ہر جمعہ کے دن مشرف ہوتے رہیں گے" حضرت حسن بصریؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

نابیناؤں کو بشارت | حضرت انسؓ سے ایک حدیث قدسی مروی ہے کہ ارشاد باری ہے:۔ من سلبت کریمتیہ جزاؤہ الحلول فی داری والنظر الی وجھی (طبرانی وغیرہ) میں جس کی دو عزیز چیزیں (آنکھیں) سلب کر لیتا ہوں تو اس کا بدلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ میرے گھر (جنت) میں داخل ہوگا اور مجھے دیکھتا ہوگا"

دیدار الٰہی نصیب ہونیکی تدبیر | حضرت جریر بن عبداللہ بجلیؓ فرماتے ہیں:۔ کنا جلوسا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذ نظر الی القمر لیلۃ البدر فقال انکم سترون ربکم کما ترون ھذا القمر لیلۃ البدر لا تضامون فی رویتہ فان استطعتم ان لا تغلبوا علی صلاۃ قبل طلوع الشمس وقبل

غروبها فافعلوا۔ (بخاری مسلم) ہم حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں آپ کی نظر مبارک چودھویں شب میں چاند پر پڑی تو فرمایا کہ تم سب اپنے پروردگار کو عنقریب دیکھو گے جیسا کہ اس چاند کو بدر کی رات میں دیکھ رہے ہو اس کی رویت میں کوئی تکلیف نہیں پاتے ہوں گے۔ لہذا اگر تم سے ہوسکے کہ آفتاب طلوع ہونے سے پہلے کی نماز (یعنی نماز فجر) اور آفتاب غروب ہونے سے پیشتر کی نماز (یعنی نماز عصر) تم سے چھوٹ نہ سکے تو تم ضرور اس کی پابندی کرو۔" مطلب یہ کہ جہاں تک ہوسکے نماز فجر اور عصر کی جماعت میں ضرور شریک رہا کرو۔ یہی وقت دیدار الہی کا ہوگا۔ اور ان نمازوں کی پابندی سے دیدار نصیب ہوگا۔ اللھم اجعلنا منھم آمین ثم آمین۔

حصول دیدار کیلئے دعا

حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں:۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدعو اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بَرْدَ الْعَیْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَلَذَّةَ النَّظَرِ اِلٰی وَجْھِكَ وَالشَّوْقَ اِلٰی لِقَائِكَ فِیْ غَیْرِ ضَرَّآءَ مُضِرَّةٍ وَلَا فِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ۔ (لالکائی) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے کہ الہی! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ بعد کی زندگی پرسکون ٹھنڈی ہو اور آپ کا جمال بے کیف دیکھنے کی لذت حاصل ہوتی رہے اور آپ سے

ملنے کا شوق دامنگیر ہو جس میں نہ کوئی ضرر رساں تکلیف ہو اور نہ کوئی پریشان کن فتنہ درپیش ہو۔"

دیدار الٰہی کا مقام حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں:۔ لن تروا ربکم حتیٰ تموتوا۔ (دارقطنی) تم اپنے پروردگار کو مرنے سے پہلے ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔" ایسی ہی ایک روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے امام لالکائی نے بھی نقل فرمائی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ تلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رب ارنی انظر الیك قال قال اللہ تعالیٰ یاموسیٰ انہ لا یرانی حیّ الامات ولا یابس الا تدھدہ ولا رطب الا تفرق وانما یرانی اھل الجنۃ لا تموت اعینھم ولا تبلی اجسادھم۔ (ابونعیم) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیۂ کریمہ رب ارنی انظر الیك کی تلاوت فرمائی جس میں حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی درخواست کا بیان ہے کہ پروردگار من! اپنے آپ کو مجھے دکھایئے۔" اس کے بعد فرمایا کہ اللہ سبحانہ نے حضرت موسیٰؑ کی درخواست کے جواب میں فرمایا:۔ موسیٰ! مجھے جس کسی زندے نے دیکھ لیا وہ زندہ نہیں رہ سکتا اور کوئی خشک چیز دیکھ لے تو وہ پارہ پارہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اور اگر کوئی تر چیز دیکھ لے تو وہ غرق ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ مجھے صرف اہل جنت ہی دیکھ سکتے ہیں۔

جن کی آنکھیں کبھی فنا نہیں ہوسکتیں اور جن کے جسم کبھی بوسیدہ نہیں ہوسکتے "۔

لقاء رب کی تفسیر حضرت مولائے کائنات سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے آیۂ کریمہ فمن کان یرجوا لقآء ربہ فلیعمل عملا صالحا کی تفسیر میں فرمایا:-

من اراد ان ینظر الی خالقہ فلیعمل عمل صالحا ولا یشرک بہ احد (بیہقی)

یعنی جو کوئی اپنے خالق مختار کو دیکھنا چاہتا ہے اس کو چاہئے کہ اس کے شائستہ کام کرتا رہے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے "۔

دیدار الٰہی آیات واحادیث سے بہرحال آیۂ کریمہ وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ کے علاوہ اور بھی آیات کریمہ ہیں جن سے رویت باری تعالیٰ عز اسمہ کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے مثلاً آیۂ فمن کان یرجوا لقآء ربہ کہ یہاں لقاء سے رویت مراد ہوتا حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی روایت سے ثابت ہوا۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ للذین احسنوا الحسنیٰ وزیادۃ ہے" یعنی ان لوگوں کے لئے جنھوں نے دنیا میں ہمیشہ اچھے کام کئے جنت ہے اور اس پر اضافہ ہے "۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں زیادۃ سے مراد دیدار الٰہی ہے۔ نیز ارشاد مولیٰ تعالیٰ ولدینا مزید۔ اور ہمارے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر اجر ہے "۔ یہاں بھی مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مزید سے مراد اللہ سبحانہ کا

دیدار ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی آیات کریمہ ہیں جن سے دیدار الٰہی مراد لیا گیا ہے۔ نیز ان آیات کی تفسیر میں منداحادیث شریفہ ہیں جن میں رویت باری کی تصریح فرمائی گئی ہے اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو رویت باری کی حقانیت تواتر معنوی کے درجہ کو پہنچتی ہے۔ یہاں ان تمام کا ذکر موجب طوالت تصور کرکے اسی پر اکتفا کی گئی۔ ان ہی آیات اور احادیث شریفہ کی بنا پر اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماع اور عقیدہ ہے کہ باری تعالیٰ کا دیدار آخرت میں حق ہے۔

دیدار الٰہی کے مدارج البتہ اس رویت کے مدارج ہیں جیسے کہ اہل جنت کے مدارج مختلف و متفاوت ہیں کوئی ایسے ہیں جن کو یہ دولت بے مثال سال میں ایک دفعہ دو دفعہ مثل عید الفطر و عید الاضحیٰ نصیب ہوگی۔ کسی کو مہینہ میں ایک دفعہ کسی کو ہر ہفتہ میں ایک دفعہ بروز جمعہ کسی کو روزانہ ایک دفعہ یا صبح و شام دو دفعہ یا دن میں کئی دفعہ اور ایسی بھی بابرکت ہستیاں ہیں جن کو دائمی طور پر اس دولت جاویدسے لطف اندوز رہنے کی سعادت نصیب ہوگی۔ کسی نے کیا خوب کہا:

دن رات تھا جلوۂ خدا پیش نظر معراج ہوئی تو کیا نئی بات ہوئی

جنت سے محروم دیدار سے محروم رہے وہ جو جنت ہی سے محروم ہیں وہ دیدار الٰہی سے بھی محروم رہیں گے۔ آگے کی آیۂ کریمہ میں انھیں کا بیان آرہا ہے۔

وَوُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَۃٌ تَظُنُّ اَنْ یُّفْعَلَ بِھَا فَاقِرَۃٌ ۔ اور بہتیرے چہرے اس دن اداس ہوں گے خیال کرتے ہیں کہ ان پر وہ آفت آئی جس سے ٹوٹیں انکی کمر کے منکے" اور سورۂ والمطففین میں اس سے بھی زیادہ وضاحت فرمائی گئی ہے جہاں ارشاد ہوا ہے: کَلَّآ اِنَّھُمْ عَنْ رَّبِّھِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ۔ کچھ نہیں یقیناً وہ اپنے پروردگار سے اس دن حجاب میں ہوں گے" یعنی دیدارِ الٰہی سے محروم ہوں گے۔ کیوں کہ وہ اللہ سبحانہ کے قائل ہی نہ تھے۔ اور کوئی قائل بھی تھا تو اس کی کتابوں، پیغمبروں اور ان کی ہدایات کو ماننا نہ تھا۔ یا یہ کہ معتزلہ و فلاسفہ کی طرح رویت باری کا منکر تھا۔ العیاذ باللہ۔

كَلَّآ إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۝ وَقِيلَ مَنْ ۜ سکتہ علہ رَاقٍ ۝ وَظَنَّ 75-26 75-27 75-28

علہ امام قرأت سیدنا حفص آیۂ کریمہ وَقِیْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ میں کلمہ مَنْ پر سکتہ یعنی وقفہ خفیفہ کرتے ہیں جس میں سانس ٹوٹنے نہیں پاتی اور نہ نون ساکن کا ادغام رائے میں ہوتا ہے اور دیگر قرائے کرام یہاں سکتہ نہیں کرتے بلکہ ادغام کے ساتھ وَقِیْلَ مَنْ رَّاقٍ پڑھتے ہیں جیسا کہ عام قاعدہ ہے کہ نون ساکن کے بعد رائے آجائے تو نون کو رائے سے بدل کر رائے کو رائے میں ادغام کرنا چاہیے۔

مفسرین کرام نے اس کی کئی توجیہات کی ہیں جس میں عام فہم توجیہ یہ ہے کہ مَنْ رَاقٍ میں

اَنَّهُ الْفِرَاقُ ۙ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۙ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِنِ 75-29

الْمَسَاقُ ۠ؑ ہرگز نہیں جس وقت جان پہنچے ہانس تک اور لوگ کہیں کون ہے 75-30

جھاڑنے والا' اور وہ سمجھ گیا کہ اب آیا وقت جدائی کا' اور لپٹ گئی پنڈلی پر پنڈلی'

تیرے رب کی طرف ہے اس دن کھنچ کر چلا جانا"

حیات دنیا کا انجام

ارشاد ہو رہا ہے کہ تم جو حُبّ دنیا میں گرفتار ہو اور آخرت کو بھولے ہوئے ہو یہ خیال چھوڑ دو یہ طریقہ تمہارے لئے مفید نہیں۔ ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ تمہاری جان صرف ہنسلی کی ہڈیوں میں رہ جائیگی' اس وقت کہنے والے کہیں گے کہ کوئی ہے منتر پڑھنے والا اس مصیبت کا دفعیہ جھاڑ پھونک کے ذریعہ کرنے والا مگر سب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

دو کلمے ہیں۔ ایک مَنْ اور دوسرا رَاقٍ۔ مَنْ مبتدا ہے اور رَاقٍ اسکی خبر مبتدا و خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ بنتا ہے اگر ادغام کیا جائے تو مَرَّاق ایک ہی کلمہ ہو جائے گا۔ اور ترکیب و معنی بگڑ جائینگے۔ اسلئے مَنْ پر سکتہ کرنا ضروری ہے نیز یہ کہ امام حفصؒ نے اپنے استاد سیدنا امام عاصم کوفیؒ سے ایسا ہی پڑھا ادغام سنا ہے۔

فقیر کے نزدیک یہاں ایک نکتہ ہے' وہ یہ کہ اگر مَنْ پر جو مبتدا ہے وقفہ یعنی سکتہ کیا جائے تو سننے والے کو اسکے سنتے ہی انتظار پیدا ہوتا ہے اور اسکے بعد جو خبر بیان کیجائیگی اسکو توجہ اور دلچسپی کیساتھ سنیگا اور یہاں بھی تشویق و ترغیب مطلوب ہے۔ واللہ اعلم ۔ یہی حال سورہ مطففین میں بَلْ رَانَ کی قرأت کا ہے کہ سیدنا حفصؒ بَلْ پر سکتہ کرتے ہیں اور دیگر قراء سکتہ نہیں کرتے بلکہ ادغام کیساتھ عام قاعدہ کے مطابق پڑھتے ہیں

سب جانتے ہیں کہ جب انسان کا وقت اخیر آجاتا ہے تو نہ کوئی حکیم طبیب کام آسکتا ہے اور نہ کوئی تعویذ یا منتر سے کام چل سکتا۔ نہ اور کوئی تدبیر مفید ہو سکتی ہے۔ زن و فرزند عزیز و اقارب اور جملہ دوست احباب کی بے بسی دیکھ کر وہ شخص جس پر موت کی مصیبت آپڑتی ہے وہ خود بھی سمجھ جاتا ہے کہ اب ان تمام تعلقات کے ٹوٹنے اور سب سے جدا ہونے کا وقت آن پہنچا۔ یہ ایسی کٹھن گھڑی ہے جو ٹلتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ اسی تردد و پریشانی میں وہ وقت بھی آجاتا ہے کہ اس کے ہاتھ پاؤں سیدھے کئے جاتے۔ اور ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے ملا دی جاتی ہے۔ آنکھیں بند کر دی جاتی ہیں اور منہ پر ڈھاٹا باندھ دیا جاتا ہے۔ پھر نہلا دھلا کر، پوشاک بدل کر گھر سے نکالا جاتا اور پروردگار عالم کے حضور میں جہاں سے اس کی آمد ہوئی تھی پہنچا دیا جاتا ہے۔

موت کا حسرتناک منظر غور کیجئے کہ یہ ایسا حسرتناک منظر ہے کہ انسان کے سارے منصوبے جو قیامت تک کے لئے بنائے گئے تھے اپنی جگہ رہ گئے۔ تمام ساز و سامان، دھن دولت، گھر بار، خویش و اقارب، یہاں تک کہ زن و فرزند کسی سے کچھ بن نہ پڑ سکا۔ پوری کوششیں یکے بعد دیگرے صرف کر دینے پر بھی کچھ نہ ہو سکا۔ خیالات اور آرزوؤں کا ایک نا متناہی سلسلہ تھا کہ ایسا کروں گا اور

یوں کہوں گا۔ یہ تدبیر کروں گا۔ ان سے ملوں گا۔ یوں ڈراؤں گا اور یوں دھمکاؤں گا یا اس طرح منت سماجت کروں گا۔ خوشامد و چاپلوسی سے کام لوں گا۔ سفارش پہنچاؤں گا یا کسی کو دے دلاکر رخصت کروں گا۔ مگر ہائے افسوس! ایک بھی نہ چل سکی۔ آخر ہوا وہی جو ہونا تھا۔ اب نہ افسوس کام دیتا ہے نہ شور یا واویلا۔

مابعد الموت کیلئے تیاری انسان کو جب یہ معلوم ہے اور یقیناً ہر شخص جانتا ہے تو مقام غور و فکر ہے کہ جو کچھ کرنا ہے سوچ سمجھ کر اس وقت کے آنے سے پیشتر ہی کرلے۔ ہر برائی سے توبہ کرے۔ خدا اور رسول پر ایمان لائے۔ عمل صالح میں لگا رہے۔ ہر ایک معاملہ خواہ وہ فیما بینہ و بین اللہ ہو یا فیما بینہ و بین الناس اس کی اصلاح کی فکر کرے اسی کے لئے وہ دنیا میں آیا تھا اور اسی کی خاطر اللہ کی کتابیں نازل ہوئی تھیں اور اللہ کے پیغمبر اسی کی تعلیم و تلقین فرماتے رہے۔ اور اسی کے مدنظر عدل و انصاف میزان عدل، جنت و دوزخ، حساب و کتاب، سوال و جواب، ثواب و عقاب مقرر ہوا تھا۔ ورنہ کسی عاقل کی عقل میں یہ بات آسکتی ہے کہ انسان یہاں یوں ہی عبث طور پر بھیجا گیا؟ لا واللہ ثم لا واللہ۔

راق کی دوسری تفسیر بعض مفسرین کرام نے مَنْ رَاقٍ کی تفسیر دوسرے طریق سے فرمائی ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے: — تنتزع نفسہ

حتی اذا کانت فی تراقیہ قیل من یرقی بروحہ ملائکۃ الرحمۃ او ملائکۃ العذاب۔ (ابن ابی الدنیا، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) عالم نزع درپیش ہوتا ہے اور ایک ایک عضو سے جان نکلتی جاتی ہے۔ شدہ شدہ جب وہ گڈگڈی میں آجاتی ہے تو ملائکہ کرام میں چہ میگوئیاں شروع ہوتی ہیں کہ ان کی روح کو اوپر کو اٹھالے جائے۔ آیا فرشتگان رحمت یا ملائکہ عذاب"۔ حضرت ابوالعالیہ فرماتے ہیں یختصم فیہ ملائکۃ الرحمۃ وملائکۃ العذاب ایھم یرقی بہ۔ (سعید بن منصور، ابن المنذر) اس شخص کی نسبت ملائکہ رحمت اور ملائکہ عذاب میں بحث چھڑ جاتی ہے کہ اس کی روح کون لے جائے؟ فریق اول یا فریق ثانی؟ حضرت ابوالجوزاء سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ اصل یہ ہے کہ راقٍ کا اشتقاق اگر رُقیۃٌ سے لیا جائے تو اس کے معنی منتر کے ہیں چنانچہ پہلی تفسیر اسی بنا پر عرض کی گئی ہے، یہ جمہور مفسرین کی رائے ہے۔ منتر خواہ جھاڑ پھونک کے ذریعہ ہو یا دوا درماں یعنی تدبیر و علاج۔ اور اگر اس کا اشتقاق رُقیٌّ سے ہو تو اس کے معنی اوپر چڑھنے اور ترقی کرنے کے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ اسی طرف گئے ہیں۔ دونوں معانی اپنے اپنے اعتبار سے درست ہیں۔ واللہ اعلم بمرادہ بذلک۔

والتفت الساق کی دوسری تفسیر اسی طرح وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے وہ بھی حضرت ابن عباسؓ سے ہی مروی ہے:-

التفت الدنیا بالآخرۃ آخر یوم من ایام الدنیا واول یوم من ایام الآخرۃ فتلتقی الشدۃ بالشدۃ الا من رحم اللہ۔ (ابن جریر ابن المنذر ابن ابی حاتم) دنیا کو آخرت کے ساتھ ملا کر لپیٹ دیا گیا۔ چنانچہ موت کا دن دنیا کے دنوں کا آخری اور آخرت کے دنوں کا پہلا دن ٹھہرا۔ (جو ظاہر ہے کہ ہر دو بڑے کٹھن دن ہیں۔ دنیا کا آخری دن کٹھن اس لئے کہ سب کا حساب چکا کر یہاں سے چلنا ہے۔ اور آخرت کا پہلا دن کٹھن اس وجہ سے ہے کہ اب تک اس عالم سے کبھی سابقہ نہیں پڑا۔ معلوم نہیں وہاں کیسی گزریگی؟) تو ایک شدت دوسری شدت سے مل جائے گی اور ایک انسان دو قسم کی سختیوں میں گھر جائے گا۔ کسی ایک شدت سے عہدہ برآ ہونا ہی غور طلب ہے پھر چہ جائیکہ ایک کی جگہ دو شدتیں مختلف النوع جمع ہو جائیں۔ ہاں جس کے حال پر اللہ سبحانہ کی مہربانی و عنایت شامل ہو تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس کو کوئی پریشانی نہ ہو گی۔ یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں جو قلب سلیم لئے ہوئے اپنے معبود جل جلالہ کے دربار میں حاضر ہیں (الا من اتی اللہ بقلب سلیم۔)

الی ربک یومئذ المساق کی تفسیر اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَئِذِ نِ الْمَسَاقُ۔ اس دن تیرے

رب کی طرف ہی روانگی ہے" یعنی انسان خواہ وہ مومن ہو یا کافر' نیک ہو یا بد' سب کو موت کے بعد پروردگار ہی کی جانب چلنا ہے۔ کیونکہ انسان جہاں سے آیا تھا وہیں پلٹ کر جائے گا۔ اس کے بعد سوال وجواب' حساب وکتاب' ثواب وعقاب جو کچھ ہونا ہے ہوگا۔ جب حقیقت حال یہ ہے تو انسان کو چلنے سے پیشتر اپنے اعمال کا جائزہ لینا چاہیئے تاکہ وہاں سرخروئی حاصل ہو۔

صوفیۂ کرام فرماتے ہیں کہ جو لوگ اللہ سبحانہ کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں ان کے لئے اس آیۂ کریمہ میں خوش خبری ہے کیونکہ ارشاد ہوا ہے: — الی ربک انسان کی بازگشت اس کے پروردگار کی طرف ہے۔ پروردگار نے جہاں اب تک اس کو پالا پوسا ہر لحظہ اس کی تربیت فرماتا رہا تو امید ہے کہ وہاں جانے کے بعد خوش وخرم رہیگا۔ کیونکہ اللہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔

امام رازی کا استنباط امام فخرالدین رازیؒ آیہ وَظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ کی نسبت فرماتے ہیں: — ھذہ الآیۃ تدل علی ان الروح جوھر قائم بنفسہ باق بعد موت البدن لان اللہ تعالی سمی الموت فراقا والفراق انما یکون اذا کانت الروح باقیۃ فان الفراق والوصال صفۃ وھی تستدعی وجود الموصوف۔ (تفسیر کبیر) یہ آیۂ کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ روح جوہر ہے

اپنی ذات سے قائم ہے بدن کے مرجانے اور فنا ہوجانے کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ نے موت کا نام یہاں "فراق" یعنی جدائی رکھا ہے۔ اور فراق اسی وقت کہا جائے گا جبکہ جدا ہونے والی چیز جو روح ہے باقی رہے۔ کیونکہ فراق یعنی جدائی اور اس کی ضد وصال یعنی ملاپ یہ دونوں اوصاف ہیں۔ اور ہر وصف اپنے موصوف کو چاہتا ہے " بغیر موصوف کے صفت نہیں پائی جاتی۔ لہذا معلوم ہوا کہ روح انسان کے مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے لہذا روح جوہر مجرد عن المادہ ہے اور بذاتہ قائم ہے۔

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ۙ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۙ ثُمَّ ذَهَبَ 75-31
إِلٰٓى أَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ۙ پھر نہ یقین لایا اور نہ نماز پڑھی بلکہ جھٹلایا اور منہ موڑا 75-32 75-33
پھر گیا اپنے گھر کو اکڑتا ہوا۔"

فلا صدق ولا صلی کی تفسیر یہاں سے عدی بن ربیعہ یا ابو جہل کا بیان ہو رہا ہے جن کا قصہ اس سورۂ شریفہ کے آغاز میں گزرا۔ یا عام کفار کا حال بیان فرمایا جا رہا ہے کہ ان میں سے کسی نے نہ تو اللہ سبحانہ کو مانا اور نہ اس کی نازل کی ہوئی کتاب اور بھیجے ہوئے رسول کی تصدیق کی اور نہ اس کے دیے ہوئے احکام جن میں مقدم تر نماز ہے اس کو ادا کیا بلکہ تصدیق کی جگہ تکذیب کرتے رہے اور اطاعت سے

روگرداں رہے بلکہ سب کچھ سن کر کسی بات کو مانے بغیر اپنے گھر اور اہل وعیال کی طرف واپس چلے گئے۔ پھر اس واپسی میں کچھ غور وفکر یا کوئی ندامت وپشیمانی بھی ساتھ نہیں بلکہ کمال تمرد وسرکشی کے ساتھ اکڑتے ہوئے واپس ہوئے۔ جن کا دماغ تکبر کے نشہ میں چور، جن کے قلوب پتھر سے زیادہ سخت، اب ان کی اصلاح ہو تو کیسے ہو۔

دوسری تفسیر | بعض مفسرین نے صَدَّقَ سے زکاۃ مراد لی ہے۔ اس صورت میں معنی یوں ہوں گے کہ عدی یا ابوجہل یا کافر نے نہ تو زکاۃ دی جو مالی عبادت ہے اور نہ نماز ادا کی جو بدنی عبادت ہے بلکہ ان سب کا انکار کرکے اپنے گھر کو اکڑتا ہوا چلا گیا۔ مگر یہ قول ضعیف ہے اس لئے کہ یہ سورت شریفہ مکیہ ہے۔ اور زکاۃ کا حکم ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں آیا تھا۔ نیز صَدَّقَ کے مقابل کَذَّبَ آیا ہے اس سے قول اول ہی کی ترجیح ظاہر ہوتی ہے اسی لئے آیہ کریمہ کا ترجمہ ہم نے "یقین نہ لایا" کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝ خرابی ہے تیری، اور 75-34
خرابی پر خرابی ہے تیری، اور خرابی پر خرابی ہے تیری۔" 75-35

اولٰی لک کی تفسیر | مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کا کلام اور اس کے بتائے ہوئے احکام اچھی طرح سن لینے کے بعد بھی اس سے متأثر اور نصیحت پذیر نہ ہونا، یہ کم بختی

اور شقاوت کی نشانی ہے۔ پھر ایسے ہدایات اور حکمتوں سے بھرے احکام معلوم ہو جانے پر ان کی تصدیق نہ کرنا اور ان پر عمل نہ کرنا، بلکہ ان کی تکذیب کرنا اور اعراض کر کے چلے جانا، اور جانا بھی اینٹھتے ہوئے اکڑتے ہوئے، یہ خود سری اور تمرد ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بدبختی سر پر سوار ہے۔ اور جو کوئی اس حالت کو پہنچ جاتا ہے اس کی اصلاح کے لئے کوئی تدبیر مفید نہیں پڑتی۔ اب ایک ہی صورت ہے کہ ایسے شخص کو اس کے کیفر کردار کو پہنچایا جائے۔ جب یہ نوبت ہے تو خرابی اور خرابی پر خرابی، تباہی و بربادی اور تباہی و بربادی پر تباہی و بربادی سامنے ہے۔ اس کو ان تمام خرابیوں، تباہیوں اور بربادیوں کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ ایک خرابی نہ ماننے کی، دوسری احکام پر عمل نہ کرنے کی، تیسری تکذیب کرنے اور جھٹلانے کی۔ اور اور چوتھی تبختر اور تکبر کی۔

تفسیر از منقول اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں:

فلا صدق قال بکتاب اللہ و لا صلی و لکن کذب بکتاب اللہ و تولی عن طاعۃ اللہ ثم ذھب الی اھلہ یتمطی قال یتبختر۔ نہ تو اس نے کتاب اللہ کو مانا اور نہ نماز پڑھی لیکن اللہ کی کتاب کو جھٹلایا اور اللہ کی طاعت سے منہ موڑا۔ پھر اپنے گھر کو (اپنے اہل و عیال کے پاس بڑی شان دکھاتا ہوا)

اکڑتا گیا۔

الانسان کی تفسیر | وھو ابوجھل بن ھشام کانت مشیتہ ذکر لنا ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذ بمجامع ثوبہ فقال اولی لک فاولی ثم اولی لک فاولی وعید اعلی وعید فقال ما تستطیع انت ولا ربک لی شیئا وانی لاعز من مشی بین جبلیھا۔ وہ ابوجہل بن ہشام ہی تھا جس کی چال ایسی تھی۔ ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا دامن پکڑ کر کمال شفقت و مرحمت سے فرمایا کہ دیکھ اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیری خرابی آگئی ہے اور خرابی پر خرابی آچکی ہے پھر غور کر اور سمجھ لے ایسا دکھائی دے رہا ہے کہ تیری کم بختی آگئی ہے اور کم بختی پر کم بختی آچکی ہے کہ ہماری ایسی دل گداز نصیحتوں کا جواب بجائے تسلیم و انقیاد کے تو انکار و تکذیب سے دے رہا ہے اور بجائے اطاعت و فرماں برداری کے اعراض و سرکشی سے کام لے رہا ہے، نیز خدا و رسولؐ کے ہدایات و احکام کے مقابلہ میں تبختر و تکبر کی چال چل رہا ہے۔ تیرے لئے وعید پر وعید اترتی نظر آتی ہے۔ اس کے جواب میں ابوجہل لعین نے کہا کہ نہ تم میرا کچھ کر سکتے ہو اور نہ تمہارا خدا میرا کچھ بگاڑ سکتا ہے میں تو وہ ہوں جو مکہ کے پہاڑوں کے دونوں سلسلوں کے درمیان جتنے آدمی بستے

چلتے پھرتے ہیں ان سب میں میری عزت بڑھی چڑھی ہے۔"

ابو جہل اس امت کا فرعون تھا

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں:- و ذکرلنا انّ نبی اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یقول انّ لکل امّۃ فرعونا وانّ فرعون ھذہ الامّۃ ابو جھل۔ (عبدالرزاق عبد بن حمید ابن المنذر) ہم سے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ (ابو جہل لعین کی ایسی ہی تعلّیوں اور شیخیوں کے مدنظر) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ ہر امت میں ایک فرعون گزرا ہے (کچھ موسیٰ علیہ السلام کی امت پر ہی موقوف نہیں) اور اس امت کا فرعون یقیناً ابو جہل ہے۔" چنانچہ غزوۂ بدر میں جب یہ مارا گیا اور مسلمانوں کے دو نوعمر بچوں نے اس کا کام تمام کیا پھر اس کی اطلاع حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گوش گزار ہوئی تو ارشاد مبارک ہوا:- ھا فتہ فرعون ھذہ الامّۃ۔ اس امت کا فرعون ہلاک ہو چکا۔" یہی حال عدی بن ربیعہ اور ان جیسے متکبر کفار کا سمجھ لینا چاہیے۔

اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ یُّتۡرَكَ سُدًی ؕ اَلَمۡ یَكُ نُطۡفَةً 75-36
مِّنۡ مَّنِیٍّ یُّمۡنٰی ۙ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰی ۙ فَجَعَلَ مِنۡهُ 75-37 75-38
الزَّوۡجَیۡنِ الذَّكَرَ وَالۡاُنۡثٰی ؕ اَلَیۡسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ 75-39 75-40

ع ۲
۱۸

يُحۡيِۦَ ٱلۡمَوۡتَىٰ ع کیا خیال رکھتا ہے آدمی کہ چھوٹا رہیگا بے قید' بھلا نہ تھا وہ

ایک بوند منی کی جو ٹپکی' پھر تھا خون جما ہوا' پھر اس نے بنایا اور ٹھیک کر اٹھایا

پھر کیا اس میں جوڑا نر اور مادہ' کیا وہ خدا زندہ نہیں کر سکتا مُردوں کو۔"

یترک سدی کی تفسیر ارشاد ہو رہا ہے:۔ ایحسب الانسان ان یترک سدی۔ کیا انسان کا یہ خیال ہے کہ وہ مہمل چھوڑ دیا جائیگا" عرب کا محاورہ ہے:۔ ابل سُدیً اے مھملۃ ترعی حیث شاءت بلاراع۔ وہ کہتے ہیں ابل سدی۔ چھوڑ دیئے ہوئے اونٹ ہیں جو چرتے ہیں جہاں چاہیں اُن کا کوئی چرواہا نہیں ہے" اسی کے مطابق یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ عدی بن ربیعہ یا ابو جہل یا عام انسان کیا یہ خیال رکھتا ہے کہ وہ چھوٹا رہیگا بلا قید۔ یعنی اس پر کوئی امر و نہی جاری نہ ہوگا۔ اس کے جی میں جو آئے کرتا رہیگا۔ اور جہاں چاہیگا جائیگا۔ جو چاہیگا کھائیگا۔ اور جو چاہے بکتا رہیگا۔ اس پر کوئی دارو گیر نہ ہوگی' اور نہ کوئی ذمہ داری عاید کی جائیگی۔ جیسا کوئی شتر بے مہار ہوتا ہے۔ فرض کیجیے کہ اگر یہی صورت ہو تو نظام عالم برخاست ہو جائیگا اور لوگوں پر عرصۂ حیات تنگ ہو جائے گا۔ اور ساری دنیا بجائے امن و عافیت کے شور و شر اور ظلم و فساد کا اڈہ بن جائیگی اور کوئی پرسان حال نہ ہوگا۔

دوسری خرابی یہ لازم آئیگی کہ اللہ سبحانہ جو تمام کائنات کا خالق ہے اسکی طرف اس تمام شور و شر اور ظلم و فساد کی نسبت ہو گی۔ نیز خدائے قدوس کا ان تمام خرابیوں اور منکرات و فحش کاریوں سے راضی ہونا لازم آئے گا۔ معاذ اللہ معاذ اللہ درحالیکہ اللہ سبحانہ تو حکیم ہے اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ لہذا عقلاً یہیں سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ نے تمام کائنات پیدا کی پھر اسکو انسان کیلئے مسخر و تابع فرمان بنایا تو ضرور ہے کہ انسان بھی اللہ سبحانہ کا تابع فرمان ہو جائے کہ حدیث قدسی ہے:— ابن آدم خلقت الاشیاء لك وخلقتك لی۔

اے فرزند آدم! میں نے تمام چیزیں تیرے لئے پیدا کیں اور تجھکو اپنے لئے بنایا" اور قرآن کریم میں ارشاد ہوا:— وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔

اور میں نے تمام جن و انس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے"

یہی سبب ہے کہ انسان کی ہدایت کے لئے کتابیں نازل ہوئیں اور پیغمبر بھیجے گئے۔ چنانچہ قرآن کریم اس سلسلے کی آخری کتاب اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس کے آخری نبی و رسول ہیں۔ ان کے ذریعہ اوامر و نواہی اور زندگی کے بہترین طور طریقے سکھائے گئے۔

منکرین قیامت کا انکار بلا دلیل اس کے برخلاف جو لوگ یہ عقیدہ

رکھتے ہیں کہ قیامت کوئی چیز نہیں۔ انسان جو چاہے کرے اس سے کوئی پرسش
نہیں اور نہ کوئی سزا و جزا ہے تو اس سے یہی لازم آیا کہ انسان کی آفرینش کا کوئی
مقصد نہیں۔ ایسا عقیدہ از روئے عقل و نقل فاسد اور بدیہی البطلان ہوگا۔
دیکھا جا رہا ہے کہ اکثر افعال خیر و شر کی جزا و سزا دنیا میں نہیں ملتی اسلئے یہ ماننا
پڑیگا کہ اس دار دنیا کے بعد ایک دار اور ہے جہاں تمام اعمال کی جزا و سزا
ملیگی۔ قرآن کریم نے اسی کی تعبیر "دار آخرت" سے فرمائی ہے اسی طرح انسان کا
ایک دفعہ فنا ہونے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جانا ضروری ہے اور اسی کو قرآن
کریم نے "قیامت" "دار آخرت" "بعث بعد الموت" وغیرہ الفاظ سے
یاد فرمایا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ انسان کی آفرینش بے قید' عبث' مہمل طریق پر
ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتی۔ اگر کوئی مہمل قرار دیتا ہے تو اس کا ایسا خیال باطل غلط
اور گمراہ کن ہے۔ مزید وضاحت مطلوب ہے تو اسکی توضیح آگے آرہی ہے۔

انسان کی آفرینش اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ثُمَّ كَانَ
عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى۔
کیا وہ انسان (اپنی ابتدائے آفرینش میں) منی کی بوند نہ تھا جو (رحم میں) ٹپکائی
جاتی ہے پھر وہ بستہ خون ہوا' پھر اللہ نے اس کو بنایا تو پورا انسان بنا۔ پھر

اسی پانی سے جوڑا بنایا نر و مادہ"۔ مرنے کے بعد انسان کے دوبارہ جی اٹھنے کی یہ دوسری دلیل ہے کہ انسان اپنی آفرینش پر غور کرے کہ اس کی ابتدا پانی کی بوند سے ہوئی جو محل نجاست سے برآمد ہوا اور دوسرے محل نجاست سے رحم میں داخل ہوا۔ چالیس راتیں گزرنے پر وہ خون بنا، پھر چالیس راتوں کے بعد بستہ خون ہوا۔ پھر چالیس راتوں کے بعد وہ گوشت بنا، پھر چالیس راتوں کے بعد اسکے اعضا تراشے گئے، پھر چالیس راتوں کے بعد اس میں ہڈی پیدا ہوئی، پھر چالیس راتوں کے بعد اس میں روح پھونکی گئی تو وہ حرکت میں آیا، پورا انسان بننے کے بعد وہ پیدا ہوا۔ یہی حال اسکے جوڑے کا ہے کہ وہ بھی اسی طرح پیدا ہوا۔ ایسے کی ابتدا اس طرح ہو اس کو کب زیب دیتا ہے کہ اپنے پیدا کرنے والے خالق بے نیاز سے روگرداں ہو اور اس کے احکام کی پرواہ نہ کرے اور اسکی اتاری ہوئی کتابوں اور بھیجے ہوئے رسولوں پر ایمان نہ لائے۔ حیف صد حیف کہ ان میں ایسے افراد بھی ہیں جو اپنی آفرینش کے حال سے پوری طرح واقف ہوتے ہوئے بھی اپنے مالک و خالق اور اسکی کتابوں کا اور رسولوں کا انکار کر رہے ہیں اور مرنے کے بعد جی اٹھنے پر بھی اون کا ایمان نہیں۔

الیس ذلك کی تفسیر | اَلَیۡسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یُّحۡیِۦَ الۡمَوۡتٰی ۔ کیا وہ اللہ اس امر پر قدرت نہیں رکھتا کہ ان مرے ہوئے انسانوں کو دوبارہ جلائے"۔ جب انسان

کچھ نہ تھا تو اللہ سبحانہ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے انسان کو مذکورہ طریق
بتدریج بنایا تاکہ انسان اپنی بے بسی اور اسکے بنی نوع کی نارسائی کا حال جان کر اللہ سبحانہ پر
ایمان لائے اور اسکی قدرت و حکمت کا قائل ہو۔ کیونکہ انسان کی پیدائش کے انتظامات
اس عجیب و غریب طریقے سے ایسی جگہ یعنی رحم مادر میں کئے گئے جہاں کسی کی رسائی نہیں
ہوسکتی اور نہ کسی کا ہاتھ پہنچ سکتا ہے۔ پھر پیدائش کا یہ اہتمام اسوقت عمل میں آیا جبکہ
انسان کا کوئی ذکر، نام، نشان کچھ نہ تھا۔ ایسی معدومی کی حالت میں اللہ سبحانہٗ قادر ہے کہ
اسکو نیست سے ہست کرے تو اس کا وجود ہونے اور ایک مدت معینہ تک دنیا میں قیام
کرکے بچے سے جوان اور جوان سے بوڑھا، اور بوڑھے سے پیر فانی بننے پھر اسکے وفات
پانے کے بعد جبکہ اس پر موجودگی اور ہستی کے یہ تمام دور گزر چکے جسکو تمام دنیا سالہا سال
جیتا جاگتا، اٹھتا بیٹھتا، چلتا پھرتا، کام کاج کرتا اور سارے معاملات طے کرتا ہوا
دیکھتی رہی کیا اسی قادر حکیم سے یہ نہیں ہوسکتا کہ دوبارہ اس مردہ انسان، (زید و عمر
و بکر وغیرہم) کو زندہ کرے تاکہ اسکی عمر بھر کے کام، کلام اور سارے مصائب و آلام
یا راحت و آرام کا محاسبہ کرے اور اسکی جزا و سزا تجویز فرمائے۔ بے شک اللہ سبحانہ سے
یہ سب ہوسکتا ہے اور ایسا ہونا چاہیئے تاکہ خدائے قادر و حکیم کا انسان کو پیدا کرنا عبث
اور مہمل، حکمت سے خالی نہ قرار پائے۔

کفار کا انکار لغو اور مہمل ہے عدی بن ربیعہ، ابوجہل، یا ان جیسے تمام منکرین بعث و نشور کا یہ کہنا کہ ایان یوم القیامۃ قیامت کا دن کب اور کہاں ہے؟ بالکل لغو مہمل اور غلط و باطل ہے۔ قیامت قائم ہوگی اور ضرور قائم ہوگی۔ حساب و کتاب ہوگا، سوال و جواب ہوگا، ثواب و عذاب ہوگا، اور دار آخرت سے متعلق قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں جتنی خبریں دیگئی ہیں وہ سب ہوکر رہینگی۔ کسی منکر کے انکار سے جسکی کوئی دلیل نہیں، اللہ سبحانہ کے وعدے بلا تکمیل نہیں رہ سکتے۔ ہر ہر وعدہ پورا ہوکر رہیگا۔ قیامت کا آنا عقل سے نقل سے، دلائل سے، تجربے سے، مشاہدے سے ہر طرح ثابت و محقق ہے۔

آیۃ الیس کا جواب حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں:۔ ذکر لنا ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول اذا قراءھا سبحانہ وبلی۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید) ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اس آیہ کریمہ (الیس ذلك بقادر علی ان یحیی الموتیٰ) کی تلاوت فرماتے تو (اس کے جواب میں یوں) فرماتے:۔ سبحانہ وبلی یعنی آیہ کریمہ کا ترجمہ یہ ہے کہ کیا وہ خدا مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں تو حضور اکرمؐ جواب میں فرماتے کہ اللہ سبحانہ کی ذات پاک ہے اور کیوں زندہ نہ فرمائیگا ضرور زندہ کرکے اٹھائیگا۔ اور حضرت صالح ابوالخلیل کی روایت میں ہے کہ جواباً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سبحان ربی وبلی (عبد بن حمید، ابن الانباری) فرماتے یعنی میرا رب پاک ہے

اور کیوں نہیں ضرور زندہ فرمائیگا" اور حضرت ابو ہریرہ رضی کی روایت میں یہ جواب مذکور ہے : سبحانك اللّٰھم و بلٰی ۔ (ابن مردویہ) اے اللہ! آپ کی ذات پاک ہے اور کیوں نہیں ضرور" حضرت ابو امامہ باہلی رضی فرماتے ہیں : صلّیت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بعد حجتہ فکان یکثر من قراءۃ لا اقسم بیوم القیامۃ فاذا قال الیس ذٰلك بقادر علی ان یحیی الموتی سمعتہ یقول بلٰی وانا علی ذٰلك من الشاھدین (تاریخ بخاری) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس تشریف لانے کے بعد میں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ اکثر سورۂ قیامۃ پڑھا کرتے۔ پھر جب سورے کے ختم پر الیس ذٰلك بقادر علی ان یحیی الموتی پڑھتے تو فرماتے کیوں نہیں میں بھی اس کا شاہد ہوں" حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس آیۂ کریمہ کے ختم پر صرف بلٰی کہہ دیا کرو" (ابن المنذر ابن مردویہ) حضرت ابن عباس رضی سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

سورۂ قیامۃ کی تفسیر ختم ہوئی ۔ فللّٰہ الحمد ۔ وصلی اللّٰہ تعالٰی وسلم علٰی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ۔

(پنجشنبہ ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۷۸ھ)

76 Dahr Makky Aayaath 31

سُورۂ دھر

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا اور اسکی ۳۱ آیتیں ہیں

اس سورۃ شریفہ کے یہ بھی نام ہیں :۔ سُورۂ انسان ، سورۂ ابرار ، سورۂ امشاج جس سے اس کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے ۔ کیونکہ ایک سورت کے کئی نام اس کے شرف کی دلیل ہے ۔ حضرت مجاہد اور قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ سورت مدنیہ ہے ۔ حضرت حسن بصری عکرمہ اور کلبی بھی یہی فرماتے ہیں مگر ان کے نزدیک آیہ فلا تطع منهم آثما او کفورا مکیہ ہے ۔ اور بھی کچھ معمولی اختلافات ہیں ۔ واللہ اعلم ۔

سورۂ ماقبل سے اس کی مناسبت صاف ظاہر ہے اس طرح کہ سورۂ قیامہ کے اختتام پر جو مضمون گزرا ہے وہی اس سورت شریفہ کا نقطۂ آغاز ہے ۔ نیز دیگر مضامین بھی دونوں کے ملتے جلتے ہیں ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا 76-1
مَّذْكُوْرًا ۝ کبھی گزرا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں کہ نہ تھا وہ کوئی چیز
جو زبان پر آتی "

انسان کبھی قابل ذکر نہ تھا یعنی حضرت آدمؑ اور جملہ بنی آدمؑ ہر ایک پر اس ممتد زمانہ میں سے کچھ نہ کچھ وقت ایسا ضرور گزر چکا ہے کہ وہ کوئی چیز نہ تھا جس کا زبان سے ذکر کیا جا سکے۔ ظاہر ہے کہ انسان کسی وقت کوئی چیز ہی نہ تھا تو اس کا بیان کیا کیا جا سکتا۔ یا یہ کہ علم الٰہی میں ہر انسان ایک چیز ضرور تھا لیکن وہ عالم غیب میں تھا۔ جب تک وہ عالم شہود میں نہ آیا اور اس کی روح کا تعلق بدن سے نہ ہوا اس وقت تک وہ ذکر کے قابل نہ تھا۔ بہرحال انسان کے وجود میں آنے سے پیشتر اس پر عدم طاری تھا تو پھر معدوم کا ذکر ہی کیا؟ یہ ہے انسان کی ابتدا اور اس کا منتہا

شان نزول حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں:۔ جاء رجل من الحبشة الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم سل واستفهم فقال يا رسول الله فضلتم علينا بالالوان والصور والنبوة افرأيت ان آمنت بما آمنت به وعملت بمثل ما عملت به انى لكائن معك فى الجنة قال نعم والذى نفسى بيده

انه لیری بیاض الاسود فی الجنة من مسیرة الف عام۔ سرزمین حبشہ سے ایک شخص حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا تو حضور اکرمؐ نے فرمایا کچھ دریافت کرلو اور سمجھ لینے کی کوشش کرو۔ اس پر اس نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! آپ لوگوں کو رنگ روپ، صورت شکل اور نبوت کے ذریعہ ہمارے لوگوں پر فضیلت حاصل ہے (یہ فطری اور وہبی فضائل تو کسی طرح ہم حاصل نہیں کرسکتے) اچھا تو بتائیے کہ اگر میں ایمان لاؤں ان تمام باتوں پر جن پر آپ کو ایمان ہے اور کرتا رہوں آپ کے جیسے عمل تو کیا میں جنت میں آپ کے ساتھ رہ سکوں گا؟ تو آپ نے فرمایا، ہاں بے شک رہ سکیگا۔ اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ وہ سیاہ کے اندر کی سپیدی کو جنت میں ایک ہزار سال کی مسافت پر سے دیکھتا بھی رہیگا۔" مطلب یہ کہ ظاہری کالا گورا رنگ معتبر نہیں بلکہ دراصل نور ایمان کا اعتبار ہے اور اس کی سپیدی اتنی تیز اور روشن ہے کہ ایک ہزار سال کی مسافت پر سے بھی عام طور پر دکھائی دیتی ہوگی۔

ثم قال من قال لا اله الا الله کان له عهد عند الله ومن قال سبحان الله وبحمده کتبت له مائة الف حسنة واربعة وعشرون الف حسنة ونزلت علیه هذه السورة هل اتی علی الانسان الی قوله

ملکا کبیرا فقال الحبشی وان عینی لتری ما تری عیناک فی الجنۃ قال نعم فاشتکی حتی فاضت نفسہ قال ابن عمر فلقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدلیہ فی حفرتہ بیدیہ۔ (طبرانی ابن مردویہ ابن عساکر) پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کر لیتا ہے تو اللہ سبحانہ کے ہاں اس کا معاہدہ طے پا جاتا ہے اور جس نے سبحان اللہ وبحمدہ کہا تو اس پر اس کے نامہ اعمال میں ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔ اتنے میں آپ پر یہ سورۂ شریفہ ھل اتی علی الانسان سے ملکا کبیرا تک نازل ہوا۔ پھر حبشی نے دریافت کیا، کیا جنت میں میری آنکھیں بھی وہ سب کچھ دیکھ سکیں گی جن کا مشاہدہ آپ فرماتے ہوں گے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں۔ اس کے بعد وہ بیمار پڑ گیا تا آنکہ اس کی وفات ہو گئی۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اپنے دست مبارک سے اسکو قبر میں اتار رہے تھے" رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت عبداللہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا۔ اخرج نفس صاحبکم الشوق الی الجنۃ (ابن وہب) جنت کا شوق ہی تمہارے ہم نشین کی جان نکلنے کا باعث ہوا" اور عبداللہ بن مطرفؒ کی روایت اس طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا:۔ مات شوقا الی الجنۃ ۔ (امام احمدؒ) جنت کی تڑپ ہی ان کی موت کا سبب ہوئی ‘‘

سورہ دہر کی فضیلت حضرت ابو ذر غفاریؓ فرماتے ہیں:۔ قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھل اتی علی الانسان حین من الدھر حتی ختمھا ثمّ قال انی اریٰ مالا ترون واسمع مالا تسمعون اطّت السمآء وحقّ لھا ان تئطّ ما فیھا موضع اربع اصابع الّا ملک واضع جبھتہٗ ساجد اللہ واللہ لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا ولبکیتم کثیرا و ما تلذّذتم بالنسآء علی الفُرش ولخرجتم الی الصُّعُدات تجأرون (حاکم بروایت صحیحہ) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سورت شریفہ کی آخر تک تلاوت فرمائی اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں ان چیزوں کو دیکھ رہا ہوں جن کو تم دیکھ نہیں سکتے اور وہ باتیں سُن رہا ہوں جن کو تم نہیں سُن سکتے ۔ آسمان کراہنے لگا اور اس کے لئے سزاوار ہے کہ وہ کراہتا رہے اس میں چار انگل کی جگہ بھی ایسی نہیں کہ کوئی نہ کوئی فرشتہ اللہ سبحانہ کے آگے سجدہ ریز ہونے کے لئے اپنی پیشانی نہ رکھی ہو ۔ خدا کی قسم! اگر تم وہ کچھ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنستے اور زیادہ روتے ‘ اور بستر استراحت پر اپنی بی بیوں سے لطف اندوز ہونا تک چھوڑ دیتے ‘ اور

فریاد کرتے ہوئے جنگل کی راہ لیتے " اسی سے اس سورت شریفہ کی عظمت ظاہر ہے۔ بہر حال انسان کو اپنا آغاز یاد رکھنا چاہیے کہ وہ کسی وقت اس قابل بھی نہ تھا کہ اس پر شئی کا اطلاق ہو اور اگر کسی حیثیت سے اس پر شئی کا اطلاق ہو بھی تو وہ قابل بیان و اظہار شئی نہ تھا کہ زبان پر اس کا ذکر آسکے۔

خشیت اللہ کا رنگ حضرت فاروق اعظم سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:۔ انہ سمع رجلا یقرأ ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئا مذکورا فقال لیتھا تمت (ابن المبارک، ابو عبید، عبد بن حمید، ابن المنذر) حضرت فاروق اعظم رضؓ نے ایک شخص سے سنا کہ وہ آیۂ کریمہ ھل اتی علی الانسان پڑھ رہا تھا کہ انسان پر کبھی ایسا وقت بھی آیا ہے کہ وہ قابل ذکر و بیان بھی نہ تھا۔ تو آپ نے فرمایا:۔ کاش وہ انسان پیدا ہوتے ہی مر جاتا " یعنی جو ذمہ داریاں اس کے پیدا ہونے کے بعد عائد حال ہوئیں ان سے محفوظ رہتا۔ پیدا ہو کر طرح طرح سے مبتلا ہوتا پڑا۔ یہ تاثر اور حسرت اسی طرح سے جیسا کہ دوسرے موقع پر آپ نے فرمایا:۔

لیت امی لم تلدنی۔ کاش! میری ماں مجھے نہ جنتی "

حضرت ابن مسعودؓ کا حال اسی طرح حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا واقعہ ہے آپ نے بھی کسی سے یہ آیت کریمہ سنی تو فرمایا:۔ یا لیتھا تمت فعوتب فی قولہ ھذا فاخذ عودا

من الارض فقال یا لیتنی کنت مثل ھذا۔ (ابن ابی شیبۃ عبد بن حمید ابن المنذر)
اے کاش! وہ جان اسی وقت پیدائش کے بعد فنا ہو جاتی۔ اس پر لوگوں نے آپ پر
اعتراض کیا تو زمین پر سے ایک لکڑی اٹھالی اور فرمایا اے کاش! میں ان کی طرح
خشک لکڑی ہوتا" جس پر کسی قسم کی ذمہ داری نہیں ہے۔ انسان کو پیدا ہو کر ساری
ذمہ داریاں اٹھانی پڑیں۔ خائفین اور خاشعین و اہل خشیت کا یہی حال ہے۔
سچ ہے:۔ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماءُ اللہ کے بندوں میں اس کی
خشیت اختیار کرتا علمائے ربانیین ہی کا حصہ ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وکثر امثالہم آمین۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا 76-2
بَصِيْرًا۝ ہم نے بنایا آدمی کو ایک دو رنگی بوند سے، ہم پلٹتے رہے اسکو پھر کر دیا اسکو
ہم نے سننے والا، دیکھنے والا"

ع مَشَجَہ بہ یمشجہ مَشجاً خلطہ ویقال مشج بینہما شیئ مشیج ومشج ومشج ومشج
مَشِج ای مختلط امشاج ومنہ فی سورۃ الانسان انا خلقنا الانسان من نطفۃ
امشاج ای مختلط بماء المرأۃ ودمہا وصفت بالجمع باعتبار الاجزاء کما فی ثوب
اخلاق۔ والامشاج ایضا الاوساخ التی تجتمع فی السرۃ۔ (محیط المحیط) مشجہ بہ
یمشجہ مشجا کے معنی ہیں ایک چیز کو دوسری میں ملا دیا۔ محاورہ عرب مشج بینہما او رشئی مشیج کے

نطفہ کی ابتدا سورۂ قیامہ کے اخیر میں نطفہ اور اس کے تغیرات مابعد پر روشنی ڈالی گئی تھی اور یہاں خود نطفہ کی حقیقت واضح فرمائی جارہی ہے کہ انسان " نطفۂ امشاج " یعنی دو رنگی بوند سے بنا ہے۔ احادیث شریفہ میں آیا ہے کہ مرد کا پانی سپید گاڑھا ہوتا ہے اور اس میں دوسرے پانی کو جمانے کی صلاحیت ہوتی ہے اور عورت کا پانی زرد، رقیق ہوتا ہے جس میں جم جانے کی قابلیت ہوتی ہے۔ اعصاب، ہڈیاں اور طاقت، مرد کے پانی سے اور گوشت، خون اور بال عورت کے پانی سے بنتے ہیں۔ پھر یہ نطفہ خلاصہ ہے اخلاط اربعہ خون، بلغم، سودا، صفرا کا۔ اور اخلاط خلاصہ ہیں غذا کا۔ اور غذا نتیجہ ہے عناصر اربعہ کا۔ جن سے موالید ثلاثہ (جمادات، نباتات، حیوانات) کی تخلیق ہوتی ہے۔ پھر آباؤ اجداد کے عادات، اخلاق، خواہشات، خیالات، رنگ و روپ، چال ڈھال، رفتار گفتار وغیرہ سبھی امور کا اس میں خلط ہوتا ہے۔ وقس علیٰ ہذا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

معنی بھی یہی ہیں کہ دو چیزوں کو باہم ملا دیا اور مخلوط کر دیا۔ اسکی جمع امشاج آتی ہے من نطفۃ امشاج جو آیا ہے وہ ابھی اسی محاورے کے مطابق ہے یعنی مرد کا پانی عورت کے پانی اور خون سے ملا ہوا نطفہ مفرد ہے اسکی صفت بصیغہ جمع اجزا کے اعتبار سے لائی گئی ہے جیسا کہ ثوب اخلاق کہتے ہیں یعنی کپڑا جسکے اجزا بوسیدہ ہوگئے ہیں۔ ناف میں جو میل جمع ہوجاتا ہے اسکو بھی لغت میں امشاج کہتے ہیں (مگر یہاں یہ معنی مراد نہیں۔ واللہ اعلم)۔

غور کیجئے کہ انسان کی ابتدا ہے تو ایک بوند سے اور اس بوند میں سارا عالم سمایا ہوا ہے۔ موسم اور فصل کو بھی اس میں دخل ہے ماحول کے اثرات بھی اس میں ہیں زمانے کی رفتار کا بھی اس میں حصہ ہے۔ پھر لطیفۂ ربانی "روح" اسکی اصل مول ہے اگر روح ہے تو سب کچھ ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ اسی وجہ سے امشاج بصیغۂ جمع نطفہ کی صفت لائی گئی ہے جو اس کے اجزائے ترکیبی کے اعتبار سے ہے۔

امشاج کی تفسیر حضرت مجاہدؒ امشاج کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ الوان ای ذات الوان فان ماء الرجل ابیض وماء المرأۃ اصفر فاذا اختلطا ومکثا فی قعر الرحم اخضر الما یخضر الماء یا لمکثا (ابن المنذر)

امشاج سے رنگ مراد ہیں یعنی کئی رنگی پانی سے انسان بنا کیونکہ مرد کا پانی سفید اور عورت کا زرد ہوتا ہے پھر یہ دونوں رنگ جب رحم کے اندرون میں جاگیر ہوتے اور ایک دوسرے میں مخلوط ہو جاتے ہیں تو ان کا رنگ سبز ہو جاتا ہے جیسا کہ پانی کا رنگ ایک جگہ ٹھہرے رہنے سے سبز ہوا کرتا ہے" یہ ہے تفسیر امشاج کی جبکہ اس کو صیغۂ جمع قرار دیا جائے۔ بعض مفسرین نے اس کو مفرد قرار دیا ہے اس صورت میں اس کے معنی مخلوط کے ہوں گے۔ یعنی ماء رجل اور ماء مرأۃ دونوں کے مخلوط آمیزے سے انسان کو بنایا۔ اس صورت میں

نطفہ کی صفت امشاج قرار دینے کے لئے کسی توجیہ و تاویل کی ضرورت نہ ہو گی۔ واللہ اعلم

نبتلیہ کی تفسیر نَبْتَلِیْهِ۔ "ہم پلٹتے رہے اس کو" چنانچہ تقریر بالا سے معلوم ہوا کہ نطفہ کی الٹ پھیر کا سلسلہ بہت دراز ہے کچھ صلب پدر سے خارج ہونے اور رحم مادر میں داخل ہونے کے بعد سے ہی نہیں بلکہ بہت قدیم ہے۔ تا آنکہ رحم مادر میں منتقل ہونے کے بعد بھی اس پر کئی اطوار و احوال گزرے۔ ایک ایک انسان کے ساتھ عنایت الٰہیہ جب اس درجہ سے رہی ہے تو اس کو بغیر کسی حکمت کے مہمل اور عبث تصور کرنا نہایت ہی بیجا بات ہو گی جو عقل اور نقل کسی حیثیت سے بھی قابل تسلیم نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ الٹ پھیر کا یہ سلسلہ انسان کے پیدا ہونے کے بعد بھی کبھی ختم ہوتا نظر نہیں آتا خواہ وہ انسان دنیا میں رہے یا برزخ میں یا میدان حشر میں رہے یا موقف سوال وجواب میں' میزان عدل میں رہے یا موقف سزا و جزا میں' پل صراط پر رہے یا اور کہیں۔ اس اعتبار سے نبتلیہ کا ترجمہ یوں کرنا ہو گا کہ ہم اسکو پلٹتے ہی رہتے ہیں

نبتلیہ کی دوسری تفسیر بعض مفسرین کرام نے نَبْتَلِیْهِ کی تفسیر اس طرح فرمائی ہے کہ ہم اس کا امتحان کرتے رہتے ہیں" اس ابتلاء و آزمائش کے لئے اس کو اختیار دیا جانا ضروری تھا تاکہ وہ جو کچھ کرے یا کہے اس کی پسند و صوابدید سے ہو اور اسی پر سزا و جزا کا دار و مدار ہے۔ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًاۢ بَصِیْرًا۔ چنانچہ ہم نے اس کو

سننے والا دیکھنے والا بنایا" لہذا انسان کو مکلف بنانے کے لئے جن جن آلات کی ضرورت تھی ان سب سے اس کو آراستہ و مزین کیا گیا۔ سننے کو کان دئے اور دیکھنے کو آنکھیں کہ علم صحیح کے حاصل کرنے کے اسباب یہی ہیں۔ کسی چیز کی علم آوری کے لئے انسان پہلے سنتا ہے پھر دیکھتا ہے۔ پھر فہم سے کام لے کر اس کو سمجھتا ہے پھر اس کو میزانِ عقل میں رکھ کر تولتا اور اس کے حسن و قبح کی جانچ کرتا ہے۔ تب کہیں عمل کی نوبت آتی ہے۔ بہر حال تخلیق آدم و بنی آدم کا مقصد امتحان و آزمائش تھا تو اس کے لوازم جس قدر ہوتے ہیں وہ سب دئے گئے۔ سمع و بصر اس کے ابتدائی آلات تھے اس کو یہاں بصیغۂ مبالغہ بیان کیا گیا ہے یعنی خوب سننے والا اور اچھی طرح دیکھنے والا اس سے کمال عنایت کا پتہ چل رہا ہے کہ کچھ بھی کمی نہیں کی گئی۔ اسی سلسلہ میں پھر بعض تکالیف ایسے بھی تھے جن کا حسن و قبح محض عقل و فہم کے ذریعہ ممکن نہ تھا اور نہ کان آنکھ کام دے سکتے تھے اس لئے اسی پر بس نہیں کیا گیا بلکہ آگے ارشاد ہو رہا ہے:

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ○ ہم نے اس کو سجھائی راہ، یا حق مانتا ہے اور یا ناشکری کرتا ہے"

ہدایتِ الٰہی کا اثر انسان پر یعنی پیغمبروں کو مبعوث فرمایا تا کہ ان برگزیدہ ہستیوں کی ہدایات کو سنیں اور کتابیں نازل کیں تا کہ ان کو دیکھیں اور پڑھیں۔

76-3

اس طرح کان آنکھ، فہم وعقل سے کام لے کر کردنی کام کرتے رہیں اور ناکردنی سے دور رہیں۔ اب جو کوئی پیغمبروں کی بات سنے گا اور کتاب اللہ کو پڑھتا رہیگا۔ اور اس کے مطابق اس کا عمل رہیگا وہ حق ماننے والا شکرگزار بندہ کہلائیگا۔ اور جو نہ پیغمبر کی سنے اور نہ کتاب اللہ کو دیکھے بلکہ پیغمبر کو پیغمبر نہ مانے اور کتاب اللہ کو اللہ کی کتاب تسلیم نہ کرے تو وہ بڑا ہی ناشکرگزار اور حق کا انکار کرنے والا ہوگا۔ ایسے شخص کی نسبت کیا امید کی جاسکتی ہے کہ انسانیت کے اس امتحان میں جس کیلئے وہ پیدا ہوا تھا کیا کامیابی حاصل کرسکیگا؟ بہرحال دنیا میں ان دو قسم کے انسان ہیں۔ یا شکرگزار یا ناشکرگزار۔

شاکرا وکفورا کی تفسیر حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ کل مولود یولد علی الفطرۃ حتّٰی یعبّر عنہ لسانہ فاذا عبّر عنہ لسانہ اما شاکرا واما کفورا۔

(امام احمدؒ ابن المنذر) ہر نوزائیدہ بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے (اور اصول فطرت پر ترقی کرتا جاتا ہے تاآنکہ اس کی زبان اس کے مافی الضمیر کی ترجمانی کرنے کے قابل ہوجائے جب اس کی زبان اس کی ترجمان بن جاتی ہے تو (وہ دو حال سے خالی نہیں) یا تو وہ اپنے منعم کی شکرگزار بنی رہیگی یا ناشکری پر کھلتی رہیگی" شکرگزاری زبان نے بھی

ہوتی ہے اور دل سے بھی اور اعضاو جوارح سے بھی۔ مگر اس کی ابتدا زبان سے ہوتی ہے یہاں اسی کی طرف رہنمائی معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

ایک نکتہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے یہاں شاکر بصیغہ اسم فاعل اور کفور بصیغہ مبالغہ جو فرمایا ہے اس میں یہ نکتہ معلوم ہوتا ہے کہ شکر گزار کی شکر گزاری خواہ کتنی ہی معمولی اور ادنیٰ قسم کی ہو اللہ سبحانہ اس سے راضی اور اس کی اچھی جزا دینے پر مائل و آمادہ ہے۔ اور ناشکری اگرچہ بری ہے اگر معمولی اور ادنیٰ قسم کی ہے تو اس کو ناقابل ذکر قرار دینا منظور ہے اسی لئے شاکراً کے مقابلہ میں کافراً نہیں فرمایا بلکہ بصیغہ مبالغہ کفوراً ارشاد ہوا مطلب یہ کہ کسی کی ناشکری جب انتہا کو پہنچ جائے جس کا نتیجہ تکذیب وانکار ہے تو صرف اس صورت میں اس پر گرفت کی جائے گی۔ معمولی ناسپاسی (اس سے کون چھوٹا ہوا ہے) امید ہے کہ ناقابل التفات قرار پائیگی۔ جیساکہ اس آیہ کریمہ میں ناقابل ذکر قرار دی گئی۔

إِنَّآ أَعْتَدْنَا لِلْكَٰفِرِينَ سَلَٰسِلَا۟ وَأَغْلَٰلًا وَسَعِيرًا ۝ ہم نے تیار رکھی ہیں منکروں کے واسطے زنجیریں اور طوق اور آگ دہکتی " 76-4

وجہ تقدیم بیان کفار آیہ سابقہ میں شاکراً پہلے اور کفوراً بعد ذکر کیا گیا تھا۔ اس بنا پر کہ شکر گزار کو ناشکر پر فضیلت حاصل ہے لیکن اسی ترتیب سے

ان کا انجام نہیں بیان کیا جا رہا ہے بلکہ ناشکر گزاروں کا انجام پہلے بتا دیا جا رہا ہے اس وجہ سے کہ اس کو اجمالاً مختصر طور پر بیان فرمایا گیا ہے اور شکر گزاروں کا انجام بالتفصیل آ رہا ہے۔ نیز یہ کہ سزا کا تعلق انذار یعنی ڈرسنانے سے ہے اور جزا کا تعلق تبشیر سے ہے اس اعتبار سے انذار مقدم ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ کفوراً سے متصل کافرین کا بیان فہم سے قریب تر ہے۔ اس کے بعد سامع کو شاکراً کا انجام سننے کا شوق دامنگیر ہوگا اور اس کا انتظار رہے گا۔ لہذا انتظار کے بعد جو چیز بیان ہوگی وہ دل نشیں ہوگی۔ بہر حال یہ تقدیم و تاخیر بھی فائدے سے خالی نہیں۔ یہ بھی قرآن کریم کی بلاغت کا نمایاں باب ہے۔ سبحان اللہ۔

سزائے سلاسل و اغلال کی وجہ کفار آیات الٰہی اور اس کا ذکر سننے سے گریز کرتے تھے۔ اس کی سزا میں آج ان کو پابہ زنجیر کیا جا رہا ہے کہ اب بھی ہو سکتا ہے تو کہیں بھاگ جاؤ۔ پھر یہ زنجیر کیسی ہوگی سورۂ حاقہ میں گزر چکا۔ نیز کفار ذکر الٰہی سن کر گردن کشی اور اعراض کرتے تھے۔ اب ان کو طوق ڈالا جا رہا ہے کہ تم سے ہو سکتا ہے تو اب بھی گردن کشی کرو۔ نیز کفار مجلس وعظ و نصیحت چھوڑ کر اپنے گھروں کا راستہ لیتے تھے۔ اس لئے ان کو دہکتی آگ میں ڈالا جائیگا۔

یہ سب کچھ ان کی اہانت اور ذلت دکھلانے کے لئے کیا جائیگا ورنہ بھاگ کہاں سکتے ہیں۔ اور گردن کشی کی تاب اب کہاں ہے؟ اور نہ دوزخ کے سوا ان کا کوئی ٹھکانا ہے۔

اِنَّ الۡاَبۡرَارَ یَشۡرَبُوۡنَ مِنۡ کَاۡسٍ کَانَ مِزَاجُهَا کَافُوۡرًا ۝ 76-5
عَيۡنًا يَّشۡرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوۡنَهَا تَفۡجِيۡرًا ۝ البتہ نیک لوگ پیئے ہونگے 76-6

پیالہ جس کی ملونی ہے کافور ایک چشمہ ہے جس سے پیتے ہیں بندے اللہ کے چلاتے ہیں وہ اس کی نالیاں "

ابرار کی تعریف | ناشکروں کے اجمالی بیان کے بعد شکر گزار بندوں کے اوصاف اور ان کا انجام بیان فرمایا جا رہا ہے۔ وہ ابرار اللہ سبحانہ کے نیک بندے ہیں۔ اَبۡرَار جمع ہے بَرٌّ کی جس کے معنی ہیں اطاعت گزار اور کار خیر میں دل کھول کر حصہ لینے والا وسیع اخلاق والا۔ یا جمع ہے بَآرٌّ کی۔ یعنی اچھا سلوک کرنے والا۔ دراصل یہ لفظ بَرّ (خشکی) سے بنا ہے جس کے مقابل لفظ بحر (سمندر) ہے جس طرح اللہ کی زمین طویل عریض اور وسیع ہے ایسا ہی اللہ کا یہ بندہ بھی وسیع القلب اور واسع الاخلاق واقع ہوا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: ـــ البرّ من لا یوذی الذر ولا یضمر الشر۔ نیکوکار وہ ہے جو مخلوق کو ایذا

نہ پہنچائے اور دل میں شر چھپائے نہ رکھے۔"

ابرار کون ہیں؟ حضرت سہل تستری فرماتے ہیں:۔ الابرار الذین فیھم خلق من اخلاق العشرۃ الذین وعدھم النبی علیہ الصلاۃ والسلام بالجنّۃ۔ قال علیہ الصلاۃ والسلام ان للہ ثلاث مائۃ وستین خلقا من لقیہ بخلق منھا مع التوحید دخل الجنّۃ قال ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ھل فیّ منھا یا رسول اللہ قال کلھا فیک یا ابابکر واحبھا الی اللہ السخاء۔ ابرار وہ لوگ ہیں جن میں عشرہ مبشرہ کے اخلاق میں سے کوئی خلق موجود ہو جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا ہی میں جنت کی خوش خبری سنا دی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سبحانہ کے تین سو ساٹھ اخلاق ہیں۔ ان میں سے ایک خلق بھی توحید کے ساتھ لے کر جو کوئی اللہ سبحانہ سے ملیگا وہ جنت میں جائے گا۔ یہ سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ان میں سے کوئی خلق مجھ میں بھی ہے؟ تو ارشاد مبارک ہوا کہ ابوبکر! تم میں یہ اخلاق کل کے کل موجود ہیں۔ ان سب میں سے سخاوت اللہ سبحانہ کو بہت محبوب و مرغوب ہے۔"

ابرار کا اعزاز بہرحال شکر گزار بندوں (ابرار) کا بیان فرمایا جا رہا ہے کہ

ان کے مشروبات میں کافور کی ملونی ہوگی جس سے شربت کا لطف دوبالا ہوجائیگا
کافور کی ملونی کا ذکر ذوق کے اعتبار سے نہیں کیونکہ کافور کوئی کھانے کی چیز نہیں
ہے بلکہ اس کی خوشبو، سپیدی، ٹھنڈک اور صفائی کے اعتبار سے ہے۔ حضرت کلبیؒ
فرماتے ہیں:۔ الکافور علم عین فی الجنۃ ماؤھا فی بیاض الکافور وعرفہ
وبردہ۔ کافور جنت کے ایک چشمے کا نام ہے جس کا پانی کافور کی طرح سپید صاف شفاف
اور اس میں کافور کی سی خوشبو اور ٹھنڈک ہے۔ گویا اسی مناسبت سے اس کا نام کافور
رکھا گیا ہے۔ کافور کے اصل معنی چھپا دینے کے ہیں۔ کافر کو اسی لئے کافر کہتے ہیں کہ
وہ حق پوشی کرتا ہے۔ اور کفارہ بھی گناہ کو چھپا دیتا ہے۔ اس لحاظ سے کافور بھی
ایسی چیز ہے جو دوسرے تمام اوصاف پر اس درجہ غالب ہوتی ہے کہ دیگر اشیاء
اور اوصاف اس کے ہوتے ہوئے چھپ جاتے ہیں اور یہی سب پر غالب رہتا ہے
اور حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں:۔ یمزج بھم بالکافور ویختم بالمسک
جنتیوں کو نہر کافور کا پانی شریک کرکے پینے کے لئے دیا جائیگا جس پر مشک کی مہر لگی
ہوگی۔" دنیاداروں کا طریقہ ہے کہ کھانے پینے کی اہم چیزوں پر مہر توڑہ کیا جاتا ہے
یعنی لاکھ لگا کر اس پر مہر چسپاں کی جاتی ہے تاکہ اس میں کسی قسم کی آمیزش نہ ہونے
پائے اور ان کے استعمال کرنے والوں کو اطمینان حاصل ہو کہ یہ چیز اصلی حالت پر قائم ہے

اللہ سبحانہ نے جنتیوں کے پانی کا یہ اہتمام فرمایا ہے کہ اس پر مشک کی مہر لگائی گئی
تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس پیالے میں جو پانی ہے اس کی کیا قدر و قیمت ہے۔
پھر جنتیوں کے پانی کا یہ وصف ہے تو کھانے کی چیزیں اور میوے وغیرہ کس شان کے
ہوں گے؟ وفی ذٰلک فلیتنافس المتنافسون۔

مضمون بالا کی توضیح پھر مضمون بالا کی وضاحت اس کے بعد فرمائی جارہی ہے:۔

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا۔ وہ کافور ایک چشمہ ہے جس کی ملونی کا پانی' اللہ سبحانہ کے یہ مخلص بندے (ابرار) پیتے ہوں گے۔ اس چشمے کو وہ جہاں چاہیں گے کاٹ کر بہا لیجائیں گے" حضرت ابن شوزبؒ فرماتے ہیں:۔ معھم قضبان ذھب یفجّرون بھا فیتبع الماء قضبانھم (عبداللہ ابن احمد) اہل جنت کے ہاتھوں میں زرین چھڑیاں ہونگی جن سے وہ مار کا فور کو اشارہ دیں گے پھر کیا ہے کہ وہ پانی ان کی چھڑیوں کے اشارے پر اُسی سمت رواں ہوگا" جہاں وہ چاہیں۔ بعض آثار میں یہاں تک صراحت ہے:۔ ان ھذہ العین فی دار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تفجر الی دور الانبیاء علیھم الصلاۃ والسلام والمومنین۔ (روح المعانی) یہ چشمہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دار جنت (کاشانۂ مبارک) میں ہوگا جہاں سے اس کی شاخیں دیگر تمام انبیاء و مرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیھم اجمعین کے محلات عالیات' اور مومنین مخلصین کے منازل و مساکن تک پہنچائی جائینگی"۔ ؎

انبیاءؑ نور محمد سے ہوئے ہیں پیدا اسی دریا سے یہ نہریں ہوئیں جاری ساری

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝

76-7

پورا کرتے ہیں منت کو' اور ڈرتے ہیں اس دن سے جسکی برائی پھیل پڑیگی"

ابرار کے صفات یہاں سے ابرار کے اوصاف بیان فرمائے جارہے ہیں کہ وہ اپنی منتوں کو جن کو وہ مان رکھے ہیں پورا کرتے ہیں۔ منت ایک عہد ہے جو اللہ سبحانہٗ کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ الہٰی! اگر میرا فلاں کام نکل جائے یا فلاں مشکل حل ہوجائے تو میں راہ خدا میں اتنی خیرات کروں گا یا اتنی نمازیں پڑھوں گا یا اتنے روزے رکھوں گا۔ بہرحال اس کام کی اپنے نزدیک جیسی کچھ اہمیت ہوتی ہے اسی مناسبت سے اس کی جزا تجویز کرکے انسان اس کو خود پر لازم کرلیتا ہے۔ پھر جب فضل خدا سے وہ کام پورا ہوجاتا ہے تو اپنے عہد کے مطابق کار خیر انجام دیتا ہے۔ لہذا جو لوگ اپنی زبان کے سچے' اور قول کے پکے ہوتے ہیں اپنی بات پوری کرتے ہیں ٹالتے نہیں اسی سے یہ اندازہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ جب وہ اپنی خودی سے واجب کئے ہوئے کام کو پورا کرنے سے دریغ نہیں کرتے تو اوامر و نواہی جو اللہ سبحانہٗ کی طرف سے واجب قرار دئے گئے ہیں ان کو وہ کب ٹالتے ہونگے۔ مومن کی یہی صفت ہونی چاہئے

نذر کے احکام یہاں یہ یاد رہے کہ نذر (منت) اللہ سبحانہٗ ہی سے مانی جائے غیر اللہ سے اگر منت مانگے تو ایسی منت کی تکمیل واجب نہیں۔ نذر میں کسی معصیت کو خود پر لازم کرلینا شرعاً حرام ہے۔ اس باب کی تفصیلات بہت ہیں۔ کتب فقہ میں

باب النذور والایمان ایک مستقل باب ہے اور سینکڑوں مسائل اس سے مستنبط ہوتے ہیں ان کو کتب فقہ میں دیکھ لیا جائے۔

ابرار کی دوسری صفت ابرار کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس کی برائی اور سختی پیشتر کئی جگہ بیان ہو چکی ہے۔ یہ سختی اور برائی کسی ایک شخص یا خاندان یا قبیلہ وغیرہ کے ساتھ مختص نہ ہوگی بلکہ عام اور عالمگیر ہوگی از آدم تا ایں دم جتنے بنی آدم ہوں گے سب کے حق میں یہ دن نہایت کٹھن اور اجیرن ہوگا۔ الا ما شآء اللّٰہ۔ جیسے حضرات انبیا علیہم الصلاۃ والسلام یا ان کے آل واصحاب اور اولیا و اتقیا شہدا و صالحین اس سے مستثنیٰ ہوں گے مگر ان حضرات کو بھی اپنی امتوں اور متبعین کی فکر دامنگیر ہوگی۔ اس اعتبار سے سبھی اس دن سے اندیشناک ہوں گے تو ابرار کا بھی یہی حال ہوگا۔

مضمون بالا کی توضیح حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:- کانوا یوفون بطاعۃ اللّٰہ من الصلاۃ والزکاۃ والحج والعمرۃ وما افترض علیہم فسماھم اللّٰہ الابرار لذلک فقال یوفون بالنذر ویخافون یوما کان شرہ مستطیرا قال استطار واللّٰہ شر ذلک الیوم حتی ملأ السموات والارض۔ (عبدالرزاق عبد بن حمید ابن جریر ابن ابی حاتم) ابرار وہ لوگ ہیں جو اللّٰہ سبحانہ کی طاعت (مثلاً

نماز، زکوٰۃ، حج وعمرہ) اور جو جو چیزیں اللہ سبحانہ نے ان پر فرض و لازم گردانی ہیں ان کو پورا کرتے ہیں اور اسی باعث اللہ سبحانہ نے ان کا نام ابرار قرار دیا یعنی پورا کرنے والے" چنانچہ فرمایا کہ وہ اپنی مانی ہوئی نذر کو پورا کرتے اور اس دن سے خائف و ترساں رہتے ہیں جس کی برائی پھیلی ہوئی ہوگی۔ اس کی تفسیر میں حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! اس دن کی برائی اتنی پھیلی ہوئی ہوگی کہ تمام آسمان اور ساری زمین اس کی برائی سے بھر جائے گی۔"

ایک شخص کا واقعہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی نذرت ان انحر نفسی فشغل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذھب الرجل فوجد یرید ان ینحر نفسه فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحمد للہ الذی جعل فی امتی من یوفی بالنذر و یخاف یوما کان شرہ مستطیرا۔ اھد مائة ناقة۔ (عبدالرزاق، طبرانی) حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں ایک شخص آیا اور عرض پرداز ہوا کہ میں نے منت مانی ہے کہ اپنے آپ کو ذبح کر ڈالوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف التفات نہ فرمایا تو وہ چلا گیا۔ پھر آپ نے اس کو ایسی حالت میں پایا کہ خود کو ذبح کر لینا چاہتا ہے۔ اس پر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

اللہ کا شکر ہے کہ میری امت میں ایسے لوگ بھی اس نے بنائے ہیں جو اپنی منت پوری
کرتے اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی پھیلی ہوگی۔ (پھر اس کو حکم دیا کہ) تم سو اونٹ
بطور ہدی کعبۃ اللہ کو بھیج دو۔" یہ اس لئے کہ اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالنا خودکشی اور گناہ
ہے۔ اور انسانی جان ناحق لی جائے تو اس کی دیت اور خون بہا ایک سو اونٹ ہوتے
ہیں لہٰذا تم سو اونٹ منی میں ذبح کرنے کے لئے بطور ہدی بھیج دو۔" گویا اس عمل سے
اس کی نذر کا کفارہ ہو جائے گا۔ اور نذر کرنے والے کی جان بچ جائیگی۔ یہیں سے
نذر معصیت کا حکم مستنبط ہوتا ہے۔

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝ 76-8
إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ۝ إِنَّا 76-9
نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ۝ اور کھلاتے ہیں کھانا اس کی 76-10
محبت پر محتاج کو، اور یتیم کو، اور قیدی کو۔ ہم جو تم کو کھلاتے ہیں وہ خالص اللہ کی
خوشی چاہنے کو، نہ ہم تم سے چاہیں بدلہ اور نہ چاہیں شکر گزاری۔ ہم کو لگا ہے ڈر اپنے
رب کا، ایک دن سے جو اداسی والا سختی کا ہے۔"

ابرار کا تیسرا وصف ابرار کا تیسرا وصف ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ مسکینوں اور یتیموں
اور قیدیوں کو (جن کو کھانا میسر نہیں) کھانا کھلاتے ہیں ایسی حالت میں کہ اس کھانے کی

خود ان کو رغبت اور ضرورت ہے۔ یا تو ان کو خود پر ترجیح دیتے ہیں یا جو کھانا
خود کو مرغوب تھا ایسا کھانا ان حاجت مندوں کو بھی کھلاتے ہیں۔ پھر اس خوبی کیساتھ
کہ ان کی نیت یہ نہیں ہوتی کہ آج ہم ان کو کھلا رہے ہیں۔ کل ہم محتاج ہو جائیں اور
یہ دولت مند ہوں تو وہ اس کے بدلے میں ہم کو کھلائیں گے۔ یا یہ کہ بدلہ نہ سہی صرف
یہ ہمارے ممنون احسان اور شکر گزار بنے رہیں کہ فلاں حاجت کے موقع پر ہم نے
ان کی دستگیری کی تھی۔ بلکہ وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں سب پر اداسی
چھائی ہوئی رہیگی اور وہ بہت کٹھن دن ہوگا۔ اگر آج ہم ان سے بدلے کی توقع
رکھیں یا ان پر احسان دھریں تو فردائے قیامت ڈر لگا ہوا ہے کہ اللہ پاک یہ
فرمائے کہ تم نے ہمارے ان مسکین یتیم اور اسیر بندوں کیساتھ جو احسان کیا تھا۔ اس کا بدلہ
دنیا ہی میں ہو چکا یا تو ان کا بدلہ حاصل کر لیا یا یہ کہ ان سے شکریہ کے طالب رہے۔
اب ہماری رضا جوئی کے لئے کیا چیز لائے ہو جس کے طلبگار ہو رہے ہو؟ مساکین اور
یتامیٰ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے باب میں تو اور بھی آیات کریمہ اور احادیث شریفہ
وارد ہیں جو زبان زد خاص و عام ہیں لیکن قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کی فضیلت
اس آیہ کریمہ سے ظاہر ہو رہی ہے کہ ان کو مساکین اور یتامیٰ کے ساتھ شامل کیا گیا ہے

قیدیوں کیساتھ حسن سلوک

حضرت مجاہد فرماتے ہیں: لما صدر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

بالاساری عن بدر، انفق سبعة من المهاجرين على اساری مشرکی بدر منهم ابو بكر وعمر وعلی والزبير وعبد الرحمٰن وسعد وابو عبيدة بن الجراح فقالت الانصار قتلناهم فی اللہ وفی رسوله وتوفونهم بالنفقة فانزل اللّٰه فيهم تسع عشرة آية ان الابرار يشربون الی قوله عينا فيها تسمّٰی سلسبيلا

(ابن عساکر) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب غزوۂ بدر سے قیدیوں کو گرفتار کر کے مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے تو مہاجرین میں سے یہ سات اصحاب (خصوصیت کے ساتھ) بدر کے مشرک قیدیوں کو کھلانے پلانے لگے۔ حضرات ابو بکر، عمر، علی، زبیر، عبدالرحمٰن، سعد، ابو عبیدہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) اس پر انصار کہنے لگے کہ ہم نے تو خدا اور اس کے رسول کی محبت میں ان کے ساتھ جنگ کی اور تم ان کو کھلاتے پلاتے ہو۔ تو اس وقت انّ الابرار یشربون سے لیکر عینا فیھا تسمّٰی سلسبیلا تک (۱۹) آیتیں ان کی شان میں نازل ہوئیں "جس سے معلوم ہوا کہ قیدیوں کو کھلانا پلانا بھی اسی اجر وثواب کا انسان کو مستحق بناتا ہے جو محتاجوں اور یتیموں کو کھلانے پلانے کا اجر وثواب ہے۔

مشرک قیدی بھی حسن سلوک کا مستحق ہے

حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں:۔ لقد امر اللہ المسلم بالاساری ان یحسن الیھم وانھم یومئذ لمشرکون فواللہ لاخوک

اعظم علیك حرمة وحقا۔ (عبد بن حمید) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے یہاں قیدیوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کرنے کا حکم فرمایا ہے درحالیکہ اُس عہد میں قیدی صرف کفار و مشرکین ہی ہوتے تھے۔ اس بنا پر خدا کی قسم! کبھی تمہارا مسلمان بھائی قید میں ہو تو اس کا احترام اور حق مشرک اور کافر کے مقابلہ میں بہت ہی بڑھا چڑھا ہے۔" حضرت ابن جریج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔ لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاسر اھل الاسلام و لکنھا نزلت فی اساری اھل الشرك کانوا یاسرونھم فی الفداء فنزلت فیھم فکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یأمر بالاصلاح لھم۔ (ابن المنذر) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کو قید میں نہیں ڈالتے تھے لیکن یہ آیۂ کریمہ مشرک قیدیوں کے باب میں نازل ہوئی ہے جن کو مسلمان زرفدیہ حاصل کرنے کی خاطر گرفتار کرکے قید کردیا کرتے تھے۔ اور یہ آیت انہیں کی بابت اتری۔ پھر بھی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم اقدس یہی ہوا کرتا تھا کہ ان (مشرک قیدیوں) کے ساتھ بھی اچھا سلوک کیا کرو۔"

مسکین، یتیم، اسیر کی تفسیر حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ مسکینا فقیرا، ویتیما لا اب لہ، واسیرا المملوك والمسجون۔ (ابن مردویہ، ابو نعیم)

مسکین سے محتاج مراد ہے (جس کے پاس کچھ نہ ہو یا صبح کا کھانا ہو تو شام کے لئے نہ ہو، یا شام کا ہو تو صبح کے لئے کچھ نہ ہو) اور یتیم وہ ہے جس کا باپ نہ ہو۔ اور اسیر سے مراد مملوک غلام اور قیدی ہے۔ گویا اسیر کے مفہوم میں یہ دونوں قسم داخل ہیں۔ چنانچہ غلام و باندی کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے باب میں بھی بکثرت احکام دئے گئے ہیں۔ بہرحال مقدس دین اسلام میں کمزوروں کے ساتھ اچھا سلوک جاری رکھنے کی بہت تاکید کی گئی ہے جو دیگر ادیان میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

شان نزول حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ نزلت ھذہ الآیۃ فی علی بن ابی طالب و فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ابن مردویہ) یہ آیۂ کریمہ ویطعمون الطعام حضرت سیدنا علی بن ابی طالب اور جناب سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء دختر مطہرہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں نازل ہوئی۔" اس کی تفصیل عطاء بن یسار کی روایت میں جو حضرت ابن عباسؓ ہی سے مروی ہے، یوں ہے کہ حضرات حسنین علی جدہما وعلیہما الصلاۃ والسلام ایک دفعہ بیمار ہو گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور جماعت صحابۂ کرامؓ کے ساتھ عیادت کے لئے تشریف لائے تو اصحاب کرام کے مشورہ سے حضرت شیر خدا نے منت مانی کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ ان کو شفائے کامل عطا فرمائے تو تین دن تک

روزے رکھیں گے۔ جناب سیدہ، نیز آپ کی خادمہ، اور خود حضرات حسنین علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام نے بھی یہی منت مانی۔ بفضل خدا شفا حاصل ہوئی تو سبھوں نے روزہ رکھا۔ شام کو افطار کے بعد دستر خوان بچھا تو ایک مسکین نے صدا دی۔ ان حضرات نے پورا کھانا اس کے حوالہ کر دیا۔ اور پانی سے افطار کر کے دوسرا روزہ رکھا آج بھی عین افطار کے وقت ایک یتیم نے آواز دی وہ کھانا اس کو دے دیا گیا۔ اسی طرح تیسرا روزہ رکھا۔ افطار کے وقت ایک قیدی پہنچ گیا تو تمام کھانا اس کو مرحمت ہوا۔ ادھر تین دن کے مسلسل روزوں سے جو فقط پانی پی کر افطار کیا جاتا تھا ان حضرات پر بڑی سختی گزری۔ حضرات حسنینؓ بھوک کی شدت سے کانپ اٹھے اور حضرت سیدہ طاہرہ کا شکم مبارک پیٹھ سے لگ گیا مگر اُف تک نہ کیا۔ اس نوبت پر حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور یہ آیات کریمہ سنائیں۔ تفسیر روح المعانی اور کتاب نور الابصار فی مناقب آل بیت الاطہار وغیرہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ جس کی یہاں گنجائش نہیں۔

عَلٰی حُبِّہٖ کی تفسیر

آیۂ کریمہ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ میں جو صراحت عَلٰی حُبِّہٖ کی وارد ہوئی ہے اس کی تفسیر اس مشہور واقعہ سے بخوبی ہوتی ہے کہ روزہ داروں کو افطار کے وقت، کھانے کی طرف جو فطری رغبت رہتی ہے

ایسے نازک موقع میں ایثار کا یہ نمونہ پیش کرنا کہ ایک دن، دو دن نہیں مسلسل تین دن تک یہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا حق ہے۔ جس میں مرد عورت بچے بلکہ ملازم تک یکساں رنگ میں رنگے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام

فقراء ومساکین کو اپنی پسندیدہ چیزیں دینی چاہئیں۔ خراب ناکارہ چیزوں سے احتراز کرنا چاہیئے۔

انما نطعمکم کی تفسیر پھر یہ داد و دہش کسی بدلے یا احسان مندی کے طور پر نہ ہو بلکہ خالصاً لوجہ اللہ ہو جیسا کہ آیۃ انما نطعمکم لوجہ اللہ لا نرید منکم جزآء ولا شکورا کا مفہوم ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں:۔ لم یقل القوم ذلک حین اطعموھم ولکن علم اللہ من قلوبھم فاثنی علیھم بہ لیرغب فیہ راغب۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، بیہقی) جن بزرگوں نے اطعام طعام میں حصہ لیا تھا انھوں نے کبھی اپنی زبان سے یہ نہیں کہا کہ تم کو ہم خالصاً لوجہ اللہ کھلا رہے ہیں تم سے کسی بدلے یا شکریہ کے طالب نہیں بلکہ یہ مضمون ان بزرگوں کے دل میں تھا اللہ سبحانہ جو علیم بذات الصدور ہے ان کی یہ دلی کیفیت جان کر اس آیۂ کریمہ کے ذریعہ ان کی ثنا وصفت فرمائی تاکہ آئندہ بھی جو لوگ ایسے ایثار اور کارہائے خیر میں حصہ لیں انکو ان بزرگوں کی

ان دلی کیفیات سے سبق ملے۔اور اس کی بموجب عمل پیرا ہوں۔"

انّا نخاف کی تفسیر | اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا۔ہم کو

ڈر لگا ہوا ہے اپنے پروردگار کا اس دن سے جو نہایت اُداسی اور سختی کا ہے۔"

مطلب یہ کہ ابرار اللہ سبحانہ کے ایسے مخلص بندے ہیں کہ راہ خدا میں مسکینوں

یتیموں اور قیدیوں کو لوجہ اللہ کھلاتے پلاتے رہنے کے باوجود اللہ سبحانہ سے

ڈرتے رہتے ہیں۔ان سے کسی بدلے کے خواہشمند نہیں رہتے اور نہ خود کو کسی شکریہ کا

مستحق تصور کرتے ہیں بلکہ ان کو اس امر کا ڈر لگا ہوا ہے کہ قیامت کا دن جو عالمگیر

اُداسی اور حد درجہ سختی کا ہے اس دن ہمارے اخلاص کی کمی وغیرہ کے باعث

ایسا نہ ہو کہ ہمارا یہ عمل درجۂ قبولیت حاصل نہ کر سکے۔اور ہمارا عمل ہمارے ہی منہ پر

مار دیا جائے۔اس میں یہ سبق دیا جا رہا ہے کہ انسان کو اپنے حسن عمل پر کبھی نازاں

نہ ہونا چاہیئے۔یہی صفت ابرار واخیار کی ہے۔اللھم اجعلنا منھم۔آمین۔ان

بزرگوں نے یہ صفت خیر اختیار کی تو اللہ سبحانہ کے پاس ان کے کیا مدارج ہیں اسکو بھی

سُن لیجئے۔ارشاد ہو رہا ہے:۔

فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۝ 76-11

وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۝ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ 76-12 76-13

لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيرًا ۚ پھر بچالیا ان کو اللہ نے برائی سے

اس دن کی اور ملادی ان کو تازگی اور خوش وقتی اور بدلے میں دیا ان کو ان کے صبر

باغ اور پوشاک ریشمی تکیہ لگائے بیٹھیں اس میں تختوں کے اوپر نہیں دیکھتے وہاں

دھوپ اور نہ ٹھٹھر انے والی سردی "

ابرار واخیار کا اعزاز قیامت کا دن جو روز جزا ہے جس میں ہر ہر عمل کا بدلہ ملیگا۔ خواہ وہ عمل کتنا ہی صغیر وحقیر ہو۔ تو ابرار اخیار کے یہ اعمال صالحہ کب ضائع ہو سکتے ہیں۔ ان کو بھی اپنے اعمال خیر کی جزا ضرور ملیگی جس کی ابتدا یوں ہے کہ روز قیامت کی اُداسی اور سختی ان پر نہ آنے پائے گی یہ اس سے بالکل محفوظ رہیں گے۔ پھر پروردگار عالم کے حضور میں جب یہ باریاب ہوں گے تو ان کی ملاقات کا یہ سماں ہوگا کہ وہ ان سے راضی اور خوشنود ان کے چہرے پروردگار عالم کی عنایت ولطف اور مسرت کے باعث نہایت تروتازہ حد درجہ مسرور ہوں گے۔ پھر کہنے والا کہیگا کہ یہ مسرت وشادمانی بدلہ ہے صبر کا جو تم دنیا میں طرح طرح کی تکالیف اور ایذائیں سہتے رہے اب جاؤ جنت میں جہاں ہر طرح کی راحت وآسائش کا سامان مہیا ہے اور ان کو حریر (ریشم) کی لاقیمت پوشاک پہنائی جائیگی اس جنت میں وہ تختوں پر بیٹھے تکیہ لگائے ہوئے وہاں کا لاجواب نظارہ کرتے ہوں گے۔ نہ تو وہاں دھوپ کا

کوئی اثر ہوگا۔ اور نہ ٹھٹھرانے والی سردی رہیگی"۔ بلکہ جنت کا ہر موسم نہایت لطف اندوز معتدل ہوگا۔ کسی قسم کی کوئی ناگواری اہل جنت کو نہ ہوگی۔

نضرۃ وسرورا کی تفسیر حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔ ولقاھم نضرۃ قال فی الوجوہ وسرورا قال فی الصدور والقلوب۔ (عبد بن حمید ابن المنذر) اور ملادی ان کو تازگی چہروں میں اور مسرت سینوں میں اور دلوں میں"۔ یعنی اللہ سبحانہ سے ابرار کی ملاقات کی کیفیت یہ ہوگی کہ وہ سماں دیکھتے ہی ان کے چہرے تروتازہ بارونق اور سینے اور دل مسرت سے شاداں وفرحاں ہوں گے۔ حضرت قتادہؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔

صبر کے اقسام نیز حضرت قتادہؓ نے آیۂ کریمہ وجزاھم بما صبروا جنۃ وحریرا کی تفسیر میں فرمایا:۔ الصبر صبران صبر علی طاعۃ اللہ وصبر عن معصیۃ اللہ۔ (عبد بن حمید) صبر دو طرح کے ہیں۔ ایک صبر ہے اللہ سبحانہ کی طاعت پر اور دوسرا صبر ہے اللہ سبحانہ کی نافرمانی سے دور رہ کر"۔ یعنی حق سبحانہ تعالیٰ کے جس قدر اوامر ہیں ان کو بجالانا، مثلاً نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، زکاۃ دینا، حج کرنا، جہاد فی سبیل اللہ میں لگے رہنا، نیز ہر ہر امر کی بجاآوری کے لئے خود کو مستعد رکھنا اسیطرح جس قدر نواہی ہیں جن سے پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا ہے یا وصفیکہ معصیت میں ایک طرح کی چاشنی اور لذت ہے اس سے اپنا دامن بچائے رکھنا اور خود کو اس سے

دور رکھنا یہ دونوں امور نہایت صبر آزما ہیں ان دونوں مواقع پر ابرار نے صبر سے
کام لیا اس کے مقابلے میں اللہ سبحانہ نے ان کو جنت اور اس کی نعمتوں سے سرفراز
فرمایا۔ نیز حدیث شریف میں ہے:۔ الصبر اربعة الصبر علی الصدمة الاولی
وعلی اداء الفرائض وعلی اجتناب المحارم وعلی المصائب۔ صبر چار طرح ہے
ایک پہلے صدمہ کے وقت، دوسرا ادائے فرض کے موقع پر، تیسرا محرمات سے بچنے کے وقت،
چوتھا مصیبت کے وقت" اور ان کو ریشم وحریر کے فاخرانہ لباس سے ممتاز فرمایا۔
چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ سونا اور ریشم کو اللہ تعالیٰ نے میری امت کے
مردوں پر حرام ٹھہرایا ہے۔ لہذا جو کوئی ان کو دنیا میں نہیں پہنے گا، اللہ اس کو
جنت میں ضرور پہنائے گا۔ اور جو دنیا میں پہنے گا آخرت میں نہ پہن سکیگا" ابرار
چونکہ دنیا میں اس سے دور تھے اس لئے آخرت میں وہ لباس حریر پہنیں گے۔

علی الارائک کی تفسیر | مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ۔ تکیہ لگائے ہوئے
ہوں گے ابرار جنت میں تختوں پر بیٹھے ہوئے" اَرَائِكُ جمع ہے اَرِيْكَةٌ کی۔
یہ ایسے تخت کو کہتے ہیں جس پر فرش بچھایا گیا اور اطراف سے پردے چھوڑ کر آراستہ کیا
گیا ہو۔ ارائک کی تفسیر میں لکھا ہے:۔ هي السرر في الحجال تكون في الجنة
من الدر والياقوت موضونة بقضبان الذهب والفضة والوان الجواهر

ارائک" ایسے تخت ہیں جن پر جنت کے جلوہ گاہ عروسی یعنی موتیوں اور یاقوت سے سونے چاندی کی لکڑیوں پر جڑاؤ کیا جائے گا اور رنگ برنگ کے جواہرات سے سجایا جائے گا"۔ ظاہر ہے کہ یہ منظر صحن جنت اور تفریحی مقام کا ہوگا۔ اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قصر جنت کی تیاری اور آراستگی پھر اس کا لطف کس شان کا ہوگا؟ چنانچہ اس کی تائید اس کے بعد کے ارشاد سے ہو رہی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

شمسا زمھریرا کی تفسیر

لَا یَرَوْنَ فِیْھَا شَمْسًا وَّلَا زَمْھَرِیْرًا۔ جنت کے صحن، اور اس کی تفریح گاہوں میں نہ تو دھوپ ہوگی، اور نہ ٹھٹھرانے والی سردی"۔ یعنی جس طرح دنیا میں انسان کو دھوپ کی تمازت ستاتی ہے اور جاڑا و سردی اپنا رنگ دکھاتی ہے۔ جنت میں ایسی کوئی موسمی تکلیف بھی نہ ہوگی بلکہ صبح صادق کا وقت جیسا سہانا خوشگوار ہوتا ہے، وہاں اس سے کہیں زیادہ پُرلطف اوقات ہوں گے اور اہل جنت خوش وقتی میں گزارتے ہوں گے۔ دنیا کی گرمیوں اور جاڑوں کی حقیقت یہ ہے:۔

سرما و گرما کی حقیقت

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اشتکت النار الی ربھا فقالت رب اکل بعضی بعضا فجعل لھا نفسین نفسا فی الشتاء و نفسا فی الصیف فشدۃ ما تجدونہ

من البرد من زمھریرھا وشدۃ ما تجدونہ فی الصیف من الحر من سموھا۔ (ابن ابی شیبۃ، بخاری، مسلم، ترمذی، ابن مردویہ) دوزخ نے اپنے پروردگار سے شکایت کی کہ پروردگار من! میرے ہی بعض حصے نے بعض کو کھالینا شروع کردیا ہے۔ اس پر اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس کے لئے دو سانسیں سال بھر میں مقرر فرمادیں۔ ایک سانس جاڑوں میں، اور ایک سانس گرمیوں میں۔ لہذا شدت کی سردی جو تم جاڑوں میں پاتے ہو وہ اس کے زمہریر کی ہے۔ اور گرمی کی شدت جو گرما میں محسوس کرتے ہو وہ دوزخ کی باد سموم (زہریلی ہوا) کا اثر ہے"۔

دوزخ کی گرمی اور سردی سے بچنے کی تدبیر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:—

اذا کان یوم حار القی اللہ سمعہ وبصرہ الی اھل السماء واھل الارض فاذا قال العبد لا الٰہ الا اللہ ما اشد حر ھذا الیوم اللّٰھم اجرنی من حر جھنم قال اللہ عز وجل لجھنم ان عبدا من عبیدی استجارنی منک وانی اشھدک انی قد اجرتہ واذا کان یوم شدید البرد القی اللہ سمعہ وبصرہ الی اھل السماء واھل الارض فاذا قال العبد لا الٰہ الا اللہ ما اشد برد ھذا الیوم اللّٰھم اجرنی من زمھریر جھنم قال اللہ لجھنم ان عبدا من عبیدی استجارنی من زمھریرک

وانی اشھدک انی قد اجرتہ' جب کوئی دن گرمی کی شدت کا ہوتا ہے تو
اللہ سبحانہ اپنے سمع و بصر کو آسمان والوں اور زمین والوں کی طرف متوجہ فرما دیتے
ہیں۔ اب کوئی بندہ یہ کہتا ہے کہ اللہ سبحانہ کے سوا کوئی ہستی مستحق عبادت نہیں۔
اس دن کی گرمی کیسی شدید تر ہے۔ الٰہی! مجھے دوزخ کی گرمی سے اپنی پناہ میں رکھئے تو
خدائے عزوجل کا ارشاد دوزخ سے یوں ہوتا ہے کہ میرے بندوں میں سے ایک بندے نے
تجھ سے میری پناہ طلب کی ہے اور میں تجھے خبردار کرتا ہوں کہ میں نے اس کو پناہ
دیدی ہے۔ اسی طرح کسی دن شدت کی سردی ہوتی ہے تو اللہ سبحانہ اپنے سمع و بصر کو
آسمان والوں اور زمین والوں کی طرف متوجہ فرما دیتے ہیں' پھر کوئی بندہ عرض
کرتا ہے کہ اللہ سبحانہ کے سوا کوئی چیز مستحق عبادت نہیں۔ آج کس بلا کی سردی ہے۔
الٰہی! مجھے جہنم کی سردی سے اپنی پناہ میں رکھئے۔ تو اس وقت بھی اللہ سبحانہ کا ارشاد
جہنم سے ہوتا ہے کہ میرے بندوں میں سے فلاں بندے نے تیری سردی سے میری پناہ
مانگی ہے اور میں تجھے گواہ رکھتا ہوں کہ میں نے اس کو پناہ دیدی ہے۔"

زمہریر کی حقیقت | قالوا وما زمھریر جھنم قال کعب بیت یلقی فیہ الکافر
فیتمیز من شدۃ بردھا بعضہ من بعض (بیہقی عن ابی سعید الخدریؓ او ابی
ھریرۃ) صحابہ کرام نے یہ سن کر عرض کیا کہ زمھریر جھنم سے کیا مراد ہے؟ (کیونکہ آپ

وہ جو سنتے آئے تھے دوزخ کی آگ ہی کا بیان تھا۔ دوزخ کی سردی کبھی سننے میں نہیں آئی تھی) حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ زمہریر جہنم کا ایک مرتفع مقام ہے جس میں کوئی کافر ڈالا جائے گا تو اس کی سردی کی شدت سے اس کے اعضاء ایک دوسرے سے علیحدہ ہوتے جائیں گے "یہی وجہ ہے کہ عرب کے ہاں ضرب المثل سی ہوگئی ہے وہ کہتے ہیں:۔ الحرّ یوذی والبرد یھلک۔ گرمی صرف ایذا پہنچاتی ہے اور سردی ہلاک کرکے چھوڑتی ہے " یہ دوزخ کا حال تھا۔ رہی جنت اس کے موسموں کا کیا پوچھنا

جنت کا موسم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔ الجنّۃ سجسج لاقرّ فیھا ولاحرّ (ابن ابی شیبہ) جنت معتدل اور سہانی جگہ ہے نہ اس میں (ہلاک کرنے والی) سردی ہے اور نہ (ایذا پہنچانے والی) گرمی " اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے:۔ ھواء الجنّۃ سجسج لاحرّ فیہ ولاقرّ۔ جنت کی ہوا (اور اس کا موسم) خوشگوار سہانا ہے نہ اس میں (ناگوار) گرمی ہوگی اور نہ سردی " اسی لئے ارشاد ہو رہا ہے:۔ لَا یَرَوْنَ فِیْھَا شَمْسًا وَّ لَا زَمْھَرِیْرًا۔ اہل جنت وہاں نہ دھوپ دیکھنے پائیں گے اور نہ ٹھٹھرانے والی سردی " کیونکہ وہاں آفتاب ہی نہ ہوگا تو پھر دھوپ کا کیا ذکر ہے؟ آفتاب وغیرہ کے متعلق ارشاد ہو چکا ہے:۔ اذا الشمس کوّرت۔ (قیامت اس وقت ہوگی) جبکہ آفتاب لپیٹ دیا جائے " اور ستارے

بے نور ہو جائیں۔ اور چاند کے متعلق آیا ہے کہ اس کو گہن لگ جائے گا۔

جنت کی روشنی جنت میں چاند سورج، ستارے نہ ہوں گے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہاں پر روشنی کی کیا صورت ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جنت خود روشن اور اس کی ہر چیز اپنے پروردگار کے نور سے جگمگاتی ہوگی۔ چاند سورج یا ستاروں کی روشنی کی وہاں حاجت ہی نہیں۔ چنانچہ اس حدیث شریف سے اس کی توضیح ہوتی ہے:۔

ان الجنۃ لاخطر بھا ھی ورب الکعبۃ نور یتلألأ وریحانۃ تھتز وقصر مشید۔ (روح المعانی) یقیناً جنت ایسا مقام ہے جہاں کسی حادثے، اندیشے، تکلیف، یا ناگواری کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ رب کعبہ کی قسم! پوری جنت نور ہے موتیوں کی طرح درخشاں، اقسام کی خوشبو سے بسا ہوا کہ ہوا کے ہر جھونکے کے ساتھ ایک نئی خوشبو آتی ہوئی اور پائدار محل جس کا ہر لطف پائدار ہے۔" کیوں نہ ہو جنت جگہ ہے نورانی لوگوں کی۔ نورھم یسعیٰ بین ایدیھم و بایمانھم یقولون ربنا اتمم لنا نورنا واغفرلنا انک علیٰ کل شیئٍ قدیر۔ ان کی نورانیت ان کے آگے سے اور داہنے سے پیش پیش رہیگی، وہ کہتے ہوں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہماری نورانیت کی تکمیل فرما اور ہم کو بخش دے۔ یقیناً ہر چیز پر تجھے پوری قدرت حاصل ہے۔" زندگی بھر کے نورانی اقوال، افعال، اعمال و

اسرار کا نور ایک جگہ ہو کر ہر مقام پر ان کی رہبری کرتا ہو گا۔ ایک ایک جنتی کا چہرہ چاند، سورج، ستاروں کی طرح، علیٰ قدرِ مراتب درخشاں ہو گا۔

سیدنا علیؓ و سیدتنا فاطمہؓ کی منقبت

حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت یہ بھی مروی ہے بینا اھل الجنّۃ فی الجنّۃ اذ رأوا ضوءً کضوء الشمس وقد اشرقت الجنان بہ فیقول اھل الجنّۃ یا رضوان ماھذا؟ وقد قال ربّنا لا یرون فیھا شمسا ولا زمھریرا فیقول لھم رضوان لیس ھذا الشمس ولا قمر ولکن علی و فاطمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھما ضحکا فاشرقت من نور ثغریھما۔ (روح المعانی) اس اثناء میں کہ اہل جنت جنت میں ہونگے۔ اتنے میں ایک روشنی چمک اٹھیگی جیسی روشنی آفتاب کی ہوتی ہے۔ اور تمام باغہائے جنت اس کی بدولت جگمگا اٹھیں گے۔ یہ دیکھتے ہی اہل جنت دریافت کرنے لگیں گے کہ رضوان! اس روشنی کی حقیقت کیا ہے؟ ہمارے پروردگار تعالیٰ کا ارشاد تو یہ ہے کہ اہل جنت وہاں نہ دھوپ دیکھیں گے اور نہ سردی، تو رضوان ان سے کہیگا کہ یہ روشنی نہ تو آفتاب کی ہے اور نہ چاند کی۔ واقعہ یہ ہے کہ علی و فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرطِ مسرت سے ہنس پڑے تو ان کے دُرِ دنداں کی روشنی سے خلد بریں کے تمام باغات جگمگا اُٹھے ہیں۔"

ہوئی کب ایسی شادی حضرت آدمؑ سے تا عیسیٰؑ دلہن ہیں فاطمہ زہراؓ علی مرتضیٰؓ دولھا

وہ ہیں بنتِ نبی زاہدؓ تو یہ مولود کعبہ ہیں نبیؐ کے گھر کی بیٹی ہے خدا کے گھر کا ہے بیٹا

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا ۝ اور 76-14

جھک رہیں ان پر اس کی چھائیں اور پست کر رکھے ہیں اس کے گچھے لٹکا کر۔

سایۂ جنت سرزمین عرب، خصوصاً مکہ مکرمہ کی زمین بے آب وگیاہ ہے۔ مسافر میلوں سفر کرتا ہے تو یہاں سایہ کا نام نہیں۔ اس کے مقابلہ میں اللہ سبحانہ نے جنت میں سایہ کا یہ اہتمام فرمایا کہ اشجار جنت سرسبز و شاداب اور ان کی شاخیں اہل جنت کے لئے جھکی ہوئی پھر یہ درخت صرف سایہ دار ہی نہیں بلکہ اقسام کے میووں اور فواکہات سے لدے ہوئے اور ان کے خوشے اور گچھے اتنے پست کئے ہوئے کہ جنتی جس حال میں ہو نہایت سہولت کے ساتھ ان کو لے سکے اور ان کا استعمال من مانے کرے۔

ثمار جنت حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں:۔ ارض الجنۃ ورق، وترابھا مسک واصول شجرھا ذھب وورق، وافنانھا اللؤلؤ والزبرجد والورق والثمار بین ذلک فمن اکل قائما لم یوذہ ومن اکل مضطجعا لم یوذہ ومن اکل جالسا لم یوذہ وذللت قطوفھا تذلیلا، وفی لفظ ان قام

ارتفعت بقدرہ وان قعد تدلت حتی ینالھا وان اضطجع تدلت حتی ینالھا فذلک تذلیلھا۔ (ابن ابی شیبہ سعید بن منصور ابن المنذر بیہقی) جنت کی زمین چاندی کی ہے اور اس کی مٹی مشک کی اور اس کے درختوں کی جڑیں سونے اور چاندی کی اور ان کی شاخیں موتی اور زبرجد کی اور پتے اور میوے ان سب کے مجموعہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اب جو کوئی کھڑے کھڑے کھائے تو اس کو کوئی تکلیف نہ ہوگی اور جو لیٹا ہوئے کھائے تو اس کو کوئی اذیت نہ ہوگی اور جو کوئی بیٹھا ہوا کھائے تو کوئی دشواری نہ ہوگی اس کے خوشے اور گچھے (ہر ایک کی مناسبت سے) جھکے پڑے ہونگے۔ یا الفاظ دیگر یوں فرمایا کہ جنتی اگر کھڑا ہو وہ درخت اسی مناسبت سے اونچے ہو جائینگے اور اگر کوئی بیٹھ جائے تو اس کی شاخیں اتنی جھک جائیں کہ ان کو بآسانی لے سکے اور اگر لیٹا رہے تو اتنے پست ہو جائیں کہ ان کو بھی بسہولت لے سکے۔ یہ ہے اشجار جنت کے پست ہونے کا بیان۔

غلمان جنت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔ یقول غلمان اھل الجنۃ من این نقطف لک من این نسقیک (ابن ابی شیبہ) اہل جنت کی خدمت کیلئے جو بچے متعین ہوں گے وہ ان سے پوچھتے جائیں گے کہ فلاں درخت کے خوشے آپ کے لئے ہم کس طرف سے توڑ لائیں؟ اور فلاں نہر کا شربت یا شراب کس سمت سے بھر کر آپ کو

پلائیں"۔ مطلب یہ کہ جنتیوں کو وہاں کے فواکہ اور مشروبات خود سے لینے کی حاجت بھی نہ ہوگی' وہاں اتنے خادم مامور ہیں کہ ان کے اشارۂ ابرو اور گردش چشم کے منتظر ہیں کہ جو چیز جہاں سے مطلوب ہو اس کو حاضر کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اہل جنت کو پاس کی چیز بھی اپنے ہاتھ سے لینے کی حاجت نہ ہوگی۔ ابرار اخیار کے لئے یہ سایہ اور یہ سہولت چوتھی اور پانچویں نعمت و فضیلت ہے۔

ایک استہزاء کا جواب بعض کوتاہ اندیش ایسے بیانات سنکر ازراہ تمسخر کہتے ہیں کہ جی آپ کی تقریر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنت' معذوروں اور اپاہج لوگوں کی جگہ ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا جنت پر یقین نہیں' اور اس بنا پر وہ دنیا میں خود اپاہج بنے ہوئے ہیں۔ آخرت کا کوئی کام ان سے نہیں ہو سکتا۔ اور ہوگا کیسے جبکہ دار آخرت پر ان کا ایمان ہی نہیں۔ وہ مقبولان بارگاہ کی قدر و منزلت' ان کی مہمانی' اور ان کے اعزاز و اکرام کو کیا جانیں۔ دار آخرت تو دار الجزاء ہے۔ دار العمل نہیں ہے۔ اگر وہ دار الجزاء میں بھی کام کرنے پر ہی مائل ہیں تو ان کو اپنے زعم باطل پر رہنے دیجئے۔ ایسی غلامانہ ذہنیت کا کوئی علاج نہیں۔ مگر ان کے لئے یہ دشواری ہوگی کہ وہ کوئی ملازمت یا کام چاہیں گے اور اس کے لئے درخواستیں لئے لئے پھریں گے تو ان کی ایک نہ سنی جائے گی کیونکہ آخرت' دار العمل نہیں ہے۔

وَيُطَافُ عَلَيْهِم بِآنِيَةٍ مِّن فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرَا۠ 76-15
قَوَارِيرَا مِن فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا ۝ اور لئے پھرتے ہیں ان کے پاس 76-16

برتن چاندی کے اور آبخورے جو ہو رہے ہیں شیشے کے، شیشے ہیں چاندی کے،

ماپ رکھا ہے ان کا ماپ ''

ظروف جنت ابرار اخیار کی چھٹی نعمت و فضیلت یہ ہے کہ چاندی کے برتنوں اور آبخوروں کا دور ان کے ہاں چلتا رہیگا۔ یہ آبخورے شیشے کے ہوں کے جن کے باہر سے اندر کی چیزیں دکھائی دیتی ہونگی مگر ان کی عجیب خصوصیت یہ ہوگی کہ یہ شیشے بھی چاندی ہی سے بنائے ہوئے ہوں گے۔ اور دوسری خصوصیت یہ ہوگی کہ ہر جنتی کیلئے جو برتن اور آبخورے پیش ہوں گے ان کے اندازہ خورد و نوش کے مطابق ہونگے۔ نہ کم نہ زیادہ۔

ظروف جنت کی صفت حضرت قتادہ رضؓ فرماتے ہیں:۔ صفآء القواریر فی بیاض الفضۃ قدرت علی قدر رأی القوم (عبدبن حمید) شیشوں کی صفائی اس درجہ ہوگی کہ وہ چاندی کے سے سپید دکھائی دیتے ہوں گے۔ اور جنتی لوگ جس مقدار و پیمانے کا برتن یا آبخورہ پسند کرتے ہوں گے ان کی پسند کے مطابق ہر چیز تیار ملیگی''

اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ اتوا بھا علی قدرھم لا یفضلون شیئا

ولا یشتھون بعدھا شیئا۔ (فریابی) وہ برتن اور آبخورے جنتیوں کے پاس ان کی پسند کے بموجب لائے جائیں گے۔ نہ کوئی جنتی اس میں سے کھائے پئے بغیر باقی رہ جائے گا اور نہ کھانے پینے کے بعد ان کی کوئی خواہش باقی رہیگی" اور حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں:۔ لیست بالملأیٰ التی تخیض ولاناقصة بقدر۔ (ابن ابی شیبہ، ہناد، عبد بن حمید) برتن اور آبخورے نہ تو اتنے بھرے ہوئے ہوں گے کہ ان میں کی مطعومات و مشروبات چھلک کر گرنے لگیں اور نہ کم اور ناتمام حالت میں بلکہ ہر چیز سلیقہ کے ساتھ اندازے اور خواہش کے مطابق ہوگی"

جنت کی چاندی کی ایک خصوصیت

حضرت ابن عباسؓ یہ بھی فرماتے ہیں:۔ لواخذت فضة من فضة الدنیا فضربتھا حتی جعلتھا مثل جناح الذباب لم یر الماء من ورائھا ولکن قواریر الجنة بیاض الفضة فی صفاء القواریر۔ (عبدالرزاق، سعید بن منصور، بیہقی) اگر تم دنیا کی چاندی کا ایک ٹکڑا لے لو اور اس کو اتنا ٹھوکو پیٹو کہ مکھی کے پر کی طرح باریک رقیق ہو جائے (جیسے چاندی کا ورق ہوتا ہے) اور اس کا آبخورہ یا گلاس بنا کر اس میں پانی ڈالو تو پانی اس کے باہر سے دکھائی نہ دیگا۔ لیکن جنت کے شیشے جو جنتی چاندی سے بنے ہوئے ہوں گے ان میں چاندی کی سپیدی اور شیشے کی صفائی اور شفافیت اس درجہ

ہو گی کہ اس کے برتن میں جو چیز بھی ڈالو باہر سے نظر آتی ہو گی "

شیشۂ جنت کی حقیقت حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا: لیس فی الجنۃ شیئ الا قد اعطیتم فی الدنیا شبھہ الا قواریر من فضۃ (ابن ابی حاتم) جنت کی کوئی چیز ایسی نہیں جس کی مشابہ اور مماثل چیز تم کو دنیا میں نہ دی گئی ہو سوائے چاندی کے آبگینوں کے " کہ جنت میں چاندی کے شیشے ہیں جن کے اندر کی چیز باہر سے صاف نظر آتی ہے۔ دنیا میں ایسی چاندی اور ایسے آبگینے نہیں دئے گئے دنیا میں جو آبگینے ہیں ان میں سے بھی اندرونی چیز باہر سے نظر آتی ہے مگر وہ کانچ یا بلور یا پتھر سے بنے ہیں۔ چاندی سے نہیں بنے۔ اور اگر دنیا میں چاندی ہے تو وہ شفاف نہیں ہے۔ شفاف چاندی صرف جنت کی خصوصیت ہے۔ بہرحال ابرار اخیار کے پاس جنت کی چاندی کے برتن اور آبخورے گردش کھاتے رہیں گے اور ان کا دور چلتا رہیگا۔ جب برتن کی یہ صفت ہے جو ظرف ہے، تو خیال کرو کہ اس کے اندر کا مظروف یعنی کھانا، پینا کیسا ہو گا؟

وَ يُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا ج عَيْنًا فِيهَا 76-17
تُسَمّٰى سَلْسَبِيلًا ٥ اور ان کو وہاں پلاتے ہیں پیالے جس کی ملونی ہے سونٹھ، 76-18

ایک چشمہ ہے اس میں؛ ان کا نام کہتے ہیں سلسبیل "

شراب جنت چھٹی نعمت جو ابرار اخیار کے لئے جنت میں مہیا کی گئی ہے وہ جام شراب ہے جس کی ملونی یہاں کی سونٹھ کی سی ہو گی۔ مگر وہ یہی سونٹ نہیں جو دنیا میں استعمال کی جاتی ہے بلکہ وہ ایک نہایت لذیذ، خوشبودار، مرغوب طبع، سہولت سے فروئے حلق ہونے والی ہوگی۔ جس کے افعال و خواص جنتیوں کے مزاج سے پوری مناسبت رکھنے والے ہوں گے۔ اس سے پیشتر ایک مشروبہ کا بیان ہوا تھا:۔ یشربون من کاس کان مزاجھا کافورا۔ ابرار پیتے رہیں گے ایک جام جس میں ملونی کافور کی ہوگی"۔ یہ دوسرا مشروبہ ہے جس میں سونٹھ کی سی ملونی ہوگی۔ کافور ٹھنڈا، مفرح، سپید تھا۔ جو گرم مزاج لوگوں کے مناسب حال تھا۔ چونکہ وہ باہر سے جنت میں آئے تھے اور اس طرح آنے والوں پر گرمی کا غلبہ رہتا ہے اس لئے کافوری ملونی مشروبہ مہیا کیا گیا تھا تاکہ آنے والوں کو خنکی حاصل ہو۔ اور یہ دوسرا مشروبہ جنت میں رہنے والوں کے لئے مہیا کیا گیا ہے جس کی خاصیت گرم، ہاضم، مصلح طعام و معدہ، اور جس کا رنگ خاکی ہوتا ہے تاکہ کثرت قیام سے طبیعت میں جو بردت پیدا ہوئی ہے وہ سونٹ کی حرارت سے دفع ہو جائے۔ یا یہ کہ اوقات جنت کے لحاظ سے کبھی ٹھنڈا اور کبھی گرم مشروبہ دیا جاتا رہیگا۔ جیسا کہ دنیا میں کبھی قہوہ اور چائے، اور کبھی لیمن، برف و آئسکریم وغیرہ کا استعمال ہوتا ہے۔

عرب لوگ سونٹھ کا استعمال زیادہ کرتے ہیں اور اس کو اپنے کھانوں اور مشروبات میں شریک کرتے ہیں اور یہ چیز ان کی پسندیدہ اور مرغوب طبع ہے۔ انکی پسند کے مطابق جنت میں بھی اس کا وعدہ دیا گیا۔ مگر کجا دنیا کی سونٹھ اور کجا جنتی زنجبیل۔ صورت ملتی ہوئی اور ذائقہ، خوشبو اور افعال وخواص کے اعتبار سے نہایت ارفع و اعلیٰ جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کے کان اس سے آشنا ہوئے اور نہ کبھی اس کا تصور بھی آسکا کہ ایسی بھی سونٹھ ہوتی ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں:۔ یأ ثرلھم ما کانوا یشربون فی الدنیا فیجئ الیھم بذلك (عبدبن حمید) وہ دنیا میں جس چیز کو پیا کرتے تھے اس کو ان کی طبیعت چاہیگی تو ان کی پسند کے مطابق وہ چیز ان کے ہاں حاضر ہو جائے گی۔"

شراب کافور کے بیان میں یشربون ارشاد ہوا تھا جس کا عام مفہوم یہ ہے کہ وہ اس کو اپنے ہاتھ سے لے کر پیتے رہیں گے۔ جیسا کہ ایسی مذکورہ حالت کا اقتضاء ہے۔ اور یہاں یُسقَوْنَ ارشاد ہو رہا ہے یعنی ان کو پلایا جائیگا۔" جس کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ ملائکہ کرام ان کے ساقی ہوں گے اور فرشتے شراب زنجبیل کے جام لالا کر پیش کرتے ہوں گے۔ یہ اس حالت قیام کا اقتضاء ہے اور یَشْرَبُوْن کے مقابل یُسقَوْنَ میں جو فضیلت اور شان ہے وہ ظاہر ہے۔

شراب زنجبیل شراب زنجبیل کا بھی ایک چشمہ ہے۔جیسا کہ ارشاد ہو رہا ہے:۔
عَیْنًا فِیْھَا تُسَمّٰی سَلْسَبِیْلًا ۔جنت میں شراب زنجبیل کا بھی ایک چشمہ رواں ہے
جس کا نام ہے سلسبیل۔" حضرت مجاہدؒ سلسبیل کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ ھی
حدیدۃ الجریۃ۔ (سعید بن منصور، ہناد، بیہقی، عبدالرزاق، ابن المنذر، عبد بن
حمید) وہ تیزی سے بہتا ہے۔" اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ اربع عیون فی الجنۃ عینان تجریان من
تحت العرش احداھما التی ذکر اللہ یفجرونھا تفجیرا والاخری الزنجبیل
و عینان نضاختان من فوق احداھما التی ذکر اللہ سلسبیلا والاخری
التسنیم (حکیم ترمذی) جنت میں چار چشمے ہیں۔جن میں سے دو تو عرش کے نیچے سے
بہتے ہیں۔ان ہی کا ایک چشمہ وہ ہے جس کا بیان اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا کہ
وہ اس کو بہالیجائیں گے جہاں چاہیں۔دوسرا چشمہ زنجبیل اور دو چشمے عرش اعظم کے
اوپر سے اُچھلتے اور اُبلتے ہوں گے۔ان میں سے ایک سلسبیل ہے جس کا اللہ سبحانہ نے
یہاں بیان فرمایا ہے اور دوسرا چشمہ تسنیم ہے۔" جس کا بیان المطففین کی تفسیر میں
انشاء اللہ آئیگا۔اس سے معلوم ہوا کہ زنجبیل اور سلسبیل دو علیحدہ علیحدہ چشمے ہیں۔واللہ اعلم۔

جنتی چیزوں کا امتیاز حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ ماذکر اللہ فی القرآن

بما فی الجنۃ وسماہ لیس لہ فی الدنیا مثل (مظہری) اللہ سبحانہ نے جن جن چیزوں کے نام لیکر ان کا بیان قرآن کریم میں فرمایا کہ یہ یہ چیزیں جنت میں ہونگی۔ ان جیسی ایک چیز بھی دنیا میں نہیں مل سکتی" مثلاً کافور، زنجبیل وغیرہ کا بیان یہاں فرمایا گیا ہے کہ ان کی ملونی دی ہوئی شراب جنت میں پلائی جائیگی۔ دنیا میں نہ وہ کافور مل سکتا ہے اور نہ وہ زنجبیل۔

مقربین اور ابرار کا فرق وامتیاز

حضرت قتادہ فرماتے ہیں:۔ یشربھا المقربون صرفا ویمزج لسائر اھل الجنۃ۔ (مظہری) شراب زنجبیل جو مقربین کو پلائی جائیگی وہ خالص شراب زنجبیل ہی ہوگی۔ اور (ابرار وغیرہ) دوسر تمام جنتیوں کو صرف اس کی ملونی دی ہوئی شراب مہیا کی جائیگی" اس سے معلوم ہوا کہ مقربان بارگاہ صمدیت کی شان' ابرار اخیار کے مقابلہ میں کچھ اور ہی ہے۔ یہ بھی آیا ہے کہ عین سلسبیل کی نہریں بھی اہل جنت اپنے قصور و محلات میں اور جہاں چاہیں لیجاتے رہیں گے۔ جیسا کہ عین کافور کے بیان میں گزر چکا ہے۔ چنانچہ حضرت مقاتل فرماتے ہیں:۔ عین یتسلسل علیھم ماؤھا فی مجالسھم کیف شاؤا۔ (روح المعانی) "سلسبیل" ایک چشمہ ہے جس کا پانی جنتیوں کے اجلاس پر وہ جیسا چاہیں مسلسل بہتا رہتا ہے" گویا اسی تسلسل کے مدنظر اس کا نام سلسبیل رکھا گیا ہے۔

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ۚ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ 76-19
لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا ۝ اور پھرتے ہیں ان کے پاس لڑکے سدا رہنے والے جب آپ انکو
دیکھیں تو خیال کریں کہ موتی ہیں بکھرے ہوئے"

جنتی خدمتگار | ساتویں نعمت جو ابرار کو جنت میں میسر ہوگی وہ ان کی خدمت کے لیئے متعین کئے ہوئے بچے ہیں۔ یہ اس لئے کہ جوانوں کے مقابلہ میں بچے کام کاج کے سلسلے میں پھرتی کے ساتھ دوڑ دوڑ کر خوش خوش پھرتے رہتے ہیں اور کام کرنے سے تھکتے نہیں اور نہ جی چُراتے۔ نیز بچے اس لئے متعین کئے گئے ہیں کہ میاں بی بی کے درمیان جو حالات درپیش ہوتے ہیں ان سے یہ بے خبر ہوتے ہیں۔ اس طرح رازداری بھی قائم ہے۔ پھر ان کی صفت ہے مُخَلَّدُونَ۔ اس کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ کتنا ہی عرصہ گزر ے یہ جوان نہیں ہوتے اور نہ بوڑھے ہوتے ہیں بلکہ ان کا بچپن ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ بچے ہی ہمیشہ خدمت کرتے رہیں گے۔ اہل جنت کو ان کی خدمت گزاری سے کبھی بھی محروم نہیں کیا جائے گا۔ جو جس کی خدمت کے لئے ایک دفعہ متعین کردیا گیا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تعینات رہا۔ کیونکہ نعیم جنت کو کبھی زوال نہیں۔

جنتی خدام کی خصوصیات پھر ان میں یہ خوبی کہ وہ بچے نہایت بانکے، خوب صورت، خوب سیرت۔ بد صورتی یا بد خلقی ان میں نام کو نہیں۔ پھر یہ خوبی بھی اس درجہ کہ پہلی دفعہ ان پر نظر پڑے تو ایسا دکھائی دے کہ بکھرے ہوئے موتی ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ بینا المؤمن علی فراشه اذا بصر شیئا یسیر نحوه فجعل یقول لؤلؤ فاذا ولدان مخلدون کما وصفهم الله۔ (عبد بن حمید) ایماندار بندہ جنت میں اپنے بستر پر ہوگا اتنے میں اس کو دکھائی دیگا کہ کوئی چیز اس کی طرف آ رہی ہے وہ کہنے لگیگا یہ کوئی قیمتی موتی ہیں۔ پھر کیا دیکھتا ہے کہ اللہ سبحانہ نے جن بچوں کا وعدہ فرمایا تھا وہ ہمیشہ رہنے والے بچے چلے آ رہے ہیں۔" اب غور کیجئے کہ اس کی مسرت و شادمانی کا کیا عالم ہوگا؟ اور کس درجہ فرط خوشی سے پھولوں نہ سماتا ہوگا؟۔

حضور اکرمؐ کی خصوصیات حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ انا اولهم خروجا اذا خرجوا وانا قائدهم اذا وفدوا وانا خطیبهم اذا انصتوا وانا مستشفعهم اذا جلسوا وانا مبشرهم اذا ایسوا الکرامة والمفاتیح بیدی ولواء الحمد بیدی وآدم ومن دونه تحت لوائی ولا فخر یطوف علیهم الف خادم کانهم بیض مکنون او در منثور۔ (ابن مردویہ) میں ان تمام لوگوں میں سب سے پہلا

ہوں گا جبکہ وہ قبروں سے نکلیں گے' اور میں ہی ان کا سردار ہوں گا جب کہ وہ دربار الٰہی میں حاضر ہوں گے' اور میں ہی ان سب کا ترجمان ہوں گا جب کہ وہ سب خاموش رہیں گے' اور میں ہی ان تماموں کی شفاعت کی درخواست کرونگا جبکہ وہ سب بیٹھے ہوں گے' اور میں ہی ان کو خوش خبری سناؤں گا جبکہ وہ اپنی ہار مان لیں گے' سیادت و بزرگی اور تمام کنجیاں میرے ہاتھ ہوں گی' حمد الٰہی کا عَلَم میرے ہاتھ میں ہو گا' آدم اور ان کی تمام اولاد میرے عَلَم کے تحت ہوگی' اور یہ کچھ فخریہ نہیں کہتا ہوں (بلکہ بطور شکر کہہ رہا ہوں) ایک ایک جنتی کے ہاں' ہزار ہزار خادم چکر کاٹتے ہوں گے' جو ایسے معلوم ہوتے ہوں گے کہ وہ خوشنما انڈے ہیں یا بکھرے ہوئے موتی "۔

ادنی جنتی کی شان حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:۔

ان ادنی اھل الجنۃ من یسعی علیہ الف خادم کل واحد علی عمل لیس علیہ صاحبہ ۔ (ابن مبارک' ہناد' عبد بن حمید' بیہقی) یقین جانو کہ ایک ایک معمولی جنتی کے ہاں ایک ایک ہزار خادم تعینات ہوں گے جن میں کا ہر ایک شخص ایک ایک جداگانہ کام پر مامور ہو گا کہ اس کام پر اس کا ساتھی متعین نہ ہو گا"۔ یہ تمام خادم بکھرے ہوئے موتیوں کی طرح ہوں گے جو بیان فرمایا گیا ہے اس کا مطلب

یہ ہے کہ موتی جس وقت صدف (سیپی) سے تازہ تازہ نکال کر بکھیر دیا جاتا ہے ابھی اس کو کسی کا ہاتھ لگنے نہیں پایا اور نہ اس میں سوراخ کرنے کی نوبت آئی تو جیسی رونق اور خوب صورتی ان موتیوں میں ہوتی ہے ٹھیک اسی طرح حسن و خوبی ان خادموں میں دکھائی دیتی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے موتیوں کو دُرِّ ناسفتہ اور دُرِّ یتیم کہتے ہیں جس کا جواب نہیں ہوتا۔ مطلب یہ کہ ہر خادم اپنے بانکپن اور حسن و جمال میں اپنی آپ نظیر ہوگا۔ غور کیجئے کہ خادم کا وصف یہ ہے تو مخدوم کی شان کیا ہوگی؟ سبحان اللہ وبحمدہ۔ بعض روایات میں پانچہزار اور دس ہزار کی تعداد بھی آئی ہے۔ واللہ اعلم۔

دنیا اہل دنیا کے لئے اور آخرت ہمارے لئے

حضرت عکرمہ فرماتے ہیں:۔ دخل عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو راقد علی حصیر من جرید فاثر فی جنبہ فبکی عمر فقال ما یبکیک قال ذکرت کسری وملکہ وھرمز وملکہ وصاحب الحبشۃ وملکہ وانت رسول اللہ علی حصیر من جرید فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اما ترضی ان لھم الدنیا ولنا الاخرۃ (ابن المنذر) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں

حاضر ہوئے جبکہ آپ کھجور کے پتوں کی چٹائی پر آرام فرما رہے تھے اور اس کے نشان آپؐ پر دکھائی دے رہے تھے۔ یہ حالت دیکھتے ہی حضرت عمرؓ سے رہا نہ گیا وہ فوراً رو دیئے۔ حضور اکرمؐ نے سبب دریافت فرمایا کہ کیا چیز تم کو رُلا رہی ہے۔ فاروق اعظم نے عرض کیا کہ مجھے کسریٰ اور اس کی شان و شوکت یاد آ گئی، نیز ہُرمز اور اس کی سلطنت اور شاہ حبشہ اور اس کی مملکت (کہ وہ کس لطف سے زندگی کے مزے اُڑا رہے ہیں) اور حضورؐ اللہ کے رسول (بلکہ سید المرسلین) ہوتے ہوئے کھجور کے پتوں کی چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ اس پر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (رونے کی کیا بات ہے؟) کیا تمہیں پسند نہیں کہ ان کے لئے صرف (دو روزہ) دنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت" جس کا لطف ابدالآباد برقرار رہنے والا ہے۔

وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا ۝ اور جب آپ 76-20
دیکھیں وہاں تو دیکھیں نعمت اور سلطنت بڑی"

جنت قابل دید مقام ہے مطلب یہ ہے کہ لوگوں نے جنت دیکھی نہیں ہے اگر دیکھتے تو دنیا و ما فیہا ان کی نظر میں ہیچ معلوم ہوتی۔ اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ اے مخاطب! جب تو اس کو دیکھے گا اور جس طرف جس حصۂ جنت کو بھی دیکھے گا تو بیشمار نعمتیں دیکھنے میں آئیں گی جو خارج از بیان ہیں۔ وہاں کی ہر چیز نعمت ہی نعمت

نظر آئیگی۔ دلوں کو لبھانیوالی جسکی دلکشی کبھی ختم ہونے والی نہیں اور نہ وہ نعمت فنا ہونے والی ہے گویا ایک سلطنت عظمیٰ ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ اس کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی حیثیت نہیں۔ دنیا ایک تنگ و تاریک، مصائب و آلام سے بھرا ہوا مقام ہے۔ دیکھو جن کو بڑی سی بڑی سلطنت ملی ہے وہ کیسے رنج و غم اور اقسام کی فکروں میں مبتلا ہیں۔ صبح سے شام اور شام سے صبح تک طرح طرح کے افکار میں چور ہیں۔ پھر تمام دنیا میں ایسی سلطنت والے کتنے ہیں۔ معدودے چند۔ اور ان کی بدحالی کا یہ عالم ہے کہ کچھ اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ مملکت جنت کا حال، اس مبارک ہستی حضرت ختم المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین سے دریافت کیجئے جنہوں نے معراج میں برای العین اس کا مشاہدہ فرمایا۔

اہل جنت کی سواری حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ ان ادنی اھل الجنّۃ منزلۃ الذی یرکب فی الف الف من خدمہ من الولدان المخلدین علی خیل من یاقوت احمر لھا اجنحۃ من ذھب (ابن وھب) سب سے ادنیٰ درجہ کے جنتی کی منزلت یہ ہوگی کہ اس کی سواری کے جلو میں اس کے دس لاکھ خادم ہوں گے۔ ہمیشہ قائم رہنے والے بچوں میں سے۔ وہ جنتی لعل سرخ کے گھوڑے پر سوار ہوگا جس کے بازو زر سرخ کے

ہوں گے۔" اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ادنی اھل الجنّۃ منزلۃ لمن ینظر الی جنّاتہ وازواجہ وخدمہ وسررہ مسیرۃ الف سنۃ وفی روایۃ مسیرۃ الفی عام یری اقصاہ کما یری ادناہ۔ (مظہری) معمولی درجہ کے جنتی کی شان یہ ہوگی کہ وہ اپنے باغات بی بیاں، خدام اور بیٹھنے کے تخت، ایک ہزار سال کی مسافت تک، اور ایک روایت کی بموجب دو ہزار سال کی مسافت تک (پھیلے ہوئے) دیکھتا ہوگا۔ اور (جنت کی زمین ایسی سطح، صاف وہموار ہوگی یا جنتی کی نظر ایسی دوربین ہوگی کہ) جس طرح نزدیک کی یہ چیزیں کھلی طور پر دکھائی دیتی ہیں، اون کی انتہائی مسافت کی چیزیں بھی ٹھیک اسی طرح صاف صاف نظر آتی ہونگی۔"

نعیما وملکا کبیرا کی تفسیر یہ صرف جنتی کی سلطنت اور مملکت کا پھیلاؤ اور اس کی وسعت ہے۔ اس طویل وعریض مملکت میں جو نعمتیں ہوں گی ان کا بیان کوئی کیا کرسکے۔ اسی وجہ سے اللہ سبحانہ تعالیٰ نعیماً بطور نکرہ کہہ کر وہاں کی بے حد وحساب نعمتوں کی جانب اشارہ فرمایا۔ نیز ملکاً کبیراً بھی بصیغہ تنکیر فرماکر جنتی کے اقتدار اعلیٰ کو ظاہر فرمایا کہ جنتی اس وسیع مملکت میں جیسا چاہے تصرف کرسکتا ہے اور جس چیز کو چاہے وہ آن کی آن میں اس کو من مانے طور پر اپنے ہاں حاضر اور موجود

پا سکتا ہے۔ اہل دنیا کی پادشاہت کو اس کے ساتھ کچھ بھی مناسبت و مماثلت نہیں۔ اس لئے کہ دنیا کے پادشاہاں اپنی سلطنت و حکمرانی کا جو نقشہ بنانا چاہتے ہیں اس کی حیثیت ایک پریشان خواب سے زیادہ نہیں جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ اس کے مقابل معمولی جنتی کی حکمرانی کا یہ حال ہے کہ گویا اس کو تکوین و مشیت کی شاہی سرفراز فرمائی گئی۔ وہ جو چاہتا ہے چشم زدن میں ہو کر رہتا ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ دنیا میں اس نیک بندے نے اپنے ارادہ و مشیت کو ارادت و مشیت الٰہی کا تابع بنا دیا تھا تو آخرت میں بندے کی ارادت و مشیت کو کارفرما بنا دیا گیا سبحان اللہ۔

استیذان ملائکہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں:۔ ھو استئذان الملائکۃ لا تدخل علیھم الا بالاذن۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، بیہقی) ملک کبیر سے فرشتوں کا جنتی سے اجازت دخول طلب کرنا مراد ہے کہ کوئی فرشتہ کسی ادنیٰ جنتی کی وسیع و عریض مملکت میں اس کی اجازت بغیر قدم نہ رکھ سکیگا" اس میں یہ اشارہ ہے کہ اقتدار اعلیٰ وہاں اہل جنت کا ہوگا جہاں فرشتے بھی داخلہ کی اجازت کے محتاج ہوں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو مسجود ملائکہ جو بنایا گیا تھا اس کی اصلی صورت یہاں نمایاں ہوگی۔

اہلِ جنت کا اعزاز بعض مفسرین کرام نے یہ بھی تصریح فرمائی ہے :۔

ملك لا یزول ویسلّم علیهم الملائكة ویستاذ نهم فی الدخول ولهم فیها ما یشاؤن ویرون الرب الجلیل ۔ "ملک کبیر" سے مراد ایسی حکومت ہے جس کو کبھی زوال نہیں ۔ فرشتگانِ رحمت سلام کے لئے آتے رہیں گے اور اجازت داخلہ کے خواستگار ہوں گے ۔ نیز اہل جنت کو وہ سب کچھ حاصل ہوگا جو وہ چاہتے ہوں گے ۔ پھر ان تمام اعزازات سے بڑھ کر وہ نعمت عظمیٰ میسر رہیگی جس سے بڑی نعمت اور کوئی متصور نہیں ہوسکتی کہ اہل جنت کو رب جلیل کا لطف دیدار حاصل ہوگا " یہ جزا ہے ایمان بالغیب کی جس پر وہ زندگی بھر قائم تھے ۔ جس کی تعلیم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی تھی ۔ اور جو قرآن کریم کا درسِ اول تھا :۔ یؤمنون بالغیب :۔

محمدؐ ! از تو می خواہم خدا را خدایا ! از تو می خواہم محمدؐ

عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُندُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ ۡ وَحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ۝ 76-21

اوپر کی پوشاک ان کی کپڑے ہیں باریک ریشم کے سبز اور گاڑھے اور ان کو پہنائے جائیں گے کنگن چاندی کے ، اور پلائے گا ان کا پروردگار شراب جو پاک کرے (دل کو) "

اہلِ جنت کا لباس آٹھویں نعمت جو ابرار اخیار کے لئے جنت میں مہیا کی گئی ہے وہ ریشمی لباس سبز رنگ کا ہوگا۔ باریک اور مہین ریشم کا بھی اور گاڑھے دبیز ریشم کا بھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منع فرمانے کی بنا پر مسلمان مردوں نے دنیا میں اس کو نہیں پہنا تھا اور مدۃ العمر اس سے بچتے رہے مگر ظاہر ہے کہ طبع انسانی ایسے اعلیٰ وارفع لباس کی خواہشمند ضرور رہتی ہے۔ ان کے اس شوق و آرزو کی تکمیل اللہ سبحانہ نے اپنے لطف و کرم سے اس طرح فرمادی کہ مسلمان جب جنت میں داخل ہوں گے تو ان کو ہر قسم کا ریشم مہین و دبیز پہنایا جائیگا۔ اور سبز رنگ کا شاید اسلئے کہ وہاں کی یہ بہار ہمیشہ سرسبز ہوگی جو کبھی ختم نہ ہوگی۔ گویا اس کے سدا بہار ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اس باب میں جو احادیث شریفہ آئی ہیں تفسیر ہذا میں موقع بموقع ان کو عرض کیا جا چکا ہے۔ یہاں اعادہ غیر ضروری ہے۔

اہلِ جنت کے شامیانے بعض مفسرین کرام نے عَالِيَهُمْ ثِيَابُ سُندُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ سے مہین و دبیز ریشم کے شامیانے اور خیمے مراد لئے ہیں یعنی اہلِ جنت کے اعزاز میں جو شامیانے اور خیمے نصب کئے جائیں گے وہ مہین و دبیز سبز ریشم کے ہوں گے۔ اس تفسیر کی رو سے بظاہر یہ اشارہ مقصود معلوم ہوتا ہے کہ جب اہلِ جنت کے شامیانے اور خیمے ایسے اعلیٰ درجہ کے ہوں گے تو اندازہ کیجئے کہ ان کا

لباس جس کو وہ زیب تن کرتے ہوں گے اس کی کیا شان ہوگی ؟

اہلِ جنت کا زیور نویں نعمت جو ابرار و اخیار کو میسر ہوگی اس کو اس طرح بیان فرمایا جا رہا ہے۔ وَحُلُّوٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۔ "اور ان کو چاندی کے کنگھن پہنائے جائیں گے" دنیا میں یہ طریقہ رائج ہے کہ اگر غلام یا ملازم آقا کی مرضی کے مطابق کام کرتا اور وقت پر اپنی وفاداری کا ثبوت پیش کرتا ہے تو آقا اسکی وفاداری اور حسن کارگزاری کو دیکھ کر اس کو کنگھن پہناتا ہے جو کہ ایک خاص اعزاز ہے۔ اللہ سبحانہ اپنے وفادار بندوں کی یہ عزت افزائی فرمائے گا کہ ان کو جنتی چاندی کے کنگھن پہنائے جائیں گے۔ جنتی چاندی کی صفت اوپر بیان کی جا چکی ہے کہ وہ شیشے کی طرح صاف و شفاف ہوگی جس سے اہل جنت کی خوبصورتی دو بالا ہوگی۔

ایک شبہہ کا ازالہ یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ سونے کے مقابلے میں چاندی کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ پھر چاندی کے کنگھن پہنانے سے جنتیوں کی شان کیا بڑھےگی ؟ اس لئے کہ جو امتیاز بطور اعزاز حاصل ہوتا ہے اس میں قیمت و مالیت نہیں دیکھی جاتی۔ دنیا میں نمایاں کام کرنے والوں کو تمغۂ امتیاز دیا جاتا ہے وہ صرف ان کی عظمت و شان کے اظہار کے لئے ہوتا ہے خواہ وہ سونے چاندی کا ہو یا پیتل یا اور کسی دھات کا۔ تمغہ یافتہ ہونا خود ایک اعزاز ہے۔ اسی طرح

کسی کو سند دیجاتی ہے جو ایک معمولی کاغذ پر لکھی ہوئی ہوتی ہے مگر غیر سند یافتہ کے مقابلے میں وہ بہت بڑا اعزاز ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ چاندی جنت کی ہے۔ کیا معلوم ہے کہ وہاں سونے کے مقابلے میں چاندی ہی کی قدر و قیمت زیادہ ہو تیسرا جواب یہ ہے کہ چاندی کے مقابلے میں سونے کی قدر و قیمت زیادہ ہی سہی۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ سونے کے کنگھن پہنائے جانے کا وعدہ بھی دیا گیا ہے ارشاد ہے:۔ یحلون فیھا اساور من ذھب ولؤلؤا۔ اہل جنت کو وہاں سونے کے کنگھن اور موتی پہنائے جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ چاندی سونے کے علاوہ موتی بھی پہنائے جائیں گے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ کبھی چاندی کے اور کبھی سونے کے کنگھن پہنائے جائیں گے یا یہ کہ دونوں ملاکر، اور کبھی اس پر موتیوں کا اضافہ کرکے زیور پہنایا جائے گا۔

سقاھم ربھم کی تفسیر

دسویں نعمت ابرار و اخیار کے لئے شراب طہور ہوگی جس کے پلانے کا انتظام خود رب العزت جل جلالہٗ وعم نوالہٗ فرمائے گا۔ شراب کافور کے بیان میں یشربون ارشاد ہوا تھا جس کا بظاہر یہ مطلب ہوتا ہے کہ اہل جنت اس کو اپنے ہاتھ سے لیکر پیتے رہیں گے۔ اس سے اہل جنت کی ملکیت اور اقتدار بتانا مقصود تھا کہ اس کو وہ جب چاہیں جہاں سے چاہیں جتنی چاہیں اپنے

اختیار سے لیکر استعمال کریں گے کسی کی اجازت کی محتاجی نہ ہوگی۔ اس کے بعد شراب سلسبیل کے سلسلہ میں یُسقَوْنَ فرمایا گیا۔ یہاں اہل جنت کے اعزاز و احترام کا اظہار مقصود ہے کہ وہ جب پینا چاہیں اس کے جام فرشتگان رحمت کے ذریعہ حاضر کئے جائیں گے۔ یہاں اہل جنت کی شان محبوبیت کو نمایاں کرنا مقصود ہے۔ چنانچہ ارشاد ہو رہا ہے۔ وسقاھم ربّھم۔ اور ان کا پروردگار ان کو پلائے گا۔" جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کا توسط اس میں نہ رہیگا۔ سبحان اللہ! غور کیجئے کہ یہ اعزاز کیا شان رکھتا ہے؟

شراب طہور کی تاثیر حضرت ابراہیم تیمیؒ فرماتے ہیں:۔ عرق یفیض عن اعراضھم مثل ریح المسک۔ (ھناد عبد بن حمید ابن المنذر) اہل جنت کے بدن بلکہ ہر بُن مو سے پسینہ جاری ہوگا جس سے مشک کی بو مہکتی ہوگی۔"

شراب طہور کی وجہ تسمیہ پانی کے باب میں اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:۔ وانزلنا من السمآء ماءً طھورا۔ اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا جو پاک کرنے والا ہے۔" پانی سے ظاہر ہے کہ بیرونی طہارت و پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ اور شراب طہور جو اہل جنت کو وہاں پلائی جائیگی اس سے قلوب پاک ہوں گے۔ بغض و حسد کینہ و کدورت وغیرہ امراض باطنی جس میں انسان گرفتار رہتا ہے۔ اس شراب طہور کی بدولت

ان سے خلاصی نصیب ہوگی جیسا کہ اللہ پاک نے دوسری جگہ فرمایا :۔ ونزعنا
مافی صدورھم من غل اخوانا علی سرر متقابلین۔ اور ان کے سینوں اور
دلوں میں جو کھوٹ تھا ہم نے اس کو نکال دیا۔ اب وہ بھائی بھائی بنے ہوئے
تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوئے خوش خوش رہیں گے۔ یہ ہے شراب طہور کی خاصیت
جس کی وجہ سے اس کا نام شراب طہور رکھا گیا ہے کہ باہمی تمام کدورتیں دور ہوجائینگی
اور محبت و میل ملاپ پیدا ہوکر لطف میں اضافہ ہوتا رہیگا۔ واللہ اعلم ۔

شراب طہور اور دیدار الٰہی یہ شراب طہور جب اللہ سبحانہ سے بغیر واسطہ کسی فرشتے کے
راست عنایت ہوگی تو اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس ضمن میں
اہل جنت کو دیدار الٰہی بھی نصیب ہوگا۔ جس کی برابری جنت کی اور کوئی نعمت
نہیں کرسکتی ۔ اور ہر بندہ مومن کی یہی آخری تمنا ہے ۔ اللھم ارزقنا حسن النظر الی
وجھک الکریم وانت راض عنا غیر ساخط علینا ۔ آمین یارب العالمین بجاہ نبیک الکریم
سیدنا محمد و آلہ الاطہار و اصحابہ الکبار ۔ الٰہی ! ہم سب کو اپنا باعزت دیدار نصیب فرمائیے
درحالیکہ آپ ہم سے راضی و خوشنود رہیں ۔ اور ہم سے کبھی ناراض نہ ہوں ‘ اے
رب العالمین ! ہماری یہ دعا قبول فرمائیے ۔ واسطہ اپنے نبی کریم سردار دوجہاں
حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اور واسطہ آپ کی آلِ اطہار اور اصحاب کبار کا ۔“

چنانچہ آئندہ ارشاد میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔ ارشاد ہے:۔ 76-22

اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ یہ ہے

تمہارا بدلہ اور کمائی تمہاری ٹھکانے لگی "۔

ابرار سے خطاب الٰہی حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہاں قول مقدر و مضمر ہے لہٰذا معنی یوں ہوں گے:۔ یقال لهم بعد دخولهم الجنّة و مشاهدتهم ما اعدّ لهم ان هذا الخ۔ ابرار اخیار جب جنت میں داخل ہوں گے اور وہاں جو جو تیاریاں ان کے لئے کی گئی ہیں ان کا مشاہدہ کریں گے تو ان سے یوں کہا جائیگا کہ یہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو تمہارے کئے ہوئے اعمال صالحہ کا بدلہ ہے جو روز ازل سے علم الٰہی میں تھا اور تمہارے لئے مقرر ہو چکا تھا اور تمہاری یہ سعی اور دوڑ دھوپ ان کاموں کے انجام دینے کیلئے جو دنیا میں رہی یہ بھی ازل ہی سے تمہارے نصیب میں لکھی ہوئی تھی جو قبولیت اور پسندیدگی کی مستحق ٹھہری اور ٹھکانے لگی "۔ ایسا کہنے والے یا تو ملائکہ کرام ہوں گے جو حکم الٰہی سے یہ پیام دیں گے۔ یا یہ کہ خود اللہ سبحانہ تعالیٰ مخاطب فرمائیں گے۔ اور یہی قرین قیاس ہے اسلئے کہ جب ان بزرگواروں کو جنت میں دیدار الٰہی حاصل ہوگا تو حق سبحانہ تعالیٰ کی مخاطبت اس قدر دانی کے ساتھ ہوگی۔

سعی قلیل اور اجر جزیل

حضرت قتادہؓ اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں : —
لقد شکر اللہ سعیًا قلیلاً۔ (عبدالرزاق، ابن المنذر) اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی یہ عظیم الشان قدردانی' ایک قلیل' صغیر' حقیر' سعی کی بابتہ ہے'' جو حیات دنیا کی مختصر سی مدت میں ابرار اخیار کی طرف سے جاری رہی۔ قلیل اس اعتبار سے کہ دنیا اور اس کی زندگی و متاع کی بابتہ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے : —
وما متاع الحیاۃ الدنیا فی الآخرۃ الا قلیل۔ دنیوی زندگی کا چند روزہ سرمایۂ آخرت کی ابدالآباد زندگی اور وہاں کے تمتعات و تنعمات کے مقابلہ میں قلیل سے قلیل تر ہے'' یہ گیارھویں نعمت ہے جو ابرار اخیار کو جنت میں نصیب ہوگی جب مالک الملک جل جلالہٗ کی طرف سے بندے کو یہ پیام بالواسطہ یا بلاواسطہ دیا جائے تو اس کی مسرت و شادمانی کا کیا ٹھکانہ۔ اللہ اللہ! یہ کتنی خوش نصیبی اور کیسی قدردانی ہے کہ ابرار کی کوئی نیکی ضائع نہ ہونے پائی اور یہ درجۂ قبول حاصل کر سکی۔ اس خطاب کریم سے ابرار کی مسرتوں میں اضافہ ہوگا جیسا کہ کسی مجرم سے کہا جاتا ہے کہ یہ تیرے کرتوت کی سزا ہے جس سے اس کی تکلیف و رنج میں اضافہ ہوتا ہے۔

عرض فقیر

برادران اسلام! احادیث شریفہ میں آیا ہے کہ انسان جب کسی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ ابرار کے درجہ سے گر جاتا ہے۔ یہ مضمون دراصل اس

آیۂ کریمہ سے ماخوذ ہے :۔ ان تجتنبوا کبآئرما تنھون عنہ نکفرعنکم سیئاتکم وندخلکم مدخلا کریما۔ اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہو جن سے تم کو منع کیا جا رہا ہے تو ہم تمھاری چھوٹی چھوٹی برائیوں کا کفّارہ کرتے اور ان کو چھپاتے رہیں گے اور تم کو باعزت مقام (جنت) میں داخل کریں گے۔" اگر کسی سے کوئی گناہِ کبیرہ صادر بھی ہو جائے تو اس کو فوراً اپنے گناہوں سے توبہ و استغفار کرنا چاہیئے تاکہ اس کا اصلی مقام برقرار رہے اور ابرار میں اس کا شمار قائم رہے۔ اس میں غفلت نہ ہونے پائے۔ ابرار اخیار کا ادنیٰ فریضہ یہ ہے کہ وہ ہر حال میں راضی برضا رہیں جبھی تو ان سے کان سعیکم مشکورا کا خطاب جلیل ہوگا۔

ابرار اخیار کے لئے جنت نعیم میں جو تیاریاں اوپر بیان ہوئیں ان کی نسبت ایک روایت یہ ہے کہ یہ اہلِ بیتِ کرام علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام کے باب میں ہیں۔ اس بنا پر مفسرین کرام نے یہاں ایک لطیف نکتہ بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ صاحب روح المعانی رقم طراز ہیں :۔ ومن اللطائف علی القول بنزولھا فیھم انہ سبحانہ لم یذکر فیھا الحور العین وانما صرح بولدان مخلدین رعایۃ لحرمۃ البتول قرۃ عین الرسول لئلا تثور غیرتھا الطبیعیۃ اذا احست بضرۃ وھی فی افواہ تخیلات الطباع البشریۃ ولو فی الجنۃ قرۃ ولا یخفی

علیک انّ ھذہ زھرۃ ربیع لا تتحمل الفرک۔ یہ آیات کریمہ اہل بیتؑ کرام
کی شان میں نازل ہونے کے باب میں جو روایت آئی ہے اس کے مدنظر یہاں ایک عجیب
لطیفہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے صرف ہمیشہ رہنے والے بچوں کا ذکر فرمایا اور حور عین کا ذکر نہیں
فرمایا (جیسا کہ دیگر مقامات میں نعیم جنت کے ساتھ حور عین کا ذکر بھی آیا ہے) وہ لطیف
نکتہ یہ ہے کہ یہاں قرۃ عین رسولؐ سیدتنا بتولؑ کا احترام و پاس خاطر ملحوظ ہے کہ سوت
(سوکن) کا تصور و احساس آپ کی غیرت و ملالت خاطر کا جب نہ ہو۔ کیونکہ طبیعت بشری
کو اس تصور کے ساتھ ہی ٹھیس لگتی ہے، گو ایسی صورت عمر میں ایک ہی دفعہ اور خواہ وہ
جنت ہی میں کیوں نہ پیش آئے۔ کیونکہ جناب سیدہ باغ و بہار رسالت کی ایسی
نازک کلی ہیں جس میں اتنا بھی مسوسے جانے کی تاب نہیں۔" ؎

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم

ابرار اخیار کا بیان یہاں ختم ہوا اور ان کے چند امتیازات و خصوصیات بیان فرمادی
گئیں۔ اب حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب فرمایا جا رہا ہے:۔

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ تَنۡزِیۡلًا ۚ ہم ہی نے اتارا ہے 76-23
آپ پر قرآنؑ موقع بہ موقع اتارنا"

نزّلنا کی تفسیر | اس سورۃ شریفہ کا ایک نام "سورۂ انسان" بھی ہے جیسا کہ

اوپر بیان ہوا جس میں انسان کی آفرینش کا حال بیان کیا گیا۔ پھر انسان کی دو قسمیں بتلائی گئیں۔ ایک شاکر اور دوسری کافر یعنی ناشکر گزار۔ پھر ناشکر گزاروں کی سزا کی طرف اشارہ پر اکتفا فرمائی گئی اور ابرار یعنی شکر گزار بندوں کے احوال یہ تفصیل بیان فرمائے گئے تاکہ بندگان خدا ناشکری کی راہ سے یک لخت کنارہ کش ہو کر شکر گزاری کی راہ اختیار کریں۔ شکر گزاری کے لئے ضرورت ہے یقین محکم اور عزم صمیم کی اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک کو تقویت پہنچانے اور ہمت اقدس کو بڑھانے کے لئے ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ قرآن کریم ہمارا ہی نازل کیا ہوا ہے جس کو ہم آپ پر موقع بہ موقع تھوڑا تھوڑا اتارتے جا رہے ہیں۔ اس میں ہماری بے شمار حکمتیں اور آپ کے حق میں تا محدود مصلحتیں مضمر ہیں۔ پورا قرآن کریم ایک دم اتار دیا جاتا تو آپ پر بار گراں ثابت ہوتا اگرچہ ہمارے لئے کچھ دشوار نہ تھا۔ وہ تو لوح محفوظ پر ازل ہی سے لکھا ہوا تھا۔ اور عرش اعظم سے سماء دنیا پر کامل ومکمل اتار دیا گیا بھی ہے لیکن ان ہی بے شمار مصالح اور حکم کے پیش نظر آپ پر تھوڑا تھوڑا اتارا جا رہا ہے۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا ﴿ۚ﴾ لہٰذا 76-24

آپ انتظار کیجئے اپنے پروردگار کے حکم کا اور کہنا نہ مانئے ان میں سے کسی گنہگار یا ناشکر کا۔

فاصبر کی تفسیر یعنی اے نبی کریم! آپ کی کامیابی یقینی ہے۔ آپ کی دعوت شرقاً غرباً، شمالاً جنوباً کامیابی کے ساتھ پھیلنے والی ہے۔ اس کا فیصلہ روز ازل ہی ہو چکا ہے لیکن ابھی اس کا وقت آیا نہیں۔ اپنے وقت پر سب کچھ ہو رہیگا۔ آپ ہمارے فیصلہ کا انتظار کیجئے، جو عنقریب صادر ہونے کو ہے۔ اس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی اور نہ اس کو کوئی روک سکتا ہے۔

لا تطع کی تفسیر رہے یہ گناہوں میں ڈوبے ہوئے یا یہ ناشکر گزار و ناسپاس۔ ان میں سے کسی کی ایک نہ مانئے، یعنی کسی گناہ میں یا ناشکری میں کسی کا ساتھ نہ دیجئے۔ یہ کبھی آپ کے ساتھ مجرمانہ تخویف کے ساتھ کام لیں گے یا کبھی دنیا کا لالچ بتائیں گے اور بڑی بڑی ترغیبات دیں گے۔ آپ نہ ان کی تخویف پر کان دھریں اور نہ انکی کسی ترغیب کو خاطر میں لائیں۔ نافرمانوں کو جو سزا ہمارے پاس مقرر ہے وہ اس سورت شریفہ کے آغاز ہی پر جتادی گئی ہے :۔ انا اعتدنا للکافرین سلاسلا واغلالا وسعیرا۔ ناشکروں کے لئے ہم نے تیار کر رکھی ہے سزا زنجیروں کی، اور طوق کی اور دہکتی آگ کی "۔ لہذا آپ کو کسی ناشکرے سے ڈرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ اسی طرح فرماں برداروں کے لئے جنت میں جو تیاریاں کی گئی ہیں ان کی تفصیل بھی ان الابرار یشربون سے کان سعیکم مشکورا تک سنادی گئی ہے۔ ان نعمتوں کی موجودگی میں

کسی کا لالچ آپ پر کسی طرح اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ جہنم سے بڑھکر کوئی چیز ڈرا نہیں سکتی۔ اور جنت سے زیادہ کوئی چیز کسی کو امیدوار نہیں بنا سکتی۔ جہنم ہو یا جنت، دونوں ہمارے پاس ہیں۔ لہذا خوف ہو تو صرف ہمارا ہو۔ اور اگر امید ہو تو صرف ہم سے۔ اسی امید و بیم کے درمیان ایمان ہے اور یہی ایمان نجات و کامیابی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔

عتبہ اور ولید کا حال کہتے ہیں کہ عتبہ بن ربیعہ جو کفار مکہ کا سردار تھا فسق و فجور میں ڈوبا ہوا نہایت شریر و بدمعاش تھا اور ولید بن مغیرہ بھی ان کا سرغنہ بڑا دولتمند تھا اس کا کنبہ بھی بڑا تھا دس سے زیادہ اسکے جوان جوان بیٹے تھے۔ ان دونوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا:۔ ارجع عن ھذا الامر ونحن نرضیك بالمال والتزویج۔ (روح المعانی) اس سلسلہ تبلیغ کو چھوڑ دیجئے اور ہم آپ کو اتنا مال نذر کریں گے کہ آپ اس سے خوش ہو جائیں گے۔ اور ایسی حسین و جمیل عورتیں دلائیں گے جن سے آپ ہمیشہ لطف اندوز ہوتے رہیں "ترغیب و لالچ کا یہ حال تھا تو ظاہر ہے کہ اس کے نہ ماننے کی صورت میں تخویف و تہدید بھی اسی مناسبت سے بنائی گئی ہو گی

ابو جہل کی بکواس حضرت قتادہ فرماتے ہیں:۔ بلغه ان ابا جهل قال لما فرضت على النبي صلى الله عليه وسلم الصلاة وهو يومئذ بمكة لئن رأيت محمد المصلى لاطأن على عنقه فانزل الله في ذلك ولا تطع منهم

آثماً او کفوراً۔ (عبدالرزاق عبد بن حمید ابن جریر ابن المنذر) ان کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب نماز فرض ہوئی جبکہ آپ مکہ مکرمہ میں تھے (اور آپ نماز ادا فرمانے لگے) تو ابو جہل (لعین) نے کہا کہ اگر میں آئندہ محمدؐ کو نماز پڑھتے دیکھوں گا تو ان کی گردن کو روند ڈالوں گا (العیاذ باللہ) اس وقت یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی:۔ ولا تطع منھم آثماً او کفوراً۔ ان گناہوں میں ڈوبے ہوئے یا ناشکر گزاروں میں سے کسی کی ایک نہ سنیئے۔" مطلب یہ ہے کہ عتبہ اور ولید ہو یا ابو جہل، یا اس نوع کے جس قدر بھی افراد و اشرار ہوں ان کی کسی گناہ یا ناشکری کے کام میں شرکت نہ فرمائیے۔ دیکھئے ان بدنہادوں کا انجام کیا ہوتا ہے؟

عرض فقیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین اور سید المرسلین ہیں اور تمام انبیاء و مرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین معصومین ہیں۔ اس کے باوجود آپکو یہ حکم ہو رہا ہے تو غور کرنے کا مقام ہے کہ امت مرحومہ کو اس کا کس درجہ اہتمام رکھنا چاہیئے! بہر حال کفار و مشرکین یا فساق و ناشکر گزاروں کے ساتھ معاملہ کا یہ منفی پہلو ہوا کہ کسی گناہ یا ناشکری کے کام میں ان میں سے کسی کا ساتھ نہ دینا چاہیئے۔ رہا مثبت پہلو کہ آخر ہم کو کیا کرنا چاہیئے اس کا بیان آگے آرہا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۚ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ

76-25
76-26

وَ سَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ○ اور لیتے رہئے نام اپنے پروردگار کا صبح اور شام اور کچھ وقت رات کو سجدہ کیجئے اس کو اور پاکی و تسبیح پڑھتے رہئے اس کی بڑی رات تک ۔"

واذکر کی تفسیر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ واذکر اسم ربك' نیز فاسجد له اور سبحه یعنی اللہ سبحانہ کا نام لینا' اس کا سجدہ کرنا اور اس کی تسبیح پڑھنا' اس سے نماز مراد ہے کیونکہ ذکر' سجدہ اور تسبیح یہ سب اجزائے نماز ہیں ۔ ایک اصل یہ ہے :۔ ذکر الجزء وارادة الکل ۔ یعنی جزو کہہ کر کل مراد لیا جاتا ہے ۔" اس اصل کے اعتبار سے ذکر' سجدہ اور تسبیح سے بھی مراد نماز ہے ۔ پھر ان نمازوں کے اوقات' بکرۃ' اصیل' لیل اور لیل طویل بتائے گئے ہیں ۔ لہٰذا بکرۃ سے نماز فجر اور اصیل سے ظہر و عصر اور لیل سے مغرب و عشاء اور لیل طویل سے تہجد کی نماز مراد ہوگی ۔ مطلب یہ ہوا کہ روزانہ پنجگانہ نمازہائے فرض ادا کیجئے اور اس کے ساتھ تہجد بھی پڑھا کیجئے ۔ فرق اتنا ہے کہ پنجگانہ نمازیں تو فرض ہیں اور تہجد نفل' یا یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں یہ بھی فرض ہے جس کی تفصیل سورۂ مزمل شریف کی تفسیر میں گزر چکی ۔ بہر حال کفار کے شر کو دفع کرنیکا نماز ایک زبردست ہتھیار ہے کہ بندہ مومن نمازمیں سب سے منقطع ہو کر یکسوئی کیسا تھ اللہ سبحانہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے ۔ یہ یکسوئی اور توجہ الی اللہ جیسی جیسی ترقی کرتی جائیگی بندے کو اسی قدر طمانیت اور قوتِ قلب حاصل ہوگی خشیت الٰہی طاری ہوگی اور

غیر اللہ کا خوف دور ہو گا اور یہی تمام کامیابیوں کی کنجی ہے۔ اسی لئے نماز کو معراج المومنین کہا گیا ہے۔

إِنَّ هَٰؤُلَاءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا 76-27
ثَقِيلًا ۝ نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ وَإِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا 76-28
أَمْثَالَهُمْ تَبْدِيلًا ۝ یہ لوگ چاہتے ہیں جلدی ملنے والے کو، اور چھوڑ رکھا ہے اپنے پیچھے ایک بھاری دن کو۔ ہم ہی نے ان کو بنایا اور مضبوط کیا ان کی جوڑ بندی کو، اور جب ہم چاہیں بدل لائیں ان جیسے لوگ بدل کر۔"

يحبّون العاجلة کی تفسیر

آثم یعنی گنہ گار کی اطاعت، گناہ کے کام میں، اور ناشکر گزار کی اطاعت ناشکری میں کیوں نہ کی جائے، اس کی علت اس آیۂ کریمہ میں بیان فرمائی جا رہی ہے۔ یعنی ان کی بات نہ مانئے اس لئے کہ یہ نادان، جلدی سے ہاتھ لگنے والی چیزوں کو پسند کرتے ہیں یعنی دنیا اور اس کی لذتوں کے دلدادہ ہیں۔ کھانا ہو تو یہیں مل جائے۔ کپڑا ہو تو یہیں میسر ہو جائے، مکان ہو تو یہیں ہو، بی بی بچے مال و دولت، عیش و آرام اور سارا لطفِ زندگی یہیں حاصل ہو۔ اسی حبِّ دنیا میں ڈوبے ہوئے رہنے کا نتیجہ ہے کہ آپ کی کوئی نصیحت ان پر مؤثر و کارگر نہیں ہوتی۔ یہ بات نہیں ہے کہ وہ آپ کی تقریروں اور ہدایات کو سمجھتے ہی نہیں ہیں اور دین اسلام کی

دعوت آپ ان کو صبح و شام دے رہے ہیں اس کی حقانیت ان کی سمجھ سے باہر ہے۔ نہیں نہیں وہ آپ کی للّٰہیت اور حقانیت کو خوب سمجھتے ہیں مگر اس کو قبول کرنے سے دنیا اور اس کی لذتوں کو فراموش کرنا پڑتا ہے۔ یہ ان کو گوارا نہیں ہے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے:۔

حُبّ الدنیا رأس کل خطیئۃ۔ دنیا کی محبت ہی تمام گناہوں کی جڑ ہے۔"

یوماً ثقیلاً کی تفسیر بہر حال حب دنیا میں گرفتار رہ کر آخرت کی تیاری سے غافل ہیں۔ اسی لئے ارشاد ہو رہا ہے:۔ وَيَذَرُونَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا اور ایک بھاری دن کو اپنے پس پشت چھوڑ رہے ہیں" قیامت کا دن، جو دنیا کے پچاس ہزار برس کے برابر ہے، اس کا خوف پیٹھ پیچھے ڈال رکھا ہے، اس کی کوئی فکر ہی ان کو نہیں ہے۔ پھر آخرت کی زندگی جو ابد الآباد ہے اس کا ڈر کچھ بھی نہیں۔ حالانکہ عقل مندی کی بات یہ ہے کہ انسان فکر فردا کرے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ آخرت پر ان کو ایمان ہی نہیں۔ اگر ایمان ہوتا تو وہ ایسی غفلت میں نہ پڑے رہتے بلکہ قرآن کریم اور آپ کی ہدایات کو حرز جان بناتے۔ گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ جب ان کو خود اپنی فکر نہیں تو آپ ان کا غم کیوں کھاتے ہیں؟ ان کو خواب غفلت میں پڑے رہنے دیجئے۔ نصیحت کرنی تھی کر دی گئی و بس۔

خلقناھم کی تفسیر نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ۔ ہم ہی نے ان کو

پیدا کیا اور ہم ہی نے ان کے جوڑ بند مضبوط بنائے "آفرینش کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اپنے خالق کو پہچانتے اور اس کے احکام کی تعمیل کرتے۔ اور ہم ان کے جوڑ بند مضبوط بنائے تھے تو اس کا اقتضا یہ تھا کہ ان اعضاء سے وہ کام لیتے جس میں خالق کی رضا و خوشنودی ہے۔ مگر ان کو معرفت باری عز اسمہٗ کا خیال کبھی نہ آیا۔ نہ اس کے احکام کی تعمیل پر کبھی مائل ہوئے۔ اور نہ جو قویٰ اور صلاحیتیں ان کو دی گئی ہیں اس کی کوئی قدر جانی۔ اب یہ اس قابل ہی نہیں کہ ان کی طرف التفات کی جائے۔

شددنا اسرھم کی تفسیر "اَسر" کے معنی باندھنے کے ہیں۔ قیدی کو اسیر اسی لئے کہتے ہیں کہ اس کو باندھا جاتا ہے۔ اللہ سبحانہ نے انسان کی آفرینش اس طرح فرمائی ہے کہ اس کے اعضا و جوارح ایک دوسرے سے مضبوط طور پر باندھ دئے ہیں۔ پھر یہ بندھن ایسا قوی اور مضبوط ہے کہ مدۃ العمر کھلنے کا نام نہیں۔ اور اس خوبی سے ایک ایک جوڑ بند ایسا مستحکم کیا گیا ہے کہ جب چاہو مٹھی کھول دو اور جب چاہو اس کو بند کر لو۔ یہی حالت ہر ہر عضو کی ہے۔ آنکھ کان بلکہ بول و براز کی جگہ تک کے بست و کشاد کا اختیار اُس کو دیا گیا۔ غور کیجئے کہ قادر حکیم نے کس طرح اپنی قدرت اور حکمت کا کمال دکھایا ہے۔ مگر یہ سب باتیں ان کی سمجھ میں آتی ہیں جو نعمتوں کی قدر جانتے اور اس کے شکر گزار رہتے ہیں۔ ناسپاس اور حق ناشناس کیا جانے کہ قدرت نے اسکے ساتھ

کس فیاضی سے کام لیا ہے۔ اور کن کن بیش بہا آلات سے انسانی مشنری کو آراستہ و مزین فرمایا ہے اور اپنی رحمتوں کے دروازے اس کے لئے کھول دئے ہیں اور اپنی نعمتوں کے بیشمار خزانے اس پر لٹا دئے ہیں؟ ایسے رحیم و کریم خدا سے ایک لمحہ کے لئے بھی انسان غافل ہو سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ بجز ایسے شخص کے جو نعوذ باللہ خدا کو خدا نہ سمجھے۔ توبہ توبہ ایسوں کا نام نہ لیجئے۔ دیکھئے آئندہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے؟ ارشاد ہے:۔

بدّلنا امثالھم کی تفسیر وَاِذَا شِئۡنَا بَدَّلۡنَاۤ اَمۡثَالَھُمۡ تَبۡدِیۡلًا۔

اور ہم جب چاہیں بدل لائیں ان جیسے لوگ بدل کر" یعنی یہ موجودہ انسان اپنے مقررہ وقت پر اپنی جگہ خالی کر جائیں گے۔ اور ان کے بدلے میں دوسرے انسان انکی جگہ لے لیں گے۔ مگر ہم نے ابھی ایسا تبادلہ چاہا نہیں ہے۔ ہماری مشیئت پر سب کچھ موقوف ہے جب کبھی ہم چاہیں گے، مشیئت کے جاری ہونے میں چشم زدن کی بھی دیر نہ لگیگی۔ چنانچہ جب غزوۂ بدر درپیش ہوا تو نہ ابوجہل رہا اور نہ ولید بچ سکا۔ ابوجہل اپنی جہالت پر اڑا رہکر اسی حال میں داخل جہنم ہوا۔ اس کی جگہ اس کے فرزند حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے لی۔ ولید کی جگہ اس کے فرزند حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو ملی۔ اللہ سبحانہ نے اپنے فضل و کرم سے دشمنانِ خدا و رسول کو اس جہان فانی سے مٹا کر انکی جگہ ان کے فرزندوں کو مرحمت فرمائی۔ جو خدائے ذوالجلال اور اس کے حبیب پاک کے چاہنے والے

اور اسلام کا نام روشن کرنے والے ہوئے۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فتح و نصرت کا جو وعدہ فرمایا تھا وہ کس طرح پورا ہوا کہ ان ہی اعداء اللہ کی صُلب سے ایسے حضرات پیدا ہوئے جو اولیاء اللہ کے سردار ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝ 76-29

یہ تو نصیحت ہے، پھر جو کوئی چاہے بنا لے اپنے پروردگار تک راہ "

ھذہ تذکرۃ کی تفسیر یعنی یہ سورت شریفہ یا قرآن کریم جو آپ پر (اے نبی کریم!) نازل ہو رہا ہے یہ صرف نصیحت ہے۔ بنی نوع انسان کی خیر خواہی کا پورا اہتمام اس میں موجود ہے۔ یہ قیامت تک قائم رہنے والی یادگار ہے اور قدم قدم پر نوع بشر کو یاد دہانی کرنے والی کتاب ہے۔ اسی کو سنا سنا کر اور سمجھا سمجھا کر اپنی امت کو اللہ سبحانہ کی یاد دلاتے رہیں۔ اور ان کی خیر خواہی کا اہتمام فرماتے رہیں اور قیامت تک آنے والی نسلوں کی ہدایت کے لئے اس کو یادگار بنا کر امت میں چھوڑ جائیے۔ آئندہ ان لوگوں کو اختیار ہے۔ اگر پروردگار عالم سے ملنے کا یقین ہے تو اُس تک رسائی حاصل کرنے کی راہ جو قرآن کریم نے بتائی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکی رہنمائی فرمائی ہے اس کو اختیار کریں۔ جبر و اکراہ سے کوئی کام نہیں بن سکتا۔ یا یہ کہ

قیامت کا دن جس کو یوم ثقیل فرمایا گیا ہے اس کی ثقالت اور شدت سے نجات منظور ہے تو قرآن کریم نے اس کی جو سبیل بتائی ہے اس کو اختیار کریں اسی کی بدولت نجات حاصل ہوگی۔ یعنی ایمان و اطاعت ہی سے کام بن سکیگا۔

موجبات تقرب الی اللہ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ انسان کو ایمان لانے کے بعد چار کام کرنے چاہئیں جن سے تقرب الی اللہ حاصل ہوتا ہے۔ ۱ طاعت۔ یعنی احکام خدا ورسول کی پابندی۔ اوامر کی بجا آوری اور مناہی سے اجتناب۔ ۲ دوام ذکر، ہمیشہ اللہ سبحانہ کی یاد میں رہے۔ خواہ زبان سے یا دل سے یا جوارح سے۔ زبان سے تسبیح وغیرہ۔ دل سے اللہ سبحانہ کی طرف توجہ یعنی ذکر قلبی۔ ذکر جوارح یعنی ہاتھ پاؤں سے جو بھی کام کرے وہ مرضیٔ الٰہی کے مطابق ہو اس کے خلاف نہ ہو۔ ۳ اخلاص یعنی ہر کام خالصاً لوجہ اللہ ہو۔ نمود و نمائش، یا دکھانے سنانے کے لئے نہ ہو۔ ۴ اتباع سنت۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبادات کا جو طریقہ بتایا ہے اسی طریق پر اس کو انجام دینا: ؎

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۖ لا يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ

76-30

عَذَابًا اَلِيْمًا ع اور تم نہیں چاہو گے مگر جو چاہے اللہ، بے شک اللہ ہے سب کچھ جاننے والا

حکمتوں والا، داخل کرے جس کو چاہے اپنی رحمت میں، اور جو گنہگار ہیں تیار ہے انکے واسطے

عذاب دردناک ۔"

بندے کی مشیئت تابع مشیئت الٰہی

یہ سورۃ شریفہ یا قرآن عظیم نصیحت ہے اور جو کوئی چاہے اس کی نصیحتوں کو قبول کر کے اپنے رب کی طرف جانے اور اس کا تقرب حاصل کرنے کی راہ اختیار کر سکتا تو ہے لیکن بندے کی چاہت مؤثر نہیں یعنی محض بندے کے چاہنے سے کچھ نہ ہو گا جب تک کہ اللہ سبحانہ نہ چاہے۔ بندے کی مشیئت اللہ سبحانہ تعالیٰ کی مشیئت کے تابع ہے۔ ماشآء اللہ کان وما لم یشأ لم یکن۔ اللہ جو چاہے وہی ہو کر رہتا ہے۔ اور جس کو اللہ نہ چاہے وہ کبھی نہیں ہو سکتا" اس سے معلوم ہوا کہ بندہ بہت کچھ چاہتا ہے کہ ایسا ہو اور ایسا نہ ہو۔ اگر حق سبحانہ تعالیٰ بھی ایسا ہی چاہے تو وہ اسی طرح ہو رہیگا لیکن اگر بندہ تو چاہے مگر مشیئت الٰہی ایسی نہ ہو تو بندے کی چاہت کے مطابق نہ ہو گا بلکہ وہی ہو گا جس کو اللہ سبحانہ نے چاہا ہے۔ خواہ وہ کام اچھا ہو یا برا۔ خیر اور شر دونوں کا وقوع میں آنا اللہ سبحانہ کی مشیئت پر موقوف و منحصر ہے۔ یہاں اس قدر یاد رکھنا چاہیئے کہ امر خیر سے اللہ سبحانہ کی رضا اور اس کا حکم متعلق ہے اور شر سے خداوند تعالیٰ شانہ ہمیشہ ناراض ہے۔ نیز یہ کہ اللہ جل شانہ

کسی شر کا حکم نہیں دیتا۔ رہی اعمال کی سزا و جزا۔ یہ امر الٰہی کے تابع ہے۔ اگر بندہ کوئی کام امر الٰہی کے مطابق کرے تو اس کو اجر و ثواب ملیگا اور جو خلاف حکم ہو تو مستوجب سزا ٹھہریگا۔ بہر حال یہ ایک نازک فرق ہے جس کی وضاحت کی گئی۔

قدریہ کی مذمت سید عالم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:—

لعن اللہ القدریۃ وقد فعل لعن اللہ القدریۃ وقد فعل لعن اللہ القدریۃ وقد فعل ما قالوا کما قال اللہ، ولا قالوا کما قالت الملآئکۃ ولا قالوا کما قالت الانبیاء، ولا قالوا کما قالت اھل الجنۃ ولا قالوا کما قالت اھل النار، ولا قالوا کما قال الشیطان، قدریہ پر خدا لعنت کرے چنانچہ وہ ان پر لعنت کرچکا ہے۔ قدریہ کو اللہ اپنی رحمت سے دور رکھے اور ان کو دور کر رکھا بھی ہے، قدریہ پر اللہ سبحانہ کی پھٹکار ہو اور ان پر پھٹکار برس رہی ہے۔ وہ قائل نہ ہوئے اس کے جیساکہ اللہ پاک نے فرمایا ہے، اور نہ وہ قائل ہوئے جیساکہ ملائکۂ کرام کا قول ہے، اور نہ وہ قائل ہوئے جیساکہ انبیائے کرام علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام نے فرمایا ہے، اور نہ وہ قائل ہیں جیساکہ اہل جنت کہتے ہیں، اور نہ وہ قائل ہیں جیساکہ دوزخ والے کہتے ہیں، اور نہ وہ قائل ہوئے اس بات کے جس کا شیطان قائل ہے۔ چنانچہ وہ اقوال سلسلہ وار یہ ہیں:—

قال اللہ وما تشآءون الآ ان یشآء اللہ وقالت الملائکۃ
لاعلم لنا الا ما علمتنا وقالت الانبیآء فی قصۃ نوح ولا ینفعکم
نصحی ان اردت ان انصح لکم ان کان اللہ یرید ان یغویکم وقالت
اھل الجنۃ وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ وقالت اھل النار
ربنا غلبت علینا شقوتنا وقال الشیطان رب بما اغویتنی۔ (ابن مردویہ
عن ابن عباسؓ) اللہ سبحانہ نے فرمایا:۔ اور نہ چاہو گے تم مگر یہ کہ چاہے اللہ اور فرشتوں
نے کہا:۔ ہم کچھ نہیں جانتے مگر اتنا ہی جو تو نے ہم کو سکھایا اور انبیاء علیہم السلام نے نوح
علیہ السلام کے بیان میں فرمایا:۔ اور میری نصیحت تم کو نفع نہیں پہنچا سکتی اگر میں تمہاری
خیر خواہی کرنی چاہوں اگر ارادۂ الٰہی تم کو گمراہی میں ہی پڑا رکھنے کا ہو" اور اہل جنت نے
کہا:۔ ہم راہ راست نہ پا سکتے اگر اللہ سبحانہ ہم کو ہدایت نصیب نہ فرماتا" اور دوزخ
والوں نے کہا:۔ اے پروردگار ہمارے! ہماری شقاوت اور کم بختی ہم پر غالب رہی"
اور شیطان نے کہا:۔ اے میرے پروردگار! قسم ہے اس کی جو تو نے مجھے گمراہی میں ڈال رکھا۔"

کان علیماً حکیماً کی تفسیر مطلب یہ ہے کہ خیر ہو یا شر دونوں اللہ سبحانہ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ جس میں جیسی استعداد ہوتی ہے اس کے مطابق مشیتِ الٰہی
جاری ہوتی ہے ؎ تو نے وہ دیا جو میں نے مانگا ۔ تھا تیرا کمال فی سؤالی۔

اور ہر ایک کی استعداد اللہ سبحانہ کو بخوبی معلوم ہے۔ اور اللہ پاک کا معاملہ ہر ایک کیساتھ وہی رہتا ہے جیسا کہ اس کی حکمت کاملہ کا اقتضاء ہو۔ اہل نار ہوں یا شیطان، انکی استعداد اللہ پاک کو معلوم تھی، ان کے ساتھ وہی سلوک ہوا جو حکمت الٰہی کا اقتضاء تھا۔ اسی طرح اہل جنت اور ارباب خیر کی استعداد بھی اس کو معلوم تھی۔ ان کے ساتھ بھی وہ عمل ہوا جس کو اس کی حکمت کاملہ چاہتی تھی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ قادر علی الاطلاق اور فعّالٌ لما یرید ہونے کے باوصف، ہر کسی کے ساتھ اس کی استعداد کے مطابق عمل فرماتا ہے، مگر اس کا ہر فعل حکمت کاملہ کے عین مطابق ہوتا ہے، ارشاد باری جو اسکے بعد ہے:۔ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے" اس میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ اور مزید توضیح اس کے بعد کی آیہ کریمہ میں فرمائی جارہی ہے:۔

یدخل من یشاء کی تفسیر | یُدْخِلُ مَنْ یَّشَآءُ فِیْ رَحْمَتِهٖ۔ جسکو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل فرماتا ہے" یعنی جس میں استعداد ہوتی ہے کہ اسکی جگہ رحمت الٰہی میں ہو اسکو محل رحمت (جنت) میں داخل فرماتا ہے۔ ان سے دنیا میں عمل بھی انکی استعداد کے مطابق اہل رحمت ہی کے صادر ہوتے رہتے ہیں۔ انکو شوق و رغبت یا دلچسپی بھی اہل رحمت ہی کے اعمال وغیرہ سے رہتی ہے تو اللہ سبحانہ انکے ساتھ معاملہ بھی اہل رحمت کا فرماتا ہے بالآخر وہ دار رحمت میں پہنچ جاتے ہیں۔

اعدلھم عذابا الیما کی تفسیر وَالظّٰلِمِیْنَ اَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۔ اور جو گنہگار ہیں ان کے واسطے دردناک عذاب تیار ہے " یعنی جن کی استعداد اچھی نہ تھی ۔ دنیا میں ان کا عمل بھی ان کی استعداد کے مطابق بُرا رہتا ہے اور ان کی دلچسپی بھی ایسے ہی اعمال سے رہتی ہے ۔ ان کی مجالس اور صحبتیں بھی اسی نوع کی بُری اور قابلِ نفرت ہوتی ہیں ۔ آخر کار اللہ سبحانہ کا معاملہ ان کے ساتھ اسی طرح کا ہوتا ہے جس کے وہ مستحق ٹھہرتے ہیں دار آخرت میں ان کیلئے عذاب کا مقام دوزخ قرار پاتا ہے جہاں وہ ابدالآباد دردناک عذاب میں مبتلا رہیں گے ۔ اللھم احفظنا ۔ آمین

ہر امر مشیت الٰہی سے ہے حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں :۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول اذا خطب کل ماھو آت قریب لابعد لما یاتی ولا یعجل اللہ لعجلۃ احد ما شآء اللہ لا ما شآء الناس یرید الناس امرا و یرید اللہ امرا ما شاء اللہ کان ولو کرہ الناس لا مباعد لما قرب اللہ ولا مقرب لما باعد اللہ لا یکون شیئ الا باذن اللہ ۔ (ابن مردویہ) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خطبہ دیتے تو یہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر آنے والی چیز نزدیک ہی ہے ۔ اللہ سبحانہ جس چیز کو لانا چاہتا ہے اس کے آتے دیر نہیں لگتی ۔ کسی کی عجلت طلبی سے اللہ سبحانہ کا معاملہ جلد ختم نہیں ہو سکتا ۔ ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہے

نہ کہ وہ جس کو لوگ چاہیں۔ لوگ ایک چیز کا ارادہ کرتے ہیں اور اللہ کو کوئی دوسرا امر مطلوب ہوتا ہے تو اللہ سبحانہ جو چاہے وہی ہوگا اگرچہ لوگ اس کو نہ چاہتے ہوں، اللہ سبحانہ جس کو قریب کرے اسکو دور کرنے والا کوئی نہیں۔ اور جس کو اللہ پاک دور فرمائے اس کو نزدیک لانے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔ جو چیز بھی ہوگی اللہ سبحانہ کی اجازت و اذن سے ہوگی۔"

دعا اللہ سبحانہ سے دعا ہے کہ ہم کو اور تمام مسلمانوں کو حسن استعداد سے بہرہ ور فرمائے اور سوء استعداد سے دور رکھے۔ جس کی بدولت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امۃ مرحومہ کو نیک توفیق اور ابرار اخیار کی رفاقت و معیت نصیب ہو اور ہم سے دنیا میں وہی کام لے جس میں اس کی رضا و خوشنودی ہو۔ اور ایسے کاموں سے محفوظ رکھے جن سے اس کی ناراضی ہو۔ رضا و خوشنودئ الٰہی کا ثمرہ جنت ہے اس سے ہم کو اور تمام برادران اسلام کو متمتع فرمائے تاکہ دولت دیدار سے مشرف ہوتے رہیں اور ناراضی و غضب کا ثمرہ دوزخ اور دردناک عذاب ہے۔ اللہ سبحانہ ہم کو اور تمام مسلمان بھائیوں کو اس سے محفوظ و مامون رکھے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیہم وعلی آلہ واصحابہ واتباعہ باحسان الی یوم الدین وعلینا معہم اجمعین۔

سورۂ دہر کی تفسیر ختم ہوئی۔ طلطقہ و کرمہ۔ ۱۲ ذی الحجۃ الحرام ۱۳۷۸ روز شنبہ۔

77 Mursalaath Makky Aayaath 50

سُورۃ والمرسلات

مکیہ ہے اور اس میں پچاس (۵۰) آیتیں ہیں

ماقبل سے ربط ماقبل سورت کا اختتام یدخل من یشآء فی رحمتہ والظالمین اعدّ لھم عذابا الیما پر ہوا تھا یعنی اللہ جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل فرمائے اور جو گنہگار ہیں ان کے واسطے دردناک عذاب تیار ہے " جس سے معلوم ہوا تھا کہ انسان دو طرح کے ہیں۔ نیک (مومن) دوسرے بد (کافر) اس سورت شریفیہ کو بھی ان ہی دو قسم کے لوگوں کے بیان سے آغاز فرمایا جارہا ہے۔ اور ہر ایک کا انجام قسموں کے ساتھ موکد کرکے بصراحت تبلایا جارہا ہے۔

شانِ نزول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔ بینما نحن مع النبی صلی اللہ علیہ وسلّم فی غار بمنیً اذ نزلت علیہ سورۃ والمرسلات عرفا فانہ یتلوھا وانی لاتلقاھا من فیہ وان فاہ لرطب بھا اذ وثبت علیہ حیّۃ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقتلوھا فابتدرناھا فذھبت فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقیت شرکم کما وقیتم شرھا۔ (بخاری)

مسلم، نسائی، ابن مردویہ) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہم منیٰ کے ایک غار میں بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں آپ پر والمرسلات عرفا کی سورت شریفہ نازل ہوئی۔ آپ اس کی تلاوت فرماتے جاتے تھے اور میں راست آپ کے دہان مبارک سے اسکو حاصل کرتا جارہا تھا اور آپ کا دہن مبارک اس کی تلاوت سے رطب اللسان تھا۔ اتنے میں آپ پر ایک سانپ حملہ آور ہوا حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً ارشاد فرمایا کہ اس کو مار ڈالو۔ ہم سب اس پر جھپٹ پڑے۔ پر وہ چلا گیا۔ حضرت نبی دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تمہارے بُرے سلوک سے بچالیا گیا جیسا کہ تم اس کے شر سے بچالئے گئے" حکمت الٰہی جس امر کی مقتضی تھی ہوا ہی لیکن اس روایت سے پایا جاتا ہے کہ یہ سورت شریفہ مکہ مکرمہ زادہا اللہ شرفاً وتعظیماً میں نازل ہوئی۔ چنانچہ اس مقام پر ایک مسجد بنی ہوئی ہے اور مسجد والمرسلات کے نام سے اب تک موجود و محفوظ ہے۔ حجاج ہر سال اس کی زیارت کرتے ہیں اور فقیر کو اس سال بھی بفضلہ تعالیٰ اس مسجد شریف کی تازہ زیارت کی سعادت نصیب ہوئی۔ الحمد للہ علیٰ احسانہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۙ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۙ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۙ 77-1 77-2
فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۙ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۙ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۙ اِنَّمَا 77-3 77-4 77-5
تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۭ قسم ہے چلتی ہواؤں کی دل کو خوش آتی' پھر جھونکا دینے 77-6 77-7
والیوں کی' زور سے' پھر اُبھارنے والیوں کی اُٹھا کر' پھر پھاڑنے والیوں کی بانٹ کر'
پھر فرشتوں کی جو اتار کر لائیں وحی' الزام اتارنے کو یا ڈر سنانے کو' مقرر جو تم سے وعدہ
ہوا وہ ضرور ہونا ہے۔"

روز جزا کی اہمیت یہاں پانچ چیزوں کی قسم کھائی جا رہی ہے۔ مرسلات' عاصفات' ناشرات' فارقات اور ملقیات۔ یعنی ان پانچ چیزوں کو گواہ قرار دیا جا رہا ہے اسی سے مابعد کلام کی اہمیت ظاہر ہو رہی ہے کہ جو مضمون روز جزا کے آنے سے متعلق آگے بیان کیا جا رہا ہے وہ کتنا اہم بالشان ہے۔ پھر ان میں سے پہلے کی تین چیزوں سے ہوائیں مراد ہیں اور باقی دو سے ملائکہ مراد ہیں۔ یہ تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ۔ والمرسلات عرفا قال الریح فالعاصفات عصفا قال الریح فالفارقات فرقا قال الملائکۃ فالملقیات ذکرا قال الملائکۃ (ابن جریر) والمرسلات عرفا سے ہوائیں مراد ہیں' اور فالعاصفات عصفا سے بھی ہوائیں مراد ہیں (اور والناشرات نشرا سے بھی ہوائیں مراد ہیں) اور فالفارقات فرقا سے

اور فالفارقات فرقا سے فرشتے مراد ہیں اور والملقیات ذکرا سے بھی فرشتے مراد ہیں"
ہمارا ترجمہ بھی اسی کے قریب قریب ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ فَالْفَارِقَاتِ فَرْقًا
سے بھی ہم لے ہوائیں مراد لی ہیں اس بنا پر کہ یہ معنی اقرب الی الفہم ہیں۔ واللہ اعلم۔

دیگر تفاسیر دیگر روایات میں ان پانچوں سے کسی میں فرشتے، کسی میں ہوائیں،
کسی میں قرآن کریم کی آیات اور کسی میں انبیاء و رسل علیہم الصلاۃ والسلام مراد لئے
گئے ہیں۔ اور ہر اعتبار سے ان آیات کریمہ کے معانی درست ہو سکتے ہیں۔ اس سے
قرآن کریم کی بلاغت ظاہر ہے کہ ایسے جامع کلمات ارشاد ہوئے ہیں کہ مذکورہ معانی
میں سے جو معنی بھی مراد لئے جائیں مضمون درست ہو جاتا ہے۔

آیاتِ مذکورہ کی تفسیر بہرحال ارشاد ہو رہا ہے کہ چلتی ہواؤں کی قسم ہے جو پے در پے
چل کر دلوں میں خوشی پیدا کرتی جاتی ہیں۔ پھر زور زور سے چل کر درختوں کو جھونکے دیتی
جاتی ہیں، پھر ابر کو ابھار کر آسمان پر پھیلاتی جاتی ہیں۔ پھر ان ہی ہواؤں کی قسم جو ابر کو
پھاڑ کر زمین کے قطعات پر بانٹتی جاتی ہیں۔ جس کی بدولت اللہ سبحانہ کے حکم کے مطابق
بارش ہوتی اور راحت و مسرت کا سامان مہیا ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ ان فرشتوں کی
قسم ہے جو جبرئیل علیہ السلام کی سرکردگی میں وحی الٰہی اتار لاتے اور پیغمبروں کو پہنچاتے
ہیں۔ اس میں دو فائدے ہیں۔ ایک یہ کہ یوں کہنے کا کافروں کے لئے کوئی عذر و حیلہ

باقی نہ رہے کہ اگر ہم پر کوئی کتاب اتاری جاتی تو ہم اس پر یقین لاتے اور اس کی بموجب عمل کرتے۔ دوسرا یہ کہ اگر تم وحی الٰہی کو نہ مانو گے اور اس پر عمل پیرا نہ ہو گے تو تمہارے لئے یہ دائمی عذاب تیار ہے۔ پس یہ پانچوں چیزیں گواہ ہیں کہ وحی الٰہی دلوں کو گرمانے والی اور ارواح کو تازگی بخشنے والی آچکی۔ اور اس پر بھی گواہ ہیں کہ قیامت یعنی روز جزا کا وعدہ جو رسولوں کے ذریعہ دیا گیا ہے وہ ضرور پورا ہو گا۔ روز جزا اپنے وقت پر آئیگا اور ہر ایک کو جزائے اعمال ملیگی۔

ہواؤں کے اقسام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:۔ الریاح ثمان اربع منھا عذاب واربع منھا رحمۃ فالعذاب منھا العاصف والصرصر والعقیم والقاصف والرحمۃ منھا الناشرات والمبشرات والمرسلات والذاریات۔ فیرسل اللہ المرسلات فتثیر السحاب ثم یرسل المبشرات فتلقح السحاب ثم یرسل الذاریات فتحمل السحاب فتدر کما تدر اللقحۃ ثم تمطر وھی اللواقح ثم یرسل الناشرات فتنشر ما اراد۔ (ابن مردویہ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ) ہواؤں کی آٹھ قسمیں ہیں۔ ان میں سے چار عذاب کے لئے اور چار رحمت کے لئے ہیں۔ عاصف، صرصر، عقیم اور قاصف، عذاب کے لئے ہیں (چنانچہ جن قوموں پر ہوا کا عذاب آیا اس کے سلسلہ میں ان ہواؤں کا بیان آیا ہے اور انکی تفسیر بھی گزر چکی) اور

ناشرات، مبشرات، مرسلات اور ذاریات، یہ رحمت کی ہوائیں ہیں چنانچہ اللہ سبحانہ تعالیٰ مرسلات کو بھیجکر ابر کو اٹھاتا ہے۔ پھر مبشرات کو بھیجکر ابر میں پانی کا تخم پہنچاتا ہے۔ پھر ذاریات کو بھیجکر ابر کو پانی سے بھرپور کرتا ہے، پھر ابر کی حالت گابھن اونٹنیوں کی طرح ہوجاتی ہے کہ اب جنتی ہیں یا جب۔ ان کو لواقح کہتے ہیں پھر پانی برسنے لگتا ہے۔ پھر ناشرات کو بھیجتا ہے تو ان سے ارادۂ الٰہی کے مطابق رحمت کا سامان بہم پہنچتا ہے۔" مذکورہ آیات کریمہ میں ان آٹھ ہواؤں میں سے تین کا ذکر آیا ہے۔ مرسلات، عاصفات، ناشرات۔ انمیں سے مرسلات و ناشرات، رحمت کی ہوائیں ہیں اور عاصفات عذاب کی۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت بالا بھی اس حدیث شریف کے عین مطابق ہے۔ واللہ اعلم۔

دوسری تفسیر دیگر روایات کے لحاظ سے ان آیات کریمہ کے معنی یوں ہوں گے قسم ہے بھیجی ہوئی آیات یا جماعت ملائکہ یا جماعت انبیاء و رسل علیہم الصلاۃ والسلام کی جو امر بالمعروف لیکر آئی ہیں پھر ان کو تیزی سے بندگان خدا تک پہنچاتی ہیں، پھر ان کو بندوں میں پھیلاتی اور ان احکام کی اشاعت کرتی ہیں۔ پھر حق و باطل کا فرق اچھی طرح بتاتی ہیں جس کے بعد کوئی تشنگی یا ابہام باقی نہیں رہنے پاتا۔ پھر اللہ سبحانہ کا ذکر یا اس کے احکام و نصائح بندگان خدا کے ذہن نشین کرتے ہیں خواہ الزام اتارنے کے لئے یا ڈر سنانے کے لئے۔ ان پانچوں قسم کی چیزوں کو گواہ کرکے آخر پر ارشاد ہو رہا ہے:۔ اِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ۔ بیشک جزا کا وعدہ

جو دیا گیا ہے وہ اپنے وقت پر ضرور وقوع پذیر ہوکر رہیگا۔" یوم جزا کی آمد کو اس اہتمام سے اس لئے بیان فرمایا جارہا ہے کہ کفار اس کے منکر ہیں۔

77-10 فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۙ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۙ وَاِذَا الْجِبَالُ 77-8 77-9
77-13 نُسِفَتْ ۙ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۭ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ۭ لِيَوْمِ 77-11 77-12
77-15 الْفَصْلِ ۚ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۭ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ 77-14

پھر جب تارے مٹادئے جائیں' اور جب آسمان میں جھروکے پڑ جائیں' اور جب پہاڑ اڑا دئے جائیں' اور جب رسولوں کا وقت مقرر ہو جائے' کس دن کیواسطے ان چیزوں میں دیر ہے؟ اس فیصلے کے دن کے واسطے' اور آپ نے کیا بوجھا' کیا ہے فیصلہ کا دن؟ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی"۔

آیات صدر کی تفسیر یعنی یہ کفار اس وقت روز جزا کا انکار کرتے اور اسکو جھٹلاتے ہیں لیکن ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے جب کہ یہ جگمگاتے ستارے بے نور ہو جائیں گے۔ ان کی روشنی گل ہو جائے گی۔ اور یہ آسمان جو ایک بے ستون خیمے کی طرح ان کے سروں پر سایہ فگن ہے جس میں کہیں کوئی خلل نظر نہیں آتا ہے' ایک دن اس میں شگاف پڑجائیں گے اور آسمان جابجا سے پھٹ جائے گا۔ نیز یہ پہاڑ جن کی سربہ فلک چوٹیاں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔

اور جب سے یہ پیدا ہوئے ہیں اپنی جگہ مضبوطی کے ساتھ جمے ہوئے ہیں۔ اور کتنے ہی
حوادث اور طوفان روئے زمین پر آئے مگر یہ پہاڑ جگہ سے ہل نہ سکے لیکن ایسے
بلند و بالا، مضبوط و مستحکم پہاڑوں پر بھی ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ وہ روئی
کے گالوں کی طرح سبک اور بے وزن ہوکر اڑا دیے جائیں گے۔ اس میں خود مکہ مکرمہ
کے پہاڑ بھی داخل ہیں کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہے گا اور زمین اس سرے سے
اس سرے تک صاف چٹیل میدان بن جائیگی۔ کسی قسم کا نشیب و فراز، توڑ موڑ،
کجی یا رکاوٹ برقرار نہ رہیگی۔ اور یہ انبیاء و رسل علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام جو
ہر عہد اور زمانے میں اپنی اپنی قوموں اور امتوں کی طرف مبعوث ہوئے اور
دعوت توحید دیتے رہے اور قیامت کے آنے کی خبریں سناتے رہے، یہاں تک کہ
سب سے آخر میں حضرت نبی آخر الزماں علیہ صلوات الرحمٰن کھلے معجزات اور آیات
بینات کے ساتھ تشریف لائے ہیں اور درس توحید دیتے اور قیامت کا ڈر سناتے
جا رہے ہیں کہ وہ یوم الجزا ہے اس دن تمام اعمال کا رتی رتی حساب کر کے اس کی
جزا دیجائیگی۔ ان خیراً فخیرٌ و ان شراً فشرٌ اگر عمل اچھا ہوگا تو اس کی
جزا بھی اچھی ملیگی اور اگر عمل برا ہوگا تو سزا بھی بری تجویز ہوگی۔ نیز قیامت کا ایک دن
مقرر ہے جو اللہ سبحانہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں وہ اچانک طور پر اپنے مقررہ وقت پر

آجائے گا۔ اس وقت ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ قیامت کے آنے میں دیر اور تاخیر ہے۔ مگر جب وہ آجائیگی تو سب سراسیمہ پریشان اور حواس باختہ رہ جائیں گے کہ ہاں یہ کیا ہو گیا اور کیسے ہوا؟ ایسا معلوم ہو گا کہ اس کے آنے میں کچھ بھی دیر نہیں لگی بلکہ وقت سے بہت پیشتر آگئی۔ سنبھلنے کا موقع تک نہ مل سکا۔ بہر حال ان تمام پیغمبران علیہم الصلاۃ والسلام کی منتظرہ ساعات ختم اور موعودہ ساعت اپنے وقت پر آجائیگی۔ اور تمام پیغمبراں اپنی اپنی امتوں کے ساتھ ایک جگہ جمع ہو جائیں گے۔

قیامت سے پہلے امور عظام کا ظہور

آسمان کے تاروں کا بے نور ہو جانا' آسمانوں میں شگافیں پڑجانا اور ان کا پھٹ جانا' پہاڑوں کا اڑا دیا جانا' اور رسولوں کی میقات کا ختم ہو جانا اور سب کا ایک جگہ اپنی امتوں کے ساتھ جمع ہو جانا۔ ان تمام امور عظیمہ کا ظہور تو امر یقینی ہے یہ بہت کچھ ہو رہیگا لیکن اس کے لئے آخر یہ ڈھیل اور تاخیر کیوں ہے کبھی اس پر بھی غور کیا؟ یہ مہلت اور تاخیر و تاجیل اسی لئے ہے کہ فیصلہ کا دن جو اللہ سبحانہ کے ہاں مقرر ہے وہ ابھی آیا نہیں ہے۔ اس کی آمد کا وقت جب قریب ہو گا تو مذکورۂ بالا امور عظام ظہور پذیر ہونا شروع ہوں گے اور ایک ایک کر کے سب کے سب ظاہر ہو جائیں گے اور ان کا ظہور یوم الفصل کے آنے کی کھلی علامت اور نشانی ہو گی۔

جس کو دیکھ کر ہر کس و ناکس سمجھ جائے گا کہ یہ کسی نہ کسی امر عظیم کا پیش خیمہ ہے۔

یوم الفصل کی اہمیت اب رہی یہ بات کہ وہ "یوم الفصل" کیا ہے اس کی حقیقت بھی کچھ معلوم ہے یا یہ کہ یوم الفصل کو بھی دنیا کے اور ایام کی طرح سمجھ رکھا ہے۔ نہیں نہیں، وہ دن، اور ایام کی طرح نہیں ہے۔ وان یوماً عند ربّك كالف سنة ممّا تعدون۔ تمہارے پروردگار کے پاس کا ایک دن، تمہاری شمار اور حساب کے اعتبار سے تمہارے ایک ہزار برس کے برابر ہوتا ہے" پھر ایک ہزار برس کے برابر کا ایک دن، اللہ پاک کے پاس کا عام دن ہے۔ رہا یوم الفصل وہ ایک ہزار برس کے برابر نہیں بلکہ پچاس ہزار برس کے برابر کا وہ ایک دن ہوگا۔ یوم كان مقداره خمسين الف سنة اور وہ دن جب آجائے گا تو اس کی اہمیت اور عظمت شان کچھ نہ پوچھو۔ مختصراً یوں سمجھ لو وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ اس دن اس کے جھٹلانے والوں کی بس تباہی اور بربادی ہی ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں"

ویل کی تفسیر ۱۔ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ ویلٌ وادٍ فی جھنم یھوی به الکافر اربعین خریفا قبل ان یبلغ قعرہ۔ (امام احمدؒ، ترمذیؒ، ابن جریرؒ، ابن ابی حاتمؒ، حاکمؒ بروایت صحیح)

بیہقی' ابن ابی الدنیا' ہناد) جہنم کی ایک وادی (ندی) کا نام ویل ہے' جس میں ایک ایک کافر چالیس سال تک اترتا رہیگا اور ابھی اسکی تہ تک پہنچنے نہ پائیگا"

۲۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔ الویل وادٍ فی جھنم یسیل صدید اھل النار جعل اللّٰہ للمکذّبین۔ (بیہقی' ابن المنذر) ویل جہنم کی ایک ندی کا نام ہے جس میں دوزخیوں کے (پھوڑوں کا) پیپ بہتا ہوگا۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس کا عذاب' جھٹلانے والوں کے لئے مختص فرمایا ہے"

۳۔ عطاء بن یسار فرماتے ہیں:۔ الویل وادٍ من صدید جھنم لو سیّرت فیہ الجبال لانذابت من حرّہ۔ (بیہقی' ابن جریر' ابن مبارک) ویل نامی ایک ندی ہے دوزخیوں کے پیپ کی' اگر اس میں پہاڑ بھی جھونک دئے جائیں تو وہ اس کی حرارت اور تپش سے پگھل جائیں"

۴۔ امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ الویل جبل فی النار۔ (ابن جریر) "ویل نام کا دوزخ میں ایک پہاڑ بھی ہے" اس کی تائید اور توضیح حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ انّ فی النار حجرا یقال لہ ویل یصعد علیہ العرفاء

ویل نزلون۔ (بزار) دوزخ میں ایک پہاڑ ہے جس کو ویل کہا جاتا ہے۔ کافروں کے سرداروں کو اس پر چڑھتے اور اترتے رہنے کی سزا دیجائیگی وروہ اس پر چڑھتے اور اترتے رہیں گے"۔

روایات بالا کی تطبیق ویل کی تفسیر کبھی وادی اور وادی صدید کبھی جبل النار وغیرہ سے جو کی گئی ہے اس سے معانی کا اختلاف مراد نہیں ہے بلکہ اس میں انواع و اقسام کے جو عذاب ہیں ان کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ بتلانا یہ منظور ہے کہ اس میں طرح طرح کے عذاب ہیں جو کافروں کے درجات کفر اوران کے انواعِ معاصی کے اعتبار سے ہر ایک کے لئے جداگانہ عذاب مسلط کئے گئے ہیں وہ اپنی نوعیت جرم کے لحاظ سے مختلف سزائیں پاتے رہیں گے۔ غالباً یہی سبب ہے کہ اس سورۃ کریمہ میں آیۂ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ کا اعادہ دس دفعہ فرمایا گیا ہے تا معلوم ہو کہ وَیْلٌ ایک عذاب نہیں بلکہ اس میں کئی قسم کے عذاب ہر جرم کی نوعیت کے لحاظ سے رکھے گئے ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت قتادہ اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

ویل لھم واللہ ویلا طویلا۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر) خدا کی قسم! ان جھٹلانے والوں کے لئے ابدالآباد کی تباہیاں ہیں جن کا سلسلہ دراز ہے"۔ واللہ اعلم۔

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ۝ 77-16 77-17

كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ۝ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ۝ 77-18 77-19

کیا ہم نے نہیں مار کھپایا پہلوں کو، پھر ان کے پیچھے بھیجتے رہے پچھلوں کو، ہم ایسا ہی

کیا کرتے رہیں گے گنہگاروں کے ساتھ، خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔

فنائے دنیا کا انکار اور اس کا جواب

کفار جس طرح انسان کے مرنے کے بعد قیامت میں دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے کے منکر تھے، اسی طرح قیامت کے قریب تمام روئے زمین کے انسانوں کے ایک ساتھ مرجانے اور فنا ہونے کے بھی منکر تھے اور اس بات کو بعید از عقل خیال کرتے تھے کہ جملہ انسان ایک آن میں ہلاک ہو جائیں۔ کیونکہ ان کا مشاہدہ یہ تھا کہ کبھی کبھی کسی محلہ یا گاؤں میں اکا دکا کوئی مرتا ہے۔ پوری بستی ہلاک نہیں ہوتی۔ جب پوری بستی کا یہ حال ہے کہ وہ صحیح سلامت رہتی ہے تو پوری دنیا کی آبادی بیک وقت کیونکر ختم ہو سکتی ہے؟ ان آیات کریمہ میں اس زعم باطل کا جواب دیا جا رہا ہے کہ قرب قیامت میں دنیا کی پوری آبادی کو یک دم ختم کر دینا ہمارے لئے کونسی مشکل بات ہے، درحالیکہ اس قسم کے ہلاکت خیز نمونے ہر زمانے میں دکھائے جاتے رہے ہیں۔ کیا ہم نے اگلے لوگوں کو نہیں مار کھپایا جو تمہاری طرح خدا کا، اس کے رسولوں کا، اس کی کتابوں کا اور یوم الفصل کا انکار کرتے اور ان سب کو جھٹلایا کرتے تھے۔ ذرا ماضی بعید پر نظر ڈالو کہ

قوم نوحؑ، قوم ہودؑ اور ثمود کے ساتھ کیا سلوک ہوا؟ اسی طرح ماضیٔ قریب کے واقعات کو یاد کرو کہ قوم لوطؑ، قوم شعیبؑ اور قوم موسیٰؑ کا کیا حشر ہوا؟ یہ اقوام تمہارے مقابلہ میں قوی الجثہ، بڑے متمول ہونے کے علاوہ بڑی بڑی سلطنتوں اور حکومتوں کے مالک تھے۔ جب انہوں نے تکذیب کی تو ہمارے حکم کے آگے ان کی ایک نہ چل سکی تو پھر تم کس شمار و قطار میں ہو؟ تم بھی ان کی طرح انکار قیامت اور تکذیب رسل کی روش اختیار کرتے جا رہے ہو۔ اگر تمہارا طرز ہمارے رسولوں کے ساتھ یہی رہیگا کہ ان کو جھٹلاتے جاؤگے اور روز قیامت جو یوم الفصل ہے جس میں ہر ہر امر کا کھلا فیصلہ ہونے والا ہے اس سے ڈرتے نہیں بلکہ اس کا انکار کرتے رہوگے تو یاد رکھو تم پر بھی وہی سنۃ اللہ مستقبل میں بھی جاری ہوگی، جس میں کسی قسم کی تبدیل نہیں ہے۔ اگلی قوموں اور ان کے بعد کی اقوام کی طرح تم بھی حرف غلط کے مانند مٹا دئے جاؤگے۔ اُن پر جب عذاب الٰہی آیا تھا تو کیا کوئی اس سے بچ سکا تھا؟ جب ساری قوم ایک آن میں ہلاک و برباد ہوسکتی ہے اور اسی طرح ہلاک ہوتی رہی ہے تو قرب قیامت میں تمام انسانوں کا یک دم فنا ہوجانا بعید از عقل کیوں قرار پا سکتا ہے۔ ہم نے ہی ان کو ہلاک و برباد کیا تھا تو ہماری قوت قاہرہ کے آگے روئے زمین کے تمام انسانوں اور دنیا کی پوری آبادی کو یک دم ختم کر دینا کچھ بھی مشکل نہیں۔

ویل یومئذ کی تکرار کا مقصد وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۔ ان جھٹلانے والوں کی بھی اس دن بڑی تباہی و بربادی ہے ۔" اس آیۂ کریمہ کے بار بار اعادے اور تکرار کی دو طرح توجیہ کی گئی ہے ۔ ایک یہ کہ کسی ایک دعوے کا اثبات کئی دلائل سے کیا جائے تو ہر دلیل کے ختم پر کسی جملہ خاص کا اعادہ و تکرار مستحسن اور معروف بات ہے ۔ کلام عرب میں اس کی مثالیں موجود ہیں ۔ شعراء بھی اپنی نظموں میں کسی مصرعہ یا شعر کا اعادہ کرتے ہیں ۔ شعرائے عجم کی اصطلاح میں اس کو "ترجیع بند" کہا جاتا ہے ۔ جیسا کہ بعض شعراء نے "بلغ العلیٰ بکمالہ" یا "مرحبا سید مکی مدنی العربی" کا اعادہ کیا ہے ۔ اس سے دعوے کا پوری طرح اثبات اور اس کا ناقابل تردید ہونا ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے تاکہ سامع اور مخاطب کے نزدیک دعوے کی حقانیت اچھی طرح ذہن نشیں ہو جائے ۔ اور دعوے کی صداقت کا یقین کامل حاصل ہو ۔

تکرار کا دوسرا مقصد دوسری توجیہ یہ ہے کہ گو بظاہر ایک ہی جملہ کا اعادہ ہو رہا ہے لیکن ہر جگہ اس کے معنی بدلتے جائیں ۔ اور سابق معنی سے الگ، دوسرے معانی مراد ہوں ۔ اس صورت میں حقیقۃً تکرار و اعادہ نہ ہوگا ۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ ہر موقع اور محل کے لحاظ سے جب ایک جملہ کے الگ الگ معانی پیدا ہوں تو

اس معنی آفرینی سے ایک طرف متکلم کا قادر الکلام ہونا اور اس کا کمال بلاغت
ظاہر ہوگا اور دوسری طرف سامع کو ہر جدید معنی پر ایک نیا لطف آتا جائے گا۔
یہ فوائد تو کلام شعرا میں کسی بیت کے اعادے اور تکرار سے بھی حاصل ہوتے ہیں جو
محض بات ہی بات ہوتی ہے۔ رہا کلام الٰہی چونکہ وہ محض بات ہی بات نہیں اور نہ
کسی سے اس کے حسن کی داد لینی مقصود ہے بلکہ وہ تعلیم و ہدایت کیلئے نازل ہوا ہے اور یہ دو
طرح پر ہے۔ یا تو کسی امر خیر کی خوشخبری دی جا رہی ہوگی یا کسی ہولناک امر سے ڈرایا جا رہا ہوگا۔

ویل یومئذ کی تفسیر ویل یومئذ للمکذبین میں امر دوم مراد ہے یعنی
یوم الفصل کی اہمیت جتائی جا رہی ہے۔ اور ہر موقع پر اس آیۂ کریمہ کے جدید معنی
اس طرح کہ پہلے موقع پر اس سے یوم الفصل کے جھٹلانے والے مراد تھے۔ اور دوسرے
موقع پر تمام دنیا کے بیک وقت فنا ہو جانے کا انکار کرنے والے مراد ہیں۔ اسی طرح
آگے جس جس مضمون خاص کے بعد اس آیۂ کریمہ کا اعادہ آرہا ہے وہاں مکذبین سے
اُس مضمونِ خاص کا انکار اور اس کی تکذیب کرنے والے مراد لئے جائیں۔ اس
صورت میں یہ آیۂ کریمہ جتنی دفعہ بھی دوہرائی جائے سابق مضمون کے منکرین و مکذبین
نہیں بلکہ اس خاص مضمون کے منکرین و مکذبین مراد ہوں گے تو ظاہر ہے کہ یہ حقیقۃً اعادہ و تکرار نہ ہوئی بلکہ
نیا نیا مضمون و مفہوم پیدا ہوتا گیا۔ اور جدید طریقے سے تخویف و تہدید فرمائی گئی۔ اس طرح کلام الٰہی کے

نزول کا مقصد پورا ہوا۔ سبحان اللہ۔ والحمد للہ

دوسری تفسیر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں امر اول کی طرف اشارہ مراد لیا جائے یعنی اسکو خوشخبری دینے والا کلام قرار دیا جائے۔ وہ اسطرح کہ ظالم کیلئے ہر سزا مظلوم کیلئے موجب مسرت ہوتی ہے۔

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۙ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۙ 77-20 77-21
اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۙ فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ 77-22 77-23
لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ کیا ہم نے نہیں بنایا تم کو ایک بے قدر پانی سے پھر رکھا اسکو 77-24
ایک محفوظ ٹھکانے میں ایک وعدے مقرر تک پھر ہم نے اس کو پورا کیا تو ہم
کیا خوب پورا کرنے والے ہیں خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔

آفرینش پر غور کرنے کی دعوت فیصلہ کا دن جو ہم نے مقرر کر رکھا ہے۔ اے کفارِ قریش! تم کو اس کا انکار ہے جس میں تمام انسان دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔ پھر تم کو اس کا بھی انکار ہے کہ روئے زمین کے تمام انسانوں کو ایک دم کون اور کس طرح ماریگا؟ تو ہم ایک اور سوال تم سے کرتے ہیں اس کا جواب دو۔ اس سے تمہارا یہ استبعاد اور انکار رفع ہو جاتا ہے۔ وہ یہ کہ تم اپنی آفرینش پر غور کرو کہ کس طرح ہوئی اور کس نے تم کو پیدا کیا؟ تمہارا نقطۂ آغاز پانی کی ایک بوند ہے جس کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ وہ بوند بھی ہماری ہی بنائی ہوئی تھی۔

اس کو ہم نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے ایک محفوظ مقام میں پہنچا دیا جو کسی انسانی دسترس سے باہر تھا۔ ہم ہی نے وہاں اس کو ایک مقررہ مدت تک رکھا۔ یہ مدت عموماً نو ۹ مہینے کی ہوتی ہے اور اس میں کمی بیشی بھی ہوتی رہتی ہے۔ کم سے کم چھ مہینے اور زیادہ سے زیادہ دو سال۔ اس عرصے مدت میں ہم اس کے مختلف ادوار اور اطوار میں بدل بدل کر اس کو درجۂ کمال تک پہنچا دیتے ہیں۔ یعنی پانی کو خون، اور خون سے بستہ خون، پھر اس کو گوشت کا لوتھڑا، پھر اس کے اعضا تراشتے پھر اس میں روح پھونک کر حرکت پیدا کرتے۔ پھر اس کو کامل بچہ بنا کر باہر لاتے ہیں۔ اب اس کی وہ قدر ہوتی ہے کہ ہر کوئی اس کو اپنی آنکھوں سے لگاتا اور اس کو پیار کرتا جاتا ہے۔ وہ ایسا انمول اور لاقیمت ہوتا ہے کہ کسی بادشاہ کا خزانہ بھی اس کو ادا نہیں کر سکتا۔

عمل، عمر، رزق اور سعادت کی پیشگوئی

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔ حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو الصادق المصدوق ان خلق احدکم یجمع فی بطن امہ اربعین یوما النطفۃ ثم یکون علقۃ مثل ذلک ثم یکون مضغۃ مثل ذلک ثم یبعث اللہ الیہ ملکا باربع کلمات فیکتب عملہ واجلہ ورزقہ و شقی وسعید

ثم ینفخ فیہ الروح۔ (بخاری و مسلم) ہم سے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حدیث شریف بیان فرمائی اور آپ اپنی ہر حدیث اور بیان میں بالکل سچے اور سچائے جانے کا حق رکھتے ہیں کہ تم میں سے ایک ایک کی آفرینش یوں ہوتی ہے کہ نطفہ رحمِ مادر میں چالیس دن تک جائے گیر رہتا ہے۔ پھر اسی قدر مدت میں بستہ خون ہو جاتا ہے۔ پھر اسی قدر عرصہ میں گوشت بن جاتا ہے (پھر اعضا تراشے جاتے ہیں) پھر اللہ سبحانہ تعالیٰ اس کے پاس فرشتہ بھیجتا ہے جو ان چار باتوں کو (علم الٰہی کے مطابق) لکھ دیتا ہے کہ اس کا عمل[۱] کیا ہوگا، اس کی عمر[۲] کیا ہوگی، اس کے رزق[۳] کا کیا حال ہوگا، نیز یہ کہ وہ[۴] بدبخت (کافر) ہے یا نیک بخت (مومن)۔ پھر اس میں (حکمِ الٰہی سے) رُوح پھونک آتا ہے۔"

مضمونِ بالا سے یومُ الفصل کا حل

پھر یہ امر مسلّم ہے کہ کسی چیز کا بنانا ہی اس کو نیست سے ہست کرنے کے مقابلے میں بہت اہم ہے۔ ایسے اہم اور اہم المہمات سب کام تو ہم نے انجام دئے اور یہ بھی مسلّم ہے کہ اس کے مقابل کسی چیز کا بگاڑ دینا اور اس کو ہستی سے نیستی میں لانا کچھ بھی مشکل نہیں۔ لہذا تمام انسانوں کے بنانے والے مسلمہ طور پر ہم ہیں تو ان سب کو فنا کرنا ہمارے لئے مشکل کیوں ہوگا۔ نیز اسی طرح جب انسان کسی زمانے میں قابلِ ذکر تک نہ تھا، پھر ایک دفعہ ہم نے اس کو بنایا تو دوبارہ اس کو بنانا ہمارے لئے

کیا مشکل ہے؟ نہ تو فنا کرنا مشکل کام ہے اور نہ کئے ہوئے کام کو دوبارہ کرنا کوئی مشکل تو اس میں استبعاد ہی کیا ہے اور انکار کی اس میں کونسی گنجائش ہے؟ ذرا غور کرو، سوچو سمجھو کہ ہمارے اقتدار کی کیا کوئی حد ہے اور ہمارا اقتدار کیا خوب اور کیسا ارفع و اعلیٰ ہے اور اس میں کتنی وسعت ہے کہ کوئی چیز اس سے باہر نہیں ہوسکتی۔

مکذبین کی تباہی | وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۔ اب جو لوگ اس کو بھی جھٹلاتے ہوں جو ایک مسلمہ حقیقت اور بدیہی الثبوت امر ہے اور جس سے یوم الفصل اور اس کے سارے لوازم پر روشنی پڑتی ہے۔ قیامت کا حق ہونا، حساب وکتاب لیا جانا، سزا و جزا کا مرتب ہونا، یہ سارے مسائل اس سے حل ہو جاتے ہیں۔ اس پر بھی کوئی ضدی اور ہٹ دھرم اس کے ماننے میں لیت ولعل کرے، شکوک وشبہات میں پڑا رہے۔ بعید از عقل سمجھے اور ان تمام حقائق کا انکار کرے تو اس کی سزا کیسی ہوگی اس کا اندازہ بھی کر لیا جائے۔ اسی لئے وَيْلٌ کو بہ صیغۂ تنکیر لا کر اور اسکی تنوین کو تنوین تعظیم قرار دے کر اس امر کی طرف اشارہ فرمایا جا رہا ہے کہ یہ ویل (خرابی و بربادی) کوئی معمولی ویل نہیں بلکہ ویل عظیم وطویل ہے۔ ایک خرابی و بربادی نہیں بلکہ جملہ خرابیوں اور بربادیوں کا مجموعہ ہے۔ جو ایسی بدیہیات کے استبعاد و انکار پر مرتب ہوا ہے۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۙ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ۙ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا 77-25
رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ۗ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ 77-26
77-27
77-28

کیا ہم نے نہیں بنائی زمین سمیٹنے والی' زندوں کو اور مردوں کو' اور رکھے ہم نے اس میں بوجھ کے لئے پہاڑ اونچے' اور پلایا ہم نے تم کو پانی میٹھا پیاس بجھانے والا' خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی "

اثبات قیامت زمین کے ذریعہ

یہ زمین جس پر تم چلتے پھرتے' رہتے بستے ہو' تمام دنیا کے لوگوں کو سمیٹی ہوئی ہے۔ زندے اس کی سطح پر اپنی بودوباش رکھے ہوئے ہیں اور مردے اس کے اندر سمائے جاتے ہیں۔ قیامت تک یہی انتظام برقرار رہیگا۔ تمھارے جداعلیٰ آدمؑ اسی کی مشت خاک سے بنائے گئے تھے۔ اور بے قدر پانی کی بوند جس کا بیان ابھی ابھی گزرا جس سے تمھاری آفرینش ہوئی' اسی زمین سے پیدا کی ہوئی غذا' سبزیاں ترکاریاں اور اسی زمین سے پیدا کئے۔ حیوانات کے گوشت' دودھ' گھی' مکھن وغیرہ سے ہی وہ بوند بنی تھی۔ قیامت میں اسی زمین سے تم کو اٹھانا ہمارے لئے کیوں مشکل ہوگا جبکہ ابتداءً تم کو اسی سے بنایا تھا۔

پہاڑ' زمین کا ایک منظر

پھر دیکھو اس زمین پر ہماری قدرت کے کیسے کیسے متضاد نمونے اپنے مناظر پیش کر رہے ہیں۔ کہیں تو سر بفلک پہاڑوں کی چوٹیاں ہیں مثلاً سلسلہ کوہ ہمالیہ یہ سطح زمین سے میلوں بلند ہیں۔ عرصہ سے ان پر چڑھنے کی کوشش ہو رہی ہے مگر اب تک یہ کوشش پوری طرح کامیاب نہ ہو سکی۔ چند چوٹیوں تک بڑی جدوجہد سے رسائی ہو سکی ہے'

ع کار کلی ہنوز در قدر راست۔ کا مصداق ہے۔ یہ پہاڑ نہایت سخت ہیں اور جب سے پیدا ہوئے اپنی جگہ پر مضبوطی کے ساتھ جمے ہوئے ہیں۔ ان میں جنبش نام کو نہیں۔ یہ اسلئے کہ پہاڑ بنے ہیں اسی مقصد کیلئے کہ نہ خود حرکت کریں اور نہ زمین کو حرکت کرنے دیں : ے

زمیں از تپ و لرزہ آمد ستوہ فرو کوفت بر دامنش میخ کوہ

نہریں زمین کا دوسرا منظر

بہرحال یہ اپنی جگہ جمے ہوئے بلند بلند سخت پہاڑ ہماری قدرت کا ایک نمونہ ہیں۔ تو دوسرا نمونہ میٹھے پانی کے چشمے اور نہریں ہیں، جس کے پینے سے پیاسوں کی پیاس بجھتی ہے۔ چشموں اور نہروں کا یہ پانی ایک جگہ ٹھہرا ہوا نہیں رہتا بلکہ ان ہی پہاڑوں سے نکل کر بہتا رہتا اور جہاں جہاں یہ پانی پہنچتا ہے وہاں کے لوگوں کو سیراب کرتا اور ان کی پیاس بجھاتا رہتا ہے۔ ایک نمونہ پہاڑوں کا وہ تھا جو اپنی جگہ سے ہلتا تک نہیں اور دوسرا نمونہ یہ ہے کہ ایک جگہ ٹھہرے رہنے کا نام تک نہیں لیتا ہمیشہ رواں دواں ہے۔ اسی سے ہمارا اقتدار کامل ظاہر ہے۔

پہاڑوں اور نہروں سے قیامت کا ثبوت

اب سوال یہ ہے کہ جو مالک الملک جل جلالہ اور خالق الکل عم نوالہٗ اپنی قدرت کاملہ کے ایسے متضاد نمونے اور ایسے خوشنما مناظر تمہارے سامنے پیش کر رہا ہے جن کو دیکھ کر بڑے بڑے ارباب عقول حیران اور دنگ ہیں قیامت کا دن آنے پر وہاں کے مناسب حال جن جن متضاد نمونوں اور محیر العقول مناظر کا

وعدہ دیا ہے کیا ان کے دکھانے پر قادر نہیں۔ ضرور قادر ہے اور اس کا یہ وعدہ بھی دوسرے تمام مواعید کی طرح ضرور پورا ہوکر رہیگا۔ صرف ان کے وقت کے آنے کا انتظار ہے اور وہ وقت بھی اسی کا مقرر فرمایا ہوا ہے۔ یوم الفصل بھی ایسے ہی متضاد نمونوں اور محیر العقول مناظر اپنے اندر رکھتا ہوگا۔ کیونکہ جس کا جیسا عقیدہ وعمل ہوگا اس کے مطابق اس کے حق میں فیصلہ صادر ہوگا۔ ان خیراً فخیرٌ وان شرًا فشرٌ۔ نیک ہو تو نیک اور بد ہو تو بد۔

مکذبین کی خرابی وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ۔ مکذبین کے لئے اس دن بڑی خرابی ہے" خواہ وہ یوم الفصل کو جھٹلاتے ہوں یا یہ کہ زمین، پہاڑ اور نہریں، چشمے وغیرہ جو زمین پر ہیں ان کی نسبت یہ عقیدہ رکھتے ہوں کہ یہ خود بخود پیدا ہو گئے ہیں۔ ان کا کوئی خالق نہیں ہے جیسا کہ منکرینِ خدا (دہریوں) کا خیال ہے۔ یہ بھی "مکذّبین" ہی ٹھہرے۔ اس دن ان کی بھی بڑی خرابی ہوگی۔

فقہا کا ایک استنباط فقہائے کرام نے آیۂ کریمہ اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ کِفَاتًا اَحۡیَآءً وَّاَمۡوَاتًا سے یہ مسئلہ استنباط فرمایا کہ انسان کو اس کے وفات پانے کے بعد زمین میں دفن کرنا چاہیے، کیونکہ اللہ سبحانہ نے زمین کی بالائی سطح کو ہماری زندگی بھر کے لئے مسکن بنایا ہے، اسی طرح بعد مُردن زمین کے اندرونی حصہ کو انسان کا مدفن ٹھہرایا ہے۔

اس سیدھے سادھے فطری طریقے کو چھوڑ کر جو لوگ مردے کو سکھا کر رکھتے یا آگ میں جلا دیتے اور اس کی راکھ کو پانی میں بہا دیتے یا مردے کی لاش کو گدھ اور چیل وغیرہ کو کھلا دیتے ہیں وہ خلاف فطرت، ایک طرح کا تکلف، اور مذہبی و دینی اعتبار سے بے سند اور بے اصل ہے۔

حضرت مجاہدؒ کی تفسیر حضرت مجاہدؒ ارشاد باری تعالیٰ کفاتا احیاء وامواتا کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ الرجل فی بیتہ لا یریٰ من عملہ شیئ وتکفت المیت ولا یریٰ منہ شیئ۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر) زمین کا سمیٹنا یہ ہے کہ انسان اپنے گھر میں رہتا ہے تو باہر والوں کو اس کا کوئی کام جو وہ گھر میں کرتا رہتا ہے کسی کو دکھائی نہیں دیتا۔ اسی طرح میت قبر میں دفن کردی جاتی ہے تو اس کی کوئی حالت کسی کو نظر نہیں آتی۔"

حضرت ابن مسعود کا استنباط نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:۔ انہ اخذ قملۃ فدفنھا فی المسجد ثم قرأ الم نجعل الارض کفاتا۔ (سعید بن منصور، ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، بیہقی) آپ نے ایک جوں (مسجد میں) پکڑلی پھر اس کو مسجد ہی میں دفن کردیا اور یہ آیۂ کریمہ استدلال میں پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ کیا ہم نے زمین سمیٹنے والی نہیں بنائی جو

زندوں اور مردوں دونوں کو سمیٹ لیتی ہے۔" اس سے جانوروں کے دفن کا مسئلہ بھی
مستنبط ہوتا ہے جس پر تمام اقوام کا شرقاً غرباً اتفاق اور عملدرآمد ہے۔ اسی پر انسانوں
کے دفن کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے۔

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۚ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ 77-29 77-30
ذِىْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ۙ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِىْ مِنَ اللَّهَبِ ۙ اِنَّهَا تَرْمِىْ 77-31 77-32
بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ۚ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ۙ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ 77-33 77-34

چل کر دیکھو جس چیز کو تم جھٹلاتے تھے، چلو ایک چھاؤں میں جس کی تین پھانکیں ہیں،
نہ گھری چھاؤں، اور نہ کچھ کام آئے تپش میں، وہ آگ پھینکتی ہے چنگاریاں جیسے
محل، گویا وہ اونٹ ہیں زرد، خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔"

قیامت کی ایک ہولناکی کفار قیامت کی تکذیب کرتے اور اسکی اہمیت کو
جھٹلاتے تھے۔ جب وہ دن اپنے وقت مقرر پر آجائے گا تو ان میں نہایت درجہ کی ہراسانی
پھیل جائے گی اور تمام مکذبین حواس باختہ ہوکر پریشانی کے عالم میں رہیں گے۔ ایسے
وقت میں اللہ سبحانہ کے حکم سے زبانیہ فرشتے منادی کریں گے اِنْطَلِقُوْا چلو۔" کفار
پوچھیں گے کہ کہاں چلیں؟ ایسا سوال خود بخود پیدا ہوتا بھی ہے۔ فرشتے حکم دینگے:۔
اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ۔ (کیا تم کو معلوم نہیں؟) ان ہی چیزوں کی طرف

جن کو تم جھٹلاتے رہے" روز قیامت میں سب کا دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنا، پھر ایک جگہ جمع ہونا پھر ہر شخص اپنے زمرے میں شریک ہو کر مقررہ سمت پر روانہ ہونا، پھر سوال و جواب، حساب، کتاب، ثواب و عذاب وغیرہ جو بھی جس کے لئے مقرر ہے اس کی طرف چلو۔

قیامت کی تپش | جب اپنی اپنی جگہ چل کر ٹھہرنے کا حکم ہوگا اور یہ روانہ ہوں گے تو راہ میں حد درجہ کی تپش کا سامنا ہوگا۔ اس سے بچنے کے لئے سایہ کی تلاش ہوگی۔ اہل ایمان تو عرشِ اعظم کے سایہ میں آرام و اطمینان سے ہوں گے۔ مگر کفار میں نئی قسم کی مزید سراسیمگی پھیل جائے گی اور سایہ کی درخواست کریں گے کہ چلنے کے لئے تیار ہیں لیکن اس تپش سے بچنے کے لئے کم از کم کوئی سایہ ہی مل جاتا تو بہتر ہوتا۔ حکم ہوگا:۔ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ۔ (اچھا آپ کو سایہ بھی چاہئے؟) چلو آپ کے لئے سایہ بھی تیار ہے ایسا سایہ جس کی تین شاخیں ہیں" حضرت کلبی اور حضرت قتادہ فرماتے ہیں:۔

ھو کقولہ نارا احاط بھم سرادقھا والسرادق الدخان دخان النار فاحاط بھم سرادقھا ثم تفرق فکان ثلاث شعب شعبۃ ھھنا وشعبۃ ھھنا وشعبۃ ھھنا (عبدالرزاق) یہ ارشاد الٰہی ایسا ہی ہے جیسا کہ (سورۂ کہف میں) اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے کہ (ظالموں کے لئے ہم نے تیار کر رکھی ہے) آگ کہ گھیر رہی ہیں ان کو اس کی قناتیں"۔ یہ قناتیں دھوئیں کی ہوں گی جو دوزخ سے نکلتا ہوگا۔ وہ دھواں چادر

اور قنات کی شکل اختیار کر کے ان کو گھیر لے گا۔ پھر وہ (بلند ہو کر) پھٹ جائے گا تو اس کے تین شعبے ہو جائیں گے۔ ایک حصہ یہاں (یعنی ان کے سر پر) رہیگا اور دوسرا یہاں (یعنی ان کی داہنی طرف) ہوگا اور تیسرا یہاں (یعنی ان کی بائیں طرف) ہوگا" اور یہ ہر طرف سے اس میں گھرے ہوئے ہوں گے۔

تپش میں اضافہ | لَا ظَلِيلٍ وَّلَا يُغْنِي مِنَ اللَّهَبِ ۔ نہ گہری چھاؤں اور نہ کچھ کام آئے تپش میں" سایہ کی تلاش محض ٹھنڈک اور آرام کے لئے ہوتی ہے تاکہ گرمی کی جو تپش ہو رہی ہے اس سے نجات ملے۔ اور اسی منشا کے پیش نظر یہ منکرین و مکذبین سایہ ڈھونڈ رہے تھے۔ ان کو سابقہ پڑا دوزخ کے زبردست دھویں سے جو ایک زبردست پہاڑ کی طرح اٹھا پھر بلند ہو کر تین شاخوں میں بٹ گیا۔ ایک حصہ تو رہا سر پر اور دوسرا تیسرا داہنے بائیں آکر گھیر لیا۔ بظاہر تو سایہ کی صورت پیدا ہوئی مگر یہ ہے دوزخ کا نہایت گرم دھواں۔ نہ سایہ کی سی اس میں ٹھنڈک اور خنکی' نہ اس کے مل جانے سے کسی طرح کا آرام یا آسائش۔ اور گرمی کی جو تپش' پیشتر سے تھی اس میں کسی قسم کی کمی ہونے کی جگہ اس میں اور زبردست اضافہ ہو گیا کہ وہ دھواں منہ اور ناک اور آنکھوں میں داخل ہونے سے دم گھٹنے لگا۔ تپش کم ہونے کے بدلے اور زیادہ ہو گئی۔ یہ ہر چند اس سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں مگر اس سے مفر نہیں۔

تپش میں دوسرا اضافہ | اِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ۔ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ۔

وہ آگ پھینکتی ہے چنگاریاں جیسے محل گویا وہ اونٹ ہیں زرد" پھر مزید مصیبت اور آفت یہ ہوگی کہ اس آگ کے دھویں کے ساتھ چنگاریاں اُڑتی ہوں گی ایک ایک چنگاری کسی منزلہ عالیشان عمارت کے برابر۔ دور سے اس دھوئیں کو دیکھئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زرد اونٹوں کی ایک نا متناہی قطار ہے کہ چلی آرہی ہے۔ دھوئیں کا رنگ تو سیاہ ہوگا مگر بلند ہونے اور اس کے پھٹ جانے اور تین حصوں میں بٹ جانے کے بعد اونٹ کی گردن کی طرح جا بجا کچھ حصے زیادہ بلند دکھائی دیں گے اور ان حصوں کا رنگ پھیکا پڑ کر سیاہی زردی مائل نظر آئے گی۔ اس حالت میں کوئی اس کی طرف دیکھے تو زردی مائل اونٹوں کا تانتا بندھا ہوا معلوم ہوگا۔

مکذبین کی بدحالی وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ۔ قیامت اور اس کے عذاب کو جھٹلانے والوں کی اس دن کیا ہی خرابی ہوگی" کہ روز قیامت کے اچانک نمودار ہونے سے دہشت و سراسیمگی ایک طرف۔ پھر دوزخ کی طرف چلائے جانے کے حکم سے پریشانی و ہراسانی دوسری طرف، پھر روز قیامت کی تپش، پھر دوزخ کے دھوئیں سے سابقہ، پھر اس دھویں کا ہر طرف سے احاطہ کر لینا، پھر اس میں سے چنگاریاں نکل نکل کر جلانا، پھر ایک ایک چنگاری کسی عالیشان محل کے برابر، پھر اس کا ایک نا متناہی سلسلہ کہ کہیں ختم ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔ غور کرو کہ اس دن مکذبین کی گت کیسی بن رہی ہوگی؟

هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ۙ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ۝ 77-35
77-36
وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ "یہ وہ دن ہے کہ نہ بولیں گے، اور نہ انکو اجازت 77-37

ہوگی کہ تو یہ معذرت کریں، خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی"

مکذبین کا دم بخود رہنا مکذبین و منکرین پر قیامت میں یہ سب کچھ گزر رہی ہے مگر یہ منکرین ہیں کہ دم بخود ہیں۔ کچھ بول نہیں سکتے۔ اور بولنے کس طرح، اور کس منہ سے بولتے جبکہ قیامت کی تمام تفصیلات، قرآن کریم اور حضرت رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سنادی تھیں اور ہر ہر امر کی پوری پوری وضاحت کردی گئی تھی۔ روز قیامت اگرچہ آیا نہ تھا لیکن اس کے علامات اور نشانیوں سے لیکر اس دن کی تمام ہولناکیاں اس طرح بیان فرمادی گئی تھیں کہ دیکھنے اور سننے والوں کے سامنے قیامت کا پورا نقشہ کھینچ جاتا تھا۔ یاد رکھنے والوں نے ایک ایک بیان عمر بھر یاد رکھا اور اس سے بچنے کی تدبیر میں لگے رہے، اسی طریق کے مطابق جو قرآن کریم کی آیات، اور حضرت رسول کریم کی ہدایات میں بتایا گیا تھا۔ مگر مکذبین کو کیا کیا جائے کہ ان کو تو صرف ایک ہی بات سوجھتی تھی کہ یہ جو کچھ بیان ہو رہا ہے سب من گھڑت ہے۔ یہ اساطیر الاولین ہے۔ اگلے پیغمبروں کی کہانیاں ہیں جن کو دُہرایا جا رہا ہے۔ وما نحن بمبعوثین۔ ہم دوبارہ زندہ کرکے نہیں اٹھائے جائیں گے" جب دنیا میں ان لوگوں نے ایسا جواب دے دیا تھا تو

آخرت میں ان کو کچھ کہنے کا حق باقی نہیں رہا۔ اب دم بخود رہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ رہی یہ بات کہ معذرت کریں اور اپنے کیے پر پشیمانی کا اظہار کر کے توبہ کریں تو اُس دن اس کا بھی موقع نہیں۔ حضرات انبیا علیہم الصلاۃ والسلام جو معصومین اور مقربان بارگاہ ہیں وہ بھی اذن الٰہی کے بغیر کچھ عرض نہ کر سکیں گے۔ من ذا الذی یشفع عندہٗ الا باذنہ "وہ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر، اس کے پاس کسی کی سفارش کر سکے" تو ان مجرمین مکذبین کی کیا مجال ہے کہ عذر خواہی کر سکیں ان کو کچھ کہنے کی اجازت تک نہ ہوگی، تو غور کرو کہ ان مکذبین کا اس دن کیا حال ہوگا؟

اس تقریر سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ان لوگوں کے پاس حقیقۃً کوئی عذر ہوگا اور محض اجازت نہ ملنے کی وجہ سے وہ دم بخود اور خاموش رہیں گے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی عذر ہی نہ ہوگا جو لائق پیش رفت اور قابل سماعت ہو۔

مکذبین پر خدا کی مار چنانچہ ارشاد ہو رہا ہے: ۔ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی" کہ مار پر مار پڑ رہی ہے۔ ایک آفت نہیں سینکڑوں ہزاروں آفات ہیں مگر لب کشائی کا موقع تک نہیں ہے۔ اور نہ کوئی معذرت ہی کیجا سکتی ہے

ایک اشکال اور اس کا جواب نافع بن الازرق اور عطیہ نے حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا: ۔ یا ابن عباس اخبرنا عن قول اللہ ھذا یوم لا ینطقون وقولہ ثم انکم یوم القیامۃ عند ربکم تختصمون وقولہ واللہ ربنا ما کنا مشرکین وقولہ ولا یکتمون اللہ حدیثا قال ویحک یا ابن الازرق انہ یوم طویل وفیہ مواقف تأتی علیھم ساعۃ لا ینطقون ثم یؤذن لھم فیختصمون ثم یمکثون ما شآء اللہ یحلفون ویجحدون فاذا فعلوا ذلک ختم اللہ علی افواھھم ویامر جوارحھم فتشھد علی اعمالھم بما صنعوا ثم تنطق السنتھم فیشھدون علی انفسھم بما صنعوا قال وذلک قولہ ولا یکتمون اللہ حدیثا۔ (عبد بن حمید) یا ابن عباسؓ! ہمیں یہ تبلا یئے کہ اللہ سبحانہ کا ایک جگہ ارشاد ہے: ۔ "یہ وہ دن ہے کہ وہ اس میں کچھ بول نہ سکیں گے" اور دوسری جگہ یوں ارشاد ہو رہا ہے: ۔ "پھر تم اپنے رب کے پاس بحث کرتے رہو گے" اسی طرح ایک جگہ ارشاد باری ہوتا ہے: ۔ "اللہ کی قسم! جو ہمارا رب ہے ہم مشرکین سے

نہ تھے" اور دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے :۔ وہ اللہ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے"۔ (بظاہر ان آیات کریمہ میں تضاد معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں کفار و مشرکین سے ایسے متضاد اقوال صادر ہوں گے) اس پر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا :۔ ابن الازرق ! افسوس اور تعجب کی بات ہے (کہ تم اتنی سی بات نہ سمجھ سکے) بات یہ ہے کہ قیامت کا دن بہت دراز ہوگا (وہ پچاس ہزار برس کا ایک دن ہوگا) اس میں سب کے لئے کئی مواقف ہوں گے یعنی کئی مختلف مقامات اور حالات سے سابقہ پڑے گا۔ ان پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ وہ کچھ بول نہ سکیں گے۔ پھر ان کو اجازت دی جائے گی تو وہ بحث کرنے لگیں گے ۔ پھر اللہ سبحانہ کو جب تک منظور ہوگا وہ اسی طرح بحثیں کرتے قسمیں کھاتے اور اپنے ایک ایک جرم سے انکار کرتے رہیں گے ۔ جب یہ سب کچھ کر چکے تو اللہ سبحانہ ان کے منہ پر مہر لگا دیگا اور ان کے اعضاء و جوارح کو حکم ہوگا کہ تم بتاؤ ۔ ان لوگوں نے تم سے کیا کیا کام لئے ؟ اس وقت وہ ان کے جملہ اعمال کی گواہی دیں گے ۔ پھر ان کی زبان بھی بولنا شروع کرے گی کہ بے شک ہم نے یہ یہ کام کئے ۔ اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ سبحانہ نے یہی فرمایا کہ اس وقت وہ اللہ سبحانہ کے آگے ایک بات بھی چھپا نہ سکیں گے"۔ نافع ابن الازرق اور حضرت ابن عباسؓ کے اس مکالمہ کی روایت حاکم نے بھی بروایت صحیحہ کی ہے اور حضرت عبادہ بن صامتؓ وغیرہ اصحاب نے بھی اس اشکال کا اسی طرح جواب دیا ہے ۔ الفاظ مختلف ہیں مگر مفہوم یہی ہے ۔

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ○ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ 77-38 77-39
فَكِيْدُوْنِ ○ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ○ یہ ہے دن فیصلے کا، جمع کیا ہم نے 77-40
تم کو اور اگلوں کو، پھر اگر کچھ داؤ ہے تمہارا تو چلا لو مجھ پر، خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔

یوم الفصل کی تفسیر | هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ "جس دن کا تم کو انکار تھا، لو یہ آگیا۔
یہی دن یوم الفصل ہے جس میں حق و باطل کا صاف و صریح فیصلہ سنایا جائے گا۔ نیز یہ دن یوم الفصل اس وجہ سے بھی ہے کہ تمام تعلقات اور تمام دنیوی رشتے وہ سب آج منقطع ہیں۔ کوئی کام نہ آئے گا۔ بھائی بھائی سے بھاگتا ہوگا، اور بیٹا اپنے ماں باپ سے، شوہر بی بی سے اور دیگر اہل قرابت اپنے عزیزوں رشتہ داروں سے، حاکم محکوم سے، دوست دوست سے سب ایک دوسرے سے جدا ہیں اور کوئی کسی کے کام آنے کے لئے تیار و آمادہ نہیں ہے۔ یہ ہے یوم الفصل آج تمہارے تمام مقدمات، نزاعات اور باہمی اختلافات کا فیصلہ ہوگا

جمعنکم کی تفسیر | جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ۔ ہم نے اکٹھا کیا ہے تم کو اور تمہارے تمام اگلوں کو بھی" تاکہ ہر ہر امر کا کھلا فیصلہ علی رؤس الاشہاد سب کے سامنے کر دیا جائے۔ اور کسی کو کسی قسم کا کوئی عذر باقی نہ رہے۔ تم کو اس کا بھی انکار تھا کہ سب یک دم کس طرح مریں گے، اور کیونکر زندہ ہو کر اٹھیں گے۔ اب تم نے دیکھ لیا کہ سب کے سب جو قیامت کے قریب تک زندہ تھے مر بھی گئے اور جب زندہ ہونے کا وقت آیا تو از آدم تا ایں دم جتنے

پیدا ہوتے اور مرتے آئے تھے وہ سب نہ صرف زندہ کر دئے گئے بلکہ ان سب کو میدان محشر میں ہم نے جمع کر دیا ہے۔ چونکہ آج فیصلہ کرنا ہے اس لئے مدعی' مدعی علیہ' شہود اور عامۃ الناس سب کو ایک ساتھ حاضر کر دیا گیا ہے۔ عندالاحناف قضاء علی الغائب ناجائز ہے۔ یہاں اس کی بھی رعایت ہے جو کچھ ہوگا وہ سب کے سامنے ان کی موجودگی میں ہوگا۔

کَیْدٌ کی تفسیر | فَاِنْ کَانَ لَکُمْ کَیْدٌ فَکِیْدُوْنِ۔ پھر اگر تمہارا کوئی داؤ ہے تو ہمارے مقابلے میں اگر ہو سکے تو اس کو بھی چلا لو" یعنی دنیا میں کوئی تمہاری وکالت کرتا تھا اور مقدمہ بازی میں تم کو مدد دیتا تھا۔ کوئی تمہاری سفارش کرتا تھا اور تم خود کبھی کوئی عذر و حیلہ کرتے حاکم کو دھوکہ دیتے اور دغا و فریب سے کام لیتے تھے تم نے جن جن کو اپنا معبود بنا رکھا تھا ان کی نسبت تم کہتے تھے: ھٰؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰہِ یہ بُت اللہ کے ہاں ہماری سفارش کرنے والے ہیں" کوئی گستاخ تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ دوزخ کے انیس ۱۹ فرشتوں میں سے سترہ کے لئے تو میں اکیلا بس ہوں" آج ہم نے تم سب کو اکٹھا کر دیا ہے اور تمہارے اگلوں کو بھی اٹھا لائے ہیں۔ اب تم سب مل کر رائے مشورہ کر دو اور ہماری گرفت سے چھوٹنے کی کوئی تدبیر ہو سکتی ہے تو سب کچھ کر گزرو۔ دیکھو کہ تمہارا کوئی داؤ چل سکتا ہے؟ اگر چل نہیں سکتا اور یقیناً نہیں چل سکتا تو ہماری یہی پیشنگوئی درست ہوگی۔

حضرت عبادہ کی تقریر | وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ۔ خرابی ہے اس دن

ان آیات بینات کی بھی تکذیب کرنے والوں کی" ابو عبداللہ جدلی کہتے ہیں :— اتیت بیت المقدس فاذا عبادۃ بن الصامت وعبد اللہ بن عمرو وکعب الاحبار یتحدثون فی بیت المقدس فقال عبادۃ اذا کان یوم القیامۃ جمع الناس فی صعید واحد فینفذھم البصر ویسمعھم الداعی ویقول اللہ ھذا یوم لا ینطقون' ھذا یوم الفصل جمعناکم والاولین' فان کان لکم کید فکیدون' الیوم لا ینجو منی جبار ولا شیطان مرید ۔ میں بیت المقدس آیا تو وہاں حضرات عبادہ بن الصامت رضؓ اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضؓ اور کعب الاحبار رضؓ بیت المقدس میں باہم گفتگو فرما رہے تھے ۔ حضرت عبادہ رضؓ نے فرمایا :— جب قیامت کا دن ہوگا تو تمام لوگ ایک ہی سرزمین میں جمع کردئے جائیں گے اس طرح کہ سب پر نظر پڑتی اور کام کرتی ہوگی اور ایک ایک داعی کی آواز سب تک پہنچتی اور ہر شخص اس کو سنتا ہوگا ۔ اس وقت اللہ سبحانہ کا ارشاد ہوگا :— یہ وہ دن ہے جس میں یہ لوگ کچھ بول نہیں سکتے ۔ یہ فیصلے کا دن ہے' ہم نے تم سب کو اور تمہارے تمام اگلوں کو ایک جگہ جمع کردیا ہے' اب اگر تمہارا کوئی داؤ چل سکتا ہے تو تم سب مل کر اس کو ہمارے مقابلہ میں چلالو ۔ آج کا وہ دن ہے کہ نہ کوئی زبردست سے زبردست تر انسان' ہم سے بچ سکتا ہے اور نہ سرکش سے سرکش تر جن و شیطان' ہم سے چھوٹ کر نجات حاصل کر سکتا ہے ۔"

سرکش کفار حساب سے پہلے جہنم میں

فقال عبد اللہ بن عمروؓ انا نجد فی الکتاب انہ یخرج یومئذ عنق من النار فینطلق معنقا حتی اذا کان بین ظہرانی الناس قال یا ایہا الناس انی بعثت الی ثلاثۃ انا اعرف بھم من الوالد بولدہ ومن الاخ باخیہ لا یغنیھم منی وزر ولا تخفیھم منی خافیۃ الذی یجعل مع اللہ الھا آخر وکل جبار عنید وکل شیطان مرید قال فینطوی علیھم فیقذفھم فی النار قبل الحساب باربعین اما قال یوما اما عاما۔ یہ سنکر حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے فرمایا: ہم کتاب اللہ (توریت شریف) میں یہ صراحت بھی پاتے ہیں کہ اس دن دوزخ سے آگ کا ایک زبردست شعلہ گردن نما بلند ہوگا اور تیزی سے بڑھتا جائے گا جب وہ لوگوں کے پاس پہنچ جائے گا تو کہیگا: لوگو! میں تین گروہوں کی طرف بھیجا گیا ہوں جن کو میں خوب پہچان لیتا ہوں ایسا کہ باپ بھی اپنے بچے کو اور حقیقی بھائی بھی اپنے حقیقی بھائی کو اتنا نہیں پہچان سکتا۔ نہ ان کی شان وشوکت مجھ سے ان کو بچا سکتی ہے اور نہ ان کی کوئی بات مجھ سے چھپ سکتی ہے۔ ایک تو وہ گروہ جو اللہ سبحانہ کے سوا اور کسی کو اپنا معبود بنا لیا ہوا تھا۔ دوسرا انسانوں کا وہ گروہ جو خود کو زبردست سے زبردست تر سمجھکر احکام الٰہی کی مخالفت پر تُلا ہوا تھا۔ تیسرا جن وشیاطین کا وہ گروہ جو (اللہ سبحانہ سے) سرکشی کرتا رہا۔ پھر انھوں نے فرمایا کہ وہ گردن نما شعلہ ان کو اپنے اندر لپیٹ لیگا پھر حساب و

کتاب سے چالیس ؍ پیشتر ہی ان کو آگ میں جھونک دے گا۔" ابو عبداللہ جدلی کہتے ہیں کہ حساب سے چالیس دن پیشتر کہا یا چالیس سال پیشتر فرمایا' یہ مجھے یاد نہ رہا۔"

مومنین صادقین حساب سے پہلے جنت میں | قال ویہرع قوم الی الجنۃ فتقول لھم الملائکۃ قفوا للحساب فیقولون واللہ ما کانت لنا اموال وما کنا بعمّال فیقول اللہ صدق عبادی انا احق من اوفی بعھدی ادخلوا الجنۃ فیدخلون الجنۃ قبل حساب باربعین امّا قال یوما و امّا عاما (سعید بن منصور، ابن ابی شیبہ، ابن المنذر) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا:۔ اور ایک قوم (اس دن) جنت کی طرف دوڑی جائے گی۔ اس پر ان کو فرشتے حکم دیں گے کہ حساب دینے کے لئے ٹھہر جاؤ۔" وہ کہیں گے:۔ (ہم حساب کس چیز کا دیں) خدا گواہ ہے کہ نہ تو ہمارے ہاں کچھ مال و متاع تھا اور نہ ہم کہیں کے حاکم تھے۔" اس پر ارشاد الہٰی ہوگا:۔ میرے یہ بندے سچ کہتے ہیں اور میں ہی اس کا زیادہ حق رکھتا ہوں کہ جو عہد میں نے ان سے کیا ہے اس کو پورا کر دکھاؤں۔ جاؤ تم سب جنت میں داخل ہو جاؤ۔ وہ سیدھے جنت میں چلے جائیں گے حساب و کتاب سے چالیس ؍ پیشتر ہی۔ راوی کہتے ہیں کہ چالیس دن پیشتر کہا یا چالیس سال پیشتر؟ مجھے یاد نہیں۔ یہ مومنین کاملین کی شان ہے جن کا بیان آگے آ رہا ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ۭ كُلُوْا 77-41 77-42
وَاشْرَبُوْا هَنِيْۗـــًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ 77-43 77-44
وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ البتہ جو ڈرنے والے ہیں وہ سایے میں ہیں اور نہروں 77-45
میں اور میوے جس قسم کے وہ چاہیں، کھاؤ اور پیو مزے سے، بدلا ان کاموں کا جو تم کرتے
رہے، ہم ایسا دیتے ہیں بدلا نیکی والوں کو، خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔"

متقین کے لئے سایہ | تقریر بالا کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ مکذبین یعنی جھٹلانے والوں کے لئے تو یہ سزائیں مقرر ہیں تو غیر مکذبین کے لئے کیا سرفرازیاں ہیں؟ اس کا جواب دیا جارہا ہے کہ خدا سے ڈرنے والوں کی شان نہ پوچھو وہ اس دن سایے میں ہوں گے اور چشموں اور نہروں کے پاس۔ یہ سایہ ایک نہیں بلکہ کئی سایے۔ پہلا سایہ تو خود ان کے اعمال صالحہ کا ہوگا کہ ایک ایک عمل ان پر سایہ فگن ہوکر اس دن کی تپش سے نجات دلائیگا۔ متقین کا ایمان، نماز، روزہ، زکاۃ، حج، جہاد، ریاضت، ذکر، شغل، شب بیداری، دعا و زاری، ابر رحمت بن کر ان کے آرام و آسائش کا موجب ہوگی، پھر جنت کے باغات، اور اس کے سرسبز پھیلے ہوئے گنجان درختوں کا سایہ، ان کی خوشگوار ہوائیں، خوشبودار پھولوں کی مہک لی ہوئی ان کے مشام کو معطر اور دل و دماغ کو سکون اور تازگی بخشتی ہوں گی۔ نیز جیسا کہ اوپر بتایا گیا متقین زیر سایہ عرش اعظم ہوں گے۔ اس سایہ فضل و رحمت کا کیا پوچھنا؟۔

متقین کیلئے نہریں | اسی طرح وہاں کے چشمے اور نہریں جن کا پانی ہمیشہ صاف و شفاف رہیگا۔ نہریں دودھ کی جن کا ذائقہ کبھی متغیر نہیں ہوگا' نہریں شراب کی جس کے پینے سے لذت ہی لذت حاصل ہوگی دنیا کی شراب کی طرح لغویت پیدا کرنے والی اور گناہ پر مائل کرنے والی نہیں۔ اور نہریں صاف کئے ہوئے شہد خالص کی جس کا ذائقہ افعال و خواص وہاں کی مناسبت رکھتے ہوں گے۔

متقین کے لئے میوے | وَفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُونَ۔ اور میوے جس قسم کے بھی وہ چاہتے ہوں"۔ دنیا کے میووں کا یہ حال ہے کہ سرما کا میوہ گرما میں میسر نہیں آسکتا۔ اور نہ گرما کا سرما میں۔ جنت کے میووں کا یہ حال ہوگا۔ **تؤتی اکلھا کل حین**۔ وہاں کے تمام درخت اپنا اپنا میوہ ہروقت دیتے رہیں گے۔ موسم تک انتظار کی ضرورت نہ ہوگی پھر یہاں کے میووں کا یہ حال ہے کہ کسی کا پوست کھایا جاتا ہے تو کسی کا مغز یا رس اور کسی کا بیج کارآمد ہوتا ہے اور کسی کے بیج کے اندر کا مغز' باقی دوسری چیزیں پھینکنے میں جاتی ہیں۔ وہاں کے میووں کا یہ حال ہوگا کہ اس کی ہر چیز مفید و کارآمد ہوگی۔ پوست ہو یا مغز' رس ہو یا ہڈی' نیز یہ کہ دنیا میں موسم پر بھی کوئی میوہ جیسا چاہے میسر نہیں ہوتا۔ وہاں ہر چیز آپ کی پسند اور خواہش کے مطابق ہوگی بلکہ تمنا سے زائد اس میں لطف و خوشگواری ہوگی۔ یہ سب اس وجہ سے کہ متقین جب تک دنیا میں رہے اپنی مرضی پر مرضی مولا کو

مقدم جاتا۔ آج یہ ارشاد ہوگا کہ بندے! تو کیا چاہتا ہے؟ ہم اس کے مطابق ہر چیز کا انتظام
کئے دیتے ہیں۔

متقین کے لئے اذن عام | كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ، کھاؤ
اور پیو مزے سے، بدلے میں ان کاموں کے جو تم کیا کرتے رہے۔" دنیا کے کھانے پینے کا یہ حال تھا
کہ کوئی چیز من مانے میسر ہی نہیں آتی تھی۔ اکثر رکاوٹیں اس میں حائل رہتی تھیں، اگر میسر بھی
گئی تو بسا اوقات وہ مزاج کے موافق نہیں آتی تھیں۔ یہاں کوئی رکاوٹ نہیں۔ پھر
جو چیز آرہی ہے لطف و خوشگواری اپنے ساتھ لئے آرہی ہے۔ یہ تمام ان سایوں، اور
چشموں اور نہروں اور میووں کا بیان ہوا جو تمہارے اعمال صالحہ کے بدلے میں تم کو میسر
آئینگی۔ رہا اللہ سبحانہٗ کا فضل اور اس کی رحمت، اس کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ فضل الہٰی اور اسکی
رحمت نا متناہی ہے جو سرفرازیاں ہونگی ان کا کوئی حساب نہیں کرسکتا اور نہ کوئی اس کی
حد بیان کرسکتا ہے۔

متقین محسنین کا اعزاز | اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ۔ ہم ایسا عظیم الشان
نیک بدلا دیتے ہیں نیکی والوں کو۔" سوال ہو رہا تھا کہ جن لوگوں نے اللہ کی اور اللہ سبحانہٗ کے
بھیجے ہوئے رسولوں کی اور اسکی اتاری ہوئی کتابوں کی اور نظر نہ آنے والے فرشتوں کی اور
ہر ہر چیز سے متعلق اس کی تقدیر کی اور عالم غیب و شہادت کی بابتہ جو خبریں دی گئی ہیں انکی

تصدیق کی، ان کا دل سے یقین کیا اور زبان سے اقرار کیا، اور ہاتھ پاؤں اور تمام اعضا وجوارح سے اس کے حکم کے مطابق کام لیتے رہے اس طرح کہ اللہ سبحانہ کو وہ دیکھ رہے ہیں یا کم از کم وہ ہر آن وہر لحظہ ان کو دیکھ رہا ہے ان کی جزا وہ ہے جو اوپر بیان ہوئی کہ متقین سایوں میں رہیں گے، چشموں اور نہروں کے پاس، نیز ان کے لئے وہ تمام میوے فراہم کئے جائیں گے جن کو وہ چاہتے ہوں گے۔ (دوسری کھانے پینے کی چیزوں کا کیا ذکر؟) اذن عام ہوگا کہ خوب مزے سے کھاؤ، پیو، یہ جزا ہے ان کاموں کی جو تم دنیا میں ہم سے ڈر کر کرتے رہے اور منہیات سے بچتے رہے اور ہر دم ہماری لو لگائے رکھے تھے۔ ان محسنین کی جزا ایسی شاندار ہوگی

مکذبین کی پریشانی اور متقین کی شادمانی

وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ۔ خرابی پر خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی، کہ جھٹلانے والے ان نعمات اور عنایات و سرفرازیوں کو جو مصدقین متقین کے حال پر ہونگی ان میں سے ایک انعام و عنایت و سرفرازی کو دیکھ دیکھ کر جلتے اور خود پر آہ اور واویلا کرتے رہیں گے۔ کیونکہ متقین مصدقین کے لئے جتنا سامان ان کی مسرت اور شادمانی کا مہیا ہوگا، اتنی ہی ندامت حسرت اور پریشانی مکذبین کو رہیگی۔ نہ اسکی کوئی حد ہے نہ اسکی کوئی انتہا۔ جب ہاں کی یہ صورت حال ہوگی تو کفار کو ابھی سے مخاطب فرمایا جارہا ہے:

كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ 77-46 77-47

کھالو اور برت لو کچھ دن ' بے شک تم مجرم ہو ۔ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی "۔

حضرت ابن زیدؓ نے اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں فرمایا ۔ عنی بذلك اھل الکفر (ابن جریر) اس سے کفار مراد ہیں " یعنی یہاں سے پھر کفار کا بیان شروع ہوتا ہے اور ان کو مخاطب فرمایا جا رہا ہے ۔

کفار سے خطاب اے منکرو ! اور اے کفار فجار ! مومنین متقیں کے لئے دار آخرت میں جو تیاریاں کی گئی ہیں ان کا حال سن چکے ۔ اگر کھانا پینا ہی مقصود ہے تو کیا یہ دو روزہ دنیا ' اور اس کا کھانا پینا ' آخرت کو سدھارنے کی کوشش کرو جہاں سب کو ابدالآباد رہنا ہے ۔ وہاں کا کھانا پینا بھی وہ لطف جو بیان میں نہیں آسکتا ۔ اگر اس سے اعراض و انکار کرتے ہو اور یہیں کے کھانے پینے پر جان دیتے ہو تو کھاؤ پیو مزے اڑاؤ مگر یاد رکھو کہ دار آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مدت کچھ نہیں ۔ باقی کے مقابلے میں فانی کو ترجیح دینا دانشمندی نہیں ۔ دنیا نے کس کا ساتھ دیا ہے جو تمہارا ساتھ دیگی لو بالفرض اگر اس نے از ابتدا تا انتہا تمہارا ساتھ دیا اور پیدا ہونے کے زمانے سے لیکر مرنے تک تم مزے اڑاتے رہے اور آخرت کو فراموش کر دیا تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی مجرم کے حق میں پھانسی کی سزا تجویز ہو چکی ہے مگر اس کو اس کی خواہش کے مطابق ہر چیز دی جا رہی ہے ' تو کیا یہ کوئی خوشی کی بات ہے ؟

ویل کی تفسیر | وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ۔ خرابی ہے اس دن ان جھٹلانے
والوں کی جو دار آخرت اور اس کی نعمتوں کی تکذیب کرتے آئے ۔ نہ وہاں کی ٹھنڈی
خوشگوار چھاؤں کو تسلیم کیا اور نہ وہاں کے چشموں اور نہروں کا یقین کیا' نہ وہاں کے
میوے اور دوسری ہمہ قسم کی نعمتوں کو خاطر میں لایا ۔ بلکہ اس کے مقابل اس دنیائے دنی
کے کھانے پینے ہی کو اپنی زندگی کا مقصد بنائے رکھا ۔ حالانکہ یہاں کا کھانا پینا صرف
جان کو باقی رکھنے اور اپنے اوقات عزیز کو یاد الہٰی میں بسر کرکے آخرت کی تیاری کیلئے
تھا ۔ حضرت سعدیؒ نے کیا خوب فرمایا ؎

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است   تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

وَاِذَا قِیۡلَ لَهُمُ ارۡکَعُوۡا لَا یَرۡکَعُوۡنَ ۝ وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ۝ 77-48
77-49

اور جب ان سے کہا جائے کہ جھک جاؤ' تو نہیں جھکتے' خرابی ہے اس دن جھٹلانے
والوں کی ۔"

ارکعوا کی تفسیر | آیۂ سابقہ میں کفار کی نسبت ارشاد ہوا تھا انکم مجرمون ۔ تم
سب مجرم ہو ۔" گویا ان سب کو حاضر کرکے مخاطب فرمایا گیا تھا ۔ جب انھوں نے اس خطاب
اور دربار الہٰی میں اپنی حاضری کی قدر نہ جانی اور امر ربانی کو نہ مانا تو ان کو دربار دربار
سے ہٹا دیا گیا اور غائب کی ضمیر سے یاد فرمایا جا رہا ہے : ۔ وَاِذَا قِیۡلَ لَهُم ۔ اور

جب اُن سے کہا جاتا ہے" گویا ان پر عتابِ الٰہی ہو رہا ہے کہ یہ خبیث لائق خطاب نہیں ہیں ان کو یہاں سے ہٹا دیا جائے یہ تو ایسے متکبر اور ایسی رعونت اور نخوت رکھتے ہیں کہ ان کو ہمارے احکام کے آگے جھک جانے اور ان کو قبول کرنے کے لئے کہا جاتا ہے تو وہ ان کے آگے جھکتے تک نہیں پھر ان سے کیا توقع ہو سکتی ہے کہ وہ ہمارے احکام مانیں گے اور ان پر عمل پیرا ہوں گے؟ بہر حال ایک تفسیر یہ ہے کہ یہاں اِرْكَعُوْا سے تواضع وانکسار اختیار کرنا اور عام احکام کو ماننا مراد لیا جائے۔

دوسری تفسیر دوسری تفسیر یہ ہے کہ اِرْكَعُوْا سے مراد ہے صَلُّوْا یعنی نماز پڑھو" یہ تفسیر ذکر الجزء وارادۃ الکل کے اصول پر مبنی ہے۔ یعنی کبھی کسی چیز کے ایک جزو کا ذکر کرتے ہیں اور اس سے کل مراد لیتے ہیں۔ رکوع بھی نماز کا ایک جزو اور منجملہ اور ارکان کے ایک رکن عظیم ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جب ان کو نماز پڑھنے کے لئے کہا جائے تو نماز تک نہیں پڑھتے۔ موذن روزانہ پانچ دفعہ نماز کی دعوت دیتا ہے مگر یہ ہیں کہ اس کی دعوت کو جو منجانب اللہ دی جا رہی ہے قبول نہیں کرتے۔ اس تفسیر کی رو سے تارکین نماز کی بڑی مذمت بیان فرمائی جا رہی ہے کہ نماز کو چھوڑ دینے والے بھی ان مجرمین میں شامل ہیں جو تکذیب کرتے ہیں۔ یا یہ کہ تارکین نماز کے لئے ڈر لگا ہوا ہے کہ کہیں ان کا حشر مکذبین کے ساتھ ہو اور ان کا شمار مکذبین میں نہ کیا جائے۔ حدیث شریف ہے: ــ من ترک الصلاۃ

متعمداً فقد کفر جہاراً۔ جس نے نماز دانستہ چھوڑ دی اس نے علانیہ طور پر کفر کیا یا کافروں سا کام کیا۔" معاذ اللہ! معاذ اللہ!!

تیسری تفسیر | تیسری تفسیر یہ ہے کہ ارکعوا سے مراد حقیقۃً رکوع ہی ہے۔ روح البیان میں ہے:۔ کانوا فی الجاھلیۃ یسجدون للاصنام ولا یرکعون لھا فصار الرکوع من اعلام صلاۃ المسلمین۔ زمانۂ جاہلیت میں کفار اپنے بتوں کے آگے سجدہ کیا کرتے تھے لیکن رکوع نہیں کرتے تھے (مسلمان ہونے کے بعد جب ان کو رکوع کا حکم ہوا تو ایک اچنبھا معلوم ہونے لگا اس موقع پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی) اور رکوع اہل اسلام کی نماز کی ایک خاص علامت قرار پائی۔"

شان نزول | حضرت مقاتل فرماتے ہیں:۔ ان الآیۃ نزلت فی ثقیف قالوا للرسول علیہ الصلاۃ والسلام حط عنا الصلاۃ فانا لا نجبی فانھا مسبۃ علینا فقال علیہ الصلاۃ والسلام لا خیر فی دین لیس فیہ رکوع ولا سجود۔ (ابوداؤد، طبرانی، وغیرہما) یہ آیہ کریمہ قبیلۂ ثقیف کے بارے میں نازل ہوئی انھوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ ہم سے نماز کی ذمہ داری ساقط فرما دیجئے ہم گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑا نہیں ہوا کرتے یعنی کسی کے آگے جھکتے نہیں کیونکہ یہ ہمارے لئے عار اور عیب ہے۔ اور ایسا حکم ہمارے حق میں گالی دینے کے

برابر ہے۔ اس پر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس دین میں کوئی بھلائی نہیں جس میں رکوع و سجود نہ ہو۔"

چوتھی تفسیر حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ هذا یوم القیامة یدعون الی السجود فلا یستطیعون السجود من اجل انهم لم یکونوا یسجدون لله فی الدنیا (ابن جریر) کفار سے یہ خطاب قیامت کے دن ہوگا۔ ان کو اللہ سبحانہ کے آگے سر بسجود ہونیکا حکم دیا جائے گا (وہ سجدہ کرنا بھی چاہیں گے مگر) یہ ان سے نہ ہو سکیگا۔ اس وجہ سے کہ وہ دنیا میں اللہ سبحانہ کے آگے سر بسجود نہیں ہوتے تھے۔"

رکوع کی اہمیت حضرت قتادہ فرماتے ہیں:۔ علیکم باحسان الرکوع فان الصلاة من الله بمکان قال و ذکر لنا ان حذیفة رأی رجلا یصلی ولا یرکع کانه بعیرنا فرقال لومات هذا امامات علی شیئ من سنة الاسلام۔ رکوع کو اچھی طرح ادا کرنے کی عادت رکھو کیونکہ نماز کی اللہ سبحانہ کے ہاں بڑی اہمیت ہے۔ یہ بھی فرمایا ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز تو پڑھتا ہے مگر رکوع اچھی طرح ادا نہیں کرتا گویا کہ وہ بھاگتا ہوا اونٹ ہے۔ اس کو اس طرح دیکھ کر فرمایا کہ اگر یہ اسی حالت میں مرجائے تو اسکی موت طریقۂ اسلام پر نہ ہوگی"۔ کیونکہ اسلام تو نماز میں خشوع و خضوع اور سکون واطمینان کی

تعلیم دیتا ہے۔ اور اس کا عمل اس کے برخلاف ہے۔

رکوع کما حقہ ادا نہ کرنے کی مذمت | قال وحدثنا ان ابن مسعودؓ رأی رجلا یصلی ولا یرکع وآخر یجر ازارہ فضحک قالوا ما یضحکک یا ابن مسعود قال اضحکنی رجلان احدھما لا ینظر اللہ الیہ والآخر لا یقبل اللہ صلاتہ

(عبدبن حمید، ابن جریر، ابن المنذر) قتادہ نے یہ بھی فرمایا کہ ہم سے یہ حدیث بھی بیان کی گئی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھتا ہے لیکن رکوع نہیں کرتا۔ اور دوسرا اپنا تہبند یا پاجامہ اتنا لانبا پہنا ہوا ہے جو ٹخنوں سے نیچے ہو کر زمین جھاڑ رہا ہے۔ اس پر آپ ہنس پڑے۔ لوگوں نے دریافت کیا۔ ابن مسعودؓ آپ کس بنا پر ہنس رہے ہیں؟ تو فرمایا ان دو اشخاص پر مجھے ہنسی آگئی۔ ان میں سے ایک تو وہ ہے کہ اللہ سبحانہ اس کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائیگا اور دوسرا وہ ہے کہ اللہ سبحانہ اس کی نماز کو قبول نہیں فرمائیگا۔

عرض فقیر | فقیر عرض کرتا ہے کہ رکوع نماز کا رکن عظیم ہے۔ قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں بار بار اس کی صراحت اور تاکید وارد ہوئی ہے اور اسی سے معلوم ہوا کہ رکوع اسلامی نماز کا طرۂ امتیاز ہے۔ شرع شریف کا حکم ہے کہ اگر نماز کا کوئی رکن بھولے سے بھی ادا نہ ہو تو اس کا اعادہ واجب ہے پھر کوئی ایسے رکن عظیم کو بالارادہ ترک کرے یا اسکے

طریقہ کے مطابق ادا نہ کرے تو وہ اللہ سبحانہ کی نظر رحمت کا کیونکر مستحق ہوگا ؟ اسیطرح ٹخنوں سے نیچا پاجامہ یا تہ بند پہننا شریعت اسلامیہ میں منع ہے۔ احادیث شریفہ میں اس کی مذمت آئی ہے کیونکہ اس میں کئی قباحتیں ہیں۔ جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ مختصر یہ کہ اس میں کپڑے کا اسراف ہے۔ اور کپڑا زمین پر لگنے سے اس کے پلید ہو جانے کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔ اگر کپڑا پلید ہو جائے تو نماز نہ ہوگی۔ راستہ طے کرنے میں اس سے رکاوٹ ہوتی ہے اور کپڑا پاؤں میں آجانے سے انسان کے ٹھوکر کھانے اور گرنے کا خوف لگا رہتا ہے۔ جہاد میں دوڑ دھوپ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ صورت ضرر رساں ہے۔ اس کے علاوہ حدیث شریف میں اس کی حد یہ تبلائی گئی ہے الازار الی نصف الساق فان ابیت فاسفل فان ابیت فلاحق للازار فی الکعبین۔ پاجامہ یا تہ بند نصف ساق (پنڈلیوں) تک رہنا چاہیئے۔ اگر تمھارا نفس گوارا نہیں کرتا تو اس سے ذرا نیچا بنالو۔ اگر یہ بھی گوارا نہیں تو (ٹخنوں سے کچھ اوپر تک) لیکن پاجامہ کا کوئی حق ٹخنوں میں نہیں ہے۔ یعنی ٹخنے کھلے رہیں۔ ٹخنوں سے نیچے تک پاجامہ پہننا متکبرین کی علامت ہے۔ اور اس سے بچنا امتہ مسلمہ کی علامت۔

ویل کی تفسیر | وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ۔ خرابی ہے اس دن ان

احکام کو جھٹلانے والوں کی "۔ مومن کا فریضہ ہے کہ وہ اللہ سبحانہ کے احکام کے آگے جھک جائے۔ اور جو حکم دیا جائے اس کو صدق دل سے تسلیم کرکے اس پر عمل پیرا ہو کیونکہ اسلام کے معنی ہی یہ ہیں:۔ الاسلام مسلمان شدن و گردن نہادن بطاعت احکام کو مان لینا اور ان کی بجا آوری کے لئے سر جھکا دینا۔ خواہ وہ حکم نماز کا ہو یا رکوع و سجود کا۔ یا اور کسی امر کا۔ بہر حال جملہ اوامر و نواہی کو قبول کرنا لازم ہے۔ کسی کو ماننا اور کسی کو نہ ماننا یومنون ببعض و یکفرون ببعض کا مصداق ہے۔ کسی ایک حکم کا انکار جملہ احکام کے انکار کے برابر ہے۔ اور منکرین و مکذبین کی اس دن بڑی تباہی و بربادی ہے۔ اعاذنا اللہ من ذلک۔

ع ۱۰/۳ ۲۲ فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَہٗ یُؤۡمِنُوۡنَ ۵۰ "اب کس بات پر اس کے بعد یقین لائیں گے؟"

قرآن کریم کی اہمیت یعنی کفار خصوصاً کفار قریش جو کہ مکہ میں رہتے ہیں ایسا موثر اور دل نشیں بیان اور ایسے واضح اور روشن دلائل اور ایسے جامع احکام و ہدایات اور ایسا فصیح و بلیغ کلام اور ایسی صحیح اور عبرت خیز خبریں اور ایسی دلچسپ مثالیں اور ایسے بے شمار اور ان گنت فوائد و منافع اپنے اندر رکھنے والی کتاب کو پڑھ کر یا سن کر بھی ایمان نہیں لاتے اور اس پر یقین نہیں رکھتے ہیں درحالیکہ یہ کتاب

سب سے آخری کتاب ہے۔ اس کے بعد نہ کوئی کتاب آنے والی ہے اور نہ کوئی نئی شریعت، نہ کوئی نبوت و رسالت آئیگی بلکہ قیامت تک یہی شریعت اسلامیہ قائم اور یہی کتاب کریم محفوظ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو سید المرسلین اور خاتم النبیین ہیں آپ ہی کی نبوت و رسالت برقرار رہیگی جس کی صراحت اس کتاب مبین میں جابجا موجود ہے اور یہ کفار ہیں کہ اس پر وہ یقین رکھتے ہیں اور نہ اس پر ایمان لاتے تو اس کے بعد پھر وہ کس بات پر یقین لائیں گے؟ مطلب یہ کہ اس سے ہٹ کر وہ کسی بات پر یقین نہیں لاسکتے۔ کیونکہ کوئی کتاب جو ایسی خوبیاں رکھنے والی ہو، نہ اس سے پہلے تھی، نہ اس وقت ہے اور نہ آئندہ ہوسکتی ہے تو کفار کی ساری باتیں بے سروپا خلاف عقل ناقابل تسلیم ہوں گی۔ وہ لاکھ عذر تراشی کریں سب لغو اور آخرت میں ناقابل قبول ہونگی۔

والمرسلات کے ختم کا ادب حدیث شریف میں آیا ہے کہ قاری یعنی تلاوت کرنے والا جب اس آیۂ کریمہ پر پہنچے تو یوں کہے:۔ آمنّا باللہ۔ ہم نے اللہ سبحانہ کا یقین کیا اور اس پر ایمان لائے۔" یہ ادب سورۂ والمرسلات کی خارج نماز تلاوت کرنے سے متعلق ہے۔ یہ حکم عند الاحناف ہے اور ہمارے امام سیدنا امام احمد حنبل رض اور شوافع کے ہاں نماز میں بھی کہہ سکتے ہیں۔ گویا یہ خبائی حدیث کا جواب ہے۔

یہ ایسا جامع کلمہ ہے کہ ایمانیات اور اعتقادات سے متعلق سارے مسائل اس کے اندر سما جاتے ہیں۔ جب کوئی اللہ پر یقین کر لیا اور اس پر ایمان لایا تو اس کے ساتھ اس کی کتابوں اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں میں لکھے ہوئے تمام اخبار و احکام اور رسولوں کی دی ہوئی جملہ ہدایتیں سب کچھ داخل ہیں۔

سورۂ والمرسلات کی فضیلت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ریش مبارک میں سپیدی نمودار ہونے لگی اور اس کا یہ ظہور قبل از وقت ہی تھا تو صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا کیا بات ہے کہ حضور پر آثار پیری قبل از وقت نمایاں ہو رہے ہیں؟ تو ارشاد مبارک ہوا:۔ شیبتنی ھود والواقعۃ والمرسلات (حاکم بروایت صحیحہ عن ابن عباسؓ، ابن مردویہ عن سعید) مجھے سورۂ ہود، اور سورۂ واقعہ اور سورۂ والمرسلات نے بوڑھا بنا دیا" یعنی قیامت کی جو ہولناکیاں ان سورتوں میں بیان فرمائی گئی ہیں ان کے پڑھنے سے مجھ پر اتنا اثر ہوا کہ میں قبل از وقت بوڑھا دکھائی دینے لگا۔

سورۂ والمرسلات سورۂ دھر کا تکملہ ہے سورۂ ماقبل یعنی سورۂ دھر میں ابرار اخیار کا بیان تفصیل کے ساتھ اور اشرار فجار کا اجمالی طور پر ہوا تھا اس سورت شریفہ میں کفار فجار کا بیان تفصیلی اور متقین محسنین کا بیان اجمالی و

اختصار کے ساتھ ہوا ہے اس طرح ہر دو فریق کے بیان کی تکمیل فرمادی گئی اجمالاً بھی اور تفصیلاً بھی۔ اجمالی بیان اگر متن ہے تو تفصیل اس کی شرح ہے۔ یہاں اصول القرآن یفسر بعضہ بعضاً کارفرما ہے۔

خاتمہ الحمد للہ کہ سورۂ والمرسلات کی تفسیر ختم ہوئی اور اسی کے ساتھ انتیسویں جزو کی تفسیر بھی ختم ہو رہی ہے۔ آئندہ عم یتساءلون کی تفسیر شروع ہوگی ان شاء اللہ المستعان وعلیہ التکلان۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد حبیب رب العالمین کاشف کرب المکروبین وعلیٰ آلہ الطیبین الطاہرین واصحابہ الاکرمین اجمعین۔

۹ صفر المظفر ۱۳۷۹ھ روز شنبہ